بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

کی مشہور

تفسیر بیان القرآن

کی تسہیل اور اختصار بنام

# تفسیر فہم قرآن

(حصہ سوم)

سورۃ الکہف تا سورۃ یٰسٓ

تالیف


ڈاکٹر مفتی عبدالواحد

مفتی جامعہ مدنیہ [illegible] لاہور



مجلس نشریات قرآن

[illegible]

# سورۃ مائدہ

**ربط**: اوپر کی سورت کے ختم پر فرمایا تھا کہ ہم تمہیں احکامات بیان کرتے ہیں۔ اس سورت کے شروع میں اس بات کا حکم ہے کہ تم ہمارے ان بیان کردہ احکامات پر پوری طرح عمل کرو۔ خود اس سورت کے اجزاء میں انوکھا ربط یہ ہے کہ اس کی شروع کی آیت بمنزلہ متن کے ہے اور تمام سورت بمنزلہ اس کی شرح کے ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول خود لفظ عقود تمام احکامات کو شامل ہے اور اس سورت میں انہی احکامات کی تفصیل ہے۔ لہٰذا پہلے اجمالی اور کلی عنوان سے احکامات کی بجا آوری کا حکم فرماتے ہیں:

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۱۲۰ - رُكُوْعَاتُهَا ۱٦

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ

**ترجمہ**: اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو) جان لو کہ ایمان شرعی دو چیزوں کا نام ہے۔ (1) صحیح معرفت اور (2) تسلیم و انقیاد یعنی خدا اور رسول کے تمام ارشادات کو صحیح و صادق سمجھ کر تسلیم و قبول کے لئے اخلاص سے گردن جھکا دینا۔ تسلیم و انقیاد کے لحاظ سے ایمان درحقیقت تمام خدائی احکام و قوانین کو ماننے اور تمام حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد و اقرار ہے۔ اور خدائی احکام وقوانین کی تفصیل پورے قرآن و سنت میں بتائی گئی ہے۔ اس صورت میں ایمان کے دعویٰ کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ تمام خدائی احکام میں خواہ انکا تعلق براہ راست خدا سے ہو یا بندوں سے، جسمانی تربیت سے ہو یا روحانی اصلاح سے، دنیوی مفاد سے ہو یا اخروی فلاح سے، شخصی زندگی سے ہو یا حیات اجتماعی سے، صلح سے ہو یا جنگ سے، اسکا عہد کرتا ہے کہ ہر طریقے سے اپنے مالک کا وفادار رہے گا اور چونکہ ایمان کے ضمن میں بندہ کو حق تعالیٰ کے جلال و جبروت کی صحیح معرفت اور اس کے انصاف و انتقام کی شان اور وعدوں کی سچائی

کا پورا پورا یقین بھی حاصل ہو چکا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بدعہدی اور غداری کے ہلاکت خیز نتائج سے ڈر کر اپنے تمام عہدوں کو رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پورا کرے اور مالک حقیقی کی وفاداری میں کچھ فرق نہ آنے دے۔ لہٰذا اے ایمان والو تم اپنے ایمان کے تقاضے کے مطابق ایمان کے ضمن میں کئے گئے (اپنے) تمام (عہدوں کو پورا کرو) اور تمام احکام شرعیہ کو بجا لاؤ۔

**ربط:** کلی عنوان کے بعد اب احکامات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

پہلا حکم: چوپایوں کی حلت و حرمت

## أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ①

**ترجمہ:** حلال کئے گئے تمہارے لئے چوپائے جو مشابہ مویشیوں کے ہوں سوائے ان کے جو (یعنی جن کے حکم) آگے پڑھے جائیں گے تم پر اس حال میں کہ تم حلال نہ سمجھنے والے ہو شکار کو جب کہ تم احرام میں ہو۔ بے شک اللہ حکم کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

**تفسیر:** (تمہارے لئے تمام چوپائے جو) ان (انعام) یعنی اونٹ، بکری، گائے (کے مشابہ ہوں) جن کی حلت اس سے پہلے سورہ انعام میں جو کہ مکی سورت ہے معلوم ہو چکی ہے۔ لہٰذا ان کے مشابہ جتنے چوپائے ہیں سب (حلال کئے گئے ہیں) جیسے ہرن، نیل گائے وغیرہ کہ یہ درندے اور شکاری نہ ہونے میں اونٹ، بکری، گائے کے مشابہ ہیں سب چوپائے پالتو ہوں یا جنگلی ہوں حلال ہیں (مگر جن کا ذکر آگے) آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ الخ میں (آتا ہے) یا جن کی حرمت دوسری شرعی دلیل جیسے حدیث سے ثابت ہو چکی ہے مثلاً گدھا خچر وغیرہ کہ وہ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ میں داخل ہونے کے باوجود بھی حرام ہیں اور باقی تمہارے لئے حلال ہیں (لیکن) ان حلال میں سے بھی جو (شکار) ہیں ان (کو حلال مت سمجھنا جب کہ تم احرام میں ہو) مثلاً حج وعمرہ کا احرام باندھے ہو اگرچہ حرم سے باہر ہو، یا حرم کے اندر ہو اگرچہ احرام کے بغیر ہو کہ ان حالتوں میں خشکی کا شکار کرنا منع ہے (بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہیں حکم دیں) اور اسی میں مصلحت ہوتی ہے۔ پس جس جانور کو جس حالت میں چاہا حلال کر دیا اور جس حالت میں چاہا حرام کر دیا تم پر ہر حالت میں حکم پورا کرنا واجب ہے۔

**فائدہ:** 1- محرم کو صرف خشکی کے جانور کا شکار جائز نہیں، دریائی اور سمندری شکار کی اجازت ہے خواہ حرم ہی کے اندر ہو۔

2- محرم کو بھی اور حرم کے اندر موجود لوگوں کو بھی گائے، بھیڑ، بکری، اونٹ، مرغی وغیرہ کو ذبح کرنا جائز ہے۔

دوسرا حکم: شعائر اللہ کی بے تعظیمی کی حرمت

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو نہ حلال سمجھو اللہ کی نشانیوں کو اور نہ حرمت والے مہینہ کو اور نہ ہدی کو (یعنی اس جانور کو جو کعبہ کی طرف بھیجا گیا ہو) اور نہ جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ قصد کر (کے جا) نے والوں کو حرمت والے گھر کی طرف جو ڈھونڈتے ہیں اپنے رب سے فضل اور رضا مندی کو۔ اور جب (احرام سے) تم حلال ہو جاؤ تو شکار کر لو۔ اور نہ ابھارے تم کو اس قوم کی دشمنی کہ روکا جس نے تم کو مسجد حرام سے کہ تم زیادتی کرنے لگو۔ اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیز گاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ) کے دین (کی نشانیوں کی) یعنی جن چیزوں کے ادب کی حفاظت کے واسطے خدا تعالیٰ نے کچھ احکام مقرر کئے ہیں، ان احکام کے خلاف کر کے ان کی بے ادبی نہ کرو، مثلاً حرم اور احرام کا یہ ادب مقرر کیا ہے کہ اس میں شکار (نہ کرو تو شکار کرنا بے ادبی اور حرام ہوگا (اور نہ حرمت والے مہینے کی) بے ادبی کرو کہ اس میں کافروں سے لڑنے لگو (اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی) بے ادبی کرو کہ اس سے تعرض کرنے لگو (اور نہ ان جانوروں کی) بے ادبی کرو (جن کے گلے میں) اس نشانی کے لئے (پٹے پڑے ہوں) کہ یہ اللہ کی

نیاز ہیں حرم میں ذبح ہوں گے (اور نہ ان لوگوں کی) بے حرمتی کرو (جو کہ بیت الحرام) یعنی بیت اللہ (کے قصد سے جانے والے ہوں) اور (اپنے رب کے فضل اور رضا مندی کے طالب ہوں) یعنی ان چیزوں کے ادب کی وجہ سے کافروں کے ساتھ بھی تعرض مت کرو (اور) اوپر کی آیت میں جو احرام کے ادب کی وجہ سے شکار کو حرام فرمایا گیا ہے وہ احرام ہی تک ہے ورنہ (جس وقت تم احرام سے باہر آ جاؤ تو) اجازت ہے کہ (شکار کیا کرو) بشرطیکہ وہ شکار حرم میں نہ ہو (اور) جن چیزوں کے تعرض سے منع کیا گیا ہے اس میں (ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم سے جو اس سبب سے بغض رکھتے ہو کہ انہوں نے تم کو) حدیبیہ کے سال میں (مسجد حرام) میں جانے (سے روک دیا تھا) مراد کفار قریش ہیں (وہ) بغض (تمہارے لئے اس کا باعث ہو جائے کہ تم) شرع کی (حد سے نکل جاؤ) یعنی مذکورہ احکام کے خلاف کر بیٹھو، ایسا نہ کرنا (اور نیکی اور تقویٰ) کی باتوں (میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو) مثلاً یہی احکام ہیں کہ ان میں دوسروں کو بھی عمل کرنے کی ترغیب دو (اور گناہ اور زیادتی) کی باتوں (میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو) مثلاً یہی احکام ہیں اگر کوئی ان کے خلاف کرنے لگے تو تم اس کی اعانت مت کرو (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) کہ اس سے سب احکام کی پابندی سہل ہو جاتی ہے (بلاشبہ اللہ تعالیٰ) احکام کی مخالفت کرنے والے کو (سخت سزا دینے والے ہیں)۔

**فائدہ**: وَلَا الْهَدْيَ سے آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ تک یہ احکام اس وقت تھے جب کفار کو حج و عمرہ کے لئے جانے کی اجازت تھی۔ بعد میں یہ اجازت منسوخ ہو گئی۔

**ربط**: اوپر چوپایوں کی حلت کے ذکر میں بعض کا استثناء اجمالا کیا تھا۔ آگے اس اجمال کی تفصیل ہے۔

تیسرا حکم: جانوروں کی حرمت کے اسباب

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ
لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ
وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَ
مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ

**ترجمہ**: حرام کیا گیا ہے تم پر مردار اور لہو اور گوشت سؤر کا اور وہ کہ نام پکارا گیا ہو غیر اللہ کا اس پر اور وہ جانور (جو مر گیا ہو اس وجہ سے) کہ اس کا گلا گھٹ گیا ہو اور جس کو

چوٹ لگائی گئی ہو اور جو اونچے سے نیچے گر گیا ہو اور جس کو سینگ مارا گیا ہو اور جس کو کھایا ہو درندہ نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا اور (حرام کیا گیا ہے) جو ذبح کیا گیا ہو کسی تھان پر اور یہ کہ تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے یہ گناہ کا کام ہے۔

**تفسیر**: (تم پر) یہ چیزیں اور جانور (حرام کئے گئے ہیں مردار) جانور جو شرعی ذبح کے بغیر اپنی قدرتی موت سے مرجائے (اور خون) جو بہتا ہو (اور خنزیر کا گوشت) اسی طرح اس کے باقی سب اجزاء بھی کیونکہ سورہ انعام کی آیت میں مطلق خنزیر کو رِجْسٌ یعنی ناپاک کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خنزیر سارا کا سارا ہی ناپاک اور نجس ہے اور اسی پر امت کا اجماع بھی ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں **لاخلاف ان جملة الخنزير محرمة** خنزیر کے تمام اجزاء کے حرام ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ اور (جو جانور کہ) بقصد قربت (غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرجائے اور جو کسی ضرب سے مرجائے اور جو اونچے سے گر کر مر جائے) مثلاً پہاڑ سے یا کنوئیں میں (اور جو کسی کی ٹکر سے مرجائے اور جس کو کوئی درندہ) پکڑ کر (کھانے لگے) اور اس کے صدمہ سے مرجائے (لیکن) اَلْمُنْخَنِقَةُ سے مَا أَكَلَ السَّبُعُ تک جن کا ذکر ہے ان میں سے (جس کو تم) اس کا دم نکلنے سے پہلے شرعی قاعدہ کے مطابق (ذبح کر ڈالو) وہ اس حرمت سے مستثنیٰ ہے (اور) نیز (جو جانور) غیر اللہ کی (پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے) حرام ہے گو زبان سے غیر اللہ کے نامزد نہ کرے۔ کیونکہ حرمت کا مدار خبیث نیت پر ہے جس کا ظہور کبھی قول سے ہوتا ہے کہ نامزد کرے کبھی فعل سے ہوتا ہے کہ ایسے مقامات پر ذبح کرے (اور یہ) بھی حرام ہے (کہ) گوشت وغیرہ (قرعہ کے تیروں کے ذریعہ تقسیم کرو یہ سب گناہ) اور حرام (ہیں)۔

**فائدہ: 1-** زمانہ جاہلیت میں ایک رسم یہ تھی کہ چند آدمی پیسے ملا کر شرکت میں ایک اونٹ خریدتے اور اس کو ذبح کرتے لیکن اس کے گوشت کو جس میں ہر شریک کی اس کی رقم کی نسبت سے ملکیت ہوتی تھی اس تناسب سے تقسیم کرنے کے بجائے جوئے کے تیروں کے ذریعہ تقسیم کرتے تھے۔ اس غرض کے لئے دس تیر ہوتے تھے۔ ان میں سے سات پر کچھ لکیریں لگی ہوتی تھیں اور تین سادے ہوتے تھے اور یہ طے شدہ تھا کہ کس تیر کا کتنا حصہ ہوگا اور کس تیر پر کچھ نہ ملے گا۔ پھر ہر شریک کے نام پر تھیلے میں سے تیر نکالتے تھے اور تیروں کے طے شدہ حصوں کے مطابق شریکوں کو گوشت دیتے تھے یا محروم کرتے تھے۔ یہ چونکہ جوئے اور سود کی صورت تھی اس لئے اس سے منع فرما دیا۔

2- قرعہ جو شریعت میں ثابت ہے وہ اس صورت میں ہے جہاں قرعہ کے بغیر بھی اس پر باہم اتفاق جائز ہو جیسے دو آدمیوں میں برابر کا مشترک مکان نصف نصف تقسیم کر کے یہ جائز ہے کہ آپس کی

رضا مندی سے ایک شریک ایک طرف کا لے لے اور دوسرا دوسری طرف کا لے لے تو اس میں قرعہ بھی جائز ہے۔ اور یہ صورت کہ دو آدمی گوشت خریدنے کے لئے برابر برابر روپیہ دیں پھر آپس میں اتفاق کر لیں کہ ایک کو ایک تہائی گوشت دے دیا جائے اور دوسرے کو دو تہائی تو یہ حرام ہے اور سود ہے۔ لہذا یہ عمل اس صورت میں قرعہ سے بھی حرام ہوگا۔

**ربط**: احکام کے بیان کے درمیان میں انکی بجا آوری پر رغبت دلانے اور پختہ کرنے کے لئے اپنی عظیم الشان نعمت کو ذکر کیا کہ کافروں کو مغلوب کر دیا اور تمہاری دنیا و آخرت کی بھلائی کے واسطے دین کو مکمل کر دیا۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

**ترجمہ**: آج ناامید ہو گئے کافر تمہارے دین سے سومت ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے۔ آج پورا کر چکا ہوں میں تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کیا میں نے تم پر احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین کے طور پر۔

**تفسیر**: (آج کے دن) یعنی اب (ناامید ہو گئے کافر لوگ تمہارے دین) کے مغلوب ہو جانے (سے) کیونکہ ماشاء اللہ اسلام کا خوب پھیلاؤ ہو گیا (سو ان) کفار (سے مت ڈرنا) کہ تمہارے دین کو مٹا سکیں (اور مجھ سے ڈرتے رہنا) یعنی میرے احکام کی مخالفت مت کرنا (آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے) ہر طرح (کامل کر دیا) قوت میں بھی جس سے کفار کو مایوسی ہوئی اور احکام و قواعد میں بھی (اور) اس تکمیل سے (میں نے تم پر اپنا انعام پورا کر دیا) دینی انعام بھی کہ احکام کی تکمیل ہوئی اور دنیوی انعام بھی کہ قوت حاصل ہوئی اور تکمیل دین میں دونوں آ گئے (اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے) ہمیشہ کو (پسند کر لیا) یعنی قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا۔ اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین تجویز نہ کیا جائے گا۔ پس تم کو چاہئے کہ میری نعمت کا شکر کر کے اس دین پر پورے پورے قائم رہو)۔

چوتھا حکم: لاچاری میں حرام کھانے کی اجازت

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

**ترجمہ**: پھر جو کوئی لاچار ہو جائے بھوک میں اس حال میں کہ مائل نہ ہو گناہ کی طرف تو بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔

**تفسیر**: (پھر) مذکورہ بالا اشیاء کی حرمت معلوم ہونے کے بعد یہ بھی جان لو کہ (جو شخص شدت کی بھوک میں بیتاب ہو جائے) اور اس وجہ سے ان اشیاء کو کھالے (بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو) یعنی نہ قدر ضرورت سے زیادہ کھائے اور نہ لذت مقصود ہو جس کو سورہ بقرہ میں غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ سے تعبیر فرمایا (تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں) اگر قدر ضرورت کا اندازہ نہ ہوا اور ایک آدھ لقمہ زیادہ کھا لیا اور (رحمت والے ہیں) کہ ایسی حالت میں اجازت دے دی۔

## پانچواں حکم: بعض جانوروں کی حلت کے اسباب

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ بعض صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکاری کتے کے اور باز کے شکار کا حکم پوچھا تھا۔ اس کے جواب میں فرمایا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

**ترجمہ**: یہ پوچھتے ہیں تجھ سے کہ کیا چیز حلال کی گئی ہے ان کے لئے۔ کہہ دے حلال کئے گئے تمہارے لئے حلال جانور اور جو سدھاؤ تم شکاری جانور شکار پر دوڑانے کو کہ تم سکھاتے ہو ان کو اس میں سے جو سکھایا ہے تم کو اللہ نے۔ سو کھاؤ اس میں سے جو پکڑ رکھیں تمہارے واسطے اور لو نام اللہ کا اس پر۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بے شک اللہ جلد لینے والا ہے حساب۔

**تفسیر**: (لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ) کتے اور باز کے شکار کئے ہوئے جانوروں میں سے (کیا کیا جانور ان کے لئے حلال کئے گئے ہیں) یعنی جتنے حلال شکار ذبح سے حلال ہو جاتے ہیں کیا کتے اور باز کے شکار کرنے سے وہ سب حلال رہتے ہیں، اور اگر حلال رہتے ہیں تو کیا اس کے

لئے کچھ شرط بھی ہے (آپ) سوال کے پہلے جزء کے جواب میں (فرما دیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال جانور) جو شکار کی قسم میں سے پہلے سے حلال ہیں وہ سب کتے اور باز کے ذریعہ شکار کرنے سے بھی (حلال رکھے گئے ہیں) اور سوال کے دوسرے جزو کا جواب یہ ہے کہ کتے اور باز کے شکار کے حلال ہونے کے لئے کچھ شرائط ہیں وہ یہ کہ (جن شکاری جانوروں کو) مثلاً کتے، باز وغیرہ کو (تم تعلیم دو) یہ پہلی شرط ہے، (اورتم ان کو) شکار پر (چھوڑ و بھی) یہ دوسری شرط ہے کیونکہ تمہارے چھوڑے بغیر اگر وہ کسی جانور پر جھپٹ پڑے تو وہ جانور حلال نہیں (اور ان کو) تعلیم دینا جو پہلی شرط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے تو (اس طریقہ سے تعلیم دو جوتم کو اللہ نے) شریعت میں (سکھایا ہے) وہ طریقہ یہ ہے کہ کتے کو تو یہ تعلیم دی جائے کہ شکار پکڑ کر کھائے نہیں اور باز کو یہ تعلیم دی جائے کہ جب اس کو بلاؤ اگر چہ وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو فوراً واپس آجائے (تو ایسے تربیت یافتہ شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں اس کو کھا لو) یہ تیسری شرط ہے جس کی علامت طریقہ تعلیم میں بیان ہو چکی ہے، سو اگر کتا اس شکار کو کھانے لگے یا باز بلانے سے واپس نہ آئے تو سمجھا جائے گا کہ جب یہ جانور اس کے کہنے میں نہیں تو انہوں نے شکار بھی اس کے لئے نہیں پکڑا بلکہ خود اپنے لئے پکڑا ہے (اور) جب شکار پر اس شکاری جانور کو چھوڑنے لگو تو (اس) جانور (پر) یعنی اس کے چھوڑنے کے وقت (اللہ کا نام بھی لیا کرو) یعنی بسم اللہ پڑھ کر چھوڑ دو۔ یہ چوتھی شرط ہے۔ (اور) تمام امور میں (اللہ سے ڈرتے رہا کرو) مثلاً شکار میں ایسے منہمک مت ہو کہ نماز وغیرہ سے غفلت ہو جائے یا اتنی حرص مت کرو کہ حلت کی شرائط کے بغیر بھی اس جانور کو کھا جاؤ (بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں)۔

**فائدہ**: پانچویں شرط جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک معتبر ہے وہ یہ کہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے کہ خون بہنے لگے۔ اس کا پتہ لفظ جوَارِح سے ملتا ہے جس کا مادہ جرح ہے جس کا مطلب زخمی کرنا ہے۔

چھٹا حکم: کتابی کے ذبیحہ کی حلت

ساتواں حکم: کتابی عورت کی حلت

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ
مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

قَبۡلِكُمۡ اِذَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ مُحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ وَلَا مُتَّخِذِىۡۤ اَخۡدَانٍ‌ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝۵

**ترجمہ**: آج حلال کی گئیں تمہارے لئے سب پاکیزہ چیزیں۔ اور کھانا (یعنی ذبیحہ) اہل کتاب کا حلال ہے تمہارے لئے اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لئے اور (حلال کی گئیں تمہارے لئے) پاک دامن عورتیں مسلمان عورتوں میں سے اور پاک دامن عورتیں ان میں سے جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے جب تم دے دو ان کو مہر ان کے اس طرح سے کہ تم قید نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ مستی نکالنے والے ہو اور نہ بنانے والے ہو چھپے آشنا۔ اور جو انکار کرے ایمان کا تو ضائع ہوئی محنت اس کی اور وہ آخرت میں خسارے والوں میں سے ہے۔

**تفسیر**: (آج) تم پر جیسے ابدی دینی انعام ہوا کہ تکمیل دین سے نوازے گئے اسی طرح ایک معتد بہ دنیوی انعام بھی ہوا کہ (تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں) کہ اس سے پہلے حلال کر دی گئیں تھیں ہمیشہ کے لئے (حلال رکھی گئیں) کہ کبھی منسوخ نہ ہوں گی (اور جو لوگ) تم سے پہلے آسمانی (کتاب دیئے گئے ہیں) یعنی یہود و نصاریٰ (ان کا ذبیحہ) بھی (تم کو حلال ہے اور) اس کا حلال ہونا ایسا ہی یقینی ہے جیسا (تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے اور پارسا عورتیں بھی جو مسلمان ہوں) تم کو حلال ہیں (اور) جیسا مسلمان عورتوں کا حلال ہونا یقینی ہے اسی طرح (پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب) آسمانی (دیئے گئے ہیں) تم کو حلال ہیں (جب تم ان کو ان کا مہر دے دو) مہر دینا نکاح کے لئے گو شرط نہیں مگر واجب ہے اور مذکورہ عورتیں جو حلال کی گئی ہیں تو (اس طرح سے کہ تم) ان کو شریعت کے مطابق (بیوی بناؤ) یعنی نکاح میں لاؤ (نہ تو اعلانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو) یہ سب شرعی احکام ہیں جن پر ایمان لانا فرض ہے (اور جو شخص ایمان) لانے کی چیزوں (کے ساتھ کفر کرے گا) مثلاً حلال قطعی کی حلت کا یا حرام قطعی کی حرمت کا انکار کرے گا (تو) چونکہ یہ کفر ہے اس لئے (اس شخص کا) ہر نیک (عمل غارت) اور اکارت (جائے گا اور وہ شخص آخرت میں بالکل خسارہ والا ہو گا) پس حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام سمجھو۔

**فائدہ**: 1- کتابی کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اصل سے کتابی ہو مسلمان سے مرتد ہو کر عیسائی وغیرہ نہ بنا ہو۔ دوسرے یہ کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام بھی لے اور اس

کے سوا کسی اور کا نام نہ لے۔

2- ذبح اس کو کہتے ہیں کہ گلے کو آگے سے کاٹے اور خون کی دو شہہ رگوں اور کھانے و سانس کی دو نالیوں میں سے کم از کم تین ضرور کٹی ہوں۔

3- جو عیسائی مرد و عورت عقیدے کے اعتبار سے دہریے اور لادین ہوں اور محض برائے نام عیسائی ہوں انکا ذبیحہ حلال نہیں۔

4- آیت میں عورت کی پارسائی نکاح کے لئے شرط کے طور پر نہیں ہے اس لئے عورت اگر پارسا نہ ہو تب بھی نکاح حلال ہے لیکن مناسب نہیں۔

5- اس بات کا لحاظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس میں اپنی ذات کے اعتبار سے حرمت کی کوئی وجہ نہیں لیکن اگر خارجی اثرات اور حالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے انتفاع میں بہت سی خرابیوں بلکہ بہت سے حرام کاموں کا ارتکاب کرنا پڑے گا تو ایسے حلال سے انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ موجودہ زمانہ میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ مل کر کھانا پینا، بلا ضرورت اختلاط رکھنا، ان کی عورتوں کے جال میں پھنسنا یہ چیزیں جو خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں وہ مخفی نہیں اور چونکہ مردوں میں دینداری کا فقدان ہے اس لئے ایک بڑا اندیشہ یہ ہوتا ہے کہ پیدا ہونے والے بچے ماں کے مذہب کو اختیار کر کے مرتد بن جائیں۔ یہ اندیشہ بہت سے مواقع میں امر واقع بن چکا ہے۔

## آٹھواں حکم: وضو کی فرضیت

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى

الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

**ترجمہ**: اے ایمان والو جب تم اٹھو نماز کو تو دھولو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں کا اور (دھولو) اپنے پاؤں ٹخنوں تک۔

**تفسیر**: (اے ایمان والوں جب تم نماز کو اٹھنے لگو) یعنی نماز پڑھنے کا ارادہ کرو اور تم اس وقت وضو سے نہ ہو (تو) وضو کر لو یعنی (اپنے چہروں کو دھو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت) دھو (اور اپنے سروں پر) گیلا (ہاتھ پھیرو۔ اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت) دھو۔

**فائدہ**: قرآن پاک کا اسلوب یہ ہے کہ جہاں کہیں مسح کا لفظ استعمال کیا وہ "ب" کے حرف کے ساتھ کیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے اور اگلی تیمم والی آیت میں ہے اور سورت ص میں ہے

فَطَفِقَ مَسْحاً بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ (تو لگا جھاڑنے یعنی پونچھنے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں) اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:۔

1- اَرْجُلَكُمْ پر ب کا حرف موجود نہیں ہے اور چونکہ اَرْجُلَكُمْ کے لام پر نصب یعنی زبر ہے اس لئے اس کو رُؤُسِكُمْ پر عطف کر کے ب کے تحت بھی نہیں مان سکتے جیسا کہ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ میں اور اگلی آیت فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ میں مانا گیا ہے لہٰذا اَرْجُلَكُمْ کا لفظ اِمْسَحُوْا کا مفعول نہیں ہو سکتا بلکہ اِغْسِلُوْا کا مفعول ہو گا اور اس کا صرف یہی مطلب بن سکتا ہے کہ اپنے پیروں کو دھولو یہ نہیں کہ اپنے پیروں کا مسح کرلو جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں۔

2- اس مقام پر یہ ذکر نہیں کہ سر پر سوکھا ہاتھ پھیرنا ہے یا گیلا کر کے پھیرنا ہے کیونکہ تیمّم کی آیت میں تصریح ہے کہ مسح کرتے ہوئے مٹی کو ہاتھ لگانا ہے تر ہاتھ نہیں پھیرنا اور سورت ص کی آیت مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ میں تر ہاتھ سے جھاڑنا مراد نہیں ہے۔ اسی طرح یہ معلوم نہیں کہ مسح کی فرض مقدار کتنی ہے؟ اس لئے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو دیکھا جائے گا تاکہ آپ کا عمل اس اجمال کا بیان بن سکے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے کبھی چوتھائی سر کی مقدار سے کم سر کا مسح نہیں کیا لہٰذا اتنی مقدار کا مسح کرنا فرض ہے اور مسح بھی گیلے ہاتھوں سے کرنا ہے۔

## نواں حکم: غسل کی فرضیت

## وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ

**ترجمہ**: اور اگر تم ہو جنبی تو خوب اچھی طرح پاک ہو جاؤ۔

**تفسیر**: (اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو) نماز سے پہلے منہ بھر کر کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے سمیت (سارا بدن پاک کرلو)۔

**فائدہ**: ترجمہ میں کہا کہ خوب اچھی طرح پاک ہو جاؤ جس کا مطلب یہ ہوا کہ بدن کے جس حصہ تک کسی ضرر کے بغیر پانی پہنچایا جا سکتا ہے وہاں تک پہنچانا ضروری ہے۔ اسی لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ضروری ہے۔

## دسواں حکم: تیمّم کی مشروعیت

## وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا

طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ

**ترجمہ**: اور اگر تم ہو بیمار یا (ہو) سفر میں یا آیا کوئی تم میں سے جائے ضرورت سے یا قربت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو پاک مٹی کا اور مل لو اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر اس سے۔

**تفسیر**: (اور اگر تم بیمار ہو) اور پانی کا استعمال مضر ہو (یا حالت سفر میں ہو) اور پانی نہیں ملتا جیسا آگے آتا ہے، یہ تو عذر کی حالت ہوئی (یا) اگر مرض و سفر کا عذر بھی نہ ہو بلکہ ویسے ہی وضو یا غسل ٹوٹ جائے اس طرح سے کہ مثلاً (تم میں سے کوئی شخص) پیشاب (یا) پاخانہ کے (استنجے سے) فارغ ہو کر (آیا ہو) جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے (یا تم نے بیویوں سے قربت کی ہو) جس سے غسل ٹوٹ جاتا ہے اور (پھر) ان ساری صورتوں میں (تم کو پانی) کے استعمال کا موقع (نہ ملے) خواہ ضرر کے سبب سے یا پانی نہ ملنے کے سبب سے (تو) ان سب حالتوں میں (تم پاک مٹی سے تیمّم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو اس مٹی) کی جنس مثلاً پتھر، اینٹ، مٹی کے گھڑے (پر سے) ہاتھ مار کر۔

**فائدہ**: تیمّم کا مضمون سورہ نساء میں بھی گزر چکا ہے۔ یہاں دوبارہ شاید اس لئے ذکر ہے کہ طہارت کی تمام اقسام یعنی وضو، غسل اور تیمّم سب ایک جگہ جمع ہو جائیں اور یہ بھی ایک قسم کا احسان ہو جائے تاکہ آئندہ جو احسان شمار کرائیں وہ دلوں میں خوب اچھی طرح بیٹھ جائیں۔

**ربط**: اوپر ذکر کئے گئے احکام میں بندوں کی سہولت ملحوظ ہے۔ آگے اس رعایت پر احسان بتاتے ہیں اور شکر کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦

**ترجمہ**: نہیں چاہتا اللہ کہ کرے تم پر کوئی تنگی اور لیکن چاہتا ہے کہ پاک کرے تم کو اور پورا کرے اپنا احسان تم پر تاکہ تم شکر کرو۔

**تفسیر**: (اللہ تعالیٰ کو) ان احکام کے مقرر فرمانے سے (یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں) بلکہ یہ منظور ہے کہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے، چنانچہ مذکورہ احکام میں خصوصاً اور تمام شرعی احکام میں عموماً سہولت و مصلحت کی رعایت کرنا ظاہر ہے (لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک صاف رکھے)

اس لئے طہارت کے قواعد اور طریقے مقرر کئے اور کسی ایک طریقے پر بس نہیں کیا گیا کہ اگر وہ نہ ہو تو طہارت ممکن ہی نہ ہو مثلاً اگر یہ رکھا جاتا کہ طہارت صرف پانی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے تو پانی نہ ہونے کے وقت طہارت حاصل نہ ہو سکتی۔ پھر یہ تو بدنی طہارت ہے جو طہارت کے خاص احکام سے حاصل ہوتی ہے اور ایک طہارت دلوں کی طہارت ہے جو تمام طاعات پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہاں آیت میں تطہیر دونوں کو شامل ہے۔ اور اگر یہ احکام نہ ہوتے تو کوئی طہارت حاصل نہ ہوتی۔ (اور یہ) منظور ہے (کہ تم پر اپنا انعام پورا فرما دے) اس لئے احکام کی تکمیل فرمائی تاکہ ہر حال میں بدنی و قلبی طہارت جس کا ثمرہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت یعنی اس کی رضا و قرب ہے اس کو حاصل کر سکو (تاکہ تم) اس عنایت کا (شکر ادا کرو) اور اللہ کے حکموں کو پورا کرو۔

**ربط:** اوپر متعدد احکام کا مشروع ہونا اور ان کا نعمت ہونا بیان فرمایا تھا آگے چند طریقوں سے ان کی بجا آوری کی تاکید فرماتے ہیں۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

**ترجمہ:** اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر اور عہد اس کا وہ جو معاہدہ کیا تھا اس نے تم سے اس کا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے دلوں کی بات کو۔

**تفسیر:** اور تم لوگ (اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو) جس میں بڑا انعام یہ ہے کہ تمہاری فلاح کے طریقے تمہارے لئے مقرر کئے (اور اس کے اس عہد کو بھی) یاد کرو (جس کا اس نے تم سے معاہدہ کیا ہے جب کہ تم نے) اس کا التزام بھی کر لیا تھا کہ عہد لینے کے وقت تم نے (کہا تھا کہ ہم نے) ان احکام کو (سنا اور مان لیا) کیونکہ اسلام لانے کے وقت ہر شخص اسی مضمون کا عہد کرتا ہے (اور اللہ تعالیٰ) کی مخالفت (سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کی پوری خبر رکھتے ہیں) اس لئے جو کام کرو اس میں اخلاص و اعتقاد بھی ہونا چاہئے صرف منافقانہ امتثال کافی نہیں۔ مطلب یہ کہ ان احکام میں اول تو تمہارا ہی نفع ہے پھر تم نے اپنے اوپر ان کو لازم بھی کیا ہے۔ پھر مخالفت میں ضرر بھی ہے۔ ان وجوہ سے امتثال ہی ضروری ہوا اور وہ بھی دل سے ہونا چاہئے ورنہ تو عدم امتثال کے

برابر ہی ہوگا۔

گیارہواں حکم: عدل اور اظہار حق واجب ہے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸

**ترجمہ**: اے ایمان والو رہو پابندی کرنے والے اللہ کے واسطے، گواہی دینے والے انصاف کی، اور ہرگز نہ ابھارے تم کو کسی قوم کی دشمنی اس پر کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو۔ یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ کے اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بے شک اللہ خوب باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو اللہ تعالیٰ) کی خوشنودی (کے لئے) احکام کی (پوری پابندی کرنے والے) اور شہادت کی نوبت آئے تو (انصاف کی شہادت ادا کرنے والے رہو، اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس پر نہ ابھارے کہ تم) اس کے معاملات میں (عدل نہ کرو) بلکہ ہر معاملہ میں ضرور (عدل کیا کرو) کیونکہ (وہ) یعنی عدل کرنا (تقویٰ کے زیادہ قریب ہے) یعنی عدل سے آدمی تقوی کے ساتھ موصوف کہلاتا ہے (اور) تقویٰ کرنا تم پر فرض ہے، چنانچہ حکم ہوا ہے کہ (اللہ تعالیٰ) کی مخالفت (سے ڈرو) یہی ڈرنا تقویٰ کی حقیقت ہے۔ اور چونکہ فرض تقوی عدل کرنے سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا عدل بھی فرض ہوگا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے) لہٰذا احکام کی مخالفت کرنے والوں کو سزا ہو جائے تو بعید نہیں۔

**فائدہ**: ایسی آیت پانچویں پارے کے ختم کے قریب بھی آ چکی ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ بے انصافی کی وجہ دو چیزیں ہوتی ہیں یا تو ایک فریق کی رعایت یا ایک فریق کی عداوت۔ وہاں پہلا سبب مذکور تھا یہاں دوسرے سبب کا ذکر ہے چنانچہ وہاں یہ الفاظ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ تم انصاف پر خوب قائم رہنے والے رہو اگر چہ اپنی ہی ذات کے خلاف ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ اور یہاں عداوت کی وجہ ہونے پر لفظ شَنَاٰن صاف دلیل ہے۔

**ربط**: احکام ذکر کرنے کے بعد اب بجا آوری کرنے والوں کو وعدہ اور خلاف کرنے والوں کو

وعید سناتے ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٩﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١٠﴾

**ترجمہ**: وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک کہ ان کے واسطے ہے بخشش اور ثواب بڑا۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہ ہیں دوزخ والے۔

**تفسیر**: (اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وعدہ کیا ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور ثواب عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھوٹا بتایا ایسے لوگ دوزخ) میں رہنے (والے ہیں)۔

**فائدہ**: اس آیت میں تو پوری مخالفت کرنے والوں یعنی کافروں کا حال ہے اور جو تھوڑا خلاف کرنے والے ہیں یعنی جو فاسق مومن ہیں تو ان کا حال دوسری آیتوں میں مذکور ہے۔

**ربط**: تین چار آیتیں اوپر شرعی احکام کا نعمت ہونا بیان کر کے بجا آوری کی تاکید کی تھی۔ وہ ایک دینی نعمت تھی اب ایک دنیوی نعمت یاد دلا کر اطاعت کی دوبارہ تاکید کرتے ہیں کیونکہ نعمت کا خیال منعم کی اطاعت کا محرک ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو یاد رکھو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب قصد کیا کچھ لوگوں نے کہ دراز کریں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو روک دیئے (اللہ نے) ان کے ہاتھ تم سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ ہی پر چاہئے کہ بھروسہ کریں ایمان والے۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے، جب ایک قوم والے) یعنی کفار قریش ابتدائے اسلام میں جب کہ مسلمان ضعیف تھے (اس فکر میں تھے کہ تم پر) اس طرح (دست درازی کریں) کہ تمہارا خاتمہ ہی کر دیں (سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر) اس قدر (نہ چلنے دیا) اور آخر میں تم کو غالب کر دیا۔ پس اس نعمت کو یاد کرو (اور) احکام کے امتثال میں (اللہ تعالیٰ

سے ڈرو) کہ اس نعمت کا یہ شکریہ ہے (اور) آئندہ بھی (اہل ایمان کو حق تعالیٰ ہی پر اعتماد رکھنا چاہئے) جس نے پہلے تمہارے سب کام بنائے ہیں اور آئندہ بھی آخرت تک امید رکھو اِتَّقُوا اللّٰہَ میں خوف دلایا اور توکل کے حکم میں امید، اور یہی دونوں باتیں امتثال میں مددگار ہوتی ہیں۔

**فائدہ**: 1- اور ''قابو'' میں ''اس قدر'' کی قید لگانے کی وجہ یہ ہے کہ کچھ کچھ مضرتیں تو کفار سے پہنچ ہی جاتی ہیں۔

2- شروع سورت سے یہاں تک اکثر آیتوں میں حق تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم فرمایا ایک جگہ لفظ خشیت سے اور باقی جگہ لفظ اِتَّقُوْا سے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرفت کے ڈر و خوف کو امتثال احکام میں بہت دخل ہے۔

**ربط**: اوپر چند احکام ذکر ہوئے۔ آگے امتثال کے زیادہ اہتمام کے لئے بنی اسرائیل سے معاہدہ لینے کی اور عہد شکنی سے جو وبال اور ضرر ان کو پہنچا اس کو بیان کرتے ہیں تاکہ اطاعت کی ترغیب ہو اور معصیت سے ڈر ہو۔

بنی اسرائیل سے لیا گیا عہد

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

**ترجمہ**: اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل کا اور مقرر کئے ہم نے ان میں بارہ سردار اور کہا اللہ نے بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر قائم رکھو گے تم نماز اور دیتے رہو گے تم زکوٰۃ اور یقین لاؤ گے تم میرے رسولوں پر اور مدد کرو گے تم ان کی اور قرض دو گے تم اللہ کو قرض اچھی طرح کا تو میں ضرور دور کر دوں گا تم سے گناہ تمہارے اور میں ضرور داخل کر دوں گا تم کو باغوں میں کہ بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔ پھر جو کوئی کافر ہوا اس کے بعد تم میں سے تو وہ بیشک گمراہ ہوا سیدھے راستے سے۔

**تفسیر**: (اور اللہ تعالیٰ نے) حضرت موسیٰؑ کے واسطے سے (بنی اسرائیل سے) بھی (عہد لیا تھا) جس کا بیان عنقریب آتا ہے (اور) ان عہدوں کی تاکید کے لئے (ہم نے ان میں سے) ان کے قبیلوں کے عدد کے موافق (بارہ سردار مقرر کئے) کہ ہر ہر قبیلہ پر ایک ایک سردار رہے جو اپنے ماتحتوں پر ہمیشہ ایفائے عہد کی تاکید رکھے (اور) عہد کی مزید تاکید کے لئے ان سے (اللہ تعالیٰ نے یوں) بھی (فرمادیا کہ میں تمہارے پاس ہوں) تمہارے برے بھلے کی سب مجھ کو خبر رہے گی، مطلب یہ ہے کہ عہد لیا پھر اس کی تاکید در تاکید فرمائی۔ اور اس عہد کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ (اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر) جو آئندہ بھی نئے نئے آتے رہیں گے (ایمان لاتے رہو گے اور) دشمنوں کے مقابلہ میں (ان کی مدد کرتے رہو گے اور) زکوٰۃ کے علاوہ دیگر مصارف خیر میں بھی صرف کر کے (اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر) یعنی اخلاص کے ساتھ (قرض دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کر دوں گا اور ضرور تم کو) بہشت کے (ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے) محلات کے (نیچے کو نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اس) عہد و پیمان لینے (کے بعد بھی کفر کرے گا تو وہ بے شک راہ راست سے دور جا پڑا۔)

**فائدہ**: مصارف خیر میں صرف کرنے کو مجازاً اس لئے قرض کہا کہ جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ ضرور دیں گے۔ اور یہاں اس شخص کا حال بیان نہیں فرمایا جو کفر تو نہ کرے لیکن اعمال کی پوری پابندی بھی نہ کرے اور اکثر جگہ قرآن میں بھی عادت ہے کہ اطاعت میں جو کامل ہو اور مخالفت میں جو کامل ہو زیادہ ذکر ان ہی کا ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ طرفین کے حال سے درمیان والوں کا حال عقلمند قیاس سے معلوم کر لیتے ہیں کہ نہ ان کی ایسی جزا ہوگی نہ ایسی سزا ہوگی۔ پھر حدیثوں میں پوری تفصیل معلوم ہوگئی۔ اور چونکہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت انبیاء آنے والے تھے اس لئے ''آمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ'' کو عہد میں خاص طور پر ذکر فرمایا:

### بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور اس پر سزا

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

**ترجمہ**: سو بسبب ان کے توڑنے کے اپنے عہد کو لعنت کی ہم نے ان پر اور کر دیا

ہم نے ان کے دلوں کو سخت۔ وہ پھیرتے ہیں کلام کو اس کے مواقع سے اور انہوں نے بھلا دیا ایک بڑے حصے کو اس میں سے نصیحت کئے گئے تھے وہ جس کی۔ اور تو ہمیشہ مطلع ہوتا رہتا ہے ان کی کسی خیانت پر مگر تھوڑے لوگ ان میں سے سو معاف کر ان کو اور درگزر کر (ان سے) بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں کو۔

**تفسیر**: لیکن بنی اسرائیل نے مذکورہ عہد کو توڑ ڈالا اور توڑنے کے بعد طرح طرح کی سزاؤں جیسے مسخ اور ذلت وغیرہ میں گرفتار ہوئے۔ پس یہ جو ان کو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانیوں سے دوری ہوئی (تو صرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت) کے آثار (سے دور کر دیا) اور یہی حقیقت ہے لعنت کی (اور) اسی لعنت کا اثر یہ ہے کہ (ہم نے ان کے قلوب کو سخت کر دیا) کہ حق بات کا ان پر اثر ہی نہیں ہوتا۔ اور اس سخت دلی کی وجہ سے (وہ لوگ) یعنی ان کے علماء کلام الٰہی یعنی توریت (کو اس کے) الفاظ یا مطلب کے (مواقع سے بدلتے ہیں) اور تحریف لفظی یا تحریف معنوی کرتے ہیں (اور) اس تحریف کا نقصان یہ ہوا کہ (وہ لوگ جو کچھ ان کو) توریت میں (نصیحت کی گئی تھی اس میں سے) اپنے نفع کا (ایک بڑا حصہ) جو کہ ان کو عمل کرنے سے نصیب ہوتا (فوت کر بیٹھے) کیونکہ ان کی تحریف زیادہ تر رسالت محمدیہ ﷺ سے متعلق مضامین میں ہوتی تھی جو کہ ایمانیات سے ہے اور ظاہر ہے کہ ایمان سے زیادہ بڑا حصہ کیا ہوگا۔ غرض عہد شکنی پر لعنت مرتب ہوئی اور لعنت پر قساوت قلبی وغیرہ اور قساوت پر تحریف اور تحریف پر توریت کے ایک بڑے حصہ سے محرومی۔ (اور) پھر یہ بھی تو نہیں کہ جتنا کر چکے اس پر بس کریں بلکہ حالت یہ ہے کہ (آپ کو آئے دن) یعنی ہمیشہ دین کے باب میں (کسی نہ کسی) نئی (خیانت کی اطلاع ہوتی رہتی ہے جو ان سے صادر ہوتی رہتی ہے سوائے ان کے گنتی کے چند شخصوں کے) جو کہ مسلمان ہو گئے تھے (سو آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے) یعنی جب تک شرعی ضرورت نہ ہو ان کی خیانتوں کا اظہار اور ان کو فضیحت نہ کیجئے۔ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوش معاملہ لوگوں سے محبت کرتا ہے) اور بلا ضرورت فضیحت نہ کرنا خوش معاملگی ہے۔

**فائدہ**: نئی خیانت یہ کہ ایک بار مثلاً تورات میں موجود رجم کے حکم کو چھپا لیا۔ ایک بار حضور ﷺ کے دریافت فرمانے پر تورات کا ایک مضمون غلط بیان کر دیا۔

**ربط**: اوپر یہود کا حال ذکر تھا آگے نصاریٰ کا کچھ حال بیان فرماتے ہیں۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا

مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهٖ ۚ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١٤﴾

**ترجمہ:** اور ان لوگوں سے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں لیا ہم نے عہد ان کا پھر بھلا دیا انہوں نے ایک بڑا حصہ اس سے نصیحت کئے گئے تھے وہ جس کی۔ پھر ڈال دی ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک اور عنقریب خبر دے گا ان کو اللہ جو کچھ وہ کرتے تھے۔

**تفسیر:** نصاریٰ کا لفظی ترجمہ چونکہ مددگار کا ہے اور نصاری دین حق کے مددگار ہونے کے دعویدار تھے تو فرمایا: (اور جو لوگ) دین کے مددگار ہونے کے دعوے سے (کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی ان کا عہد) یہود کے عہد کی طرح (لیا تھا، تو وہ بھی جو کچھ ان کو) انجیل وغیرہ میں (نصیحت کی گئی تھی اس میں سے اپنا ایک بڑا حصہ) نفع کا جو کہ ان کو عمل کرنے سے نصیب ہوتا (فوت کر بیٹھے) کیونکہ وہ بات جس کو وہ فوت کر بیٹھے توحید ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ایمان ہے جس کا حکم ان کو بھی ہوا تھا اور اس کا بڑا حصہ ہونا ظاہر ہے۔ جب وہ توحید کو اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان کو چھوڑ بیٹھے (تو ہم نے ان میں باہم قیامت تک کے لئے بغض وعداوت ڈال دیا)۔ یہ تو دنیوی عقوبت ہوئی۔ (اور عنقریب) آخرت میں کہ وہ بھی قریب ہی ہے، (ان کو اللہ تعالیٰ ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے) پھر سزا دیں گے۔

**فائدہ:** جب نصاری میں وحی الٰہی کی اصل روشنی نہ رہی تو وہ اوہام واہواء کی تاریکیوں میں ایک دوسرے سے الجھنے کے باعث بیسیوں فرقوں میں بٹ گئے لیکن ان میں اصل اور بنیادی تین فرقے ہوئے۔ ایک نسطوریہ جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے، دوسرا یعقوبیہ جو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد مانتے تھے، تیسرا ملکائیہ جو عیسیٰ علیہ السلام کو تین خداؤں میں کا ایک جزو مانتے تھے۔ یہ فرقہ بندی ترک توحید کی وجہ سے ہوئی تھی اور ظاہر ہے کہ عقائد میں اتنے بڑے اختلاف کے ساتھ سخت باہمی عداوت ضروری ہے۔ بلاشبہ آج کے مسلمانوں میں بھی بے حد مذہبی اختلاف اور تصادم موجود ہے لیکن چونکہ ہمارے پاس وحی الٰہی اور قانون سماوی بلا کم وکاست محفوظ ہے اس لئے اختلافات کی موجودگی میں بھی مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت ہمیشہ حق وصداقت پر قائم رہی ہے اور رہے گی۔ نصاری کا معاملہ اس سے مختلف ہے کہ ان کا کوئی بھی فرقہ اور جماعت نہ حق پر ہے اور نہ کبھی ہو سکے گی۔

رہے وہ عیسائی جو اپنے عقائد ہی کے پابند نہ ہوں اور ان کو اہمیت نہ دیتے ہوں وہ بحث سے ہی خارج ہیں اور قرآن میں ان کا ذکر ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ایسے لوگوں میں اتفاق واتحاد ہو جائے تو اس کو اعتراض کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔ پس آج کل کے عیسائی جو واقع میں عیسائی ہی نہیں بلکہ اپنے دین سے عموماً لاتعلق ہیں ان کے اتفاق واتحاد پر شبہ نہیں کیا جاسکتا البتہ مذہبی لوگوں میں مذہبی عداوت اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اور نصاریٰ کی دنیوی سلطنتوں میں بھی اکثر تو اختلاف ونزاع ہی چلتا رہتا ہے، پچھلی دو عالمگیر جنگوں میں بھی اصل فریق دونوں ہی عیسائی تھے۔

**ربط**: یہود ونصاریٰ کے الگ الگ ذکر کے بعد اب دونوں کو جمع کر کے ان کو نصیحت کرتے ہیں۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ
رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ
وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾
يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

**ترجمہ**: اے اہل کتاب تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا، ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں ان میں سے جن کو تم چھپاتے تھے کتاب میں سے اور درگزر کرتا ہے بہت سی چیزوں سے۔ بیشک آئی ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی، بتاتا ہے جس سے اللہ اس کو جو تابع ہوا اس کی رضا کا سلامتی کی راہیں اور نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف اپنے حکم سے اور چلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر۔

**تفسیر**: (اے اہل کتاب) یعنی یہود ونصاریٰ (تمہارے پاس ہمارے یہ رسول) محمد ﷺ (آئے ہیں) جن کے علمی کمال کا تو یہ حال ہے کہ تمہاری (کتاب) الٰہی کے مضامین (میں سے جن چیزوں کو تم چھپا لیتے ہو، ان میں سے بہت سی باتوں کو) جن کے اظہار میں کوئی شرعی مصلحت ہو علوم کی ظاہری تحصیل نہ کرنے کے باوجود محض وحی کے ذریعہ سے واقف ہو کر (تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں، اور) جن کی خوش اخلاقی کا یہ عالم ہے کہ جن چیزوں کو تم نے چھپا لیا تھا ان میں سے (بہت سے امور کو) جاننے اور باخبر ہونے کے باوجود اخلاقاً ان کے اظہار سے (درگزر فرماتے

ہیں) جب کہ ان کے اظہار میں کوئی شرعی مصلحت تو نہ ہو صرف تمہاری رسوائی ہی ہوتی ہو۔ اور علمی کمال دلیل نبوت ہے اور اخلاقی کمال اس کی تائید کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے دوسرے معجزات کے علاوہ خود تمہارے ساتھ آپ کا یہ برتاؤ آپ کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور اسی رسول کے ذریعہ (تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور) وہ (ایک کتاب واضح) یعنی قرآن مجید ہے کہ نبی ﷺ کی نبوت کی دلیل ہونے کے علاوہ اس کے ذاتی اوصاف یہ ہیں (کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں) یعنی جنت میں جانے کے طریقے جو خاص عقائد و اعمال ہیں (بتاتے ہیں) کیونکہ درحقیقت مکمل سلامتی تو جنت ہی میں ہوسکتی ہے کہ نہ اس میں کوئی کمی ہوتی ہے اور نہ زوال کا خطرہ (اور ان کو) اپنی توفیق سے کفر و معصیت کی (تاریکیوں سے نکال کر) ایمان و طاعت کے (نور کی طرف لے آتے ہیں۔ اور ان کو) ہمیشہ (راہ راست پر قائم رکھتے ہیں)۔

**فائدہ**: قرآن پاک کے ذریعہ سلامتی کی راہیں بتانا تو سب کے لئے عام ہے۔ لیکن یہاں رضائے حق کے طالبوں کی تخصیص اس وجہ سے کی گئی کہ اس سے نفع تو وہی لوگ اٹھاتے ہیں۔

**ربط**: یہود و نصاریٰ کی عہد شکنی کے اجمالی ذکر کے بعد آگے اس کی تفصیل کے طور پر ان کی کچھ قباحتیں ذکر کرتے ہیں۔

### نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں الوہیت کا دعویٰ

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٧

**ترجمہ**: بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مسیح بن مریم ہے تو کہہ دے پھر کون طاقت رکھتا ہے اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی اگر وہ چاہے کہ ہلاک کرے مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جتنے لوگ ہیں زمین میں سب کو۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور

اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

**تفسیر**: (بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین عیسیٰ مسیح بن مریم ہے) یعنی دونوں میں اتحاد کے قائل ہیں۔ چونکہ اس میں توحید کا انکار ہے اس لئے اس کا کفر ہونا بالکل واضح ہے (آپ) اس قول کے بطلان کو ثابت کرنے کے لئے ان سے یوں پوچھئے اگر ایسا ہے تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم) جن کو تم اللہ کا عین سمجھتے ہو (اور ان کی والدہ) حضرت مریم (کو اور جتنے زمین میں آباد ہیں، ان سب کو) موت سے (ہلاک کرنا چاہیں) تو کیا (کوئی شخص ایسا ہے کہ جو خدا تعالیٰ سے ذرا بھی ان کو بچا سکے) یعنی اتنی بات کو تو تم بھی مانتے ہو کہ ان کو ہلاک کرنا اللہ کی قدرت میں ہے، تو جس ذات کا ہلاک کرنا دوسرے کے قبضہ میں ہو وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے۔ اس سے الوہیت مسیح کا عقیدہ باطل ہو گیا۔ (اور) جو حقیقت میں خدا اور سب کا معبود ہے یعنی (اللہ تعالیٰ) اس کی یہ شان ہے کہ اس (ہی کے لئے خاص ہے حکومت آسمانوں پر اور زمین پر اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان) موجود (ہیں ان پر اور وہ جس چیز کو) جس طرح (چاہیں پیدا کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے)۔ اور یہ صفات کمال الوہیت کے خواص میں سے ہیں لہٰذا حق تعالیٰ کی الوہیت ثابت ہے اور مسیح علیہ السلام کی الوہیت منفی ہے۔ اس مجموعہ سے توحید ثابت ہوئی۔

**فائدہ**: 1- یہاں اگر چہ نصاریٰ کے دعوے کی تردید ہے لیکن جو دلیل قائم کی گئی ہے وہ ہر منکر توحید کے مقابلہ میں چل سکتی ہے۔ اس لئے یہ جواب تمام منکرین توحید کو ہے۔

2- حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر غالباً اس وجہ سے کیا گیا کہ بعض نصاریٰ انکو بھی الوہیت کے اجزاء ثلاثہ میں سے ایک جزو مانتے تھے۔ لہٰذا ان کے ذکر سے ان نصاریٰ کے دعوے کا رد بھی ہو گیا۔

3- حضرت مریم علیہا السلام کی تو وفات ہو چکی تھی پھر بھی اس کو فرض کرنا اس غرض سے ہے کہ دیکھو اس مضمون کا ایک نمونہ ہم تم کو دکھاتے ہیں کہ ہم حضرت مریم پر موت کو مسلط کر چکے ہیں اس طرح باقی لوگوں پر بھی مسلط کر سکتے ہیں۔

کفر و معصیت کے باوجود یہود و نصاریٰ کا اپنے آپ کو محبوب خدا کہنا

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ
اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ
بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

**ترجمہ**: اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم ہیں بیٹے اللہ کے اور اس کے پیارے ہیں۔ تو کہہ پھر کیوں عذاب دے گا تم کو بسبب تمہارے گناہوں کے۔ (کوئی نہیں) بلکہ تم بھی آدمی ہو ان میں سے جن کو (اللہ نے) پیدا کیا بخشے گا جس کو چاہے گا اور عذاب دے گا جس کو چاہے گا اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ دونوں کے بیچ میں ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

**تفسیر**: (اور یہود و نصاری) دونوں فریق (دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں) یعنی اولاد اور محبوبوں کی طرح مقبول ہیں۔ ان کا اس بات سے یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو اس وجہ سے کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں دوسرے لوگوں کی بنسبت اگر چہ وہ ہمارے ہم مذہب ہی کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ زیادہ خصوصیت ہے کہ وہ ہم سے ہماری نافرمانی کے باوجود اوروں کے برابر ناراض نہیں ہوتے جیسے باپ کے ساتھ اولاد کو خصوصیت ہوتی ہے کہ اگر وہ نافرمانی بھی کرے تب بھی اس کے قلب پر وہ اثر نہیں ہوتا جیسا کوئی غیر آدمی اسی باپ کی نافرمانی کرے اس کا اثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا رد فرماتے ہیں کہ (آپ) ان سے (یہ پوچھئے کہ اچھا تو پھر تم کو تمہارے گناہوں کے عوض) آخرت میں (عذاب کیوں دیں گے) جس کے تم بھی قائل ہو جیسا کہ یہود کا قول تھا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً یعنی اگر ہمیں جہنم کا عذاب ہوا بھی تو چند روز ہی ہوگا۔ اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کا قول قرآن میں مذکور ہے اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ یعنی جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتے ہیں اور نصاری چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرامین کو اپنے لئے لازم مانتے ہیں لہٰذا یہ گویا خود ان کا اپنا ہی اقرار ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کا جب تمہیں خود بھی اقرار ہے تو یہ بتاؤ کہ کیا کوئی باپ اپنے بیٹے یا محبوب کو عذاب بھی دیا کرتا ہے؟ اس لئے اپنے آپ کو خدا کی اولاد کہنا باطل ہے۔ یہاں یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ بعض اوقات باپ بھی اپنی اولاد کی اصلاح و تربیت کے لئے تادیباً سزا دیتا ہے تو سزا ہونا بیٹا ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ باپ کی سزا تادیب کے لئے ہوتی ہے تا کہ وہ آئندہ ایسا کام نہ کرے جب کہ آخرت میں تادیب کا کوئی مقام نہیں کیونکہ وہ دار العمل نہیں دار الجزا ہے۔ وہاں آگے کوئی کام کرنے، یا کسی کام سے روکنے کا کوئی احتمال نہیں جس کو تادیب کہا جائے، اس لئے وہاں جو سزا ہوگی وہ خالص سزا اور عذاب ہی ہو سکتی ہے جو اولاد یا محبوب ہونے کے قطعاً منافی ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ تمہاری کوئی خصوصیت اللہ کے یہاں نہیں (بلکہ تم بھی منجملہ دوسری مخلوق کے ایک معمولی آدمی ہو۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے بخشیں گے جس کو چاہیں گے سزا دیں گے اور اللہ ہی کی

ہے سب حکومت آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان میں بھی اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے) اس کے سوا کوئی پناہ نہیں۔

**فائدہ**: آج کل کے جاہل پیرزادوں کا بھی یہی حال ہے کہ خواہ اپنے عمل کیسے ہی ہوں لیکن محض اولاد ہونے کی نسبت کی وجہ سے یہ گھمنڈ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک قسم کی ذاتی خصوصیت حاصل ہوگئی ہے جو گناہوں سے بھی ختم نہیں ہوتی اور ہم خواہ کیسے ہی ہوں اس نسبت کی وجہ سے سیدھے جنت میں جائیں گے۔

**ربط**: یہود و نصاریٰ کی غلطی کو ثابت کر کے آگے دونوں کو مخاطب بنا کر اتمام حجت اور قطع عذر کی خاطر رسالت محمدیہ کا اظہار فرماتے ہیں۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

**ترجمہ**: اے اہل کتاب آ چکا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا، صاف صاف بیان کرتا ہے تم پر رسولوں کے انقطاع کے بعد کبھی تم کہنے لگو کہ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ ہی ڈرانے والا سو آ چکا تمہارے پاس خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

**تفسیر**: (اے اہل کتاب تمہارے پاس یہ ہمارے رسول) محمد ﷺ (آ پہنچے جو کہ تم کو) شریعت کی باتیں (صاف صاف بتاتے ہیں ایسے وقت میں کہ رسولوں) کے آنے (کا سلسلہ) مدت سے (موقوف تھا) اور سابق شریعتیں مفقود اور گم ہو چکی تھیں اور انبیاء کا سلسلہ عرصہ دراز تک بند رہنے سے ان گم شدہ شریعتوں کے دوبارہ دریافت ہونے کا امکان بھی نہ رہا تھا۔ اس لئے اب کسی رسول کے آنے کی شدید ضرورت تھی تو ایسے وقت آپ کے تشریف لانے کو بڑی نعمت اور غنیمت سمجھنا چاہئے (تا کہ تم) قیامت میں (یوں نہ کہنے لگو کہ) دین کے معاملہ میں غلطی اور کوتاہی میں ہم اس لئے معذور ہیں کہ (ہمارے پاس) کوئی رسول جو کہ (بشیر اور نذیر) ہو جس سے ہم کو دین کا صحیح علم ہوتا اور عمل پر ابھار پیدا ہوتا (نہیں آیا تو لو) اب اس عذر کی گنجائش نہیں رہی کیونکہ (تمہارے پاس بشیر و نذیر) یعنی محمد ﷺ (آ چکے ہیں) اب نہ مانو تو اپنے انجام کو خود سمجھ لو (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں) کہ جب چاہیں رحمت سے اپنے انبیاء بھیج دیں جب چاہیں حکمت سے ان کو روک لیں اس لئے

کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ یہ فیصلہ دے کہ جب مدت دراز سے انبیاء کا سلسلہ بند ہے تو اب کوئی رسول نہیں آ سکتا کیونکہ یہ سلسلہ ایک مدت تک موقوف رکھنا حق تعالیٰ کی حکمت سے تھا، اس نے سلسلہ نبوت بند اور ختم کر دینے کا کوئی اعلان اس وقت تک نہیں کیا تھا، بلکہ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ یہ خبریں بھی دیدی تھیں کہ آخر زمانے میں ایک خاص رسول خاص شان اور خاص صفات کے ساتھ آنے والے ہیں جن پر نبوت کا اختتام ہوگا۔ اس اعلان کے مطابق خاتم الانبیاء ﷺ تشریف لائے۔

**فائدہ: 1-** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور حضور ﷺ کے درمیان جو زمانہ ہے وہ فترت کا زمانہ کہلاتا ہے۔ امام بخاری نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ زمانہ چھ سو سال کا ہے اور اس درمیان میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوئے۔

2- سوال: اہل کتاب کے پاس زمانہ فترت میں بھی توریت و انجیل موجود تھی اور وہی ان کی شریعت تھی پھر ان کے اس کہنے کا کیونکر احتمال ہوسکتا ہے کہ مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ (ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔

جواب: یہ بات ثابت ہے کہ اصلی توریت و انجیل رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل گم ہو چکی تھیں اور اس وقت جس کا نام توریت و انجیل تھا وہ جھوٹی سچی روایتوں کا مجموعہ تھا۔ دنیا میں تو ان کے عالم نہیں مانتے لیکن آخرت میں تو کھل جاتا کہ اب ان کتابوں میں اصل شریعت نہیں رہی تھی۔ تو اگر رسول اللہ ﷺ کی بعثت نہ ہوتی تو ہوسکتا تھا کہ وہ قیامت کے دن اپنی محرومی دیکھ کر یہ کہہ سکتے کہ ہمیں تو تحریف شدہ شریعت اور کتابیں ملیں اور کسی بشیر اور نذیر یعنی کسی نبی نے آ کر ہمیں حقیقت حال سے باخبر ہی نہیں کیا۔

## 3- یہود کا فرض جہاد سے انکار

یہ قصہ اس طرح ہوا کہ فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل اس کی سلطنت اور املاک پر قابض ہو گئے تو اب اللہ کی طرف سے ان کو حکم ہوا کہ اپنا آبائی وطن ملک شام جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اول ہجرت فرما کر سکونت اختیار کی تھی اور وہاں عمالقہ کی حکومت تھی عمالقہ سے جہاد کر کے اس کو فتح کریں۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ جہاد کے ارادہ سے ملک شام کی طرف چلے۔ جب قریب پہنچے تو بارہ سرداروں کو جن کا کچھ پہلے ذکر ہو چکا ہے تحقیق حال کے لئے جاسوسی کے طور پر بھیجا۔ عمالقہ نہایت تنومند اور زور آور دکھائی دیئے۔ سب سرداروں نے باہم معاہدہ کیا کہ عمالقہ کی اس بات کو لشکر میں بیان نہ کریں گے مگر سوائے دو کے یعنی یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا

کے باقی سرداروں نے واپس آ کر لوگوں کو ڈرا دیا جس سے لشکر نے ہمت ہار دی اور مصر کو واپسی کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا اور جو کچھ انہوں نے جواب دیا وہ پورا قصہ ذکر کیا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٠﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

**ترجمہ:** اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے میری قوم تم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب بنائے تم میں بہت سے نبی اور بنایا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو جو نہیں دیا تھا کسی کو جہان والوں میں سے۔ اے میری قوم تم داخل ہو جاؤ مقدس زمین میں جو مقرر کر دی ہے اللہ نے تمہارے واسطے اور نہ لوٹ جاؤ اپنی پیٹھ کی طرف کہ پلٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے۔ وہ بولے

اے موسیٰ بے شک اس میں ہے ایک قوم زبردست اور ہم ہرگز نہ داخل ہوں گے اس میں یہاں تک کہ وہ (دشمن) نکل جائیں اس میں سے۔ پھر اگر وہ نکل جائیں اس میں سے تو ہم ضرور داخل ہونگے۔ کہا دو مردوں نے (جو) ان لوگوں میں سے (تھے) جو ڈرتے تھے کہ نوازش کی تھی اللہ نے ان دو پر کہ تم گھس جاؤ ان پر حملہ کر کے دروازہ میں۔ پھر جب گھس جاؤ گے تم اس (دروازہ) میں تو تم ہی غالب ہو گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم یقین رکھتے ہو۔ وہ بولے اے موسیٰ ہم ہرگز نہ داخل ہوں گے اس میں کبھی بھی جب تک وہ رہیں گے اس میں سو جا تو اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ کہا (موسیٰ نے) اے رب میرے بے شک میں اختیار نہیں رکھتا مگر اپنی جان کا اور اپنے بھائی کا، سو تو جدائی کر دے ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان۔ (اللہ نے) فرمایا تو وہ زمین حرام (کر دی گئی) ہے ان پر چالیس برس تک سر مارتے پھریں گے زمین میں سو تو افسوس نہ کرنا فرمان لوگوں پر۔

**تفسیر**: (اور وہ وقت بھی ذکر کے قابل ہے جب موسیٰ) علیہ السلام (نے اپنی قوم) یعنی بنی اسرائیل (کو) جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے تمہید کے طور پر (فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو کہ تم پر ہوا ہے، یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں بہت سے پیغمبر بنائے) جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اور کسی قوم میں پیغمبروں کا ہونا ان کا دنیوی اور دینی شرف ہے۔ یہ تو معنوی نعمت دی (اور) حسی نعمت یہ دی کہ (تم کو ملک والا بنایا) چنانچہ فرعون کے ملک پر تم قابض ہو چکے ہو (اور تم کو) بعض بعض (وہ چیزیں دی ہیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں) جیسا تم کو دریا میں راستہ دیا اور تمہارے دشمن کو عجیب طریقے سے غرق کیا جس کے بعد تم کو ایک دم سے انتہائی ذلت و زحمت سے نکال کر انتہائی رفعت اور راحت میں پہنچا دیا۔ اس تمہید کے بعد پھر اصلی مقصود کے ساتھ ان کو خطاب فرمایا کہ (اے میری قوم) ان نعمتوں اور احسانوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم کو جو اس جہاد کے متعلق حکم خداوندی ہوا ہے اس پر آمادہ ہو اور (اس مقدس ملک) یعنی شام کے دارالحکومت (میں) جہاں یہ عمالقہ حکمران ہیں جہاد کے ارادہ سے (داخل ہو کہ اللہ تعالیٰ نے) بشرط جہاد (تمہارے حصہ میں لکھ دیا ہے) اس لئے قصد کرتے ہی فتح ہو گی (اور پیچھے) وطن کی طرف (واپس مت چلو کہ پھر بالکل خسارہ میں پڑ جاؤ گے) دنیا میں بھی کہ سلطنت کی توسیع سے محروم رہو گے اور آخرت میں بھی کہ فریضہ جہاد کے ترک سے گنہگار رہو گے۔ (کہنے لگے اے موسیٰ وہاں تو بڑے بڑے زبردست آدمی) رہتے (ہیں۔ اور ہم تو وہاں ہرگز قدم نہ رکھیں گے جب تک کہ وہ) کسی طرح (وہاں سے نہ نکل جائیں ہاں اگر وہ وہاں سے

کہیں اور چلے جائیں تو ہم بے شک جانے کو تیار ہیں)۔ موسیٰ علیہ السلام کی بات کی تائید کے لئے (ان دو شخصوں نے) بھی (جو کہ) اللہ سے (ڈرنے والوں) یعنی متقیوں (میں سے تھے) اور (جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تھا) کہ اپنے عہد پر ثابت رہے تھے، ان کم ہمتوں کو سمجھانے کے طور پر (کہا کہ تم ان پر) چڑھائی کر کے اس شہر کے (دروازہ تک تو چلو سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اسی وقت غالب آجاؤ گے) مطلب یہ ہے کہ جلدی فتح ہو جائے گا، خواہ دشمن رعب سے بھاگ جائیں یا تھوڑا ہی مقابلہ کرنا پڑے (اور اللہ پر نظر رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو) یعنی تم ان کی تنومندی پر نظر مت کرو۔ مگر ان لوگوں پر اس فہمائش کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا بلکہ ان دو بزرگوں کو تو انہوں نے قابل خطاب بھی نہ سمجھا اور موسیٰ علیہ السلام سے بھی نہایت لا ابالی پن اور گستاخی کے ساتھ (کہنے لگے کہ اے موسیٰ ہم تو) ایک بات کہہ چکے ہیں کہ ہم (ہرگز کبھی بھی وہاں قدم نہ رکھیں گے جب تک کہ وہ لوگ وہاں موجود ہیں۔ اور اگر ایسا ہی لڑنا ضروری ہے (تو آپ اور آپ کے اللہ میاں چلے جائیے اور دونوں) جا کر (لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں۔ موسیٰ) علیہ السلام نہایت زچ اور پریشان ہوئے اور تنگ آکر (دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار میں) کیا کروں ان پر کچھ بس نہیں چلتا (صرف اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر) البتہ پورا (اختیار رکھتا ہوں تو آپ ہم دونوں) بھائیوں (کے اور اس نافرمان قوم کے درمیان) مناسب (فیصلہ فرما دیجئے) یعنی جس کی حالت کا جو تقاضا ہو وہ ہر ایک کے لئے تجویز فرما دیجئے (ارشاد ہوا) بہتر (تو) ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ (یہ ملک چالیس برس تک ان کے ہاتھ نہ لگے گا) اور گھر جانا بھی نصیب نہ ہوگا راستہ ہی نہ ملے گا (یوں ہی) چالیس برس تک (زمین میں سر مارتے پھریں گے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فیصلہ سنا جس کا وہم وگمان نہ تھا کیونکہ خیال یہ تھا کہ کوئی معمولی تنبیہ ہو جائے گی تو طبعی طور پر غمگین ہوئے۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ جب ان سرکشوں کے لئے ہم نے یہ تجویز کیا تو یہی مناسب ہے (سو آپ اس نافرمان قوم) کی اس حالت زار (پر) ذرا (غم نہ کیجئے)۔

**فائدہ**: بنی اسرائیل چالیس برس تک زمین کے ایک محدود حصہ میں حیران پریشان پھرتے رہے حتی کہ قوم کے سب بڑے اسی میدان تیہ میں ہی وفات پا گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی اسی میدان میں وفات پائی۔ اس مدت میں لوگوں کی جو اولاد پیدا ہوئی اس نے نئے مقرر ہونے والے نبی حضرت یوشع بن نون کی سرکردگی میں جہاد کیا اور فتح نصیب ہوئی۔

سوال نمبر 1 ۔ جب اس میدان تیہ میں رہنا سزا کے طور پر تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور

حضرت ہارون علیہ السلام اس میں کیوں رکھے گئے خصوصاً جب کہ انہوں نے اللہ سے دعا بھی کی تھی کہ ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان تفریق کر دیجئے۔

جواب: اصل سزا تو دل کی تنگی اور پریشانی کی ہوتی ہے اور یہ بنی اسرائیل کے ساتھ خاص تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اس سے محفوظ تھے۔ ان حضرات کا وہاں رہنا قوم کی ہدایت واصلاح کے لئے تھا جو کہ انکا منصبی کام بھی تھا اور اسی میں ان کی راحت کا سامان بھی تھا۔ جیسے دوزخ کے اندر دوزخیوں کا ہونا سزا کے طور پر ہوتا ہے اور عذاب کے فرشتوں کا ہونا منصب اور کام کی وجہ سے ہوتا ہے انکا دل وہاں تنگ نہیں ہوتا۔

سوال نمبر 2: یہ بات عقل سے بعید ہے کہ دن میں سورج اور رات کو ستارے یہ آسمانی علامتیں ہوں اور خود زمین پر درخت اور پہاڑ وغیرہ زمینی علامتیں موجود ہوں اور پھر بھی بنی اسرائیل نکلنے کی راہ نہ پا سکیں۔ اگر کسی ستارہ ہی کی سیدھ باندھ کر چلتے کبھی نہ کبھی نکل ہی جاتے۔

جواب: علامتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے بھی دماغی صلاحیت چاہئے اور ان کی وہی صلاحیت قہر خداوندی سے ماؤف ہو گئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی تائید اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اس بارے میں ان کو حاصل نہ رہی تھی۔

سوال نمبر 3: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا میں صرف اپنے اور اپنے بھائی کا استثناء کیا حالانکہ دو سردار یعنی یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا بھی ان کے تابع فرمان تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان پر بھی اختیار حاصل تھا۔

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا تنگدلی میں کی تھی اور تنگدلی کے وقت الفاظ بھی تنگ اور مختصر نکلتے ہیں لیکن چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر انہوں نے تابع فرمان ہونے کے اعتبار سے کیا تھا اس لئے از روئے دلالت تابع فرمان ہونے کی وجہ سے وہ دونوں حضرات بھی دعا میں شامل تھے۔

سوال نمبر 4: كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کے جو لوگ مخاطب تھے ان کو تو وہ ملک نہیں ملا اس سے خیال ہوتا ہے کہ وعدہ پورا نہ ہوا۔

جواب: اگر لَكُمْ میں مخاطب خاص اشخاص تھے یعنی جو اس وقت موجود تھے تب تو كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ مشروط تھا جہاد کے ساتھ۔ جب جہاد کی شرط پوری نہ کی تو علاقہ بھی نہ ملا۔ اور اگر لَكُمْ سے مراد قوم ہے تو ان کی اولاد بھی قوم میں شامل ہے۔ ان کی اولاد کو وہ ملک مل گیا لہٰذا وعدہ پورا نہ ہونے کا خیال کسی صورت میں درست نہیں۔

سوال نمبر 5: بنی اسرائیل کا یہ کہنا اذْهَبْ أَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا (آپ اور آپ کا رب جا کر لڑیئے) کیا یہ کفر نہیں؟

جواب: اگر ظاہری معنی مراد ہوں یعنی خدا بھی جا کر لڑے تب تو یہ کفر کی بات ہے اور اگر ان کی مراد یہ ہو کہ آپ لڑیئے اور اللہ آپ کی مدد کرے اور اس کو جانے سے تعبیر کیا تو یہ کفر نہیں البتہ حکم کی مخالفت ظاہر ہے۔ جو بھی ان کی مراد ہو گی بہر حال انہوں نے توبہ بھی کی ہو گی اگر چہ وہ مذکور نہیں ہے۔

## بارہویں حکم کی تمہید: ناحق قتل کی قباحت و شناعت

**ربط**: آگے بارہواں حکم کسی کو ناحق قتل کرنے کی حرمت کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے اس کی قباحت و شناعت کو ذہن نشین کرانے کے لئے بطور تمہید ناحق قتل کے سب سے پہلے قصہ کو ذکر کرتے ہیں۔ اس میں یہود پر بھی تعریض ہے کہ تم جہاد میں لڑنے اور اللہ کے دشمنوں کو قتل کرنے میں تو پس و پیش کرتے ہو لیکن متقی و مقبول بندوں کو قتل کرنے میں مستعد رہتے ہو۔ پہلے بھی کتنے نبیوں کو قتل کیا اور آج بھی خدا کے سب سے بڑے پیغمبر کے خلاف بغض و حسد کی وجہ سے منصوبے بناتے ہو۔

قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں جو لڑکا پیدا ہوتا اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی پیدا ہوتی۔ اسی طرح دوسرے بطن میں بھی ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوتی اور ایک حمل کا لڑکا دوسرے حمل کی لڑکی سے اور دوسرے حمل کا لڑکا پہلے حمل کی لڑکی سے بیاہ دیا جاتا کیونکہ آدم علیہ السلام کی شریعت میں یہی حکم تھا۔ اسی سلسلہ میں دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام ہابیل رکھا دوسرے کا نام قابیل اور دونوں کے ساتھ ایک ایک لڑکی پیدا ہوئی اور حسب معمول ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن سے اور قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن سے تجویز ہوا۔ قابیل کی بہن زیادہ حسین تھی قابیل اس کا طلبگار ہوا۔ حضرت آدم السلام نے سمجھایا مگر اس نے نہ مانا۔ آخر آدم علیہ السلام نے جھگڑا چکانے کے لئے یہ فیصلہ فرمایا کہ تم دونوں اللہ تعالیٰ کے نام کی کچھ نیاز دو۔ جس کی قبول ہو وہ عورت اس کو ملے گی۔ قابیل کے لئے وہ عورت حلال ہی نہ تھی حضرت آدم علیہ السلام نے یہ فیصلہ اس کو حلال بتانے کے لئے نہیں دیا تھا بلکہ صرف قابیل کی بحث و تکرار کو ختم کرنے کے لئے دیا تھا اور آپ کو یقین تھا کہ ہابیل حق پر ہے اور اسی کی نیاز قبول ہو گی۔ غرض دونوں نے اپنی نیاز پیش کی۔ اس زمانہ کی قبولیت کی علامت کے مطابق آسمان سے ایک آگ آئی اور ہابیل کی نیاز کو کھا گئی۔ جب قابیل اس فیصلہ میں بھی ہارا تو ہابیل کی جان کے در پے ہوا یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا لیکن یہ سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی لاش کو کیسے

چھپاؤں تا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پتہ نہ چلے۔ اس وقت ایک کوے کے ذریعے اس کو دفن کا طریقہ بتایا گیا۔

## وَاتْلُ عَلَيْهِمْ

نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا
وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ
اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ
اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِیَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّیْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ
اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ
قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ
غُرَابًا يَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ
قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ
سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

**ترجمہ**: اور تو پڑھ ان پر خبر آدم کے دو بیٹوں کی واقعیت کے ساتھ۔ جب نیاز دی دونوں نے کچھ نیاز تو قبول کی گئی ان میں سے ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے۔ کہا (دوسرے نے) میں ضرور قتل کروں گا تجھ کو۔ (پہلا) بولا محض قبول کرتا ہے اللہ پرہیزگاروں سے، اگر تو دراز کرے گا میری طرف اپنا ہاتھ تا کہ تو قتل کرے مجھ کو میں نہیں دراز کرنے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تا کہ میں قتل کروں تجھ کو۔ بلاشبہ میں ڈرتا ہوں اللہ سے (جو) پروردگار (ہے) سب جہان کا۔ میں چاہتا ہوں کہ تو پلٹے میرے گناہ کے ساتھ اور اپنے گناہ کے ساتھ پھر ہو جائے تو دوزخ والوں میں سے اور یہی ہے سزا ظالموں کی۔ پھر راضی کیا اس (دوسرے) کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر پھر قتل کر ڈالا اس کو سو ہو گیا نقصان اٹھانے والوں میں سے۔ پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کریدتا تھا زمین کو تا کہ اس کو دکھلائے کس

طرح چھپائے لاش اپنے بھائی کی۔ بولا اے افسوس کیا میں عاجز ہوا (اس سے) کہ ہوں برابر اس کوے کے کہ میں چھپاؤں لاش اپنے بھائی کی پھر ہوگیا پچھتانے والوں میں سے۔

**تفسیر**: اور اے محمد ﷺ (آپ ان اہل کتاب کو) حضرت (آدم) علیہ السلام (کے دو بیٹوں کا) یعنی ہابیل و قابیل کا (قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنائیے) تاکہ ان کو اپنے اعمال کی قباحت محسوس ہو اور وہ قصہ اس وقت ہوا تھا (جب کہ دونوں نے) اللہ تعالیٰ کے نام کی (ایک ایک نیاز پیش کی اور ان میں سے ایک کی) یعنی ہابیل کی (تو مقبول ہوگئی اور دوسرے کی) یعنی قابیل کی (مقبول نہ ہوئی) کیونکہ جس معاملہ کے فیصلہ کے لئے یہ نیاز چڑھائی گئی تھی اس میں ہابیل حق پر تھا اس لئے اس کی نیاز قبول ہوگئی، اور قابیل حق پر نہ تھا اس کی قبول نہ ہوئی اور اس طرح سے ہابیل کے حق پر ہونے کا فیصلہ ہوا جب (وہ دوسرا) یعنی قابیل اس میں بھی ہارا تو جھلا کر (کہنے لگا کہ میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا، اس نے) یعنی ہابیل نے (جواب دیا) کہ تیرا ہارنا تو تیری ہی ناحق پرستی کی وجہ سے ہے میری کیا خطا، کیونکہ (خدا تعالیٰ متقیوں کا ہی عمل قبول کرتے ہیں) میں نے تو تقویٰ اختیار کیا اور خدا کے حکم پر رہا، خدائے تعالیٰ نے میری نیاز قبول کی، تو نے تقویٰ چھوڑ دیا اور خدا کے حکم سے منہ موڑا تیری نیاز قبول نہیں کی، سو اس میں تیری خطا ہے یا میری؟ انصاف تو کر، لیکن اگر پھر بھی تیرا یہی ارادہ ہے تو تو جان، میں نے تو پختہ قصد کرلیا ہے کہ (اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لئے دست درازی کرے گا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لئے ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں) کیونکہ (میں تو خدائے پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں) کہ باوجودیکہ تجھے قتل کرنے کے جواز کا بظاہر ایک سبب موجود ہے، یعنی یہ کہ تو مجھ کو قتل کرنا چاہتا ہے، مگر اس وجہ سے کہ یہ جواز اب تک کسی صریح حکم الٰہی سے مجھے ثابت نہیں ہوا اس لئے اس کے ارتکاب کو احتیاط کے خلاف سمجھتا ہوں اور اس شبہ کی وجہ سے خدا سے ڈرتا ہوں اور یہ تیری ہی ہمت ہے کہ اس کے باوجود کہ مجھے قتل کرنے کا تیرے پاس کوئی جواز نہیں بلکہ مانع موجود ہے لیکن پھر بھی تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ (میں یوں چاہتا ہوں کہ) مجھ سے کوئی گناہ کا کام نہ ہو گو تو مجھ پر کتنا ہی ظلم کیوں نہ کرے جس سے کہ (تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر رکھ لے، پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جائے اور یہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی۔ سو) ویسے تو قابیل پہلے ہی سے قتل کا ارادہ کر چکا تھا یہ جو سنا کہ ہابیل مدافعت بھی نہ کرے گا، تو بجائے اس کے کہ نرم ہو جاتا مزید بے فکر ہو کر اور بھی (اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا) پھر (آخر اس کو قتل ہی کر ڈالا جس سے) کمبخت (بڑے نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہوگیا) دنیا میں تو یہ نقصان کہ اپنا

بھائی جو اپنا قوت بازو اور راحت روح تھا اس کو گم کر بیٹھا، اور آخرت میں یہ نقصان کہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔ جب قتل سے فارغ ہوا تو اب حیران ہے کہ لاش کو کیا کروں جس سے یہ راز پوشیدہ رہے اور اب تک کسی کی وفات نہ ہوئی تھی کہ دفن کا طریقہ معلوم ہوتا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو (پھر) آخر (اللہ تعالیٰ نے ایک کوا) وہاں (بھیجا کہ وہ) چونچ اور پنجوں سے (زمین کو کھودتا تھا) اور کھود کر ایک دوسرے کوے کو کہ وہ مرا ہوا تھا اس گڑھے میں ڈھکیل کر اس پر مٹی ڈالتا تھا (تا کہ وہ) کوا (اس) قابیل (کو تعلیم کر دے کہ اپنے بھائی) ہابیل (کی لاش کو کس طریقہ سے چھپائے)۔ قابیل یہ واقعہ دیکھ کر اپنے جی میں بڑا ذلیل ہوا کہ مجھ کو کوے کے برابر بھی فہم نہیں اور انتہائی حسرت سے (کہنے لگا کہ افسوس میری حالت پر کیا میں اس سے بھی گیا گذرا کہ اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا سو) اس بدحالی پر (بڑا شرمندہ ہوا)۔

**فائدہ**: منقول ہے کہ اس کے بعد قابیل کی عقل مسخ ہو گئی اور وہ مخبوط الحواس ہو گیا اور اسی پریشانی و بدحواسی میں مر گیا۔ یہ حالت بھی خسران دنیا کی ہے اور خسران آخرت کی ایک اور صورت حدیث میں مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت تک جتنے بھی ناحق قتل ہوتے ہیں قاتل کے برابر اس کا گناہ اس (قابیل) کے نامہ اعمال میں بھی اس کے بانی قتل ہونے کی وجہ سے لکھا جاتا ہے (بخاری و مسلم)

2: ہابیل کے قول کہ "میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں" اس میں جو بات بتائی گئی ہے اس کے متعلق اسلامی شریعت میں یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص مثلاً خالد زید کو قتل کرنا چاہے اور زید قوی قرائن سے سمجھے کہ میں خود خالد کو قتل کئے بغیر بچ نہیں سکتا تو زید کے لئے خالد کو قتل کرنا جائز ہے اور اگر مدافعت میں زید مارا جائے تو وہ شہید ہوگا اور اگر زید بالکل مدافعت نہ کرے اور مارا جائے تو یہ بھی جائز ہے بلکہ ابوداؤد اور ترمذی میں موجود حدیث کی رو سے اس کا افضل ہونا ثابت ہے۔ البتہ جہاں انتقام و مدافعت میں اسلامی مصلحت و ضرورت ہو وہاں مدافعت و انتقام واجب ہے جیسے کافروں اور باغیوں سے لڑائی کرنا اور حدود و قصاص جاری کرنا۔

3- ہابیل نے جو یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کا عمل قبول کرتے ہیں اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ہابیل نے اپنے آپ کو متقیوں میں شمار کیا ہے حالانکہ اپنے آپ کو اچھا کہنے کی ممانعت آئی ہے فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ اپنے آپ کو پاکیزہ نہ کہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہابیل کا یہ کہنا فخر کے طور پر نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے بیان کے

طور پر تھا اور وہ بھی اس ضرورت سے کہ نیاز کی قبولیت کا سبب بتانا مقصود تھا۔

4- ہابیل کا یہ کہنا کہ میرا گناہ بھی تیرے ہی اوپر رہے تو اس کی وجہ حدیث میں وارد یہ مضمون ہے کہ قیامت کے دن مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے کہ ظالم کا عذاب سخت اور مظلوم کا ہلکا ہو جائے۔

5- آخر میں جو قابیل کی ندامت مذکور ہے یہ ندامت قتل پر نہیں تا کہ توبہ کا شبہ ہو بلکہ قتل کے بعد جو اپنے نقصانات دیکھے مثلاً نعش کے دفن ہونے میں حیران ہونا اور کوے کی تعلیم کا محتاج ہونا اور بدحواس ہونا اور آدم علیہ السلام کا ناراض ہونا ان پر نادم ہوا۔ اور اگر قتل ہی پر ندامت ہوتب بھی توبہ کا شبہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ندامت توبہ نہیں ہوتی بلکہ وہ ندامت جس کے بعد معذرت اور تدارک کی فکر ہو اور آئندہ نہ کرنے کا عزم ہو وہ توبہ ہوتی ہے جب کہ قابیل کی ندامت میں ایسی کوئی بات نہ ہوئی اس کی ندامت محض طبعی تھی جو عقلی تقاضے سے تھی دین وشریعت کا اس میں کچھ دخل نہ تھا۔

بارہواں حکم: قتل ناحق کی حرمت

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ
كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ
اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا
فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ
ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲

**ترجمہ**: اسی سبب سے، لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بغیر عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے زمین میں تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو اور لا چکے ہیں ان کے پاس ہمارے رسول کھلے ہوئے حکم۔ پھر بہت لوگ ان میں سے اس پر بھی زمین میں دست درازی کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (اسی) واقعہ کی (وجہ سے) جس سے قتل ناحق کے مفاسد ثابت ہوتے ہیں (ہم نے) تمام انسانوں پر عموماً اور (بنی اسرائیل پر) خصوصاً (یہ) حکم (لکھ دیا) یعنی مقرر کر دیا (کہ) قتل ناحق اتنا بڑا گناہ ہے کہ (جو کوئی کسی شخص کو) ناحق مقتول ہونے والے شخص کی (جان کے عوض کے بغیر

یا کسی) شرو (فساد کے بغیر جو زمین میں اس سے پھیلا ہو) خواہ مخواہ (قتل کر ڈالے تو) اس کو ایسا گناہ ہو گا کہ (گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا) کیونکہ ایک کے ناحق قتل کرنے سے دوسرے بھی اس جرم پر دلیر ہوتے ہیں۔ تو اس حیثیت سے جو شخص ایک کو قتل کر کے بدامنی کی جڑ قائم کرتا ہے گویا وہ سب انسانوں کے قتل اور بدامنی کا دروازہ کھولتا ہے۔ اور یہ دو قیدیں کہ قتل بلاعوض جان ہو اور بلا کسی شر و فساد پھیلانے کے ہو اس لئے لگائیں کہ قصاص میں قتل کرنا جائز ہے، اسی طرح جواز قتل کے دوسرے اسباب سے بھی جیسے راہزنی جو آگے مذکور ہے اور کفر حربی جس کا ذکر احکام جہاد میں آ چکا ہے قتل کرنا جائز بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے (اور) یہ بھی لکھ دیا تھا کہ جیسے ناحق قتل کرنا گناہ عظیم ہے، اسی طرح کسی کو ناحق قتل سے بچالینا اس میں ثواب بھی ایسا ہی عظیم ہے کہ (جو شخص کسی شخص کو بچا لے تو) اس کو ایسا ثواب ملے گا کہ (گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچا لیا) کیونکہ وہ اپنے عمل سے سارے انسانوں کے بچانے اور مامون کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ یہاں ناحق کی قید اس لئے لگائی کہ جس شخص کا قتل شرعاً واجب ہو اس کی امداد یا سفارش حرام ہے (اور بنی اسرائیل کے پاس) اس مضمون کے لکھ دینے کے بعد (ہمارے بہت سے پیغمبر بھی) نبوت کے (واضح دلائل لے کر آئے) اور وقتاً فوقتاً اس مضمون کی تاکید کرتے رہے (مگر پھر اس) تاکید و اہتمام (کے بعد بھی بہت سے ان میں سے دنیا میں زیادتی کرنے والے ہی رہے) اور ان پر کچھ اثر نہ ہوا حتیٰ کہ بعض نے خود ان انبیاء ہی کو قتل کر دیا۔ بہت سے اس لئے فرمایا کہ بعض مطیع و فرمانبردار بھی تھے۔

تیرہواں حکم: راہزنی کی حد

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا۟ عَلَيْهِمْ ۖ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾

**ترجمہ**: محض سزا ہے ان کی جو لڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد کرنے کی کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی چڑھائے جائیں یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا نکال دیئے جائیں زمین سے۔ یہ ان کے

لئے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ مگر جن لوگوں نے توبہ کی اس سے پہلے کہ تم قابو پاؤ ان پر تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

**تفسیر**: (جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول) ﷺ (سے لڑتے ہیں اور) اس کی صورت یہ ہے کہ (ملک میں فساد) یعنی بدامنی (پھیلاتے پھرتے ہیں) یہاں ملک میں فساد اور بدامنی سے مراد ایسے شخص پر ڈکیتی اور رہزنی ہے جس کو اللہ نے بذریعہ رسول اللہ ﷺ اپنے شرعی قانون سے امن دیا ہو یعنی مسلمان بھی اور ذمی بھی۔ اس کو اللہ اور رسول ﷺ سے لڑنا اسی لئے کہا گیا ہے، کہ اس نے اللہ کے دیئے ہوئے امن کو توڑا، اور چونکہ رسول ﷺ کے ذریعہ سے اس کا ظہور ہوا اس لئے رسول کا تعلق بھی بڑھا دیا۔ غرض جو لوگ ایسی حرکت کرتے ہیں (ان کی یہی سزا ہے کہ) ایک حالت میں تو (قتل کئے جائیں) وہ حالت یہ ہے کہ ان رہزنوں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو اور مال لینے کی نوبت نہ آئی ہو (یا) اگر دوسری حالت ہوئی ہو تو (سولی دیئے جائیں) یہ وہ حالت ہے کہ انہوں نے مال بھی لیا ہو اور قتل بھی کیا ہو (یا) اگر تیسری حالت ہوئی ہو تو (ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے) یعنی داہنا ہاتھ بایاں پاؤں (کاٹ دیئے جائیں) یہ وہ حالت ہے کہ صرف مال لیا قتل نہ کیا ہو (یا) اگر چوتھی حالت ہوئی ہو تو (زمین) پر آزادانہ آباد رہنے (سے نکال) کر جیل میں بھیج (دیئے جائیں) یہ وہ حالت ہے کہ نہ مال لیا ہو نہ قتل کیا ہو کچھ کرنے سے پہلے ہی گرفتار ہو گئے ہوں۔ (یہ) مذکورہ سزا تو (ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی) اور ذلت (ہے، اور ان کو آخرت میں) جو (عذاب عظیم ہوگا) سو وہ الگ ہے (ہاں مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو توبہ کر لیں تو) اس حالت میں (جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ) اپنے حقوق (بخش دیں گے) اور توبہ قبول کرنے میں (مہربانی فرمائیں گے)۔ مطلب یہ کہ اوپر جو سزا مذکور ہوئی ہے وہ حد اور حق اللہ کے طور پر ہے جو کہ بندہ کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتی قصاص اور حق العبد کے طور پر نہیں جو کہ بندہ کے معاف کرنے سے معاف ہو جاتا ہے، پس جب گرفتاری سے پہلے ان لوگوں کا تائب ہونا ثابت ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی جو کہ حق اللہ تھا، البتہ حق العبد باقی رہے گا، پس اگر مال لیا ہوگا اس کا تاوان دینا ہوگا اور اگر قتل کیا ہوگا تو اس کا قصاص لیا جائے گا، لیکن اس تاوان و قصاص کے معاف کرنے کا حق صاحب مال کو اور مقتول کے ولی کو حاصل ہوگا۔

چودھواں حکم: طاعات و جہاد کا حکم اور معاصی سے نہی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ

**تفسیر**: (اے ایمان والوں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) لیکن یہ ڈر ایسا نہیں جیسے آدمی سانپ بچھو یا شیر سے ڈر کر بھاگتا ہے بلکہ اس بات سے ڈرو کہ کہیں اس کی نافرمانیاں کر کے اس کی خوشنودی اور رحمت سے دور نہ جا پڑو لہٰذا معاصی و نافرمانیوں سے بچتے رہو (اور) اس کی ناخوشی اور دوری سے ڈر کر (خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے وسیلہ کا مطلب قرب بتایا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز سے قریب اس وقت ہو سکتے ہو جب اس تک پہنچانے والا درمیانی راستہ طے کر لو اور قرب خداوندی تک کا درمیانی راستہ طاعات کرنے کا ہے۔ تو ضروری طاعات کے پابند رہو (اور) طاعات میں سے بالخصوص (اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا کرو امید ہے کہ) اس طریق سے (تم) پورے (کامیاب ہو جاؤ گے) اور اصل کامیابی تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حاصل ہونا اور دوزخ سے نجات ہے۔

**ربط**: اوپر طاعات کا امر اور معاصی سے نہی تھی۔ طاعات میں سے سب سے بڑا عمل ایمان ہے اور معاصی میں سے سب سے بدتر عمل کفر ہے۔ اگرچہ مذکورہ بالا عام عنوان میں ایمان کا امر اور کفر سے نہی بھی شامل ہے لیکن اہتمام شان کے لئے تخصیص کے ساتھ کفر کا ضرر بتاتے ہیں جس سے ایمان کا نفع بھی خود معلوم ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں اب یہ ثابت کرنا بھی مقصود ہے کہ اصل وسیلہ طاعات ہیں۔ طاعات کے بغیر دنیا بھر کے خزانے بھی وسیلہ نہیں بن سکتے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٧﴾

**ترجمہ**: بلاشبہ جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے سارا اور اس کی مثل اس کے ساتھ اور ہو تا کہ بدلہ میں دیں اس کو قیامت کے دن کے عذاب سے تو نہیں قبول کیا جائے گا ان سے اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے۔ چاہیں گے کہ نکل جائیں آگ سے اور نہیں وہ نکلنے والے اس سے اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے۔

**تفسیر**: (یقیناً جو لوگ کافر ہیں اگر) بالفرض (ان) میں سے ہر ایک (کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں) جس میں تمام دفینے اور خزانے بھی آ گئے (اور) انہی چیزوں پر کیا منحصر ہے بلکہ (ان چیزوں کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں تاکہ وہ ان کو دے کر قیامت کے دن کے عذاب سے چھوٹ جائیں تب بھی وہ چیزیں ہرگز ان سے قبول نہ کی جائیں گی) اور عذاب سے نہ بچیں گے بلکہ (ان کو دردناک عذاب ہوگا) پھر عذاب میں داخل ہو جانے کے بعد (اس بات کی خواہش) وتمنا (کریں گے کہ دوزخ سے) کسی طرح (نکل آئیں اور) یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوگی اور (وہ اس سے کبھی نہ نکلیں گے اور ان کو عذاب دائمی ہوگا) یعنی کسی تدبیر سے نہ سزا ٹلے گی اور نہ ہی اس کا دوام ٹلے گا۔

پندرہواں حکم: چوری کی حد

جس چوری پر حد لگتی ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ مسلمانوں کے ملک میں کوئی عاقل، بالغ، بینا اور قابل گویائی شخص حفاظت میں رکھے ہوئے دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی یا اتنی مالیت کی کوئی قابل حد شے چوری کے قصد سے خفیہ طریقے سے لے لے جب کہ اس مال میں اس کی اپنی ملکیت ہونے کا کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا
نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾

**ترجمہ**: اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو تم ان کے ہاتھ بطور بدلہ کے جو انہوں نے کیا بطور سزا کے اللہ کی طرف سے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

**تفسیر**: (اور جو مرد چوری کرے اور) اسی طرح (جو عورت چوری کرے سو) ان کا حکم یہ ہے کہ اے حکمرانو (ان دونوں کے) داہنے (ہاتھ) گٹے پر سے (کاٹ ڈالو ان کے) اس (کردار کے عوض میں) اور یہ عوض (بطور سزا کے) ہے (اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے ہیں) جو سزا چاہیں مقرر فرما دیں اور (بڑی حکمت والے ہیں) کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں۔

سولہواں حکم: قابل حد جرائم میں آخرت کی سزا سے بچنے کیلئے توبہ ضروری ہے

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ
فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾

**ترجمہ**: پھر جس نے توبہ کی بعد اپنے ظلم کے اور اصلاح کی تو بلاشبہ اللہ توجہ کرتا ہے اس پر۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

**تفسیر**: (پھر جو شخص) اگرچہ چوری میں اس کا ہاتھ کاٹا جا چکا ہو شرعی قاعدہ کے موافق (توبہ کرلے اپنی اس زیادتی) یعنی چوری (کرنے کے بعد) جس میں یہ بھی شامل ہے کہ جس کا مال ناحق لیا ہے وہ اس کے مالک کو واپس کرے یا اس سے معاف کرائے (اور) آئندہ کے لئے (اعمال کی درستی رکھے) یعنی چوری وغیرہ نہ کرے اور اپنی توبہ پر قائم رہے (تو بے شک اللہ تعالیٰ اس) کے حال (پر) رحمت کے ساتھ (توجہ فرمائیں گے) کہ توبہ سے پچھلا گناہ معاف فرما دیں گے اور توبہ پر استقامت سے مزید عنایت فرمائیں گے (بے شک خدا تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں) کہ اس کا گناہ معاف کر دیتے ہیں (بڑی رحمت والے ہیں) کہ آئندہ بھی مزید عنایت فرماتے ہیں۔

**ربط**: اللہ تعالیٰ حکمت والے ہیں اور اوپر مذکور سزاؤں کو حکمت ہی سے تجویز فرمایا ہے لوگوں کو انصاف سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت میں غور کرنے سے پہلے یہ سزائیں بہت ہی سخت اور نوع انسانی کی شرافت سے بعید معلوم ہو سکتی تھیں اس لئے آگے اللہ تعالیٰ اپنا مالک حقیقی اور قادر حقیقی ہونا بیان فرماتے ہیں اور عذاب کے ساتھ مغفرت کا ذکر کر کے بتاتے ہیں کہ ہم صرف عذاب ہی نہیں دیتے بلکہ معاف بھی کرتے ہیں مگر جو جس کے لائق ہو۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٤٠

**ترجمہ**: کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی عذاب کرے جس کو چاہے اور بخشے جس کو چاہے اور اللہ سب چیز پر قادر ہے۔

**تفسیر**: اے مخاطب (کیا تم نہیں جانتے) یعنی سب ہی جانتے ہیں (کہ اللہ ہی کے لئے ثابت ہے حکومت سب آسمانوں کی اور زمین کی) تو اتنے بڑے اور عظمت و جلال والے بادشاہ کے حکم کی نافرمانی کوئی چھوٹی بات ہے اور کیا وہ نوع انسانی کی شرافت سے بعید نہیں اس پر وہ جو بھی سزا دے بجا ہے۔ پھر سزا دینے میں بھی وہ پوری طرح با اختیار ہے چاہے تو دے چاہے نہ دے لہٰذا (وہ جس کو چاہیں سزا دیں اور جس کو چاہیں معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے)۔

**ربط**: اس سے پہلے بھی یہود و نصاریٰ کی کچھ قباحتیں ذکر ہوئیں۔ اب جو راہزنی اور چوری کی حدود ذکر ہوئیں تو ان کی مناسبت سے یہود کی یہ قباحت کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود یعنی سزاؤں

میں تحریف کرتے تھے اس کو ذکر فرمایا۔ قصہ یہ ہوا کہ یہود مدینہ کے کچھ لوگوں کے ہاتھوں یہود کے دوسرے لوگوں کا ایک شخص مارا گیا۔ سابقہ زمانہ کے رواج کے مطابق قاتل نے خون بہا کم دینا چاہا لیکن مقتول کے لوگوں نے یہ خیال کر کے کہ اب اسلامی حکومت ہے اور سابقہ زمانہ کی مجبوریاں نہیں رہیں لہٰذا پورا خون بہا لینا چاہا اور رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرانے کا مطالبہ کیا۔ چونکہ قاتل کے لوگ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ حق فیصلہ کریں گے اس لئے مطالبہ منظور کرنے سے پہلے چند منافقوں کو نبی ﷺ کی خدمت میں اس مسئلہ کے تجسس میں بھیجا کہ پہلے کسی طور پر تذکرہ کر کے آپ کی رائے معلوم کرنی چاہئے، اگر ہمارے موافق ہو تو مقتول کے لوگوں کا رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرانے کا مطالبہ منظور کریں ورنہ منظور نہ کریں۔ غرض وہ منافق اس مقصد سے حاضر ہوئے۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ فدک کے یہود میں سے ایک مرد و عورت نے زنا کیا۔ شریعت موسوی میں اگر دونوں کنوارے نہ ہوں تو رجم کا حکم تھا مگر یہود نے اس حد یعنی رجم کو چھوڑ کر اس کی جگہ اپنی طرف سے ہلکی سزا مقرر کر لی تھی۔ ان لوگوں نے مجرم کو مدینہ کی طرف بھیجا اور مدینہ کے یہود کو لکھا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھو۔ اگر وہ رجم کا حکم دیں تو عمل نہ کرنا اور اگر ہمارے طریقے کے موافق ہلکی سزا بتائیں تو اس پر عمل کر لینا۔

نبی ﷺ کے پاس بھیجنے میں ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ اسلامی شریعت میں بہت سے احکام آسان دیئے گئے ہیں اور ان باتوں میں بھی ہو سکتا ہے کوئی آسان حکم آئے ہوں تو اپنا کام بھی بن جائے اور نبی ﷺ کی نبوت کے قائلین کے سامنے یہ کہہ سکیں کہ یہ بھی تو آخر ایک نبی کا فیصلہ ہے اور جو قائل نہیں ان کے سامنے کہہ سکیں گے کہ یہ حاکم کا فیصلہ ہے کیونکہ آپ ﷺ کو حکومت بھی حاصل تھی۔

چونکہ یہود کی یہ ساری حرکتیں موجب رنج تھیں اس لئے شروع ہی میں تسلی بھی فرما دی۔

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ

لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا

آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ

سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ

الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ

وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ

تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ
قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۚۖ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾

**ترجمہ**: اے رسول نہ غمگین کریں تجھ کو وہ لوگ جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر میں ان لوگوں میں سے جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اپنے منہ سے حالانکہ یقین نہیں کیا ان کے دلوں نے اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں۔ سننے کے عادی ہیں غلط بات کے، کان دھرنے والے ہیں دوسری جماعت کے لئے جو نہیں آئی تیرے پاس، بدل ڈالتے ہیں بات کو اس کے (اصل) مواقع سے۔ کہتے ہیں اگر دیئے جاؤ تم یہ حکم تو قبول کر لینا اس کو اور اگر تم نہ دیئے جاؤ یہ حکم تو بچنا۔ اور وہ شخص کہ ارادہ کرے اللہ جس کی گمراہی کا تو ہرگز تو قدرت نہیں رکھتا اس کے لئے اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی۔ یہ وہی لوگ ہیں نہ چاہا اللہ نے کہ پاک کرے ان کے دلوں کو، ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

**تفسیر**: (اے رسول) ﷺ (جو لوگ کفر) کی باتوں (میں دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں) یعنی بے تکلف رغبت سے ان باتوں کو کرتے ہیں (آپ کو وہ مغموم نہ کریں) یعنی آپ ان کے کفریات سے غم میں مبتلا نہ ہوں (خواہ وہ) یہود کے (ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو) جھوٹ موٹ (کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل یقین) یعنی ایمان (نہیں لائے) مراد منافقین ہیں جو کہ پہلے واقعہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ (اور خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو کہ) کھلے (یہودی ہیں) جیسا کہ دوسرے واقعہ میں یہ لوگ حاضر ہوئے تھے۔ (یہ) دونوں قسم کے (لوگ) پہلے سے دین کے بارے میں اپنے علماء سے جو توریت میں تحریف کرتے ہیں (غلط باتیں سننے کے عادی ہیں) اور انہی غلط باتوں کی تائید کی جستجو میں یہاں آ کر (آپ ﷺ کی باتیں دوسری جماعت کی خاطر سے خوب کان لگا لگا کر سنتے ہیں، اس دوسری جماعت کے لوگوں کے یہ حالات ہیں یعنی کہ) ایک تو (وہ آپ کے پاس) فرط تکبر و عداوت سے خود (نہیں آئے) بلکہ دوسروں کو بھیجا، اور دوسروں کو بھیجا بھی تو طلب حق کے لئے نہیں بلکہ اس غرض سے کہ شاید اپنے تحریف کئے ہوئے احکام کے موافق کوئی بات مل جائے کیونکہ (وہ کلام) الٰہی (کو بعد اس کے کہ وہ) کلام (اپنے) صحیح (موقع پر) قائم (ہوتا ہے) یعنی بالکل حق کے مطابق ہوتا ہے لفظ اور معنی دونوں طرح سے (بدلتے رہتے ہیں) چنانچہ اسی عادت کے موافق خوں بہا اور رجم کے حکم کو بھی اپنے اختراعی طریقے سے بدل دیا، پھر اس خیال سے کہ شاید شریعت محمدیہ ﷺ سے اس طریقہ کو سہارا مل جائے یہاں اپنے جاسوسوں کو

بھیجا، تیسرے صرف یہی نہیں کہ اپنے تحریف شدہ طریقہ کے موافق بات کی تلاش ہی تک رہتے بلکہ مزید یہ ہے کہ جانے والوں سے (کہتے ہیں کہ اگر تم کو) وہاں جا کر (یہ) تحریف شدہ (حکم ملے تب تو اس کو قبول کر لینا) یعنی اس کے موافق عملدرآمد کرنے کا اقرار کر لینا (اور اگر تم کو یہ) تحریف شدہ (حکم نہ ملے تو) اس کے قبول کرنے سے (احتیاط رکھنا)۔ پس اس بھیجنے والی جماعت میں جن کی جاسوسی کرنے یہ لوگ آئے ہیں چند خرابیاں ہوئیں، اول تکبر و عداوت جو سبب ہے خود حاضر نہ ہونے کا، دوسرے طلب حق نہ ہونا بلکہ حق کی تحریف کر کے اس کی تائید کی فکر ہونا، تیسرے اوروں کو بھی قبول حق سے روکنا۔ یہاں تک آنے والوں اور بھیجنے والوں کی الگ الگ مذمت تھی، آگے ان سب کی مذمت ہے (اور) اصل یہ ہے کہ (جس کا خراب) اور گمراہ (ہونا خدا ہی کو منظور ہو) اگر چہ گمراہی کی تخلیق اس گمراہ کے عزم گمراہی کے بعد ہوتی ہے (تو اس کے لئے اللہ سے) اے عام مخاطب (تیرا کچھ زور نہیں چل سکتا) کہ اس گمراہی کو نہ پیدا ہونے دے، یہ تو ایک عام قاعدہ ہوا اب یہ سمجھو کہ (یہ لوگ ایسے) ہی (ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ان کے دلوں کا) کفریات سے (پاک کرنا منظور نہیں ہوا) کیونکہ یہ عزم ہی نہیں کرتے، اس لئے اللہ تعالیٰ کفریات سے ان کے دلوں کو پاک نہیں فرماتے بلکہ ان کے گمراہی کے عزم کی وجہ سے اللہ کی تخلیق میں بھی ان کا خراب ہی ہونا منظور ہے، پس مذکورہ قاعدہ کے موافق کوئی شخص ان کو ہدایت نہیں کر سکتا، مطلب یہ ہے کہ جب یہ خود خراب رہنے کا عزم رکھتے ہیں اور عزم کے بعد گمراہ ہونے کے فعل کی تخلیق عادت الٰہیہ ہے، اور تخلیق الٰہی کو کوئی روک نہیں سکتا پھر ان کے ہدایت پر آنے کی کیا توقع کی جائے، اس مضمون سے بھی رسول اللہ ﷺ کو زیادہ تسلی ہو سکتی تھی کیونکہ پریشانی اس بات سے ہوتی ہے کہ کہیں ہم سے بات کو سمجھانے میں کمی نہ ہو رہی ہو۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ ہی بد باطن ہیں تو پھر آدمی ان کی باتوں سے زیادہ اثر نہیں لیتا۔ پس کلام کا آغاز و انجام تسلی کے مضمون سے ہوا، آگے ان کے اعمال کا ثمرہ بتاتے ہیں کہ (ان) سب لوگوں (کے لئے دنیا میں رسوائی ہے، اور آخرت میں ان) سب (کے لئے سزائے عظیم ہے) یعنی دوزخ، چنانچہ منافقین کی یہ رسوائی ہوئی کہ مسلمانوں کو ان کا نفاق معلوم ہو گیا، اور سب ذلت سے دیکھتے تھے اور یہود کے قتل وقید و جلاوطنی کا ذکر روایات میں مشہور ہے اور آخرت میں عذاب ہونا تو ظاہر ہی ہے۔

**ربط**: اوپر یہود کے جو اوصاف ذمیمہ ذکر ہوئے ان کا حاصل دو بنیادی وصف تھے۔ ایک نبی ﷺ کی خدمت میں آنے والوں کا وصف یعنی سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ (غلط باتوں کے سننے کے عادی)۔ یہ وصف یہود کے عوام پر غالب تھا یعنی وہ غلط مسئلے خوشی سے سن لیتے تھے۔ دوسرا نبی ﷺ کی خدمت میں نہ آنے والوں کا وصف یعنی یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ (کلام الٰہی میں تحریف کرنا) یہ وصف یہود کے علماء

میں پایا جاتا تھا یعنی وہ غلط مسئلے بتاتے تھے۔ باقی اوصاف ان ہی دو وصفوں کے تابع تھے۔

عوام کا وصف کہ غلط مسئلے خوشی سے سنتے ہیں چونکہ ان سے مستبعد نہیں ہے اس لئے کسی کو ان کے وصف کی علت اور وجہ جاننے کی جستجو نہیں ہوتی البتہ علماء کا وصف کہ وہ غلط مسئلے بتاتے ہیں ان سے مستبعد ہے کیونکہ ان کے بارے میں ذہنوں میں تصور ہوتا ہے کہ وہ خدا کے حکموں پر خوب عمل کرنے والے ہوتے ہیں اس لئے کہ اصل علم تو عمل سے ہوتا ہے۔ پھر جب کسی عالم کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ جانتے بوجھتے غلط مسئلے بتاتا ہے تو جستجو ہوتی ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ اس لئے آگے عوام کے وصف کی تو فقط تکرار ہی کی ہے البتہ علماء کے وصف کی علت کی تحقیق فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ان میں دنیوی کمائی کی حرص ہے گو حرام طریقے ہی سے ہو۔ اور غلط مسئلے بتانے سے کمائی خوب ہوتی ہے اس لئے ان کو غلط مسئلے بتانے اور کلام الٰہی میں تحریف کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

**ترجمہ**: سننے کے عادی ہیں غلط بات کے، بڑے کھانے والے ہیں حرام کے۔ سو اگر آئیں وہ تیرے پاس تو تو فیصلہ کر دے ان کے مابین یا منہ پھیر لے ان سے۔ اور اگر تو منہ پھیر لے گا ان سے تو وہ ہرگز ضرر نہ پہنچا سکیں گے تجھ کو کچھ بھی اور اگر تو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر ان میں انصاف سے بے شک اللہ محبوب رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو۔

**تفسیر**: (یہ لوگ) دین کے بارے میں (غلط باتوں کے سننے کے عادی) ہیں جیسا پہلے آ چکا (بڑے حرام) مال (کے کھانے والے ہیں) اسی حرص نے ان کو احکام میں غلط بیانی کا جس کے عوض کچھ نذرانہ وغیرہ ملتا ہے عادی بنا دیا، جب ان لوگوں کی یہ حالت ہے (تو اگر یہ لوگ) اپنا کوئی مقدمہ لے کر (آپ کے پاس) فیصلہ کرانے (آئیں تو) آپ مختار ہیں (خواہ آپ) ﷺ (ان) کے معاملہ (میں فیصلہ کر دیجئے یا ان کو ٹال دیجئے۔ اور اگر آپ ﷺ) کی یہی رائے قرار پائے کہ آپ ﷺ (ان کو ٹال ہی دیں تو) یہ اندیشہ نہ کیجئے کہ شاید ناراض ہو کر عداوت نکالیں کیونکہ (ان کی مجال نہیں کہ آپ کو ذرا بھی ضرر پہنچا سکیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے نگہبان ہیں (اور اگر) فیصلہ

کرنے پر رائے قرار پائے اور (آپ فیصلہ کریں تو ان میں عدل) یعنی قانون اسلام (کے موافق فیصلہ کیجئے) کیونکہ قانون اسلام سراسر عدل پر مبنی ہے جب کہ کوئی اور قانون عدل میں اسلامی قانون کا مقابلہ نہیں کرسکتا (بیشک حق تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں) پس وہی لوگ محبوب ہوں گے جو قانون اسلام کے موافق فیصلہ کریں۔

ربط: اوپر ذکر ہوا تھا کہ آپ ﷺ کے پاس یہود کا کوئی مسئلہ یا فیصلہ لے کر آنا حق معلوم کرنے کی غرض سے نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد اپنی مرضی کے موافق کوئی آسان بات حاصل کرنا ہے۔ آگے اس کی دلیل لائے کہ کسی شخص کا اپنی ایسی کتاب کو جس پر وہ ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتا ہو چھوڑ کر ایسے شخص کے پاس جس کے دعوائے نبوت سے وہ منکر ہو کوئی فیصلہ یا مسئلہ لانا نہایت عجیب ہے کیونکہ کوئی شخص بے مطلب سچے دل سے ایسا نہیں کرسکتا۔ غرض اپنا مطلب نکالنے کو آتے ہیں جس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر اپنے مطلب کی بات نہ ملی تو اس پر عمل بھی نہیں کیا۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

**ترجمہ**: اور کس طرح وہ منصف بناتے ہیں تجھ کو حالانکہ ان کے پاس تو توریت جس میں حکم ہے اللہ کا پھر پھرے جاتے ہیں اس کے بعد، اور وہ (ہرگز) ماننے والے نہیں ہیں۔

**تفسیر**: (اور) تعجب کی بات ہے کہ (وہ) دین کے معاملہ میں (آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس تورات) موجود (ہے، جس میں اللہ کا حکم) لکھا (ہے) جس کے ماننے کا ان کو دعویٰ ہے، اول تو یہی بات بعید ہے (پھر) یہ تعجب اس سے اور پختہ ہوگیا کہ (اس) مقدمہ لانے (کے بعد) جب آپ ﷺ کا فیصلہ سنتے ہیں تو اس فیصلہ سے بھی (ہٹ جاتے ہیں) یعنی اول تو اس حالت میں آپ کے پاس معاملہ لانے ہی سے تعجب ہوتا تھا، لیکن خیال ہوسکتا تھا کہ شاید آپ کا حق پر ہونا ان پر واضح ہوگیا ہو اس لئے آگئے ہوں، لیکن جب اس فیصلہ کو نہ مانا تو وہ تعجب پھر تازہ ہوگیا کہ اب تو وہ احتمال بھی نہ رہا، پھر کیا بات ہوگی جس کے واسطے یہ معاملہ لائے ہیں (اور) اسی سے ہر عقلمند کو اندازہ ہوگیا کہ (یہ لوگ ہرگز اعتقاد والے نہیں) یہاں اعتقاد سے نہیں آئے اپنا مطلب نکالنے کے واسطے آئے تھے۔ اور جب فیصلہ کو نہ ماننا عدم اعتقاد کی دلیل ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جیسے

حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ان کو اعتقاد نہیں اسی طرح اپنی کتاب کے ساتھ بھی پورا اعتقاد نہیں ورنہ اس کو چھوڑ کر کیوں آتے، غرض نہ تو ان کا نبی ﷺ پر اعتقاد ہے اور نہ ہی تورات پر انکا اعتقاد ہے۔

**ربط**: ابھی ذکر ہوا تھا کہ یہود کے طرز عمل سے معلوم ہوا کہ ان کا تورات پر بھی اعتقاد صحیح نہیں۔ آگے اول تو یہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کا یہ طرز عمل ان کی اپنی نالائقی ہے ورنہ تورات تو بڑی عمدہ کتاب تھی جس میں بڑے علوم ہدایت تھے اور ایک وقت تک یہود کے علماء نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا اور اس پر عمل کیا اور اس کی حفاظت کی لیکن پھر ان میں دنیا پرستی آ گئی تو وہ تورات میں تحریف کرنے لگے۔ اس کے بعد اس وقت موجود یہود کے علماء کو خطاب کر کے نصیحت کرتے ہیں کہ تم بھی پہلے کے علماء کی طرح بنو اور جان و مال کی محبت میں نہ لگو اور نہ کسی سے ڈرو بلکہ جیسے اللہ نے نازل کیا ہے اسی پر عمل کرو۔ (اس کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ چونکہ تورات میں نبی ﷺ پر ایمان لانے کا حکم ہے اس لئے تم کو آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق بھی نصیب ہوگی)۔

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ
يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ
وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ
فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا
قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿٤٤﴾

**ترجمہ**: بے شک ہم نے نازل کی توریت، اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ حکم کرتے تھے اس کے موافق پیغمبر جو فرمانبردار تھے (اللہ کے) یہود کو اور (حکم کرتے تھے) درویش اور عالم اس وجہ سے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور وہ تھے اس پر پابندی کرنے کرانے والے۔ سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے اور مت خریدو میری آیتوں کے عوض قیمت تھوڑی۔ اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو اتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں کافر۔

**تفسیر**: (ہم نے) موسیٰ علیہ السلام پر (توریت نازل فرمائی تھی جس میں) صحیح عقائد کی بھی (ہدایت تھی اور) عملی احکام کی بھی (وضاحت تھی) بنی اسرائیل کے (انبیاء جو کہ) اس کے باوجود کہ لاکھوں آدمی خود ان کے پیروکار تھے (اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے اس) تورات (کے موافق یہود کو حکم دیا

کرتے تھے اور) اسی طرح ان کے (اہل اللہ اور علماء بھی) اسی کے موافق کہ وہی اس وقت کی شریعت تھی حکم دیتے تھے (اس وجہ سے کہ ان) اہل اللہ و علماء (کو اس کتاب اللہ) پر عمل کرنے اور کرانے (کی نگہداشت کا حکم) حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے (دیا گیا اور وہ اس) پر عمل کرنے کرانے (کے پابند ہو گئے تھے) مطلب یہ ہے کہ چونکہ ان کو اس کا حکم ہوا تھا اور انہوں نے اس حکم کو قبول کر لیا تھا اس لئے ہمیشہ اس کے پابند رہے۔ (تو) اے اس زمانہ کے یہود کے علماء جب ہمیشہ سے تمہارے سب اہل اللہ اور علماء تورات کو مانتے آئے ہیں تو (تم بھی) رسالت محمدیہ ﷺ کی تصدیق کے بارے میں جس کا حکم توریت میں ہے (لوگوں سے) یہ (اندیشہ مت کرو) کہ ہم تصدیق کر لیں گے تو عام لوگوں کی نظر میں ہمارے مرتبے میں فرق آ جائے گا (اور) صرف (مجھ سے ڈرو) کہ تصدیق نہ کرنے پر سزا دوں گا (اور میرے احکام کے بدلہ میں) دنیا کی (متاع قلیل) جو کہ تم کو اپنے عوام سے وصول ہوتی ہے (مت لو) کہ یہی حب جاہ و حب مال تم کو تصدیق نہ کرنے پر ابھارتی ہیں۔ (اور) یاد رکھو کہ (جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے) بلکہ نازل شدہ حکم کا یا تو انکار کرے یا ایسے حکم کو جو شرعی نہیں ہے شرعی بتلا کر اس کے موافق حکم کرے (سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں) جیسا کہ اے علمائے یہود تم کر رہے ہو کہ عقائد میں بھی مثلاً عقیدہ رسالت محمدیہ میں اور اعمال میں بھی جیسے حکم رجم وغیرہ میں اپنی گھڑی ہوئی باتوں کو حکم الٰہی بتلا کر خود بھی گمراہ ہو رہے ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہو۔

**فائدہ**: جو لوگ شرعی حکم کو عقیدہ میں ثابت مانتے ہیں لیکن پھر فیصلہ اس کے خلاف کرتے ہیں ان کا کفر عملی ہے اور ان کی عملی حالت کافروں جیسی ہے وہ حقیقی کافر نہیں ہیں۔

**ربط**: یہود پر ایک حکم قصاص کا مقرر ہوا تھا اور قاعدہ ہے کہ سابقہ شریعت کا جب کوئی حکم قرآن یا حدیث میں مذکور ہو اور اس کے مخالف کوئی حکم نہ دیا گیا ہو تو وہی حکم ہماری شریعت کا بھی قرار پائے گا لہٰذا یہ اس امت کے لئے ایک اور حکم ہوا۔

سولہواں حکم: قصاص

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ
وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ
الْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ وَمَنْ
لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾

**ترجمہ**: اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جان بدلے جان کے، اور آنکھ بدلے آنکھ کے، اور ناک بدلے ناک کے، اور کان بدلے کان کے، اور دانت بدلے دانت کے اور زخموں کا برابر کا بدلہ ہے۔ جس نے معاف کر دیا تو وہ کفارہ ہوگا (گناہوں سے) اس کے لئے۔ اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں ظالم۔

**تفسیر**: (اور ہم نے ان) یہود (پر اس) تورات (میں یہ بات فرض کی تھی کہ) اگر کوئی کسی کو ناحق عمداً قتل یا زخمی کرے اور صاحب حق دعویٰ کرے تو (جان بدلے جان کے) لی جائے گی (اور آنکھ بدلے آنکھ کے) پھوڑی جائے گی (اور ناک بدلے ناک کے) کاٹی جائے گی (اور کان بدلے کان کے) کاٹا جائے گا (اور دانت بدلے دانت کے) توڑا جائے گا (اور) اسی طرح دوسرے (خاص زخموں کا بھی برابر کا بدلہ ہے) جو زخمی کے مطالبہ پر لیا جائے گا (پھر جو شخص) اس قصاص یعنی برابر کا بدلہ لینے کا مستحق ہو کر بھی (اس) قصاص (کو معاف کر دے تو وہ) معافی (اس) معاف کرنے والے (کے لئے) اس کے گناہوں کا (کفارہ) یعنی گناہوں کے دور ہونے کا سبب (ہو جائے گی) مطلب یہ ہے کہ معاف کرنا موجب ثواب ہے۔ (اور) چونکہ یہود نے ان احکام کو چھوڑ رکھا تھا اس لئے مکرر وعید سناتے ہیں کہ (جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے) جس کے معنی اوپر گذرے (سو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں) یعنی بہت برا کام کر رہے ہیں۔

**ربط**: اوپر یہود کو جو نصیحت کی آگے اسی طرح کی نصیحت نصاریٰ کو کرتے ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ
وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً
لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٤٦ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ
وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝٤٧

**ترجمہ**: اور پیچھے بھیجا ہم نے انہی کے قدموں پر عیسیٰ بن مریم کو تصدیق کرنے والا اپنے سے پہلی (کتاب) توریت کی اور دی ہم نے اس کو انجیل اس میں ہدایت اور روشنی تھی اور تصدیق کرنے والی تھی اپنے سے پہلی (کتاب) توریت کی اور ہدایت اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کے لئے۔ اور چاہئے کہ حکم کریں انجیل والے موافق اس کے جو اتارا اللہ نے

اس میں اور جو کوئی حکم نہ کرے موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔

**تفسیر**: (اور ہم نے ان) نبیوں (کے پیچھے) جن کا ذکر یَحْکُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ میں آیا ہے (عیسیٰ بن مریم) علیہ السلام (کو اس حالت میں) پیغمبر بنا کر (بھیجا کہ وہ اپنے سے پہلے کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق فرماتے تھے) کیونکہ رسول کے لئے لازم ہے کہ تمام کتب الٰہیہ کی تصدیق کرے (اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں) توریت ہی کی طرح صحیح عقائد کی بھی (ہدایت تھی اور) عملی احکام کی بھی (وضاحت تھی اور وہ) انجیل (اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق) بھی (کرتی تھی) کیونکہ یہ بھی کتاب الٰہی کے لوازم میں سے ہے کہ وہ سابقہ کتاب الٰہی کی تصدیق کرے (اور وہ سراسر ہدایت اور نصیحت تھی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اور) انجیل دے کر حکم کیا تھا کہ (انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے اس کے موافق حکم کیا کریں۔ اور) اے اس زمانہ کے نصاریٰ سن رکھو کہ (جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے) کہ یا تو نازل شدہ حکم کا انکار ہی کر دے یا اس کی جگہ اپنی رائے اور خواہش سے کوئی دوسرا حکم بنالے (تو ایسے لوگ بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں) اور انجیل جب رسالت محمدیہ ﷺ کی خبر دے رہی ہے، تو تم اس کے خلاف کیوں چل رہے ہو۔

**ربط**: اوپر یہود و نصاریٰ کو نصیحت کی گئی کہ وہ اپنی آسمانی کتاب میں درج احکام الٰہی پر پورا پورا عمل کریں اور مال و جان کی محبت میں پھنس کر کتاب کو ضائع نہ کریں تو اصولی طور پر چونکہ مسلمان بھی اس نصیحت کے محتاج ہیں اس لئے آگے ان کو بھی یہی نصیحت کی جاتی ہے۔ پھر اس نصیحت کا سبب بھی بن گیا تھا۔ وہ یہ کہ یہود کے چند علماء نبی ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہمارا اپنی قوم سے کچھ جھگڑا ہے۔ اگر آپ ہمارے حق میں فیصلہ فرما دیں تو ہم آپ کی اتباع اختیار کر کے اسلام قبول کر لیں گے جس سے باقی یہود بھی مسلمان ہو جائیں گے لیکن آپ ﷺ نے ناحق فیصلہ دینے سے صاف انکار کر دیا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ

اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾
وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ
احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ
تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ
وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ
وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

**ترجمہ**: اور اتاری ہم نے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والی ہے سابقہ کتابوں کی اور نگہبان ہے اس (کے مضامین) پر۔ سو تو حکم کر ان کے درمیان موافق اس کے جو اتارا اللہ نے اور مت پیروی کر ان کی خواہشات کی اس کو چھوڑ کر جو تیرے پاس آیا حق۔ ہر ایک کے لئے بنائی ہم نے تم میں سے خاص شریعت اور خاص طریقہ۔ اور اگر چاہتا اللہ تو بنا دیتا تم کو ایک امت لیکن (اس نے ایسا نہ کیا) تاکہ آزمائے تم کو ان حکموں میں جو اس نے دیئے تم کو سو تم دوڑ کر لو خوبیاں۔ اللہ کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے، پھر وہ بتا دے گا تم کو جس بات میں تم اختلاف کرتے تھے اور (یہ فرمایا) کہ حکم کر ان کے درمیان موافق اس کے جو اتارا اللہ نے اور مت پیروی کر ان کی خواہشات کی اور بچتا رہ ان سے کہ کہیں بہکا نہ دیں تجھ کو کسی ایسے حکم سے جو اتارا اللہ نے تیری طرف۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو جان لے کہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ پہنچا دے ان کو (کچھ سزا) بسبب ان کے بعض گناہوں کے اور بے شک بہت سے لوگ ہیں نافرمان۔ اب کیا زمانہ جاہلیت کا حکم وہ چاہتے ہیں اور کون بہتر ہے اللہ سے حکم کرنے میں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔

**تفسیر**: (اور) تورات وانجیل کے بعد (ہم نے یہ کتاب) جس کا نام قرآن ہے (آپ ﷺ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق) وراستی (کے ساتھ متصف ہے اور اس سے پہلے جو) آسمانی (کتابیں) آچکی (ہیں) جیسے تورات وانجیل وزبور (ان کی بھی تصدیق کرتی ہے) کہ وہ اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہیں (اور) چونکہ قرآن قیامت تک محفوظ اور واجب العمل ہے، اور اس میں ان کتب

سماویہ کی تصدیق موجود ہے اس لئے یہ کتاب (ان کتابوں) کے صادق ہونے کے مضمون (کی) ہمیشہ کے لئے (محافظ ہے) کیونکہ قرآن میں یہ بات ہمیشہ محفوظ رہے گی کہ وہ خدائی کتب ہیں۔ جب قرآن ایسی کتاب ہے (تو ان) اہل کتاب (کے باہمی معاملات میں) جب کہ وہ آپ کے اجلاس میں پیش کئے جائیں (اسی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی) خلاف شرع (خواہشوں) اور فرمائشوں (پر) آئندہ بھی (عملدرآمد نہ کیجئے) جیسا اب تک باوجود ان کی درخواست والتماس کے آپ نے صاف انکار فرمایا، یعنی یہ آپ کی رائے نہایت ہی درست ہے، اسی پر ہمیشہ قائم رہئے۔ اور اے اہل کتاب تم قرآن کو حق جاننے سے اور اس کے فیصلہ کو ماننے سے کیوں انکار کرتے ہو؟ کیا جدید دین کا آنا کچھ تعجب کی بات ہے؟ آخر (تم میں سے ہرایک) امت (کے لئے) اس سے پہلے (ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی) مثلاً یہود کی شریعت وطریقت تورات تھی، اور نصاریٰ کی شریعت اور طریقت انجیل تھی، پھر اگر امت محمدیہ ﷺ کے لئے شریعت وطریقت قرآن مقرر کیا گیا، جس کا حق ہونا بھی دلائل سے ثابت ہے تو انکار کیوں ہے۔ (اور اگر اللہ تعالیٰ کو) سب کا ایک ہی طریقہ رکھنا (منظور ہوتا تو) وہ اس پر بھی قدرت رکھتے تھے کہ (تم سب) یہود ونصاریٰ واہل اسلام (کو) ایک ہی شریعت دے کر (ایک ہی امت میں کردیتے) اور جدید شریعت نہ آتی جس سے تم کو وحشت ہوتی ہے (لیکن) اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے (ایسا نہیں کیا) بلکہ ہرامت کو جدا جدا طریقہ دیا (تاکہ جو دین تم کو) ہر زمانہ میں نیا نیا (دیا ہے اس میں تم سب کا) تمہاری اطاعت کے اظہار کے لئے (امتحان فرمائیں) کیونکہ یہ ایک طبعی بات ہے کہ نئے طریقہ سے وحشت اور مخالفت کی تحریک ہوتی ہے، اس طرح سے یہ ایک بڑا امتحان بن جاتا ہے لیکن جو شخص عقل وانصاف سے کام لیتا ہے، وہ حق کے ظاہر ہونے پر اپنی طبیعت کو اس کے ساتھ موافقت پر مجبور کردیتا ہے، پس اگر قیامت تک سب کی ایک ہی شریعت ہوتی تو اس شریعت کی ابتداء کے وقت جو لوگ ہوتے ان کا اس طرح کا سا امتحان تو ہو جاتا، لیکن دوسرے جو ان کے بعد ہوتے اور ان کے پیروکار ہوتے وہ اس طریقے سے مانوس ہوتے لہٰذا ان کا اس طرح کا سا امتحان نہ ہوتا جب کہ جدا جدا شریعتوں سے ہرامت کا امتحان ہوگیا۔ اور امتحان کی ایک اور صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان کو جس چیز سے روکا جائے خواہ کرنے کی ہو یا نہ کرنے کی ہو اس پر حرص ہوتی ہے، اور یہ امتحان شریعتوں کے متعدد ہونے کی صورت میں قوی تر ہے کیونکہ نئی شریعت میں سابقہ شریعت کے بعض احکام منسوخ کردیئے جاتے ہیں اور ان سے روکا جاتا ہے حالانکہ سابقہ شریعت میں ہونے کی وجہ سے

ان کے حق ہونے کا شبہ ہوتا ہے کہ آخر پہلے بھی تو اس کا کرنا جائز تھا۔ اگر شریعت صرف ایک ہوتی تو اگرچہ اس میں معاصی سے تو روکتے لیکن اس میں ایسے ممنوعات نہ ہوتے جن میں حق ہونے کا شبہ ہوتا، اس لئے امتحان اس درجہ کا نہ ہوتا۔ پس جب جدید شریعت میں یہ حکمت ہے کہ اس میں دونوں قسم کے امتحان ہو جاتے ہیں (تو) تعصب کو چھوڑ کر (مفید باتوں کی طرف) یعنی ان عقائد و اعمال و احکام کی طرف جن پر قرآن مشتمل ہے (دوڑو) یعنی قرآن پر ایمان لا کر اس پر چلو۔ ایک روز (تم سب کو خدا ہی کے پاس جانا ہے پھر وہ تم سب کو بتا دے گا جس میں تم) باوجود حق کے واضح ہونے کے دنیا میں خواہ مخواہ (اختلاف کیا کرتے تھے) اس لئے بے جا اختلاف کو چھوڑ کر حق کو جو کہ اب صرف قرآن میں منحصر ہے قبول کر لو۔ (اور) چونکہ ان اہل کتاب نے ایسی بڑی جسارت کی کہ آپ سے اپنے موافق مقدمہ کا فیصلہ کر دینے کی درخواست کرتے ہیں، حالانکہ آپ کے ہاں تو اس کی گنجائش ہی نہیں، اس لئے ان کے حوصلے پست کرنے کو اور اس کو سنا کر ہمیشہ ہمیشہ ان کے ناامید کر دینے کو (ہم) مکرر (حکم دیتے ہیں کہ آپ ان) اہل کتاب (کے باہمی معاملات میں) جب کہ وہ آپ کے اجلاس میں پیش کئے جائیں تو (اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی) خلاف شرع (خواہشوں) اور فرمائشوں (پر) آئندہ بھی (عملدرآمد نہ کیجئے) جیسا اب تک بھی نہیں کیا (اور ان سے یعنی ان کی اس بات سے) آئندہ بھی حسب سابق (احتیاط رکھئے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی بھی حکم سے پھسلا نہ دیں) یعنی اگرچہ اس کا امکان نہیں لیکن آپ اس کو اپنا مقصود بھی بنا لیں تو موجب ثواب بھی ہے (پھر) قرآن کے واضح ہونے اور اس کے فیصلہ کے حق ہونے کے باوجود بھی (اگر یہ لوگ) قرآن سے اور آپ کے فیصلہ سے جو قرآن کے موافق ہی ہوگا (اعراض کریں تو یقین کر لیجئے کہ بس خدا ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعضے جرموں پر) دنیا ہی میں (ان کو سزا دیدیں) اور وہ جرم ان کا آپ کے اسلامی حکومت کے سربراہ ہونے کے باوجود آپ کا فیصلہ نہ ماننا ہے جب کہ قرآن کی حقانیت کے نہ ماننے کی پوری سزا آخرت میں ملے گی، کیونکہ پہلا جرم یعنی فیصلہ نہ ماننا ذمی ہونے کے خلاف ہے اور حربیت کا مظاہرہ ہے۔ اور دوسرا جرم یعنی قرآن کی حقانیت کو نہ ماننا ایمان کے خلاف ہے۔ حربیت کی سزا دنیا میں ہوتی ہے اور کفر کی سزا آخرت میں، چنانچہ یہود کی سرکشی اور عہد شکنی جب حد سے متجاوز ہوئی تو ان کو قتل اور قید اور جلاوطنی کی سزا دی گئی۔ (اور) اے محمد ﷺ ان کے یہ حالات سن کر آپ کو رنج ضرور ہوگا لیکن آپ زیادہ غم نہ کیجئے، کیونکہ (زیادہ آدمی تو) دنیا میں ہمیشہ سے (نافرمان ہی ہوتے) آئے (ہیں۔ یہ لوگ) فیصلہ قرآنی سے جو کہ عین عدل ہے اعراض کر کے (پھر کیا

زمانہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں) جس کو انہوں نے ساوی شریعتوں کے برخلاف اپنے پاس سے خود گھڑ لیا تھا، جس کا ذکر دو واقعوں کے ضمن میں اس رکوع سے پہلے رکوع یاَیُّھا الرَّسُوْلُ کی تمہید میں گزر چکا ہے، حالانکہ یہ بات عدل اور دلیل کے سراسر خلاف ہے، یعنی اہل علم ہو کر علم سے اعراض کرنا اور جہل کا طالب ہونا عجب در عجب ہے (اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا) فیصلہ کرنے والا (ہو گا) بلکہ کوئی مساوی بھی نہیں، پس خدائی فیصلہ کو چھوڑ کر دوسرے کے فیصلہ کا طالب ہونا عین جاہلیت نہیں تو کیا ہے، لیکن یہ بات بھی (یقین) وایمان (رکھنے والوں) ہی (کے نزدیک) ہے کیونکہ اس بات کو سمجھنا کہ خدائی فیصلہ کو چھوڑ کر دوسرے کے فیصلہ کا طالب ہونا عین جاہلیت ہے موقوف ہے اس پر کہ غور وفکر صحیح ہو جب کہ کفار صحیح غور وفکر ہی سے بے نصیب ہیں۔

**فائدہ**: کسی کو یہ شبہ ہو کہ ان آیتوں سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر امت کا طریقہ دین جدا ہے اور دوسری آیات مثلاً شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا (سورہ شوری) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کی وصیت نوح علیہ السلام کو بھی کی تھی اور ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو بھی کی تھی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب کا طریقہ دین ایک ہی ہے۔ شبہ کا جواب یہ ہے کہ جدا جدا ہونا فروع واعمال کے اعتبار سے ہے جب کہ ایک ہونا اصول اور عقائد کے اعتبار سے ہے۔

**ربط**: اوپر یہود ونصاریٰ کی شدید قباحتیں ذکر ہوئیں۔ ان کے ہوتے ہوئے مجموعی طور پر ان سے اصلاح اور خیر کی توقع نہیں اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا کہ یہود ونصاریٰ سے دوستی نہ رکھیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ منافقین جو ان سے دوستی رکھتے ہیں وہ جلد ہی اس کا انجام بد دیکھ لیں گے۔ منافقین کی ان کے ساتھ دوستی کا قصہ یہ ہوا کہ جب جنگ احد میں مسلمانوں کو بظاہر شکست ہوئی تو منافقین سخت اندیشہ میں مبتلا ہوئے کہ مسلمانوں کے غالب آنے کی تو کچھ امید نہیں رہی اپنی کہیں پناہ بنا کر رکھنی چاہئے تاکہ وقت پر کام دے تو کسی نے یہودی سے امان لی اور کسی نے نصرانی سے۔ مشہور منافق عبداللہ بن ابی نے بھی یہود سے معاملہ کر لیا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ؔۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ
بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی

اَلْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ
فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ
بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ؕ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا
بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست۔ ان کے بعض دوست ہیں دوسرے بعض کے (یعنی وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے) اور جو کوئی دوستی کرے ان کے ساتھ تم میں سے تو وہ انہی میں سے ہے، بے شک اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو۔ اب تو دیکھے گا ان کو جن کے دلوں میں بیماری ہے دوڑ کر گھستے ہیں ان میں کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں پہنچ جائے ہم پر گردش (زمانہ کی) سو قریب ہے کہ اللہ لے آئے فتح یا کوئی حکم اپنے پاس سے تو ہو جائیں گے وہ اس بات پر جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپائی ہے نادم۔ اور کہتے ہیں مسلمان کیا یہ وہی لوگ ہیں جو قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ برباد گئے ان کے عمل پھر ہو گئے وہ نقصان اٹھانے والے۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو تم) منافقوں کی طرح (یہود و نصاریٰ کو) اپنا (دوست مت بنانا وہ) خود ہی (ایک دوسرے کے دوست ہیں) یعنی یہودی یہودی باہم اور نصرانی نصرانی باہم، مطلب یہ ہے کہ دوستی ہوتی ہے آپس کی مناسبت سے، سو ان میں تو باہم مناسبت ہے، مگر تم میں اور ان میں کیا مناسبت ہے؟ (اور) جب یہ معلوم ہو گیا کہ دوستی آپس میں مناسبت سے ہوتی ہے تو (جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بیشک وہ) کسی خاص مناسبت کے اعتبار سے (ان ہی میں سے ہو گا) اور اگرچہ یہ بات بالکل واضح ہے لیکن (یقیناً اللہ تعالیٰ) اس بات کی (سمجھ ہی نہیں دیتے ان لوگوں کو جو) کفار سے دوستی کر کے (اپنا نقصان کر رہے ہیں) یعنی دوستی میں منہمک ہونے کی وجہ سے یہ بات ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتی، اور چونکہ ایسے لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے (اسی لئے) اے دیکھنے والے (تم ایسے لوگوں کو کہ جن کے دل میں) نفاق کا (مرض ہے دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر ان) کفار (میں گھستے ہیں) اور کوئی ملامت کرے تو حیلہ بازی اور سخن سازی کے لئے یوں (کہتے ہیں کہ) ہمارا ملنا ان کے ساتھ دل سے نہیں، بلکہ دل سے تو تمہارے ساتھ ہیں صرف ایک مصلحت سے ان کے ساتھ ملتے ہیں،

وہ یہ کہ (ہم کو اندیشہ ہے کہ) شاید انقلاب زمانہ سے (ہم پر کوئی حادثہ پڑ جائے) جیسے قحط ہے، تنگی ہے، اور یہ یہودی ہمارے ساہوکار ہیں ان سے قرض ادھار مل جاتا ہے، اگر ظاہری میل جول قطع کر دیں گے تو وقت پر ہم کو تکلیف ہوگی، منافق بظاہر اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ کا یہ مطلب ذکر کرتے تھے، لیکن دل میں اور مطلب لیتے کہ شاید آخر میں مسلمانوں پر کفار کے غالب آ جانے سے پھر ہم کو ان کی احتیاج پڑے اس لئے ان سے دوستی رکھنا چاہئے (سو قریب امید) یعنی وعدہ (ہے کہ اللہ تعالیٰ) مسلمانوں کی کامل (فتح) ان کفار کے مقابلہ میں جن سے یہ دوستی کر رہے ہیں (فرما دے) جس میں ظاہر ہے مسلمانوں کی کوشش کا بھی دخل ہوگا (یا کسی اور بات کا خاص اپنی طرف سے) ظہور فرما دے مثلاً تعین کے ساتھ ان کے نفاق کا عام وحی کے ذریعہ اظہار فرما دیں جس میں مسلمانوں کی تدبیر کا اصلاً دخل نہیں، مطلب یہ کہ مسلمانوں کی فتح اور منافقوں کی پردہ دری دونوں ہی باتیں قریب ہونے والی ہیں (پھر) اس وقت (وہ اپنے) گزشتہ (پوشیدہ دلی خیالات پر نادم ہوں گے) کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ کفار غالب آئیں گے اور یہ کیا برعکس ہو گیا، ایک ندامت تو اپنے خیال کی غلطی پر کہ طبعی چیز ہے، دوسری ندامت اپنے نفاق پر جس کی بدولت آج رسوا ہوئے ، مَا اَسَرُّوْا (یعنی اپنے پوشیدہ خیال) میں یہ دونوں داخل ہیں اور یہ تیسری ندامت کہ کفار کے ساتھ دوستی رائگاں ہی گئی اور مسلمانوں سے بھی برے بنے، چونکہ دوستی ان کے پوشیدہ خیالات پر مبنی تھی، لہٰذا ان دو ندامتوں کے ذکر سے یہ تیسری ندامت خود بخود سمجھ میں آتی ہے کیونکہ جب انکا پوشیدہ خیال ہی ندامت کا سبب بنا تو اس پر مبنی دوستی بھی موجب ندامت ہوئی تھی۔ (اور) جب اس زمانہ فتح میں ان لوگوں کا نفاق بھی کھل جائے گا تو آپس میں (مسلمان لوگ) تعجب سے (کہیں گے ارے کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑے مبالغہ سے) ہمارے سامنے (قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم) دل سے (تمہارے ساتھ ہیں) یہ تو کچھ اور ہی ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (ان لوگوں کی ساری کارروائیاں) کہ دونوں فریق سے بنا کر رکھنا چاہتے تھے سب (غارت گئیں جس سے) دونوں طرف سے (ناکام رہے) کیونکہ کفار تو مغلوب ہو گئے، ان کا ساتھ دینا محض بیکار ہوا۔ اور مسلمانوں کے سامنے قلعی کھل گئی، ان کی نظروں میں اب بھلا بننا دشوار ہے۔

**فائدہ**: یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ ان منافقین کی دوستی مدینہ کے یہود اور مشرکین مکہ سے تھی۔ ایک طرف مکہ فتح ہوا دوسری طرف مدینہ کے یہود ذلیل وخوار ہوئے۔ خود منافقین کا نفاق اگرچہ وقتاً فوقتاً کھلتا رہتا تھا مگر عمومی فتوحات کے بعد تعین اور تصریح کے ساتھ منافقین کو نام بنام کھول دیا گیا۔

یہ جو فرمایا کہ نادم ہوں گے تو یہ ندامت توبہ کی نہیں ہوگی بلکہ پچھتاوے کی ہوگی کیونکہ ایک تو توبہ کے لئے اپنی غلطی کا اعتراف اور تدارک کی کوشش کرنا ضروری ہے جو ان سے ثابت نہیں۔ دوسرے آگے ان کے حبط اعمال اور خسارہ کا ذکر ہے جو اس بات پر واضح دلیل ہے کہ وہ تائب نہیں ہوئے تھے کیونکہ توبہ کرنے کا انجام یہ نہیں ہوتا۔

**ربط**: منافقین کے ذکر کے بعد کہ وہ خود ہی نقصان اٹھائیں گے آگے تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی منافق سے بڑھ کر مرتد ہو جائے تو وہ بھی دین کا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو جو کوئی پھرے گا تم میں سے اپنے دین سے تو عنقریب لائے گا اللہ ایسی قوم کو کہ (اللہ) محبت رکھتا ہے ان سے اور وہ محبت رکھتے ہیں اس سے، نرم دل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں، اور نہیں ڈرتے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا دے گا وہ (فضل) جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار ہے۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو) یعنی جو لوگ اس آیت کے نزول کے وقت ایمان والے ہو (جو شخص تم میں سے اپنے) اس (دین سے پھر جائے تو) اسلام کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ اسلامی خدمات انجام دینے کے لئے (اللہ تعالیٰ بہت جلد) ان کی جگہ (ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو) اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی، مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر، تیز ہوں گے کافروں پر) کہ ان سے (جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور) دین اور جہاد کے بارے میں (وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے) جیسا منافقین کا حال ہے کہ دبے دبائے جہاد کے لئے جاتے تھے، مگر اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کفار جن سے دل میں دوستی ہے ملامت کریں گے یا اتفاق سے جن کے مقابلہ میں جہاد ہے وہی اپنے دوست اور عزیز ہوں تو سب دیکھتے سنتے طعن کریں گے کہ اپنے ہی لوگوں کو مارنے گئے تھے۔ (یہ) مذکورہ صفات (اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرما

دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں) کہ اگر چاہیں تو سب کو یہ صفات دے سکتے ہیں لیکن (بڑے علم والے) بھی (ہیں) ان کے علم میں جس کو دینا مصلحت ہوتا ہے اس کو دیتے ہیں۔

**فائدہ**: رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بعض لوگ مرتد ہو گئے تھے لیکن اس آیت میں پیشینگوئی کے موافق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مومنین ومخلصین کے ہاتھوں انکا استیصال ہوا جب کہ بعض نے توبہ کر لی۔ بہر حال اسلام کو کوئی ضعف یا ضرر نہیں پہنچا۔

**ربط**: اوپر کفار سے دوستی کی ممانعت ذکر ہوئی۔ پھر مرتدین کے ذکر سے اس ممانعت کی تاکید ہوئی۔ آگے بتایا کہ مسلمانوں کے دوست تو بس اللہ، رسول اور باعمل مخلص مومنین ہیں۔ انہی سے تعلق جوڑنا چاہئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ کفار کی کثرت ہے اور مسلمان قلیل ہیں، تمام دنیا سے موالات منقطع کر کے چند مسلمانوں کی رفاقت پر اکتفا کرنے کے بعد غالب ہونا تو دور کی بات ہے کفار کے حملوں سے اپنی زندگی اور بقاء کی حفاظت بھی دشوار ہے بلکہ تسلی رکھنی چاہئے کہ بالآخر غلبہ انہی کا ہوگا جن کی طرف خدا اور اس کا رسول اور سچے وفادار مسلمان ہوں گے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٥٦﴾

**ترجمہ**: تمہارا رفیق تو اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوۃ اس حال میں کہ وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو سو بے شک اللہ کا گروہ ہی غالب ہے۔

**تفسیر**: (تمہارے دوست تو) جن سے تم کو دوستی رکھنا چاہئے (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول) ﷺ (اور ایماندار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں کہ ان) کے دلوں (میں خشوع ہوتا ہے) یعنی وہ عقائد، اخلاق اور بدنی و مالی اعمال سب کے جامع ہیں (اور جو شخص) مذکور مضمون کے موافق (اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ایمان دار لوگوں سے دوستی رکھے گا سو) وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہو گیا اور (اللہ کا گروہ بیشک غالب ہے) اور کفار مغلوب ہیں اور غالب کو مغلوب سے دوستی کی فکر کرنا نازیبا ہے۔

**فائدہ**: یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات مسلمانوں کو جو کہ حزب اللہ ہیں کفار سے مغلوب

ہو جاتے ہیں۔اس شبہ کے جواب میں دو باتیں ہیں۔

1- اس حکم کا مدار اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے ساتھ دوستی پر ہے۔اگر اسی میں کمی ہو مثلاً اللہ اور اس کے رسول کی کوئی نافرمانی ہو یا اپنے حاکم کے جائز حکم کی مخالفت کی ہو وغیرہ تو پھر یہ صورتیں اس حکم سے خارج ہیں۔

2- کبھی اللہ تعالیٰ ہی کو مسلمانوں کی کوئی آزمائش مقصود ہوتی ہے اس لئے دنیا میں غلبہ نہیں دیتے لیکن آخرت کا غلبہ تو ضرور حاصل ہوگا۔

**ربط**: آگے یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کی ممانعت کی ایک اور وجہ بتائی کہ یہ (اور دیگر مشرکین تمہارے دین پر طعن واستہزاء کرتے ہیں اور شعائر اللہ (اذان وغیرہ) کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو ان میں خاموش ہیں وہ بھی ان افعال شنیعہ کو دیکھ کر نفرت کا اظہار نہیں کرتے بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی ان کمینہ حرکتوں پر مطلع ہو کر کوئی مسلمان شخص جس کے دل میں خوف الٰہی اور غیرت ایمان کا ذرا سا شائبہ ہو وہ ان لوگوں سے دوستی کو کبھی بھی گوارا نہ کرے گا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ
لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ
اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو مت بناؤ ان لوگوں کو جو بناتے ہیں تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل (وہ لوگ) جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے اور (نہ بناؤ) کافروں کو (اپنا) دوست، اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے۔اور جب تم پکارتے ہو نماز کے لئے تو وہ بناتے ہیں اس کو ہنسی اور کھیل۔یہ اس واسطے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب) آسمانی یعنی توریت وانجیل (مل چکی ہے) مراد ہیں یہود و نصاریٰ (جو ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے) جو علامت ہے تکذیب کی (ان کو اور) اسی طرح (دوسرے کفار) بھی جیسے مشرکین وغیرہ (کو دوست مت بناؤ) کیونکہ ممانعت کی اصل علت کفر و تکذیب تو ان سب میں مشترک ہے (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو) یعنی ایمان دار تو ہو ہی پس جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اس کو مت کرو۔ (اور) جیسے وہ تمہارے دین کی اصولی باتوں کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں، اسی طرح وہ

تمہارے دین کی فروع کے ساتھ بھی استہزاء کرتے ہیں (جب تم نماز کے لئے) اذان کے ذریعہ سے (اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ) تمہاری (اس) عبادت (کے ساتھ) جس میں اذان اور نماز دونوں آ گئیں (ہنسی اور کھیل کرتے ہیں) اور (یہ) حرکت (اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے) ورنہ حق بات کو سمجھتے اور اس کے ساتھ ہنسی نہ کرتے۔

**فائدہ: 1-** جب اذان ہوتی اور مسلمان نماز شروع کرتے تو یہود کہتے یہ کھڑے ہوئے ہیں، خدا کرے کبھی کھڑا ہونا نصیب نہ ہو اور جب ان کو رکوع سجدہ کرتے دیکھتے تو ہنستے اور تمسخر کرتے۔

2- مدینہ میں ایک نصرانی تھا جب اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ سنتا تو کہتا قَدْ حُرِقَ الْكَاذِبُ یعنی جھوٹا جل جائے ایک شب ایسا اتفاق ہوا کہ وہ اور اس کے اہل و عیال سب سو رہے تھے کوئی خادم گھر میں آگ لے کر گیا ایک چنگاری گر پڑی وہ اور اس کا گھر اور گھر والے سب جل گئے۔

**ربط:** آگے اہل کتاب اور دیگر کافروں کے طریقے اور مسلمانوں کے اسلامی طریقے کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اصل میں تکذیب اور استہزاء کے قابل کونسا طریقہ ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾

**ترجمہ:** تو کہہ اے اہل کتاب کیا عیب پاتے ہو تم ہم سے مگر یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور (اس پر) جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو نازل کیا جا چکا پہلے اور یہ کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں۔ تو کہہ کیا میں بتلاؤں تم کو جو برا ہے اس (اسلامی طریقے) سے از روئے سزا اللہ کے ہاں، وہی (لوگ ہیں) لعنت کی جن پر اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنا دیا ان میں سے بعضوں کو بندر اور بعضوں کو سؤر اور جنہوں نے بندگی کی۔ شیطان کی وہی لوگ بدتر ہیں مکان کے اعتبار سے اور بہت بھکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے۔

**تفسیر:** (آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب) تم جو ہم کو عیب لگاتے ہو تو (تم ہم میں کیا

عیب پاتے ہو سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہمارے پاس بھیجی گئی ہے) یعنی قرآن پر (اور اس کتاب پر) بھی (جو) ہم سے (پہلے بھیجی جا چکی ہے) یعنی تورات و انجیل پر (جب کہ حال یہ ہے) کہ خود تمہارے اندر بڑا عیب ہے (کہ تم میں اکثر لوگ ایمان سے خارج ہیں) کہ نہ قرآن پر ان کا ایمان ہے، جس کا خود ان کو بھی اقرار ہے اور نہ تورات و انجیل پر ایمان ہے، کیونکہ ان پر ایمان ہوتا تو ان میں رسول اللہ ﷺ اور قرآن پر ایمان لانے کی ہدایت موجود ہے اس پر بھی ضرور ایمان ہوتا، غرض قرآن کا انکار اس پر گواہ ہے کہ تورات و انجیل پر بھی ان کا ایمان نہیں۔ یہ حال تو تم لوگوں کا ہوا اور ہم اس کے برعکس سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، تو عیب ہم میں نہیں خود تم میں ہے غور کرو (اور آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) اگر اس پر بھی تم ہمارے طریقہ کو برا سمجھتے ہو تو آؤ (کیا میں) اچھے برے میں موازنہ کرنے کے لئے (تم کو ایسا طریقہ بتاؤں جو) ہمارے (اس) طریقہ (سے بھی) جس کو تم برا سمجھ رہے ہو (خدا کے یہاں سزا ملنے میں زیادہ برا ہو، وہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جن کو) اس طریقہ کی وجہ سے (اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہو اور ان پر غضب فرمایا ہو اور ان کو بندر اور سؤر بنا دیا ہو اور انہوں نے شیطان کی پرستش کی ہو) اب دیکھ لو کہ ان میں کونسا طریقہ برا ہے، آیا وہ طریقہ جس میں غیر اللہ کی عبادت ہو اور اس پر یہ وبال ہوں، یا وہ طریقہ جو سراسر توحید اور نبوت انبیاء کی تصدیق ہو، یقیناً موازنہ کا نتیجہ یہی ہے کہ (ایسے اشخاص) جن کا طریقہ ابھی ذکر کیا گیا ہے آخرت میں (مکان کے اعتبار سے بھی) جو ان کو سزا کے طور پر ملے گا (بہت برے ہیں) کیونکہ یہ مکان دوزخ ہے (اور) دنیا میں (راہ راست سے بھی بہت دور ہیں) اشارہ یہ ہے کہ تم لوگ ہم پر ہنستے ہو حالانکہ استہزاء کے قابل تمہارا طریقہ ہے کیونکہ یہ سب خصلتیں تم میں پائی جاتی ہیں کہ یہود نے گوسالہ پرستی کی اور نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو خدا بنا لیا، پھر اپنے علماء و مشائخ کو خدائی اختیارات سپرد کر دیئے، اسی لئے یہودیوں نے جب یوم سبت کے احکام کی خلاف ورزی کی تو اللہ کا عذاب آیا، وہ بندر بنا دیئے گئے۔

**ربط**: آگے ان ہی استہزاء کرنے والوں میں سے بعض مخصوص افراد کی خاص حالت کا ذکر کرتے ہیں جو کہ نفاق ہے۔

**وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا ءَامَنَّا وَقَد دَّخَلُوا۟ بِٱلْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا۟ بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا۟ يَكْتُمُونَ ۝٦١**

**ترجمہ**: اور جب (یہ منافق) آتے ہیں تمہارے پاس کہتے ہیں ہم ایمان لائے

ہیں حالانکہ وہ (تمہارے پاس) داخل ہوئے تھے کفر کے ساتھ اور وہ (تمہارے پاس سے) نکلے اسی کے ساتھ۔ اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ چھپاتے تھے۔

**تفسیر**: (اور جب یہ) منافق (لوگ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں حالانکہ وہ کفر ہی کو لے کر) مسلمانوں کی مجلس میں (آئے تھے اور کفر ہی کو لے کر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ تو خوب جانتے ہیں جس کو یہ) اپنے دل میں (چھپائے ہوئے ہیں) اس لئے ان کا نفاق اللہ تعالیٰ کے سامنے کام نہیں دے گا اور کفر کی بدترین سزا سے سابقہ پڑے گا۔

**ربط**: یہود کی یہ دو قباحتیں کہ مسلمانوں کے دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور نفاق اختیار کر کے سازشیں کرتے ہیں ان کے ذکر کے بعد ان کے مزید کچھ حالات کا ذکر کرتے ہیں۔

گناہوں میں تیز ہیں

وَتَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاَکۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۲﴾ لَوۡلَا یَنۡهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ وَاَکۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ ﴿۶۳﴾

**ترجمہ**: اور تو دیکھتا ہے بہتوں کو ان (یہود) سے کہ تیزی کرتے ہیں گناہ میں اور ظلم میں اور اپنے کھانے میں حرام کو۔ بہت برے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں، کیوں نہیں منع کرتے ان کو درویش اور علماء ان کے کہنے سے گناہ کی بات اور ان کے کھانے سے حرام کو، بہت ہی برے عمل ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔

**تفسیر**: (اور آپ ان) یہودیوں (میں بہت آدمی ایسے دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ) یعنی جھوٹ (اور ظلم اور حرام) مال (کھانے پر گرتے ہیں واقعی ان کے یہ کام برے ہیں) یہ تو عوام کا حال تھا۔ آگے خواص کا حال ہے کہ (مشائخ اور علماء) مسائل کو جاننے اور عوام کے حالات کا علم ہونے کے باوجود (ان کو گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے، واقعی ان کی یہ عادت بری ہے)۔

اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی

**ربط**: جب نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہود آپ کے ساتھ عداوت اور مخالفت سے

پیش آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رزق و معیشت کی تنگی کر دی۔ اس پر بے ہودہ کلمات منہ سے نکالنے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے یعنی خدا معاذ اللہ تنگ دست ہو گیا ہے اس کے خزانہ میں کچھ نہیں رہا یا وہ تنگ دست تو نہیں البتہ آجکل بخل کرنے لگا ہے۔ غرض اپنی شرارتوں پر نادم ہونے کے بجائے مزید گستاخیاں کرنے لگے۔ اور اگرچہ ایسے کلمات کہنے والے چند لوگ تھے لیکن چونکہ دوسروں نے سننے کے باوجود کچھ نہیں کہا تو گویا برائی میں سب ہی شریک ہوئے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ

مَغْلُوْلَةٌ ۚ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ

وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾

**ترجمہ**: اور کہا یہود نے اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ بند ہوئے انہی کے ہاتھ اور وہ لعنت کئے گئے بسبب اپنے قول کے۔ بلکہ اس (اللہ) کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے۔ اور ضرور بڑھاتا ہے بہت سوں کو ان میں سے جو اتارا گیا تیری طرف تیرے رب کی جانب سے شرارت میں اور انکار میں۔ اور ڈال دی ہے ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک۔ جب کبھی سلگاتے ہیں آگ لڑائی کے لئے بجھا دیتا ہے اس کو اللہ اور دوڑتے ہیں زمین میں فساد کرتے ہوئے۔ اور اللہ نہیں پسند کرتا فساد کرنے والوں کو۔

**تفسیر**: (اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے) یعنی نعوذ باللہ بخل کرنے لگا ہے۔ درحقیقت (انہی کے ہاتھ بند ہیں) یعنی واقع میں خود بخل کے عیب میں مبتلا ہیں، اور خدا پر عیب دھرتے ہیں (اور اپنے اس کہنے سے یہ رحمت) الٰہی (سے دور کر دیئے گئے) جس کا اثر دنیا میں ذلت اور قید اور قتل وغیرہ ہوا اور آخرت میں عذاب جہنم۔ اور حاشا وکلا کہ خدا تعالیٰ میں بخل کا احتمال بھی ہو (بلکہ ان کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) یعنی وہ بڑے جواد و کریم ہیں، لیکن چونکہ حکیم بھی ہیں اس

لئے (جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں) پس یہود پر جو تنگی ہوئی اس کی علت خدا کا بخل نہیں بلکہ یہ حکمت ہے کہ ان کے کفر کا وبال ان کو چکھانا مقصود ہے (اور) یہود کے کفر اور سرکشی کی یہ حالت ہے کہ ان کو یہ توفیق نہ ہوگی کہ مثلاً اپنے قول کا باطل ہونا دلیل سے سن لیا تو اس سے توبہ کر لیں، نہیں بلکہ الٹا (جو مضمون آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بھیجا جاتا ہے، وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے) وہ اس طرح سے کہ وہ اس کا بھی انکار کرتے ہیں، لہٰذا کچھ تو پہلی سرکشی اور کفر تھا پھر اور بڑھ گیا۔ (اور) ان کے کفر سے جو ان پر لعنت یعنی رحمت سے دوری واقع کی گئی ہے اس کے دنیوی آثار میں سے ایک یہ ہے کہ (ہم نے ان میں باہم) دین کے بارے میں (قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا) چنانچہ ان میں مختلف فرقے ہیں اور ہر فرقہ دوسرے کا دشمن، چنانچہ باہمی عداوت وبغض کی وجہ سے (جب کبھی) مسلمانوں کے ساتھ (لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں) یعنی لڑنے کا ارادہ کرتے ہیں (حق تعالیٰ اس کو فرو کر دیتے ہیں) اور بجھا دیتے ہیں اور وہ اس طرح کہ اول تو یہود کے آپس کے اختلاف کی وجہ سے ان میں اتفاق کی نوبت نہیں آتی یا مرعوب ہو جاتے ہیں اور اگر لڑائی کا کچھ سامان کر بھی لیتے ہیں تو جلد ہی مغلوب ہو جاتے ہیں۔ (اور) جب لڑائی سے رہ جاتے ہیں یا مغلوب ہو جاتے ہیں تو اپنی عداوت دوسری طرح نکالتے ہیں کہ (ملک میں) خفیہ (فساد کرتے پھرتے ہیں) جیسے نو مسلموں کو بہکانا، لگائی بجھائی کرنا، عوام کو توریت کے تحریف شدہ مضامین سنا کر اسلام سے روکنا (اور اللہ تعالیٰ) چونکہ (فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے) بلکہ مبغوض رکھتے ہیں، اس لئے اس فساد کی ان کو خوب سزا ہوگی خواہ دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو ضرور ہوگی۔

**فائدہ**: 1- اللہ تعالیٰ کے لئے جہاں ہاتھ، پاؤں، آنکھ وغیرہ ذکر کئے گئے ہیں تو ان سے یہ وہم نہ کرنا چاہئے کہ وہ ہماری طرح کے سے ہوں گے۔ ان کی حقیقت اور کیفیت سے ہم واقف نہیں بس ان سے اللہ تعالیٰ کی شایان شان صفات مراد ہیں۔

2- اس مضمون سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام میں جب تک باہمی محبت اور اخوت مستحکم رہے گی اور رشد وصلاح کی راہ پر گامزن رہیں گے اور فتنہ وفساد سے بچنے کا اہتمام رہے گا یعنی ایک حق رستے پر رہیں گے اور گمراہی کے رستے ایجاد نہیں کریں گے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں تھا اس وقت تک اہل کتاب کی سب کوششیں ان کے حق میں بے کار رہیں گی۔ اس بات کا مطلب یہ ہے کہ آپس کے انتشار کی وجہ سے مسلمان کمزور ہوں گے (اگرچہ اس انتشار کا سبب مسلمانوں میں سے گمراہ لوگ ہی ہوں) اور کافروں کو موقع ملے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انتشار سے بچنے کیلئے گمراہوں سے

مصالحت کر لی جائے اور ان پر نکیر نہ کی جائے کیونکہ اس طرح سے تو اصل دین ہی بگڑتا ہے۔ بلکہ یہ مسلمانوں کی حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ گمراہیوں کو ختم کریں اور سب مسلمانوں کو ایک حق دین پر لانے کی عملی کوشش کریں۔

**ربط**: اہل کتاب کے مذکورہ بالا شدید جرائم اور سخت شرارتوں کے باوجود آگے ان کے لئے اب بھی دعوت ہے کہ اگر وہ اپنے رویہ سے تائب ہو کر نبی ﷺ اور قرآن پر ایمان لے آتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں تو توبہ کا دروازہ ان کے لئے بند نہیں ہوا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾

**ترجمہ**: اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو دور کر دیتے ہم ان سے ان کی برائیاں اور داخل کر دیتے ہم ان کو نعمت کے باغوں میں۔ اور اگر وہ قائم رکھتے توریت کو اور انجیل کو اور اس کو جو اتارا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے۔ ان میں سے ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے اور بہت سے ان میں برے کام کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (اور) یہود و نصاریٰ جن حق باتوں کے منکر ہیں جیسے رسالت محمدیہ ﷺ وحقانیت قرآن، وغیرہ (اگر یہ اہل کتاب) ان سب پر (ایمان لے آتے اور) رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے جن باتوں کا کفر اور معصیت ہونا بتلایا گیا ہے ان سب سے (تقویٰ) یعنی پرہیز (اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی تمام) گذشتہ (برائیاں) کفر اور شرک اور معاصی جن میں سب اقوال و احوال آ گئے (معاف کر دیتے اور) معاف کر کے (ضرور ان کو چین) اور آرام (کے باغوں میں) یعنی بہشت میں (داخل کرتے)۔ یہ تو اخروی برکات ہوئیں۔ (اور اگر یہ لوگ) مذکورہ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے جس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاتا ہے کہ (توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے) اب (ان کے پاس) رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے (بھیجی گئی) یعنی قرآن (اس کی

پوری پابندی کرتے ) یعنی ان میں جس جس بات پر عمل کرنے کو لکھا ہے سب پر پورا عمل کرتے، اس میں تصدیق رسالت بھی آ گئی، اور اس سے تحریف شدہ اور منسوخ احکام نکل گئے کیونکہ یہ سب کتابیں ان پر عمل کرنے کو نہیں کہتیں بلکہ منع کرتی ہیں (تو یہ لوگ) اس وجہ سے کہ (اوپر سے) یعنی آسمان سے پانی برستا (اور نیچے سے) یعنی زمین سے پیداوار ہوتی (خوب فراغت سے کھاتے) برتتے، یہ ایمان کی برکات کا ذکر ہوا۔ لیکن یہ لوگ کفر پر مصر رہے اس لئے تنگی میں مبتلا کئے گئے، جس پر بعض نے حق تعالیٰ کی شان میں بخل کی نسبت کر کے گستاخی کی، مگر پھر بھی سب یہود و نصاریٰ برابر نہیں، چنانچہ (ان) ہی (میں ایک جماعت) رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان قبول کر کے (راہ راست پر چلنے والی) بھی (ہے) جیسے یہود میں حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اور نصاریٰ میں حضرت نجاشی اور ان کے ساتھی، لیکن ایسے قلیل ہی ہیں (اور) باقی (زیادہ ان میں ایسے ہی ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں) کیونکہ کفر و عناد سے بدتر کیا کردار ہوگا۔

**ربط**: پچھلی آیتوں میں اہل کتاب کی شرارت، کفر اور نافرمانیوں کا ذکر کر کے تورات، انجیل، قرآن یعنی تمام آسمانی کتابوں کی پابندی کی ترغیب دی گئی تھی۔ آئندہ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ سے اہل کتاب کے مجمع میں اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ اس پابندی کے بغیر تمہاری مذہبی زندگی بالکل صفر ہے۔ اب موجودہ آیت میں اسی دو ٹوک اعلان کے لئے رسول اللہ ﷺ کو تیار کیا گیا ہے یعنی آپ پر جو کچھ خدا کی طرف سے اتارا جائے خصوصاً اس طرح کے فیصلہ کن اعلانات آپ بلا خوف و خطر پہنچاتے رہئے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ
مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ
مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٦٧﴾

**ترجمہ**: اے رسول پہنچا دے جو اتارا گیا تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اور اگر تو نے (ایسا) نہ کیا تو تو نے (کچھ) نہ پہنچایا اس کا پیغام۔ اور اللہ بچائے گا تجھ کو لوگوں سے بے شک اللہ نہیں راہ دکھاتا قوم کفار کو۔

**تفسیر**: (اے رسول) ﷺ (جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ) لوگوں کو (سب پہنچا دیجئے اور اگر) بفرض محال (آپ ایسا نہ کریں گے) اور کچھ حصہ نہ پہنچائیں

گے تو ) ایسا سمجھا جائے گا جیسے ( آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ) بالکل بھی ( نہیں پہنچایا ) کیونکہ کل مجموعہ کا پہنچانا فرض ہے، تو جیسا کل مجموعہ کے اخفاء اور چھپا لینے سے یہ فرض فوت ہوتا ہے اسی طرح بعض کے اخفاء سے بھی وہ فرض فوت ہوتا ہے ( اور ) تبلیغ کے باب میں کفار کا کچھ خوف نہ کیجئے، کیونکہ ( اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے ) یعنی اس سے کہ وہ آپ کے مقابل ہو کر آپ کو قتل و ہلاک کر ڈالیں ( محفوظ رکھے گا ) اور ( یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ) یعنی جنہوں نے کفر و انکار ہی پر کمر باندھی ہے ان کو ( راہ ہدایت نہیں دکھاتے ) لہٰذا ایسے لوگ اگر راہ راست پر نہ آئیں تو آپ مایوس نہ ہوں۔

**فائدہ**: 1- تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عام طور سے فریضہ تبلیغ میں کوتاہی چند وجوہ سے ہوتی ہے۔

i- فرض کی اہمیت کا کافی احساس نہ ہو۔

ii- لوگوں کی عام مخالفت سے شدید نقصان کا خوف ہو۔

iii- لوگوں کی عام سرکشی کی بنا پر نتائج سے مایوسی ہو۔

ان آیات میں پہلی وجہ کا جواب یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ سے فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ تک میں دیا، دوسری وجہ کے تدارک میں وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ فرمایا اور تیسری وجہ کے تدارک میں فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ.

2- حفاظت کا وعدہ اسی طرح پورا ہوا۔ اگرچہ بعض غزوات میں آپ زخمی ہوئے اور یہود نے آپ کو زہر بھی دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچایا۔ جامع ترمذی میں ہے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کا پہرہ دیا جاتا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا اب سب چلے جاؤ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کر لی ہے۔

**ربط**: اہل کتاب کو اب اعلانیہ بتایا جاتا ہے کہ اگر تم قرآن وغیرہ کی پابندی نہیں کرو گے تو کسی خوش فہمی میں نہ رہنا کہ آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے کیونکہ اس کے بغیر تمہاری مذہبی زندگی صفر ہے۔ اور اگر اس پر بھی نہ مانیں تو رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی اور ان پر غم نہ کرنے کی تلقین کی۔

قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝٦٨

**ترجمہ:** کہہ دے اے اہل کتاب نہیں ہو تم کسی راہ پر یہاں تک کہ تم قائم کرو توریت کو اور انجیل کو اور اس کو جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے۔ اور ضرور بڑھائے گا بہت سوں کو ان میں سے ۰۰ کلام سے جو اتارا گیا تجھ پر تیرے رب کی طرف سے شرارت میں اور کفر میں۔ سو تو افسوس نہ کر (اس) قوم کفار پر۔

**تفسیر:** (آپ) ﷺ ان یہود و نصاریٰ سے (کہئے کہ اے اہل کتاب تم کسی راہ پر بھی نہیں) کیونکہ غیر مقبول راہ پر ہونا مثل بے راہ ہونے کے ہے (جب تک کہ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب) اب (تمہارے پاس) بواسطہ رسول اللہ ﷺ کے (تمہارے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے) یعنی قرآن (اس کی بھی پوری پابندی نہ کرو گے) ان کی پابندی کے معنی اور ترغیب اور برکات اوپر ذکر ہوئے ہیں (اور) اے محمد ﷺ چونکہ ان میں اکثر لوگ بے جا تعصب میں مبتلا ہیں اس لئے یہ (ضرور) ہے کہ (جو مضمون آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے)۔ اور اس میں ممکن ہے کہ آپ کو رنج و غم ہو، لیکن جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ متعصب ہیں (تو آپ ان کافر لوگوں) کی اس حالت (پر غم نہ کیا کیجئے)

**ربط:** یہ بتانے کے بعد کہ اہل کتاب تو بے راہ ہیں اور دینی اعتبار سے صفر ہیں آگے ان کو عمومی قانون کے ذریعہ جو اہل کتاب و غیر اہل کتاب سب کو شامل ہے اسلام کی ترغیب دیتے ہیں۔ وہ قانون یہ ہے کہ جو قوم مسلمان کہلاتی ہے یا یہود یا نصاری یا صابی یا کچھ اور کوئی شخص ان ناموں کی بدولت یا نسل، رنگ، پیشہ، وطن وغیرہ کے لحاظ سے حقیقی فلاح اور دائمی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ کامیاب ہونے کا صرف ایک ہی معیار ہے یعنی ایمان و عمل صالح۔ جس کو اپنے کامیاب ہونے کا دعویٰ ہو وہ اپنے کو اس معیار پر پرکھ لے۔ اگر پورا اترے تو بلا خوف و خطر کامیاب ہے ورنہ پھر خدا کے قہر و غضب سے ڈرے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾

**ترجمہ:** بے شک جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور فرقہ صابی اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اور عمل کرے نیک نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں

گے۔

**تفسیر**: (یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور صابی فرقہ اور نصاری) ان سب میں (جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ) کی ذات و صفات (پر اور روز قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے) یعنی شریعت کے موافق کرے (ایسوں پر) آخرت میں (نہ کسی طرح کا اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

**ربط**: کامیابی اور اللہ کے ہاں قبولیت کے معیار یعنی ایمان و عمل صالح کے ذکر کے بعد آگے اس کو بتاتے ہیں کہ یہود اس معیار پر تو بالکل پورے نہیں اترتے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

**ترجمہ**: لیا تھا ہم نے پختہ عہد بنی اسرائیل کا اور بھیجے ہم نے ان کی طرف رسول۔ جب بھی لایا ان کے پاس کوئی رسول وہ حکم جو نہیں پسند کیا ان کے نفسوں نے تو بعض کو انہوں نے جھٹلایا اور بعض کو وہ قتل کر ڈالتے تھے۔ اور انہوں نے خیال کیا کہ نہ ہوگی کچھ خرابی سو اندھے ہو گئے اور بہرے ہو گئے پھر توجہ کی اللہ نے ان پر پھر اندھے ہوئے اور بہرے ہوئے بہت ان میں سے اور اللہ دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (ہم نے بنی اسرائیل سے) یعنی یہود سے اول توریت میں تمام پیغمبروں کی تصدیق و اطاعت کا (عہد لیا اور) اس عہد کے یاد دلانے کو (ہم نے ان کے پاس بہت پیغمبر بھیجے) لیکن ان کی یہ حالت تھی کہ (جب کبھی ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم لایا جس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا) تب ہی ان کے ساتھ مخالفت سے پیش آئے (سو بعضوں کو) تو (جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو) بے دھڑک (قتل ہی کر ڈالتے تھے۔ اور) ہمیشہ ہر شرارت پر جب چند روزہ مہلت دی گئی انہوں نے (یہی گمان کیا کہ کچھ سزا نہ ہوگی۔ اس) گمان (سے اور بھی اندھے اور بہرے) کی طرح (بن گئے) کہ نہ انبیاء کے صدق کے دلائل کو دیکھا نہ ان کے کلام کو سنا (پھر) ایک مدت کے بعد (اللہ تعالیٰ نے ان پر) رحمت کے ساتھ

(توجہ فرمائی) کہ اور کسی پیغمبر کو بھیجا کہ اب بھی راہ پر آ جائیں مگر (پھر بھی) اسی طرح (اندھے اور بہرے بنے رہے یعنی) سب تو نہیں مگر (ان میں سے بہت سے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے) ان (اعمال کو خوب دیکھنے والے ہیں) یعنی ان کا گمان غلط تھا، چنانچہ ان کو وقتاً فوقتاً سزا بھی ہوتی رہی، مگر ان کا یہی شیوہ رہا، حتیٰ کہ اب آپ ﷺ کے ساتھ بھی اسی طرح تکذیب و خلاف کا برتاؤ کیا۔

**ربط**: آگے نصاریٰ کے ایمان باللہ کی کیفیت دکھائی کہ وہ بھی اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٤﴾

**ترجمہ**: بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا بلاشبہ اللہ وہی مسیح بن مریم ہے حالانکہ کہا مسیح نے اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی میرے رب کی اور اپنے رب کی بے شک جو شریک ٹھہرائے اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور نہیں ہے گنہگاروں کے لئے کوئی مدد کرنے والا۔ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تیسرا تین (میں) کا حالانکہ نہیں کوئی معبود سوائے ایک معبود کے۔ اور اگر نہ باز آئیں اس بات سے جو کہتے ہیں تو بیشک پہنچے گا ان کو جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک، کیا نہیں توبہ کرتے اللہ کے آگے اور گناہ بخشواتے اس سے حالانکہ اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

**تفسیر**: (بیشک وہ لوگ کافر ہو چکے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ عین مسیح بن مریم ہے) یعنی دونوں میں اتحاد ہے (حالانکہ) حضرت (مسیح نے خود فرمایا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ تعالیٰ کی

عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ) اور اس قول میں اپنے رب کے پروردہ اور بندہ ہونے کی تصریح ہے، پھر ان کو الٰہ کہنا وہی بات ہے کہ مدعی سست گواہ چست (بیشک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ) کسی کو خدائی میں یا خدائی خصوصیات میں ( شریک قرار دے گا سو اس پر اللہ تعالیٰ جنت کو حرام کر دے گا، اور اس کا ٹھکانا ) ہمیشہ کے لئے ( دوزخ ہے، اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا ) کہ دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچا سکے۔ اور جیسے عقیدہ اتحاد کفر ہے اسی طرح عقیدہ تثلیث بھی کفر ہے پس ( بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہیں، جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین ) معبودوں ( میں کا ایک ہے، حالانکہ سوائے ایک معبود ) حق ( کے اور کوئی معبود ) حق ( نہیں ) نہ دو اور نہ تین، جب یہ عقیدہ بھی کفر وشرک ہے تو اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ الخ میں جو سزا مذکور ہے وہ اس پر بھی مرتب ہوگی ( اور اگر یہ ) دونوں عقیدہ کے ( لوگ اپنے اقوال ) کفریہ ( سے باز نہ آئے تو ) سمجھ رکھیں کہ ( جو لوگ ان میں کافر رہیں گے ان پر ) آخرت میں ( دردناک عذاب واقع ہوگا۔ کیا ) توحید کے اور عذاب کی وعید کے ان مضامین کو سن کر ( پھر بھی ) اپنے ان عقائد واقوال سے ( خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ) جب کوئی توبہ کرتا ہے تو ( بڑی مغفرت کرنے والے ) اور ( بڑی رحمت کرنے والے ہیں )۔

**ربط**: اوپر ذکر ہوا کہ نصاریٰ بھی کامیابی کے معیار پر پورے نہیں اترتے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل ہیں جو کہ بالکل باطل عقیدہ ہے اور اس کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

**ترجمہ**: نہیں ہے مسیح بن مریم مگر رسول۔ گزر چکے اس سے پہلے بہت رسول اور اس کی ماں ولی ہے دونوں کھاتے تھے کھانا۔ دیکھ کیسے ہم بتاتے ہیں ان کو دلیلیں پھر دیکھ کہاں وہ الٹے جا رہے ہیں۔

**تفسیر**: ( مسیح بن مریم ) عین خدا یا جزو خدا ( کچھ بھی نہیں صرف ایک پیغمبر ہیں جن سے پہلے اور بھی پیغمبر ) معجزات والے ( گزر چکے ہیں ) جن کو عیسائی خدا نہیں مانتے، پس اگر پیغمبری یا

خرق عادت دلیل الوہیت ہے تو سب پیغمبروں کو الہ ماننا چاہئے۔ اور اگر دلیل الوہیت نہیں ہے تو حضرت مسیح کو کیوں الہ کہا جائے، غرض جب دوسروں کو الہ نہیں کہتے تو عیسیٰ السلام کو بھی مت کہو (اور) اسی طرح (ان کی والدہ) بھی الہ یا جزو الہ نہیں بلکہ وہ (ایک ولی خاتون ہیں) جیسی اور عورتیں بھی ولی ہو چکی ہیں، اور دونوں حضرات کے الہ نہ ہونے کے دلائل میں سے ایک سہل دلیل یہ ہے کہ (دونوں) حضرات (کھانا کھایا کرتے تھے) اور جو شخص کھانا کھاتا ہے وہ اس کا محتاج ہوتا ہے اور کھانے کے واسطے سے دنیا بھر کی چیزوں کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں کو حاصل کرنے کیلئے زمین، پانی، ہوا، سورج اور حیوانات کی احتیاج ہے۔ پھر وہ اس کا بھی محتاج ہے کہ کھانا پیٹ میں پہنچے اور ہضم ہو اور غذائیت جزو بدن بنے اور فضلات جسم سے خارج ہوں، اور کھانا کھانا مادیات کے خواص میں سے ہے۔ اور احتیاج اور مادیت ممکنات کا خاصہ ہے خدا کا نہیں (دیکھئے تو) سہی (ہم کیونکر صاف صاف دلائل ان سے بیان کر رہے ہیں، پھر دیکھئے وہ الٹے کدھر جا رہے ہیں)۔

**ربط**: اوپر الوہیت مسیح کا ابطال کر کے آگے اس کے قائلین کو توبیخ کرتے ہیں کہ تم صرف شرک فی الذات ہی کے نہیں بلکہ شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت کے بھی مرتکب ہو حالانکہ اس کی بھی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

## قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۚ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾

**ترجمہ**: تو کہہ دے کیا تم بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی جو مالک نہیں تمہارے برے کی اور نہ بھلے کی اور اللہ وہی ہے سننے والا جاننے والا۔

**تفسیر**: (آپ) ان سے (فرمائیے کیا خدا کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو جو نہ تم کو کوئی ضرر پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو اور نہ نفع پہنچانے کا) اختیار رکھتا ہو بلکہ اس اعتبار سے وہ عاجز ہے اور عاجز ہونا خود خدائی کے منافی ہے۔ (اور اللہ تعالیٰ سب سنتے ہیں جانتے ہیں) پھر بھی خدا سے نہیں ڈرتے اور اپنے کفر و شرک سے باز نہیں آتے۔

**فائدہ**: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرنے میں نصاریٰ کے وہ افعال بھی داخل ہیں جو عبادت میں خاص اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں اور ان کا غیر مقدور العبد کاموں میں حضرت عیسیٰ سے استغاثہ اور فریاد کرنا بھی شامل ہے۔

**ربط**: باطل عقائد میں اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ اپنے پچھلے لوگوں کے عقیدوں کو دلیل بناتے

ہیں اس لئے اہل کتاب کو نصیحت کرتے ہیں کہ جو لوگ خود غلطی میں مبتلا تھے اور دوسروں کو غلطی میں مبتلا کرتے تھے ان کے پیچھے مت چلو اگرچہ وہ تمہارے بڑے ہی ہوں۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾

**ترجمہ**: تو کہہ اے اہل کتاب مت غلو کرو اپنے دین میں ناحق کا اور مت پیروی کرو خیالات کی ایسے لوگوں کے جو گمراہ ہو چکے پہلے اور گمراہ کر گئے بہتوں کو اور بہک گئے سیدھی راہ سے۔

**تفسیر**: (آپ) ان نصاریٰ سے (فرمائیے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین) کے معاملہ (میں ناحق کا غلو) اور افراط (مت کرو اور اس) افراط کے باب (میں ان لوگوں کے خیالات) یعنی بے سند باتوں (پر مت چلو جو) اس وقت سے (پہلے خود بھی غلطی میں پڑ چکے ہیں اور) اپنے ساتھ (اور بہتوں کو) لے کر ڈوبے ہیں اور (غلطی میں ڈال چکے ہیں اور) ان کی غلطی اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ حق مفقود ہو گیا ہو اس کا پتہ نہ لگتا ہو بلکہ (وہ لوگ راہ راست) کے ہوتے ہوئے قصداً اس (سے دور) اور علیحدہ (ہو گئے تھے) اور اب جب ان لوگوں کی غلطی دلائل سے ثابت ہو گئی پھر ان کا اتباع کیوں نہیں چھوڑتے۔

**ربط**: اہل کتاب کو دعوت و تبلیغ کرنے اور احقاق حق و ابطال باطل کرنے کے بعد آگے بتاتے ہیں کہ ان سے حق کو قبول کرنے کی امید نہیں کیونکہ یہود کے اگلے لوگوں کا حال یہ تھا کہ

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾

**ترجمہ**: لعنت کئے گئے کافر بنی اسرائیل میں سے داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزر گئے تھے۔ وہ باز نہ آتے تھے برے کام سے جو وہ کر رہے تھے۔ کیا ہی برا کام ہے جو وہ کرتے تھے۔

**تفسیر**: (بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر) اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحت (لعنت کی گئی تھی) زبور اور انجیل میں جس کا ظہور حضرت (داؤد) علیہ السلام (اور) حضرت (عیسیٰ بن مریم) علیہ السلام (کی زبان سے) ہوا یعنی زبور اور انجیل میں کافروں پر لعنت لکھی تھی، جیسے قرآن مجید میں بھی ہے فلعنۃ اللّٰہ علی الکٰفرین، چونکہ یہ کتابیں حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئیں اس لئے یہ مضمون ان کی زبان سے ظاہر ہوا اور یہ لعنت (اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی) اعتقادی (مخالفت کی) جو کہ کفر ہے (اور) اس مخالفت میں (حد سے) بہت دور (نکل گئے) یعنی کفر بھی شدید تھا، پھر شدید کے ساتھ دائمی بھی تھا چنانچہ (جو برا کام) یعنی کفر (انہوں نے) اختیار (کر رکھا تھا اس سے) آئندہ کو (باز نہ آتے تھے) بلکہ اس پر مصر تھے، پس ان کے شدید و دائمی کفر کے سبب ان پر شدید لعنت ہوئی (واقعی ان کا) یہ (فعل) مذکور یعنی کفر پھر وہ بھی شدید اور دائمی (بیشک برا تھا) کہ اس پر یہ سزا مرتب ہوئی۔

**ربط**: اور یہود کے موجودہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ

تَرٰی كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ فِي
الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ
اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

**ترجمہ**: تو دیکھتا ہے بہت سوں کو ان میں سے دوستی کرتے ہیں کافروں سے۔ کیا ہی برا (سامان ہے) جو بھیجا اپنے واسطے خود انہوں نے۔ وہ یہ کہ غضبناک ہوا اللہ ان پر اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر اور (اس پر) جو اتارا گیا اس (نبی) کی طرف تو نہ بناتے ان (کافروں) کو دوست اور لیکن بہت سے لوگ ان میں سے نافرمان ہیں۔

**تفسیر**: (آپ ان) یہود (میں بہت سے آدمی دیکھیں گے کہ) مشرک (کافروں سے دوستی کرتے ہیں) چنانچہ یہود مدینہ اور مشرکین مکہ چونکہ دونوں کافر تھے اور اس کی وجہ سے دونوں ہی مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے اس لئے ان دونوں میں باہم خوب موافقت تھی۔ (جو کام ان یہود مدینہ نے آگے) بھگتنے (کے لئے کیا ہے) یعنی کفر جو سبب تھا کفار کے ساتھ دوستی کا اور مومنین کے

ساتھ عداوت کا (وہ بے شک برا ہے کہ) اس کے سبب (اللہ تعالیٰ ان پر) ہمیشہ کے لئے (ناراض ہوا اور) اس دائمی ناراضگی کا ثمرہ یہ ہوگا کہ (یہ لوگ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے، اور اگر یہ) یہودی (لوگ اللہ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر) یعنی موسیٰ علیہ السلام (پر) ایمان رکھتے جس کا ان کو دعویٰ ہے (اور اس کتاب پر) ایمان رکھتے (جو ان) پیغمبر (کے پاس بھیجی گئی تھی) یعنی توریت پر (تو ان) مشرکین (کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں زیادہ لوگ) دائرہ (ایمان سے خارج ہی ہیں) اس لئے کافروں کے ساتھ ان کا اتحاد اور ان کی دوستی ہوگئی۔

**ربط**: آگے اس وقت کے نصاریٰ کا حال بتاتے ہیں کہ وہ بھی مسلمانوں کے مخالف تھے اور اسلام سے جلتے تھے لیکن ان میں قبول حق کی استعداد یہود و مشرکین کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔ ان کے دل اسلام اور مسلمانوں سے محبت کرنے کی طرف نسبۃً جلد مائل ہو جاتے تھے۔ اس کو واضح کرنے کے لئے یہود و مشرکین سے انکا تقابل بھی کیا گیا۔ نصاریٰ کے اس حال کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک ان میں علم دین کا چرچا دوسری قوموں سے زائد تھا، اپنے طریقہ کے موافق ترک دنیا اور زاہدانہ زندگی اختیار کرنے والے ان میں بکثرت پائے جاتے تھے اور نرم دلی اور تواضع ان کی خاص صفت تھی۔ اور جس قوم میں یہ خصلتیں کثرت سے پائی جائیں ان کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ اس میں قبول حق اور سلامت روی کا مادہ دوسری اقوام سے زیادہ ہو کیونکہ حق کو قبول کرنے سے عموماً تین چیزیں مانع ہوتی ہیں جہالت، حب دنیا اور تکبر، عیسائیوں میں قسیوں اور علماء کا وجود جہالت کو، راہبوں اور درویشوں کی کثرت حب دنیا کو، نرم دلی اور تواضع کی صفت تکبر کو کم کرتی تھی۔ اسی لئے قیصر روم، مقوقس مصر اور حبشہ کے نجاشی نے نبی علیہ السلام کے پیغام و دعوت کے ساتھ جو کچھ برتاؤ کیا وہ اس پر گواہ ہے کہ اس وقت عیسائیوں میں حق کو قبول کرنے کی اور مسلمانوں کے ساتھ مودت رکھنے کی صلاحیت دوسری اقوام کی بنسبت زیادہ تھی۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ
وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ
ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

**ترجمہ**: تو پائے گا زیادہ سخت سب لوگوں سے دشمنی میں مسلمانوں کے لئے یہودیوں کو اور مشرکوں کو اور تو پائے گا زیادہ نزدیک ان سب سے محبت میں مسلمانوں کے ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس وجہ سے کہ نصاریٰ میں عالم ہیں اور درویش ہیں

اور اس واسطے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

**تفسیر**: اپنے دور کے غیر مسلموں میں (تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ان یہود اور ان مشرکین کو پائیں گے اور ان) غیر مسلموں (میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر) بہ نسبت اوروں کے (ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں) قریب تر کا یہ مطلب ہے کہ دوست تو وہ بھی نہیں، مگر دوسرے کفار سے غنیمت ہیں (یہ) دوستی سے قریب تر ہونا اور عداوت میں کم ہونا (اس سبب سے ہے کہ ان) نصاریٰ (میں بہت سے علم دوست عالم ہیں، اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں) اور جب کسی قوم میں ایسے لوگ بکثرت ہوتے ہیں تو عوام میں بھی حق کے ساتھ زیادہ عناد نہیں رہتا، اگرچہ خواص و عوام حق کو قبول بھی نہ کریں (اور اس سبب سے ہے کہ) یہ نصاریٰ (لوگ متکبر نہیں ہیں) قسیوں اور راہبوں سے جلدی متاثر ہو جاتے ہیں اور نیز تواضع کا خاصہ ہے کہ وہ حق بات کے سامنے نرم ہو جاتا ہے اس لئے ان کو زیادہ عداوتیں نہیں ہیں۔ ان کے برخلاف یہود و مشرکین محبّ دنیا اور متکبر ہیں۔

**فائدہ**: 1- اس وقت کے نصاریٰ کی مذکورہ بالا حالت ہی کی وجہ سے زیادہ نصرانی عالم و غیر عالم مسلمان ہوئے۔ یہود میں سے بھی اگرچہ بعض عالم مسلمان ہوئے لیکن چونکہ وہ بہت تھوڑے تھے اس لئے عوام میں ان کا زیادہ اثر نہیں ہوا اور ان میں عناد و انکار ہی رہا جو شدید عداوت کا سبب ہے۔ اس لئے یہودی عوام تو بہت ہی کم مسلمان ہوئے۔

2- بعد کے ادوار میں

یہاں تک کہ آج کے دور میں بھی عیسائیوں میں چونکہ صحیح علم اور ترک دنیا و زہد اور تواضع و انکساری کی خصلتیں عام طور سے باقی نہ رہیں تو ان میں مسلمانوں کے ساتھ قرب مودت بھی نہیں ہے۔

**ربط:** آگے مسلمان ہونے والے ستر نصاریٰ کی مدح کرتے ہیں۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ
مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا
مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ
الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾
فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾

**ترجمہ:** اور جب وہ سنتے ہیں اس کو جو اتارا گیا رسول کی طرف تو تو دیکھتا ہے ان کی آنکھوں کو کہ بہتی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ انہوں نے پہچان لیا حق بات کو۔ کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ۔ اور کیا ہے ہم کو کہ نہ ہم ایمان رکھیں اللہ پر اور اس چیز پر جو آئی ہمارے پاس حق سے اور توقع رکھیں اس کی کہ داخل کرے ہم کو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے۔ سو بدلے میں دیئے ان کو اللہ نے ان کے (اس) کہنے پر ایسے باغ کہ بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ کو رہیں گے ان میں اور یہ ہے بدلہ نیکی کرنے والوں کا، اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلانے لگے ہماری آیتوں کو وہ ہیں دوزخ والے۔

**تفسیر:** (اور جب وہ) مثلاً حبشہ سے آئے ہوئے ستر عیسائی جو مسلمان ہو گئے تھے (اس) کلام (کو سنتے ہیں جو کہ رسول) ﷺ (کی طرف بھیجا گیا ہے) یعنی قرآن (تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں، اس سبب سے کہ انہوں نے) دین (حق) یعنی اسلام (کو پہچان لیا)۔ مطلب یہ ہے کہ حق کو سن کر متاثر ہوتے ہیں اور (یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم مسلمان ہو گئے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے) یعنی ان میں شمار کر لیجئے (جو) محمد ﷺ اور قرآن کے حق ہونے کی (تصدیق کرتے ہیں۔ اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر) حضرت محمد ﷺ کے دین کے مطابق (اور جو) دین (حق ہم کو) اب (پہنچا ہے اس پر

ایمان نہ لائیں اور) پھر (اس بات کی امید) بھی (رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک) مقبول (لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا) کیونکہ ہم جان گئے ہیں کہ نیک لوگوں کی معیت موقوف ہے اسلام قبول کرنے پر اس لئے ہم نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ (سوان) لوگوں (کو اللہ تعالیٰ ان کے) اس (قول) اور عقیدے (کی جزا میں ایسے باغ) بہشت کے (دیں گے جن کے) محلات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی) اور (یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور نیکو کاروں کی یہی جزا ہے اور) ان کے برخلاف (جو لوگ کافر رہے اور ہماری آیات) واحکام (کو جھوٹا کہتے رہے وہ لوگ دوزخ) میں رہنے (والے ہیں)۔

**ربط**: آغاز سورت میں ایفائے عہد کی تاکید کے بعد کچھ احکام بیان کئے گئے تھے۔ آگے پھر اسی مضمون کی طرف لوٹتے ہوئے چند اور احکام بیان کرتے ہیں۔

## حلال چیزوں کی تحریم سے ممانعت

اس کا پچھلے مضمون سے یہ تعلق ہے کہ اوپر یہود و نصاریٰ کی جو قباحتیں ذکر ہوئیں ان کا خلاصہ دو چیزیں تھیں یعنی یہود کا دنیا کی لذات وشہوات اور حرام خوری میں انہماک تھا جو دین میں تفریط و کوتاہی کا سبب ہوا جب کہ نصاریٰ کا دین میں غلو اور افراط تھا جو رہبانیت تک لے گیا۔ مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم نہ تو دین میں افراط وغلو کرو کہ حلال اور پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلو اور نہ ہی دین میں تفریط کرو کہ دنیوی چیزوں کی لذتوں میں منہمک ہو کر حد اعتدال سے گزر جاؤ اور دنیوی حیات ہی کو اپنا مطمح نظر بنالو۔

**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾**

**ترجمہ**: اے ایمان والو مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو حلال کر دیں اللہ نے تمہارے لئے اور مت بڑھو حد سے بیشک اللہ نہیں پسند کرتا حد سے بڑھنے والوں کو۔ اور کھاؤ اس میں سے جو دیا تم کو اللہ نے حلال پاکیزہ۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں) خواہ وہ

کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں ہوں یا نکاح میں عورتیں ہوں (ان میں لذیذ) اور مرغوب (چیزوں کو) قسم و عہد کر کے اپنے نفسوں پر (حرام مت کرو اور حدود) شرعیہ (سے) جو کہ اشیاء کی حلت و حرمت کے بارے میں مقرر ہیں (آگے مت نکلو۔ بیشک اللہ تعالیٰ حد) شرعی (سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اور خدا تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ) اور استعمال کرو۔ (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو) یعنی حلال کو حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے لہٰذا اللہ سے ڈرو اور اس کا ارتکاب مت کرو۔

**فائدہ**: حلال کو حرام ٹھہرانا تین طرح سے ہے۔

1- اعتقادی یعنی حلال کو حرام اعتقاد کرنا۔ اگر کسی ایسی شے کو حرام سمجھا جس کا حلال ہونا قطعی دلیل سے ثابت ہے مثلاً گائے کا گوشت تو اس تحریم سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

2- زبانی یعنی زبان سے یوں کہے کہ میں فلاں چیز کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں یا فلاں چیز مجھ پر حرام ہے تو اس طرح کہنے سے قسم ہو جاتی ہے۔ اس قسم کو توڑ کر قسم کا کفارہ دینا چاہئے۔

3- عملی یعنی ثواب کی نیت سے کسی حلال شے کو کبھی بھی استعمال نہ کرنا۔ یہ بدعت اور رہبانیت ہے اس کے خلاف کرنا واجب ہے۔

اگر کسی شے کا دائمی ترک ثواب کی نیت سے نہ ہو بلکہ کسی بیماری میں پرہیز یا علاج کے طور پر ہو تو یہ تحریم اور حرام ٹھہرانا نہیں ہے اور جائز ہے۔ بزرگوں سے جو مجاہدات منقول ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں۔

**ربط**: اوپر حلال چیزوں کو حرام ٹھہرانے کا ذکر تھا۔ ایسا چونکہ قسم کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے اس لئے مناسبت کی بناء پر قسم اور اس کے کفارہ کا حکم بیان کرتے ہیں۔

سترہواں حکم: **قسم اور اس کا کفارہ**

قسم تین طرح پر ہوتی ہے۔

1- غموس: زمانہ حال یا زمانہ ماضی کے کسی کام پر جانتے بوجھتے جھوٹی قسم کھانا مثلاً نماز نہیں پڑھی لیکن کسی کے پوچھنے پر کہا کہ خدا کی قسم میں نماز پڑھ چکا ہوں۔ اس پر کفارہ نہیں آتا صرف گناہ ہوتا ہے جس کے لئے توبہ کرنی ہوتی ہے۔

2- لغو: زمانہ ماضی یا زمانہ حال کے کسی کام پر غلط فہمی کی بنیاد پر خلاف واقعہ قسم کھالی۔ مثلاً کسی کو دور سے دیکھ کر سمجھا کہ وہ زید ہے حالانکہ وہ زید نہیں تھا۔ پھر کسی کے پوچھنے پر کہا خدا کی قسم میں

نے زید کو دیکھا ہے۔اس میں نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس پر کفارہ آتا ہے۔

3- منعقد: زمانہ مستقبل میں کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائی۔اس کے خلاف کرنے پر کفارہ دینا ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں لغو یعنی بے اثر دو معنی میں آیا ہے۔

(i) جس پر گناہ نہ ہو۔اس کا بیان سورہ بقرہ آیت 225 کے تحت گزر چکا ہے۔

(ii)- جس پر کفارہ نہ ہو۔کفارہ صرف منعقد قسم پر آتا ہے۔اس کے مقابل مذکورہ بالا دو قسمیں یعنی لغو اور غموس یہ دونوں یہاں آیت میں مذکور لغو کے تحت داخل ہیں کیونکہ ان میں کفارہ نہیں ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ

بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ
فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ
اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا
اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

**ترجمہ**: نہیں مواخذہ کرتا تمہارا اللہ لغو پر تمہاری قسموں میں لیکن مواخذہ کرتا ہے تمہارا بوجہ تمہارے مضبوط باندھنے پر قسموں کو۔سو کفارہ اس کا ہے کھانا دینا دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو یا کپڑا پہنا دینا دس محتاجوں کو یا آزاد کرنا ایک گردن (یعنی غلام) کا۔اور جو نہ پائے تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے۔یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم کھا بیٹھو،اور حفاظت رکھو اپنی قسموں کی۔اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنے احکام تا کہ تم شکر کرو۔

**تفسیر**: (اللہ تعالیٰ تم سے) دنیوی (مواخذہ نہیں فرماتے) یعنی کفارہ واجب نہیں کرتے (تمہاری قسموں میں لغو قسم) توڑنے (پر لیکن) ایسا (مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو) آئندہ کی بات پر (مستحکم کر دو) اور پھر اس کو توڑ دو۔(سو اس) قسم کے توڑنے (کا کفارہ) ہے (دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو) معمول کے طور پر (کھانے کو دیا کرتے

ہو یا ان) دس محتاجوں کو (کپڑا دینا) اوسط درجہ کا (یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا) یعنی تینوں میں جس کو چاہے اختیار کر لے (اور جس کو) ان تینوں میں سے ایک کا بھی (مقدور نہ ہو تو) اس کا کفارہ (تین دن کے) متواتر (روزے ہیں۔ یہ) جو مذکور ہوا (کفارہ ہے تمہاری) ایسی (قسموں کا جب کہ تم قسم کھالو) اور پھر اس کو توڑ دو (اور) چونکہ یہ کفارہ واجب ہے اس لئے (اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو) کبھی ایسا نہ ہو کہ قسم کو توڑ دو اور کفارہ نہ دو اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح یہ حکم تمہاری دنیوی و دینی مصلحتوں کی رعایت کے ساتھ بیان فرمایا ہے (اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے) دوسرے (احکام) بھی (بیان فرماتے ہیں تاکہ تم) اس بات پر بھی (شکر کیا کرو) کہ وہ تمہاری مصلحتوں کی رعایت کرتے ہیں۔

اٹھارواں حکم: شراب اور جوئے وغیرہ کی حرمت

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝٩٠ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝٩١

**ترجمہ**: اے ایمان والو بات تو بس یہ ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے (سب) گندی باتیں ہیں شیطان کے کام میں سے۔ سو بچتے رہو اس سے تاکہ تم فلاح پاؤ۔ بس چاہتا ہے شیطان کہ ڈالے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض بذریعہ شراب اور جوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے۔ سو کیا (اب بھی) تم باز آنے والے ہو۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم) آگے مذکور ان کی مضرتوں سے بچ کر (فلاح پاؤ) اور وہ مضرتیں دنیوی بھی ہیں اور دینی بھی جن کا بیان یہ ہے کہ (شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس) کے برتاؤ (میں عداوت اور) دلوں میں (بغض واقع کر دے) چنانچہ ظاہر ہے کہ شراب میں تو عقل قائم نہیں رہتی، گالی گلوچ دنگا فساد ہو جاتا ہے، جس سے بعد میں بھی طبعاً کدورت باقی رہتی ہے اور جوئے میں جو شخص ہارتا ہے اس کو

جیتنے والے پر غیظ ہوتا ہے اور جب اس کو رنج ہوگا دوسرے پر بھی اس کا اثر پہنچے گا، یہ تو دنیوی مضرت ہوئی (اور) شیطان یوں چاہتا ہے کہ اسی شراب اور جوئے کے ذریعہ سے (اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے) جو کہ اللہ کی یاد کا سب سے افضل طریقہ ہے (تم کو باز رکھے) چنانچہ یہ بھی ظاہر ہے کیونکہ شراب میں تو اس کے ہوش ہی برقرار نہیں ہوتے اور قمار میں جیتنے والے کو تو سرور ونشاط اس درجہ ہوتا ہے کہ وہ اس میں غرق ہوتا ہے۔ اور ہارنے والے کو ہار کا رنج واضمحلال اور پھر اگلی مرتبہ جیتنے کی کوشش اس درجہ ہوتی ہے کہ اس سے فراغت نہیں ہوتی، یہ دینی مضرت ہوئی، جب یہ ایسی بری چیزیں ہیں (سو بتلاؤ اب بھی باز آؤ گے؟)۔

**فائدہ**: اس آیت سے پہلے بھی خمر یعنی شراب کے بارے میں بعض آیات نازل ہو چکی تھیں۔ سب سے پہلے سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی: یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (سورہ بقرہ) یعنی یہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور (اگرچہ) لوگوں کے کچھ نفع بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے کہیں بڑا ہے۔ گو اس سے شراب کی حرمت کی طرف واضح اشارہ کیا گیا ہے مگر چونکہ صاف طور پر اس کو چھوڑنے کا حکم نہیں تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا کہ اے اللہ ہمیں اس بارے میں شافی بیان عطا فرمایئے۔ اس کے بعد دوسری آیت سورہ نساء میں یہ آئی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی یعنی اے ایمان والو جب تم نشہ میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ۔ اس میں بھی شراب کی حرمت کی تصریح نہ تھی۔ وجہ یہ تھی کہ عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعۃً چھڑا دینا عام لوگوں کے اعتبار سے آسان نہیں تھا اس لئے حکیمانہ طور پر درجہ بدرجہ پہلے دلوں میں اس کی نفرت بٹھائی گئی اور آہستہ آہستہ اس کی حرمت کے حکم سے مانوس کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسری آیت کو سن کر پھر وہی کہا کہ اے اللہ ہمیں اس بارے میں شافی ہدایت عطا فرمایئے۔ آخرکار سورہ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ آیات سنتے ہی پکار اٹھے کہ ہم باز آئے ہم باز آئے۔ لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے، شراب خانے برباد کر دیئے اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی۔

**ربط**: آگے اس بات پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو ہم نے علیحدہ علیحدہ حکم بتائے ہیں صرف ان ہی پر عمل کافی نہیں بلکہ تمام ہی احکام پر عمل کرو خواہ وہ قرآن میں ہوں یا قرآن سے باہر رسول

نے بتائے ہوں۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

**ترجمہ**: اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور بچتے رہو۔ پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف پہنچا دینا ہے کھول کر۔

**تفسیر**: (اور تم) تمام احکام میں (اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول) ﷺ (کی اطاعت کرتے رہو اور) مخالفت حکم سے (احتیاط رکھو۔ اور اگر) اطاعت سے (اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف) حکم کا (پہنچا دینا تھا) اور وہ اس کو بخوبی انجام دے چکے اور تم کو احکام پہنچا چکے اب تمہارے پاس کسی عذر کی گنجائش نہیں رہی۔

**فائدہ**: اس آیت میں بھی اور اطاعت کے مضمون پر مشتمل دیگر بہت سی آیتوں میں رسول کی اطاعت کا حکم دیا۔ رسول کا لفظ استعمال کر کے واضح کر دیا کہ ان کی اطاعت بحیثیت رسول کے ہے اور قیامت تک کے آنے والے مسلمانوں کے لئے ہے۔ بعض لوگ جو حدیث و سنت کے بالفعل انکاری ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی دو حیثیتیں بتاتے ہیں۔ ایک رسول ہونے کی جس کے تحت آپ نے قرآن لوگوں تک پہنچایا اور دوسری مرکز ملت یا مرکزی حکمران ہونے کی جس کے تحت آپ نے اپنے زمانے کے اعتبار سے قرآن کی تعبیر و تفسیر کی اور اس کا نفاذ کیا۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہے اور یہ لوگ ہر نئے آنے والے حکمران کو مرکز ملت بنا کر قرآن کی اپنے زمانہ کے مطابق تعبیر کرنے کا حق دیتے ہیں۔ قرآن نے صاف بتا دیا کہ حضرت محمد ﷺ کی اطاعت بطور رسول کے ہے کسی اور حیثیت سے نہیں۔ لہٰذا قرآن کے علاوہ آپ ﷺ کا دیا ہوا ہر حکم اور بتائی ہوئی ہر ممانعت رسول کی دی ہوئی ہے جس طرح قرآن بھی رسول کا پہنچایا ہوا ہے۔

**ربط**: مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب شراب اور جوئے کی حرمت والی آیت نازل ہو چکی تو بعض لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول بہت سے آدمی جو شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے وہ تو تحریم سے پہلے مر گئے۔ اب معلوم ہوا کہ یہ چیزیں تو حرام تھیں۔ اب ان لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا

إِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

**ترجمہ**: نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور کئے نیک کام کوئی گناہ اس میں جو کچھ وہ پہلے کھا چکے جب کہ (آئندہ کو) ڈر گئے اور ایمان لائے اور کئے نیک کام پھر ڈرتے رہے اور یقین کیا پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی۔ اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔

**تفسیر**: (ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں) اور اس وقت وہ حلال ہو گو بعد میں حرام ہو جائے۔ اور ان کو گناہ کیسے ہوتا (جب کہ) کوئی بات بھی گناہ کا تقاضا نہ کرتی ہو بلکہ گناہ سے ایک مانع موجود ہو وہ یہ کہ (وہ لوگ) خدا کے خوف سے اس وقت کی ناجائز چیزوں سے (پرہیز رکھتے ہوں اور) دلیل اس خوف کی یہ ہو کہ وہ لوگ (ایمان رکھتے ہوں) جو کہ خدا سے ڈرنے کا سبب ہے (اور نیک کام کرتے ہوں) جو کہ خوف خدا کی علامت ہے، اور اسی حالت پر وہ عمر بھر رہیں، چنانچہ اگر وہ حلال چیز جس کو پہلے کھاتے پیتے تھے آگے چل کر کبھی حرام ہو جائے تو (پھر) اس سے بھی اسی خوف خدا کے سبب (پرہیز کرنے لگتے ہوں اور) اس خوف کی بھی دلیل پہلے کی طرح یہی ہو کہ وہ لوگ (ایمان رکھتے ہوں اور) ایمان پر موقوف (نیک عمل خوب کرتے ہوں) پس یہاں بھی خوف خدا کا سبب یعنی ایمان اور علامت یعنی عمل صالح جمع ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب بھی حرمت کا حکم آئے ان لوگوں کا یہی طرز عمل ہو تو یہ گناہ سے مانع ہے۔ اور پھر جب ان کا طرز عمل دائمی ہو گناہ سے مانع بھی دائمی ہوگا۔ اس صورت میں ہمارے فضل سے بعید ہے کہ ہم ان کو گناہگاروں میں شمار کریں۔ (اور) ان کی یہ خاص طریقہ کی نیکوکاری صرف یہ نہیں کہ وہ گناہ سے مانع ہے بلکہ وہ ثواب اور محبوبیت خداوندی کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں سے محبت رکھتے ہیں) پس ان میں مبغوض ہونے کا احتمال تو کب ہو سکتا ہے، یہ تو غیر مبغوض ہونے سے گذر کر محبوب ہونے کا درجہ رکھتے ہیں۔

انیسواں حکم: احرام کی حالت میں شکار کا حکم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ

الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ
فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ
هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا
لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ
اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو! البتہ ضرور آزمائے گا تم کو اللہ قدرے شکار سے پہنچ سکیں جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے تاکہ معلوم کرے اللہ کون ڈرتا ہے اس سے بن دیکھے۔ پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اس کے لئے ہے عذاب دردناک۔ اے ایمان والو نہ مارو شکار جس وقت تم ہو احرام والے۔ اور جو کوئی مارے شکار کو تم میں سے جان کر تو (اس پر) بدلہ ہے مثل اس جانور کے جو قتل کیا مویشی میں سے، تجویز کریں جس کو دو معتبر آدمی تم میں سے اس طرح سے کہ وہ (بدلے کا جانور) بطور نیاز پہنچنے والا ہو کعبہ تک یا (اس پر) کفارہ ہے (یعنی) کھانا چند محتاجوں کا یا اس کے برابر روزے تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی۔ معاف کیا اللہ نے اس سے جو ہو چکا۔ اور جو کوئی پھر کرے گا تو بدلہ لے گا اللہ اس سے اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا جس تک) بوجہ تم سے دور دور نہ بھاگنے کے (تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے) امتحان کی صورت یہ ہوگی کہ حالت احرام میں وحشی جانوروں کے شکار کرنے کو تم پر حرام کر کے جیسا آگے صراحت سے آتا ہے ان وحشی جانوروں کو تمہارے آس پاس پھراتے رہیں گے (تاکہ اللہ تعالیٰ) ظاہری طور پر بھی (معلوم کرلے کہ کون شخص اس) کے عذاب (سے بن دیکھے ڈرتا ہے) اور ارتکاب حرام سے جو کہ موجب عذاب ہے بچتا ہے، اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حالت احرام میں شکار کرنا حرام ہے۔ (سو جو شخص اس) حرمت (کے بعد) جس پر امتحان کا لفظ بھی دلالت کر رہا ہے (حد) شرعی

(سے نکلے گا) یعنی ممنوع شکار کا مرتکب ہوگا (اس کے واسطے دردناک سزا) مقرر (ہے) چنانچہ شکاری جانور اسی طرح آس پاس لگے پھرتے تھے، چونکہ صحابہ میں بہت سے شکار کے عادی تھے اس میں ان کی اطاعت کا امتحان ہو رہا تھا جس میں وہ پورے اترے، آگے ممانعت کی زیادہ تصریح ہے کہ (اے ایمان والو وحشی شکار کو) سوائے ان کے جن کی شریعت نے اجازت دی ہے (قتل مت کرو جب کہ تم حالت احرام میں ہو) اسی طرح جب کہ وہ شکار حرم میں ہو گو شکاری احرام میں نہ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے (اور جو شخص تم میں اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر) اس کے فعل کی (پاداش واجب ہوگی جو کہ) قیمت کے اعتبار سے (مساوی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس) کے تخمینہ (کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں) کہ دینداری میں بھی قابل اعتبار ہوں اور تجربہ و بصیرت میں بھی، پھر اس قاتل کو قیمت کے تخمینہ کئے جانے کے بعد اختیار ہے (خواہ) اس قیمت کا کوئی ایسا جانور خریدے کہ (وہ پاداش) کا جانور (خاص چوپاؤں میں سے ہو) یعنی اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ بکری، نر ہو یا مادہ (بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ) کے پاس (تک) یعنی حرم کے اندر (پہنچائی جائے اور خواہ) اس قیمت کے برابر (غلہ بطور کفارہ کے مساکین کو دیدیا جائے) یعنی ایک مسکین کو بقدر ایک صدقہ فطر کے دیا جائے (اور خواہ اس) غلہ (کے برابر روزے رکھ لئے جائیں) برابری کی صورت یہ ہے کہ ہر مسکین کے حصہ یعنی فطرانہ کے بدلے ایک روزہ اور یہ پاداش اس لئے مقرر کی ہے (تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے) بخلاف اس شخص کے جس نے قصداً شکار نہ کیا ہو کیونکہ اگرچہ اس پر بھی جزا تو یہی واجب ہے مگر وہ فعل کی سزا نہیں، بلکہ واجب الاحترام جانور کا تاوان اور جزا ہے اور اس جزا کے ادا کر دینے سے (اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کو معاف فرما دیا۔ اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا) تو چونکہ عام طور سے دوسری بار میں پہلی بار سے زیادہ جرات ہوتی ہے (تو) اس وجہ سے مذکور جزا جو کہ شکار کرنے کا یا شکار کئے ہوئے جانور کا عوض و تاوان ہے اس کے علاوہ آخرت میں (اللہ تعالیٰ اس سے) اس جرات کا (انتقام لیں گے) البتہ اگر توبہ کر لے تو اور بات ہے کیونکہ توبہ سے تو انتقام کا سبب ختم ہو جاتا ہے اور یہ مت بھولو کہ (اور اللہ زبردست انتقام لے سکتے ہیں)۔

**فائدہ**: جزا کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت اور جس جگہ میں وہ جانور قتل ہوا ہے بہتر تو یہ ہے کہ دو معتبر شخصوں سے ورنہ ایک ہی معتبر شخص سے اس جانور کی قیمت کا تخمینہ لگوائے۔

1- پھر اگر وہ جانور حرام ہو تب تو ایک بکری کی قیمت سے زیادہ واجب نہ ہوگی۔

2- اور اگر وہ جانور حلال ہو تو جس قدر تخمینہ ہو گا وہ سب واجب ہو گا۔ پھر ان دونوں حالتوں میں تین طرح کا اختیار ہو گا۔

i- اس قیمت کا کوئی جانور قربانی کی شرائط کو دیکھتے ہوئے خرید لے اور اس کو حدود حرم میں ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء میں بانٹ دے۔

ii- اس قیمت کے برابر غلہ فقراء پر تقسیم کر دے اس طرح سے کہ ایک فقیر کو پونے دو کلو گندم ملے۔

iii- غلہ کی تقسیم میں جتنے فقیروں کو صدقہ ملے گا اتنے ہی روزے رکھے۔

مسئلہ: اگر مقتول جانور کی قیمت مثلاً دو ہزار سات سو روپے بنی اور ڈھائی ہزار میں ایک بکری خرید لی تو بقیہ دو سو کا غلہ فقراء میں فی کس صدقہ فطر کے برابر تقسیم کر دے یا اتنے ہی فقیروں کے برابر روزہ رکھ لے۔

مسئلہ: جانور کو اگر زخمی کیا تو اس کی وجہ سے جانور کی قیمت میں جو فرق پڑتا ہے اس مالی فرق میں مذکورہ بالا تینوں اختیار ہوں گے۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

**ترجمہ**: حلال کیا گیا تمہارے لئے دریا کا شکار اور دریا کا کھانا فائدہ کے طور پر تمہارے لئے، اور سب مسافروں کے لئے۔ اور حرام کیا گیا تم پر خشکی کا شکار جب تک تم ہو احرام میں۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔

**تفسیر**: (تمہارے لئے) حالت احرام میں (دریا) یعنی پانی (کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا) سب (حلال کیا گیا ہے تمہارے نفع کے واسطے) اور تمہارے (مسافروں کے) نفع کے (واسطے) کہ سفر میں اسی کو توشہ بنائیں (اور خشکی کا شکار پکڑنا) یا اس میں مددگار ہونا (تمہارے لئے حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں رہو۔ اور اللہ تعالیٰ) کی مخالفت (سے ڈرو جس کے پاس جمع) کر کے حاضر (کئے جاؤ گے)

**فائدہ**: دریائی جانور سے مراد وہ جانور ہیں جو پانی میں پیدا ہوتے ہیں اور پانی میں رہتے

ہیں۔ بطخ اور مرغابی چونکہ پانی میں پیدا نہیں ہوتیں اس لئے وہ دریائی جانوروں میں شامل نہیں۔

**ربط**: اوپر حالت احرام میں خشکی کے شکار کو حرام فرمایا۔ چونکہ تحریم اکثر نفس پر گراں ہوتی ہے اس لئے چند حرام چیزوں کی منفعتیں اور مصلحتیں جو مشاہدہ میں آ رہی ہیں ان کو بیان فرماتے ہیں۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ
وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾

**ترجمہ**: کر دیا اللہ نے کعبہ کو احترام والے گھر کو قیام کا باعث لوگوں کے لئے اور بزرگی والے مہینہ کو اور حرم میں ذبح ہونے والے جانور کو اور ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے ہوں۔ یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔

**تفسیر**: (خدا تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ (ادب و احترام کا مکان ہے، لوگوں) کی مصلحتوں (کے قائم رہنے کا سبب قرار دیدیا ہے اور) اسی طرح (عزت والے مہینہ کو بھی اور) اسی طرح (حرم میں قربان ہونے والے جانور کو بھی اور) اسی طرح (ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں) اس نشانی کے (پٹے ہوں) کہ یہ اللہ کی نیاز ہیں حرم میں ذبح ہوں گے۔ (یہ) قرار داد جہاں اس میں اور دنیوی مصلحتیں ہیں وہیں یہ (اس) دینی مصلحت کے (لئے) بھی (ہے تاکہ) تمہارا اعتقاد درست اور پختہ ہو اس طرح سے کہ (تم) ان مصلحتوں سے استدلال کر کے (اس بات کا یقین کر لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم) کامل (رکھتے ہیں) کیونکہ ایسا حکم دینا جس میں آئندہ کی ایسی مصلحتوں کی رعایت ہو جن کو انسانی عقلیں نہ سوچ سکیں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کے کمال کی دلیل ہے (اور) اس سے استدلال کر کے یقین کر لو کہ (بیشک اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو خوب جانتے ہیں)۔

**فائدہ**: کعبہ دینی اور دنیوی دونوں حیثیتوں سے لوگوں کے قیام کا باعث ہے۔

1- حج و عمرہ تو وہ عبادات ہیں جن کا ادا کرنا براہ راست کعبہ ہی سے متعلق ہے لیکن نماز کے لئے بھی استقبال قبلہ شرط ہے۔ اس طرح کعبہ لوگوں کی عبادات کے قیام کا سبب بن گیا۔

2- حج کے موقع پر تمام اسلامی علاقوں سے لاکھوں مسلمان وہاں جمع ہوتے ہیں تو بے شمار

تجارتی، سیاسی، اخلاقی، مذہبی اور روحانی فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔

3- اللہ تعالیٰ نے اس کو امن والا بنایا ہے اس لئے انسانوں بلکہ بہت سے جانوروں کو بھی وہاں رہ کر امن نصیب ہوتا ہے۔

4- عالم کی بقاء بھی اس کی بقاء کے ساتھ ہے۔قرب قیامت میں کفار اس کو ڈھادیں گے اور پھر عنقریب قیامت قائم ہو جائے گی۔

**ربط**: چند احکام ذکر کر کے آگے ان پر عمل کرانے کے لئے ترغیب و ترہیب سے کام لیتے ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

**ترجمہ**: جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے اور یہ کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ نہیں ہے رسول کے ذمہ مگر پہنچا دینا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔تو کہہ دے کہ نہیں ہے برابر ناپاک اور پاک اگرچہ تعجب میں ڈالے تجھ کو ناپاک کی کثرت۔سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقلمندو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

**تفسیر**: (تم یقین جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والے ہیں) تو ان کے احکام کی خلاف ورزی مت کیا کرو اور جو کبھی ہو جائے تو شرعی قاعدہ کے موافق توبہ کر لو۔ (رسول) ﷺ (کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے)، سو وہ خوب پہنچا چکے اب تمہارے پاس کوئی عذر و حیلہ نہیں رہا (اور اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں جو کچھ تم) زبان یا دیگر اعضاء سے (ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ) دل میں (پوشیدہ رکھتے ہو) سو تم کو چاہئے کہ اپنے ظاہر و باطن دونوں سے مکمل اطاعت کرو۔ (آپ) اے محمد ﷺ ان سے یہ بھی (فرما دیجئے کہ) اگرچہ دنیا میں عام طور سے ناپاک یعنی گناہ اور گناہگاروں کی کثرت رہتی ہے لیکن یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ (ناپاک اور پاک) یعنی گناہ اور اطاعت یا گناہ کرنے والا اور اطاعت کرنے والا (برابر نہیں) بلکہ خبیث تو مبغوض ہے اور طیب مقبول ہے، پس اطاعت کر کے مقبول بننا چاہئے معصیت کر کے

مبغوض نہ ہونا چاہئے (اگرچہ) اے دیکھنے والے (تجھ کو ناپاک کی کثرت) اس وجہ سے (تعجب میں ڈالتی ہو) کہ باوجود ناپسندیدہ ہونے کے یہ کثیر کیوں ہے۔ مگر یہ سمجھ لو کہ کثرت جو اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت سے ہے قابل تعریف ہونے کی دلیل نہیں۔ جب تم نے جان لیا کہ مقبولیت کا مدار کثرت پر نہیں اور جب تم اللہ تعالیٰ کے علم وعقاب پر بھی مطلع ہو گئے (تو) اس کو مت دیکھو بلکہ (خدا تعالیٰ) کے حکم کی خلاف ورزی کرنے (سے ڈرتے رہو تاکہ تم) پورے طور سے (کامیاب ہو) کر جنت اور رضائے حق حاصل کرلو۔

## بیسواں حکم: احکام و واقعات میں فضول سوال کرنے کی ممانعت

جب کسی شخص کو صرف اتنا حکم دیا جائے کہ فلاں جگہ پہنچ جاؤ اور مزید کوئی ہدایت نہ دی جائے تو اس شخص کو اختیار ہوگا کہ وہ جس رستے سے چاہے اور جس ذریعہ سے چاہے اس جگہ پہنچ جائے۔ اگر یہ شخص حکم دینے والے سے یہ پوچھنے لگے کہ میں عام بس سے جاؤں (جس کا کرایہ پانچ روپے ہے) یا ٹیکسی سے جاؤں (جس کا کرایہ سو روپے ہے) تو اس طرح کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ٹیکسی سے جانے کی قدرت رکھتا ہے اور اس کے لئے تیار ہے۔ اس پر حکم دینے والا کسی بھی مصلحت سے یہ کہے کہ ٹیکسی سے جاؤ تو اس کا یہ نئی ہدایت دینا غلط نہ ہوگا اور اس شخص کا اختیار کم ہو جائے گا یا بالکل ختم ہو جائے گا۔ یہ تنگی خود سوال کی وجہ سے اس پر آئی اور اس کی یہ حرکت نہایت غیر معقول شمار ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی سنت بھی یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی معاملہ میں بکثرت سوال اور کھود کرید کی جائے اور خواہ مخواہ احتمالات نکالے جائیں تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سختی بڑھتی جاتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے بیل ذبح کرنے والے قصہ میں ایسا ہی ہوا۔ حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا اے لوگو خدا نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ ایک شخص بول اٹھا کیا ہر سال یا رسول اللہ۔ فرمایا اگر میں (ہاں) کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا پھر تم ادا نہ کر سکتے۔ جس چیز میں تم کو آزاد چھوڑوں تم بھی مجھ کو چھوڑ دو (کہ مجھ سے بلا وجہ کے سوال نہ کرو)۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ مسلمانوں میں وہ شخص بڑا مجرم ہے جس کے سوالات کی بدولت ایسی چیز حرام کی گئی جو حرام نہ تھی۔

باقی ضروری بات پوچھنا یا کسی دلیل سے پیدا ہونے والے شبہ کو دور کرنے کے لئے سوال کرنا فضول نہیں ہے اس لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ
وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا
بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو! مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر کھول دی جائیں تم پر تو بری لگیں تم کو اور اگر پوچھو گے یہ باتیں ایسے وقت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ درگزر کیا ہے اللہ نے ان باتوں سے اور اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے۔ پوچھ چکی ہے ایسی باتیں ایک جماعت تم سے پہلے پھر ہو گئے وہ ان باتوں سے منکر۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو ایسی) فضول (باتیں مت پوچھو) جن میں یہ احتمال ہو (کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو) یعنی یہ احتمال ہو کہ جواب تمہاری منشاء کے خلاف آیا تو ناگوار ہوگا (اور) جن میں یہ احتمال ہو کہ (اگر تم قرآن) اور وحی (کے نزول کے زمانہ میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر کر دی جائیں) یعنی سوال کرنے میں تو یہ دوسرا احتمال ہو کہ جواب مل جائے اور جواب ملنے میں وہ پہلا احتمال ہو کہ ناگوار گذرے، اور یہ دونوں احتمال جو مجموعی طور سے سوال کی ممانعت کی علت ہیں واقعی ہیں پس ایسا سوال ممنوع ہے، خیر (گذشتہ سوالات) جو اس وقت تک کر چکے ہو وہ تو (اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے) مگر آئندہ مت کرنا (اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں) اس لئے گذشتہ سوالات معاف کر دیئے اور (بڑے حلم والے ہیں) اس لئے اگر آئندہ کی خلاف ورزی پر دنیا میں سزا نہ دے تو دھوکہ میں مت پڑ جانا کہ آگے بھی کوئی عذاب وسزا نہ ہوگی۔ (ایسی باتیں تم سے پہلے) زمانہ میں (اور) امتوں کے (لوگوں نے بھی) اپنے پیغمبروں سے (پوچھی تھیں پھر) ان کو جواب ملا تو (ان باتوں کا حق نہ بجا لائے) یعنی ان جوابوں میں جو جواب احکام سے متعلق تھے ان کے موافق عمل نہ کیا اور جو واقعات سے متعلق تھے ان سے متاثر نہ ہوئے، پس کہیں تم کو بھی ایسی ہی نوبت نہ پیش آئے، اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ ایسے سوالات چھوڑ دو۔

اکیسواں حکم: کفر کے بعض طریقوں کا ابطال

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّ

وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ
قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ
شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

**ترجمہ**: نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی ولیکن کافر باندھتے ہیں اللہ پر بہتان، اور اکثر کافر عقل نہیں کرتے۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو آؤ اس کی طرف جو اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں کافی ہے ہم کو وہ پایا ہم نے جس پر اپنے باپ دادوں کو۔ بھلا اگر ان کے باپ دادے نہ علم رکھتے ہوں کچھ اور نہ راہ جانتے ہوں (تب بھی یہ ایسا ہی کریں گے)۔

**تفسیر**: (اللہ نے نہ بحیرہ کو مقرر کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ) ان رسوم کے بارے میں (اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں) کہ خدا تعالیٰ ان اعمال سے خوش ہیں (اور اکثر کافر) دین کی (عقل نہیں رکھتے) اور اس سے کام نہیں لیتے بلکہ محض اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی ایسی جہالتیں کرتے ہیں چنانچہ (جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول) ﷺ (کی طرف) جن پر وہ احکام نازل ہوئے ہیں (رجوع کرو) جو بات اس سے حق ثابت ہو حق سمجھو اور جو باطل ثابت ہو باطل سمجھو (تو کہتے ہیں کہ ہم کو) ان احکام اور رسول کی ضرورت نہیں ہم کو (وہی) طریقہ (کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے)۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (کیا) وہ طریقہ ان کے لئے ہر حال میں کافی ہے (اگرچہ ان کے بڑے) دین کی (نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ) کسی آسمانی کتاب کی (ہدایت رکھتے ہوں)۔

**فائدہ**: بحیرہ اس جانور کو کہتے تھے جس کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے تھے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔

سائبہ اس جانور کو کہتے تھے جس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور اس سے کوئی کام نہ لیتے تھے۔

وصیلہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جو پہلی اور دوسری بار مادہ بچہ جنے درمیان میں نر بچہ نہ جنے۔ اس کو

بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

حامی وہ نر اونٹ ہوتا تھا جو ایک خاص شمار سے جفتی کر چکا ہو۔ اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

**ربط**: کفار کی مذکورہ بالا جیسی جہالتیں دیکھ اور پھر یہ دیکھ کر کہ بہت کچھ نصیحت و فہمائش کے باوجود وہ باز نہیں آتے سلیم الطبع مسلمانوں کو رنج و افسوس ہوتا تھا تو آگے ان کو تسلی دی کہ تم زیادہ اس غم میں مت پڑو کسی کی گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو جو یہ ہے کہ آدمی ایمان و تقویٰ اختیار کرے، خود برائی سے رکے اور دوسروں کو روکنے کی امکانی کوشش کرے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو تم پر لازم ہے فکر اپنی جانوں کی۔ نہیں بگاڑتا تمہارا جو کوئی گمراہ ہوا جب کہ تم ہوئے راہ پر۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے، پھر وہ بتا دے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو اپنی) اصلاح کی (فکر کرو) اصل کام تمہارے ذمہ یہ ہے باقی دوسروں کی اصلاح کے متعلق یہ ضابطہ ہے کہ جب تم اپنی طرف سے فائدہ کی امید رکھتے ہوئے اپنی گنجائش بھر کوشش کر رہے ہو مگر دوسرے پر اثر نہیں ہوتا تو تم اثر مرتب نہ ہونے کی فکر میں مت پڑو کیونکہ (جب تم) دین کی (راہ پر چل رہے ہو) اور واجبات دین کو ادا کر رہے ہو اس طرح کہ اپنی بھی اصلاح کر رہے ہو اور دوسروں کی اصلاح میں بھی کوشش کر رہے ہو (تو جو شخص) تمہاری اصلاح کرنے کی کوشش کے باوجود (گمراہ رہے تو اس) کے گمراہ رہنے (سے تمہارا کوئی نقصان نہیں) اور جیسا دوسرے کی اصلاح میں حد سے زیادہ فکر و غم سے منع کیا جاتا ہے ایسا ہی دوسرے کی ہدایت سے ناامیدی کے وقت غصہ میں آ کر دنیا ہی میں حق و باطل کا اخیر فیصلہ ہو جانے کی بھی تمنا مت کرنا کیونکہ یہ آخرت میں ہوگا چنانچہ (اللہ ہی کے پاس تم سب کو لوٹنا ہے پھر وہ بتا دیں گے جو کچھ تم سب کیا کرتے تھے) اور بتا کر حق پر ثواب اور باطل پر عذاب کا حکم نافذ فرما دیں گے۔

**فائدہ**: 1- مندرجہ بالا آیت کا صرف ترجمہ دیکھنے سے یہ وہم ہوتا ہے کہ جو شخص خود دین پر عامل رہے اس کے ذمہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ

دوسرے کے گمراہ رہنے سے تم کو جو نقصان نہ ہوگا تو وہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ تم ہدایت پر رہو اور تمہارا ہدایت پر رہنا اس وقت مکمل ہوتا ہے جب تم امر بالمعروف بھی کرو اور نہی عن المنکر بھی کرو۔

2- لَا يَضُرُّكُمْ کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہ کو ضرر کا خیال تھا کیونکہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى کہ قیامت کے دن کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا واضح ہے اور عام عقل سے سمجھ میں آنے والی بھی ہے۔ یہاں مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ دوسروں کا نہ ماننا چونکہ تمہارے لئے مضر نہیں لہذا ان کے غم میں نہ پڑو کیونکہ ایسی فکروں میں پڑنے سے بعض اوقات دین کے ضروری کاموں میں خلل پڑتا ہے۔

بائیسواں حکم: اگر قرائن سے وصیوں کی قسم کا جھوٹ ہونا معلوم ہو اور وہ شرعی شہادت سے اپنی سچائی ثابت نہ کر سکیں تو میت کے وارثوں کو قسم دی جائے گی کہ ان کو وصیوں کے دعویٰ کی سچائی کا کوئی علم نہیں۔

## آیات کے نازل ہونے کا قصہ

ایک شخص بدیل نامی جو مسلمان تھا دو شخصوں تمیم و عدی کے ساتھ جو اس وقت نصرانی تھے تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف گیا۔ شام پہنچ کر بدیل بیمار پڑ گیا۔ اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور اپنے دونوں ساتھیوں کو اطلاع نہ دی۔ مرض جب زیادہ بڑھا تو اس نے دونوں نصرانی ساتھیوں کو وصیت کی کہ میرا تمام سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ انہوں نے سب سامان لاکر وارثوں کے حوالہ کر دیا مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کے نقش و نگار تھے اس میں سے نکال لیا۔ وارثوں کو سامان میں سے فہرست ملی تو انہوں نے بدیل کے وصیوں تمیم و عدی سے پوچھا کہ میت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا کچھ زیادہ بیمار رہا کہ معالجہ وغیرہ میں کچھ خرچ ہوا ہو۔ ان دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ آخر معاملہ رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا۔ چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے تو ان دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں کسی طرح کی خیانت نہیں کی نہ اس کی کوئی چیز چھپائی۔ آخر قسم پر فیصلہ ان وصیوں کے حق میں کر دیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان دونوں نے مکہ میں کسی سنار کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ وصیوں سے جب پوچھا گیا تو کہنے لگے کہ ہم نے وہ میت سے خرید لیا تھا۔ چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اس لئے ہم نے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا کہ کہیں ہمیں جھوٹا نہ سمجھا جائے۔ میت کے وارث پھر نبی ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ اب پہلی صورت کے برعکس وصی خریداری کے

مدعی اور وارث منکر تھے۔ شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت سے قریب تر تھے قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملک تھا اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں کیونکہ پیالہ کے میت کی ملکیت میں ہونے کا اقرار تو وصی بھی کر چکے تھے اور انہی وصیوں کی یہ بات کہ وہ پیالہ خرید چکے تھے وہ اس سے غلط ثابت ہوتی ہے کہ میت نے فہرست میں پیالہ کو لکھا لیکن سامان میں نہ تو پیالہ تھا اور نہ اس کے متبادل قیمت موجود تھی۔ چنانچہ وصیوں سے قیمت فروخت لے کر وارثوں کو دلوائی گئی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ
اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ
مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ
الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ
ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ
اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا
فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ
فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ
اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى
وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو وصی ہونا تمہارے آپس میں جب کہ پہنچے کسی کو تم میں سے موت (اور وہ وصیت کرے تو یہ ہے کہ) وصیت کے وقت دو شخص معتبر ہونے چاہئیں تم میں سے یا دو دوسرے شخص ہوں تمہارے علاوہ سے اگر تم نے سفر کیا ہو زمین میں پھر پہنچے تم کو مصیبت موت کی، تو روک لو ان دونوں کو بعد نماز کے پھر وہ دونوں قسم کھائیں اللہ کی اگر تم کو شبہ ہو (ان پر اور وہ یوں کہیں) کہ ہم عوض میں نہیں لیتے قسم کے بدلے قیمت

اگر چہ قرابت دار ہی ہوتا، اور نہیں ہم چھپاتے اللہ کی گواہی ورنہ تو بے شک ہم گناہگاروں میں سے ہوں گے۔ پھر اگر اطلاع ہو جائے اس پر کہ وہ دونوں (اپنی قسم میں) مستحق ہو گئے تھے گناہ کے (یعنی انہوں نے جھوٹی قسم کھائی تھی) تو دو دوسرے گواہ کھڑے ہوں ان کی جگہ ان میں سے کہ مستحق ہوئے (گناہ کے) جن کے مقابلہ پر جو سب سے زیادہ قریب ہوں میت کے پھر قسم کھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی تحقیقی ہے پہلوں کی گواہی سے اور نہیں زیادتی کی ہم نے (ورنہ بے شک ہم اس وقت ظالموں میں سے ہوں گے۔ یہ زیادہ قریب ہے (اس کے) کہ وہ ادا کریں شہادت کو ٹھیک طرح پر اور ڈریں کہ (کہیں الٹا دی جائیں قسمیں ان کی قسم کے بعد۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سنو۔ اور اللہ نہیں رہنمائی کرتا نافرمانوں کو۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو تمہارے آپس) کے معاملات (میں) مثلاً ورثاء کو مال پہنچانے کے لئے (دو شخصوں کا وصی ہونا مناسب ہے) گو بالکل وصی نہ بنانا بھی جائز ہے (جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے) یعنی (جب وصیت کرنے کا وقت ہو) اور (وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے) یعنی مسلمانوں میں سے (ہوں یا) مسلمان نہ ملیں تو (غیر مسلم قوم کے دو شخص ہوں اگر) مثلاً (تم کہیں سفر میں گئے ہو پھر تم پر موت کا واقعہ پڑ جائے)۔ اور یہ سب امور واجب تو نہیں البتہ مناسب اور بہتر ہیں اور جس طرح بالکل وصی نہ بنانا جائز ہے اسی طرح اگر ایک وصی ہو یا عادل نہ ہو یا حضر میں غیر مسلم کو بنائے سب جائز ہے، پھر ان وصیوں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ (اگر) کسی وجہ سے ان پر (تم کو) اے وارثو (شبہ ہو تو) اے فیصلہ کرنے والو اس طرح فیصلہ کرو کہ اول ورثاء سے چونکہ وہ مدعی ہیں اس بات پر گواہ طلب کرلو کہ وصیوں نے فلاں چیز مثلاً پیالہ لے لیا ہے۔ اور اگر وارث گواہ نہ لا سکیں تو ان وصیوں سے چونکہ وہ مدعا علیہ ہیں اس طرح قسم لو کہ (ان دونوں) وصیوں (کو بعد نماز) عصر مثلاً (روک لو) کیونکہ اکثر اس وقت مجمع زیادہ ہوتا ہے، تو جھوٹی قسم کھانے والا کچھ نہ کچھ شرماتا ہے، نیز وقت بھی بابرکت ہے کچھ اس کا بھی خیال ہوتا ہے۔ اور متبرک وقت اور لوگوں کے اجتماع کی رعایت کرنے سے مقصود یہ ہے کہ قسم میں زور آ جائے اور کوئی جھوٹی قسم کھانے پر جرات نہ کرے۔ (پھر دونوں) اس طرح (خدا کی قسم کھائیں کہ) صیغہ حلف کے ساتھ یہ کہیں کہ (ہم اس قسم کے عوض کوئی) دنیا کا (نفع نہیں لینا چاہتے) کہ اس کی وجہ سے قسم میں سچ بولنے کو چھوڑ دیں (اگر چہ) اس واقعہ میں ہمارا (کوئی قرابتدار بھی) کیوں نہ (ہوتا) جس کی

مصلحت کو اپنی مصلحت سمجھ کر ہم جھوٹی قسم کھاتے، اور اب تو کوئی ایسا بھی نہیں۔ جب دوہری مصلحتوں کی وجہ سے بھی ہم جھوٹ نہ بولتے تو ایک مصلحت کے لئے ہم کیوں جھوٹ بولیں گے (اور اللہ کی) طرف سے جس (بات) کے کہنے کا حکم ہے اس (کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے) اور (ہم) اگر ایسا کریں تو (اس حالت میں سخت گنہگار ہوں گے)۔ ان سخت تاکیدی الفاظ سے مقصود سچائی کے وجوب کا اور جھوٹ کی حرمت کا اور اللہ تعالٰی کی عظمت کا استحضار ہے جو جھوٹی قسم کھانے سے مانع ہوگا۔ زمان، مکان اور الفاظ کی تاکید کے بعد حاکم چاہے تو مزید کسی تاکید کے بغیر اصل مضمون پر قسم لے لے مثلاً یہ کہ ہم کو میت نے پیالہ نہیں دیا، اور اس پر مقدمہ کا فیصلہ کر دینا چاہئے، چنانچہ اس آیت کے واقعہ میں ایسا ہی ہوا۔ (پھر) اس کے بعد (اگر) کسی طرح سے ظاہراً (اس کی اطلاع ہو کہ وہ دونوں وصی کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں) مثلاً آیت والے قصہ میں جیسا کہ پہلے ذکر ہوا جب پیالہ مکہ میں ملا اور دونوں وصیوں نے دریافت کرنے پر میت سے خریدنے کا دعویٰ کیا جس سے میت سے لے لینے کا اقرار لازم آتا ہے اور وہ ان کے پہلے قول کے مخالف ہے جس میں مطلقاً لینے ہی سے انکار کیا تھا، چونکہ اپنے لئے نقصان دہ بات کا اقرار حجت اور دلیل ہوتا ہے، اس لئے ظاہراً ان کا خائن اور کاذب ہونا معلوم ہوا (تو) ایسی صورت میں مقدمہ کا رخ بدل جائے گا، وصی جو کہ پہلے مدعا علیہ تھے اب خریدنے کے مدعی ہو گئے، اور ورثاء جو کہ پہلے وصیوں کی خیانت کے مدعی تھے اب مدعا علیہ ہو گئے، اس لئے اب فیصلہ کی یہ صورت ہوگی کہ اول وصیوں سے خریدنے کے گواہ طلب کئے جائیں اور جب وہ گواہ پیش نہ کر سکیں تو (ان) وارث (لوگوں میں سے جن کے مقابلہ میں) ان وصیوں کی جانب سے (گناہ) مذکور (کا ارتکاب ہوا تھا اور) جو کہ شرعاً میراث کے مستحق ہوں مثلاً آیت کے قصہ میں وہ (دو شخص) ہیں (جو سب) وارثوں (میں باعتبار) استحقاق میراث (قریب تر ہیں جہاں) پہلی مرتبہ حلف کے لئے (وہ دونوں) وصی (کھڑے ہوئے تھے) اب (یہ دونوں) وارث حلف کے لئے (کھڑے ہوں۔ پھر دونوں) وارث اس طرح (خدا کی قسم کھائیں) اور صیغہ حلف کے ساتھ یہ کہیں (کہ یقیناً ہماری یہ قسم) اس وجہ سے کہ ظاہر میں اور حقیقت میں اشتباہ سے بالکل پاک ہے (ان دونوں) وصیوں (کی قسم سے زیادہ درست ہے) کیونکہ وصیوں کی قسم کی حقیقت کا اگرچہ ہم کو علم نہیں لیکن مخالف بات سامنے آنے سے بظاہر تو وہ مشتبہ ہو گئی (اور ہم نے) حق سے (ذرا تجاوز نہیں کیا) اور (ہم) اگر ایسا کریں تو ہم (اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے) کیونکہ دوسرے کا مال جان بوجھ کر بلا اجازت لے لینا ظلم ہے۔ یہ بھی

ایک طرح کی قسم میں تاکید ہے جو حاکم کی رائے پر ہے کہ اگر ضرورت سمجھے تو یہ الفاظ کہلوائے۔ پھر اصل مضمون پر قسم لی جائے جس کا صیغہ اس وجہ سے کہ دوسرے کے فعل پر ہے یہ ہوگا کہ خدا کی قسم ہمارے علم میں میت نے ان مدعیوں کے ہاتھ پیالہ فروخت نہیں کیا۔ اور چونکہ اس کے واقعی ہونے پر زیادہ موکد قسم لی گئی جیسا کہ لفظ اُحَقّ سے معلوم ہوتا ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ اس کا مدار چونکہ میرے ہی اوپر ہے اس لئے قسم کھاتا ہوں کہ جیسا اس میں ظاہری جھوٹ کا ثبوت نہیں اسی طرح حقیقت میں بھی جھوٹ نہیں ہے۔ (یہ) قانون جو دو آیتوں میں مذکور ہوا (بہت قریب ذریعہ ہے اس بات کا کہ وہ) وصی (لوگ واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کریں) اگر سپرد کیا جانے والا مال زائد نہیں تو قسم کھالیں اور اگر زائد ہے تو گناہ سے ڈر کر قسم نہ کھائیں اور حقداروں کو ان کا مال دے دیں، یہ حکمت تو وصیوں سے حلف لینے میں ہے (یا) وارث (اس بات سے ڈر) کر قسم کھانے سے رک (جائیں کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد) کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا جھوٹ ثابت ہو جائے اور ان پر (قسمیں الٹا دی) پھر ان کو رسوا ہونا پڑے گا، یہ حکمت وارثوں سے حلف لینے میں ہے۔ اور ان سب شقوں جائیں میں حق دار کو اس کا حق پہنچایا ہے جو کہ مطلوب ہے، (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) اور معاملات و حقوق میں جھوٹ مت بولو (اور) ان کے احکام کو (سنو) یعنی مانو (اور) اگر خلاف کرو گے تو فاسق ہو جاؤ گے اور (اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو) قیامت کے روز فرمانبرداروں کے درجات کی طرف (رہنمائی نہ کریں گے) بلکہ نجات پانے کے وقت بھی ان کے درجوں سے کم رہیں گے تو ایسا خسارہ کیوں گوارا کرتے ہو۔

**ربط**: احکام کے بیان کے بعد اب قیامت کی ہولناکی کو بیان کرتے ہیں تاکہ اس کو یاد کر کے نافرمانی سے بچیں اور احکام بجا لائیں اور آخرت کی تیاری کریں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

**ترجمہ**: جس دن جمع کرے گا اللہ سب پیغمبروں کو پھر کہے گا کیا جواب دیئے گئے تھے تم۔ وہ کہیں گے نہیں کچھ خبر ہم کو بے شک تو ہی ہے جاننے والا چھپی باتوں کا۔

**تفسیر**: وہ دن بھی کیسا ہولناک ہوگا (جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو) مع ان کی امتوں کے (جمع کریں گے پھر) ان امتوں میں جو نافرمان ہوں گے ان کی توبیخ کے لئے ان کے

سنانے کو ان پیغمبروں سے (ارشاد فرمائیں گے کہ تم کو) ان امتوں کی طرف سے (کیا جواب ملا تھا، وہ عرض کریں گے کہ) ظاہری جواب تو ہم کو معلوم ہے اور اس کو بیان بھی کر دیں گے، لیکن ان کے دل میں جو کچھ تھا اس کی (ہم کو کچھ خبر نہیں) اس کو آپ ہی جانتے ہیں کیونکہ (آپ بیشک پوشیدہ باتوں کے پورے جاننے والے ہیں) مطلب یہ کہ ایک دن ایسا ہوگا اور اعمال و احوال کی تفتیش ہو گی، اس لئے تم کو مخالفت و معصیت سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

**ربط**: قیامت کی ہولناکی ہی کا بیان ہے کہ اس دن انبیاء علیہم السلام سے بھی پوچھا جائے گا کہ ان کی گمراہ امتوں نے کیا ان کے کہنے پر گمراہی اختیار کی تھی۔ اس کی تمہید کے طور پر یہ آیتیں ہیں کہ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے احسانات گنائیں گے پھر پوچھیں گے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ
عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي
الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ
وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ
فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ
وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ
جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا
سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ
بِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

**ترجمہ**: جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ بن مریم یاد کر میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب مدد کی میں نے تیری روح پاک سے، تو کلام کرتا تھا لوگوں سے گود میں اور بڑی عمر میں اور جب سکھائی میں نے تجھ کو کتاب اور سمجھ کی باتیں اور توریت اور انجیل اور جب تو بناتا تھا گارے سے پرندے کی صورت میرے حکم سے، پھر تو پھونک مارتا تھا اس میں تو ہو جاتا اڑنے والا میرے حکم سے، اور تو اچھا کرتا تھا مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو

میرے حکم سے اور جب نکال کھڑا کرتا تھا مردوں کو میرے حکم سے اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لے کر آیا ان کے پاس نشانیاں تو کہنے لگے جو کافر تھے ان میں سے نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو، اور جب دل میں ڈالا میں نے حواریوں کے کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسولؑ پر تو کہنے لگے ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

**تفسیر**: اور اسی روز عیسیٰ علیہ السلام سے ایک خاص گفتگو ہوگی (جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ بن مریم میرا انعام یاد کرو) تا کہ لذت تازہ ہو (جو تم پر اور تمہاری والدہ پر) مختلف اوقات میں مختلف صورتوں سے (ہوا ہے) مثلاً (جب کہ میں نے تم کو روح القدس) یعنی جبرئیل علیہ السلام (سے امداد اور تائید دی) اور (تم آدمیوں سے) دونوں حالتوں میں یکساں (کلام کرتے تھے) ماں کی (گود میں بھی اور کہولت) کی بڑی (عمر میں بھی) جو کہ قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہونے کے بعد حاصل ہوئی۔ دونوں کلاموں میں کچھ تفاوت نہ تھا (اور جبکہ میں نے تم کو) آسمانی (کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور) بالخصوص (توریت وانجیل تعلیم کیں اور جب کہ تم گارے سے ایک شکل بناتے تھے، جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے میرے حکم سے پھر تم اس) مصنوعی ہیئت (کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ) سچ مچ کا جاندار (پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے، اور تم اچھا کر دیتے تھے مادر زاد اندھے کو اور کوڑھ کے بیمار کو میرے حکم سے، اور جب کہ تم مردوں کو) قبروں سے (نکال) کے اور زندہ کر کے (کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے، اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل) میں سے جو تمہارے مخالف تھے ان (کو تم سے) یعنی تمہارے قتل سے (باز رکھا جب) انہوں نے تم کو ضرر پہنچانا چاہا جب کہ (تم ان کے پاس) اپنی نبوت کی (دلیلیں) یعنی معجزات (لے کر آئے تھے پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ) معجزات (سوائے کھلے جادو کے اور کچھ بھی نہیں اور جب کہ میں نے حوارئین کو) انجیل میں تمہاری زبانی (حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول) عیسیٰ علیہ السلام (پر ایمان لاؤ انہوں نے) جواب میں تم سے (کہا کہ ہم) خدا اور رسول یعنی آپ پر (ایمان لائے اور آپ گواہ رہئے کہ ہم) خدا کے اور آپ کے (پورے فرمانبردار ہیں)۔

**فائدہ**: ان سب امور کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے انعام ہونا تو ظاہر ہے لیکن حضرت مریم علیہا السلام کے حق میں انعام ہونا اس طور پر ہے کہ ان سب امور سے آپ کا نبی ہونا ثابت ہے اور آپ نے حضرت مریم کی پاکدامنی کی خبر دی ہے اور چونکہ نبی کی سب خبریں سچی ہوتی

ہیں اس لئے حضرت مریم کی پاکدامنی ثابت ہوگئی اور یہ بڑا انعام ہے۔ اور والدہ پر جو انعام ہوا وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس لئے یاد دلایا گیا کہ بڑوں پر انعام انکے چھوٹوں پر بھی انعام شمار ہوتا ہے کہ یہ ایسے بڑوں کی اولاد ہیں۔

**ربط**: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو احسانات گنوائے گئے ان میں سے ایک مائدہ کا نزول بھی ہے۔

اِذْ قَالَ

الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ

عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ

صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا

لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْۤ اُعَذِّبُهٗ

عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

**ترجمہ**: جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ بن مریم کیا طاقت رکھتا ہے تیرا رب کہ اتارے ہم پر (بھرا ہوا) خوان آسمان سے۔ بولا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے، ان (حواریوں) نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ کھائیں اس میں سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ تو نے سچ کہا ہم سے اور ہو جائیں ہم اس پر گواہوں میں سے۔ کہا عیسیٰ بن مریم نے اے اللہ رب ہمارے اتار ہم پر (بھرا ہوا) خوان آسمان سے کہ وہ ہو جائے ہمارے لئے خوشی ہمارے پہلوں اور ہمارے پچھلوں کے واسطے اور (ہو جائے) نشانی تیری طرف سے۔ اور روزی دے ہم کو اور تو ہی ہے سب سے بہتر روزی دینے والا۔ کہا اللہ نے بیشک میں اتارنے والا ہوں وہ خوان تم پر پھر جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے بعد تم میں سے تو بلاشبہ میں عذاب دوں گا اس کو وہ عذاب نہیں دوں گا عذاب ویسا کسی کو جہان میں۔

**تفسیر**: (وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے جب کہ حواریین نے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے (عرض کی کہ اے عیسیٰ بن مریم) علیک السلام (کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں) یعنی کوئی بات خلاف حکمت ہونے کی وجہ سے اس سے مانع تو نہیں (کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا) پکا پکایا (نازل فرمادیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو) مطلب یہ کہ تم تو ایمان دار ہو اس لئے خدا سے ڈرو اور معجزات کی فرمائش سے کہ بے ضرورت ہونے کی وجہ سے خلاف ادب ہے بچو۔ (وہ بولے کہ) ہمارا مقصود بے ضرورت فرمائش کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک مصلحت سے اس کی درخواست کرتے ہیں وہ یہ کہ (ہم) ایک تو (یہ چاہتے ہیں کہ) برکت حاصل کرنے کو (اس میں سے کھائیں اور) دوسرے یہ چاہتے ہیں کہ (ہمارے دلوں کو) ایمان پر (پورا اطمینان ہو جائے اور) دل کے اطمینان کا مطلب یہ ہے کہ (ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے) دعویٰ رسالت میں (ہم سے سچ بولا ہے) کیونکہ جس قدر دلائل بڑھتے جاتے ہیں دعوے کا یقین بڑھتا جاتا ہے (اور) تیسرے یہ چاہتے ہیں کہ (ہم) ان لوگوں کے سامنے جنہوں نے یہ معجزہ نہیں دیکھا (گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں) کہ ہم نے ایسا معجزہ دیکھا ہے تاکہ ان کے سامنے رسالت کو ثابت کر سکیں، اور یہ ان کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے (عیسیٰ بن مریم) علیہ السلام (نے) جب دیکھا کہ اس درخواست میں ان کی غرض صحیح ہے تو حق تعالیٰ سے (دعا کی کہ اے اللہ ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمایئے کہ وہ) کھانا (ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول) یعنی موجودہ زمانہ میں (ہیں اور جو بعد) کے زمانہ میں آنے والے (ہیں، سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جائے) حاضرین کی خوشی تو کھانے سے اور درخواست قبول ہونے سے اور بعد والوں کی خوشی اپنے بڑوں پر انعام ہونے سے، اور یہ غرض تو مومنین کے ساتھ خاص ہے (اور) میری رسالت پر (آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جائے) کہ مومنین کا یقین بڑھ جائے اور منکرین پر حجت ہو جائے۔ اور یہ مقصد مومنین وغیرہ سب کے لئے عام ہے (اور آپ ہم کو) وہ کھانا (عطا فرمایئے، اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں) کیونکہ سب کا دینا اپنے نفع کے لئے اور آپ کا دینا مخلوق کے نفع کے لئے ہے، اس لئے ہم اپنے منافع کو پیش کر کے آپ سے کھانے کے خوان کی درخواست کرتے ہیں (حق تعالیٰ نے) جواب میں ارشاد (فرمایا کہ) آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ (میں وہ کھانا) آسمان سے (تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں پھر) چونکہ اس خرق عادت نعمت کا سوال مومن حواریوں کی طرف سے ہوا تھا اور اس میں ان کی ایک غرض یہ تھی کہ ایمان و یقین کے لئے ایک

نشانی بن جائے۔ ان کا یہ یہ مطالبہ خلاف اولی تھا اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اول ان کو اس سے پرہیز کی تلقین کی لیکن ان کے پیش نظر مصلحت ہونے کی وجہ سے دعا فرمادی۔ خودلوگوں کے مطالبہ پر جب خدائی نشانی ظاہر کردی جائے اور پھر لوگ انکار کی روش اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ ان پر عذاب نازل کر دیا جاتا ہے۔ یہاں مطالبہ کرنے والے اول تو مومن حواری تھے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے خلاف ان کو تلقین بھی کر چکے تھے لہٰذا ظاہر ہے کہ اس کے بعد اگر کوئی کفر اور انکار کی روش کو اختیار کرتا تو انکار ہی نہیں بلکہ ارتداد بھی ہوتا اس لئے انتہائی سخت وعید سنائی۔ دوسری مصلحت جو ان کے پیش نظر تھی وہ خدائی نعمت و رزق کا خرق عادت کے طور پر حصول ہے۔ لیکن چونکہ یہ نعمت غیر معمولی اور نرالی ہوگی اور نرالی نعمت پر شکر گزاری کی تاکید بھی زائد ہوتی ہے اور ناشکری پر عذاب بھی زائد ہوتا ہے اس لئے (جو شخص تم میں سے اس کے بعد) اس کی (ناحق شناسی کرے گا) یعنی ناشکری کرے گا (تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا) اس وقت کے (جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا)۔

**فائدہ**: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حواریین عذاب کی یہ دھمکی سن کر ڈر گئے اور اپنے سوال سے باز آگئے اور مائدہ نازل نہیں ہوا۔

**ربط**: احسانات گنوانے کے بعد اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھ ہوگی۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ

مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ

اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ

قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ

فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

**ترجمہ**: اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے کہا لوگوں کو کہ بنا لو مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوا اللہ کے۔ کہا (عیسیٰ نے) پاک ہے تو۔ نہیں ہے (لائق) میرے لئے کہ میں کہوں ایسی بات۔ نہیں ہے جس کا مجھ کو حق۔ اگر میں نے یہ کہا ہو گا تو ضرور جان لیا ہو گا تو نے اس کو۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور نہیں میں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ بیشک تو ہی ہے خوب جاننے والا چھپی باتوں کا۔ نہیں کہا میں نے ان کو مگر وہ کہ حکم دیا تو نے مجھ کو جس کا کہ بندگی کرو اللہ کی میرے رب کی اور اپنے رب کی اور میں تھا ان پر خبردار جب تک میں رہا ان میں، پھر جب تو نے اٹھا لیا مجھ کو تو تو ہی تھا خبر رکھنے والا ان پر اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔ اگر تو عذاب دے ان کو تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو معاف کر دے ان کو تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔

**تفسیر**: (اور) وہ وقت بھی قابل ذکر ہے (جب کہ اللہ تعالیٰ) قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کافر نصاریٰ کو سنانے کے لئے (فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ بن مریم) ان لوگوں میں جن کا عقیدہ تثلیث کا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کو شریک الوہیت مانتے تھے تو (کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو) یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو (اور میری ماں) حضرت مریمؑ (کو بھی خدا کے علاوہ معبود قرار دیدو تو عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ) توبہ توبہ (میں تو) خود اپنے عقیدہ میں (آپ کو) شریک سے (پاک سمجھتا ہوں) جیسا کہ آپ واقع میں بھی اس سے پاک ہیں تو ایسی حالت میں (مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں) نہ اپنے عقیدے کے اعتبار سے کہ میں موحد یعنی ایک خدا کا قائل ہوں اور نہ پیغام الٰہی پہنچانے کے اعتبار سے کہ مجھ کو ایسا کوئی پیغام نہیں دیا گیا تھا، اور ایسی بات نہ کہنے میں میری دلیل یہ ہے کہ (اگر میں نے) واقع میں (کہا ہو گا تو آپ کو اس کا) یقیناً (علم ہو گا) مگر جب آپ کے علم میں بھی میں نے نہیں کہا تو واقع میں بھی نہیں کہا۔ اور کہنے کی صورت میں آپ کو اس کا علم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ (آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں) تو جو زبان سے کہتا اس کا علم آخر کیوں نہ ہوتا (اور میں) تو دیگر مخلوقات کی طرح اتنا عاجز ہوں کہ (آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو) آپ کے بتلائے بغیر (نہیں جانتا) جیسے دیگر مخلوقات کا بھی یہی حال ہے پس (تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہی ہیں) سو جب اپنا اس قدر عجز اور آپ کا کمال مجھ کو معلوم ہے تو الوہیت میں شرکت کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہوں۔ یہاں تک تو اس بات کے کہنے کی نفی ہوئی۔ آگے اس کے برعکس کہنے کا اثبات ہے کہ (میں نے تو ان سے اور کچھ

نہیں کہا، صرف وہی) بات کہی (جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمائی تھی کہ تم اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، اور) یہاں تک تو عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی حالت کے متعلق عرض کیا۔ آگے ان لوگوں کی حالت کے متعلق عرض کرتے ہیں کیونکہ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ میں اگرچہ صراحتاً تو سوال اس کا ہے کہ آپ نے ایسا کلمہ کہا ہے یا نہیں، لیکن اشارۃً اس کا بھی سوال معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ تثلیث کہاں سے پیدا ہوا۔ پس عیسیٰ علیہ السلام اس بارے میں یوں عرض کریں گے کہ (میں ان) کی حالت (پر مطلع رہا جب تک ان میں) موجود (رہا) سو اس وقت تک کا حال تو میں نے مشاہدہ کیا ہے اس کے متعلق بیان کرسکتا ہوں (پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا) یعنی اول بار میں تو زندہ آسمان کی طرف اور دوسری بار میں وفات کے طور پر (تو) اس وقت صرف (آپ ان) کے احوال (پر مطلع رہے) اس وقت مجھ کو خبر نہیں کہ ان کی گمراہی کا سبب کیا ہوا اور کیسے ہوا (اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں)۔ یہاں تک تو اپنا اور ان کا معاملہ عرض کیا۔ آگے ان کے اور حق تعالیٰ کے معاملات کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ (اگر آپ ان کو) اس عقیدہ پر (سزا دیں تو) جب بھی آپ مختار ہیں، کیونکہ (یہ آپ کے بندے ہیں) اور آپ ان کے مالک، اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو ان کے جرائم پر سزا دے (اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو) جب بھی آپ مختار ہیں کیونکہ (آپ زبردست) قدرت والے (ہیں) تو معافی پر بھی قادر ہیں اور (حکمت والے) بھی (ہیں) تو آپ کی معافی بھی حکمت کے موافق ہوگی' اس لئے اس میں بھی کوئی برائی نہیں ہوسکتی، مطلب یہ ہے کہ دونوں حال میں آپ مختار ہیں میں کچھ دخل نہیں دیتا۔

**ربط**: آگے پچھلی تفتیش و محاسبہ کا نتیجہ ذکر کرتے ہیں

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾

**ترجمہ**: فرمایا اللہ نے یہ دن ہے کہ نفع دے گا سچوں کو ان کا سچ۔ ان کے لئے ہیں باغ بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں رہیں گے انہی میں ہمیشہ۔ راضی ہوا اللہ ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔

**تفسیر**: مذکورہ بالا تمام مکالمات کے بعد (اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ) قیامت کا

دن (وہ دن ہے کہ جو لوگ) دنیا میں اپنے عقائد و اعمال اور اقوال میں (سچے تھے) اور ان کا سچا ہونا اب ظاہر ہو رہا ہے، جن میں انبیاء جن سے خطاب ہو رہا ہے، اور مومنین جن کے ایمان کی انبیاء و ملائکہ سب شہادت دیں گے سب داخل ہیں غرض یہ سب حضرات جو دنیا میں سچے تھے (ان کا سچا ہونا) آج (ان کے کام آئے گا) اور وہ کام آنا یہ ہے کہ (ان کو) جنت کے (باغ) رہنے کو (ملیں گے جن کے) محلات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے) اور یہ نعمتیں ان کو کیوں نہ ملیں جبکہ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں) اور جو شخص راضی و مرضی ہو اس کو ایسی ہی نعمتیں ملتی ہیں (یہ) جو کچھ مذکور ہوا (بڑی بھاری کامیابی ہے) کہ دنیا کی کوئی کامیابی اس کے برابر نہیں ہوسکتی۔

**ربط**: اور اس سب پر تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ہی ایسی جلیل القدر ہیں مثلاً

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

**ترجمہ**: اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

**تفسیر**: (اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو) ان آسمانوں اور زمین (میں موجود ہیں اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں)۔

# سورۃ انعام

تقریباً تمام سورت میں اصول کا زیادہ ذکر ہے اور فروعی احکام کا ذکر بہت کم ہے۔ اصول میں یہ امور ہیں۔ اثبات توحید، اثبات رسالت، توحید و رسالت کی تائید کے لئے انبیاء علیہم السلام کے بعض واقعات، اثبات قرآن، بعث بعد الموت کا اثبات، ان کے منکرین کا قولی و فعلی عناد، ان منکرین کے لئے وعیدیں۔ ان وعیدوں کی تائید کے لئے تکذیب کرنے والی بعض امتوں کی ہلاکت کا حال۔ ان منکرین سے محاجہ۔ خود ان کے رسوم و عادات کی تقبیح۔ ان کے ساتھ معاملہ رکھنے میں

اعتدال کی تعلیم کہ تبلیغ میں کمی نہ ہو، تشدد میں حد شرعی سے تجاوز نہ ہو، دلجوئی یا فکر ہدایت میں مبالغہ نہ ہو، ان کے ساتھ میل جول میں مداہنت نہ ہو۔ ان کی جاہلی رسوم کے مقابلہ میں اسلام کے بعض مکارم اخلاق کا بیان۔ اور یہ تمام تر گفتگو مشرکین سے ہے صرف دو تین جگہ مسئلہ نبوت وقرآن یا اشیاء کی حلت وحرمت کی بحث کی مناسبت سے ضمناً اہل کتاب خصوصاً یہود کی تقبیح آ گئی ہے۔

### توحید کے دلائل

مجوسی دنیا کے لئے دو خالق مانتے ہیں۔ یزدان جو خالق خیر ہے اور اہرمن جو خالق شر ہے اور دونوں کو نور وظلمت کا لقب دیتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرک کروڑوں دیوتاؤں کے قائل ہیں، عیسائیوں نے تین خداؤں میں ایک اور ایک خدا میں تین خدا کا عقیدہ اختیار کیا۔ آریہ سماج توحید کے دعوے کے باوجود مادہ (Matter) اور روح کو خدا کی طرح غیر مخلوق کہتے ہیں اور خدا کو اپنی صفت تخلیق میں ان دونوں کا محتاج بتاتے ہیں۔ یہودیوں نے خدا تعالیٰ کے لئے وہ صفات تجویز کیں کہ ایک معمولی انسان بھی نہ صرف اس کے برابر بلکہ اس سے برتر ہو سکتا ہے۔ عرب کے مشرکین کے نزدیک تو پتھر تک معبود بننے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ غرض آگ، پانی، سورج، ستارے، درخت، پتھر، حیوان کوئی چیز لوگوں نے نہ چھوڑی جسے خدائی کا کچھ حصہ نہ دیا ہو اور عبادت واستعانت وغیرہ کے وقت اسے خدا کے برابر نہ بٹھایا ہو حالانکہ

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ١٦٥ - رُكُوْعَاتُهَا ٢٠

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿٢﴾ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿٣﴾

**ترجمہ**: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو اور اجالے کو پھر (بھی) جن لوگوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔ وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر مقرر کر دیا

ایک وقت۔ اور ایک مدت مقرر ہے اسی (اللہ) کے نزدیک پھر (بھی) تم شک کرتے ہو۔ اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں اور زمین میں، جانتا ہے تمہارے چھپے کو اور تمہارے کھلے کو اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

**تفسیر**: اللہ تعالیٰ کی پاک ذات تمام صفات کمال کی جامع اور ہر قسم کی خوبیوں کا منبع ہونے کی وجہ سے (تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا) اور عالم کی دیگر تمام چیزوں کو بھی بنایا (پھر) تعجب ہے کہ ان حقائق کو جاننے کے باوجود (بھی کافر لوگ) عبادت میں دوسروں کو جو کچھ پیدا کرنا تو کجا خود پیدا کئے گئے (اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ وہ) اللہ (ایسا ہے جس نے تم) سب (کو) بواسطہ آدم علیہ السلام کے (مٹی سے بنایا پھر) تمہارے مرنے کا (ایک وقت معین کیا، اور دوسرا وقت معین) دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کا (خاص اللہ ہی کے پاس) ہے یعنی صرف اسی کو معلوم (ہے، پھر بھی تم) میں سے بعض (شک رکھتے ہو) کہ قیامت کو محال سمجھتے ہو حالانکہ جس نے پہلی مرتبہ حیات بخشی دوبارہ حیات دینا اس کو کیا مشکل ہے (اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی) کوئی اور اس کے برابر کا نہیں لہٰذا عبادت و استعانت وغیرہ میں کسی غیر اللہ کو شریک ٹھہرانے کی گنجائش کہاں رہی۔ نیز اس کی یہ بھی شان ہے کہ (وہ تمہارے پوشیدہ حالات کو بھی اور تمہارے ظاہر حالات کو بھی) یکساں (جانتے ہیں اور) بالخصوص (تم جو کچھ) ظاہر میں یا باطن میں (عمل کرتے ہو اس کو جانتے ہیں)۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم یونہی مہمل و بیکار چھوڑ دیئے جاؤ اور تمہیں اپنے اعمال کا حساب نہ دینا پڑے۔

**فائدہ**: تینوں آیتوں کا مشترکہ مقصود توحید ہے یعنی عبادت کے لائق وہ ہے جس میں یہ صفات ہوں کہ وہ آفاق و انفس کا خالق ہو اور غیب و شہادت کا عالم ہو۔

**ربط**: اوپر توحید کی آیات و دلائل بیان کر کے آگے کفار کا مطلقاً آیات الٰہیہ سے اعراض کرنا ذکر کرتے ہیں اور اس پر وعید بھی سناتے ہیں۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ
رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ
فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ
اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ

تَكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا
اٰخَرِیْنَ ۝

**ترجمہ**: اور نہیں آئی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر وہ ہو جاتے ہیں اس سے اعراض کرنے والے سو بیشک جھٹلایا انہوں نے حق کو جب وہ پہنچا ان تک۔ سو جلد آئیں گی ان کے پاس خبریں اس (عذاب) کی جس کا وہ مذاق کیا کرتے تھے۔ کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے امتیں جماؤ دیا تھا ہم نے جن کو زمین میں اتنا کہ جو نہیں جماؤ دیا ہم نے تم کو اور چھوڑ دیا ہم نے آسمان کو ان پر لگاتار برستا ہوا، اور بنا دیں ہم نے نہریں بہتی ہیں ان کے نیچے پھر ہلاک کیا ہم نے ان کو بسبب ان کے گناہوں کے اور پیدا کیا ہم نے ان کے بعد اور امتوں کو۔

**تفسیر**: اور (ان) کفار کے پاس (کوئی نشانی بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آئی مگر وہ اس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں، سو) چونکہ یہ ان کی عادت بنی ہوئی ہے (انہوں نے اس سچی کتاب) قرآن (کو بھی جھوٹا بتایا جب کہ وہ ان کے پاس پہنچی تو) ان کی یہ تکذیب خالی نہ جائے گی بلکہ (جلد ہی ان کو خبر مل جائے گی اس چیز) یعنی عذاب (کی جس کے ساتھ یہ لوگ استہزاء کیا کرتے تھے) اور جس کی خبر قرآن میں سن کر ہنستے تھے اور اس کی خبر ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جب عذاب نازل ہوگا تو اس خبر کی تصدیق آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ (کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو) مثلاً عاد و ثمود وغیرہ کو عذاب سے (ہلاک کر چکے ہیں) جن کے آثار باقی اور نمایاں ہیں۔ ان کے آثار کو دیکھنا گویا ان کی ہلاکت کو دیکھنا ہے (جن کو ہم نے دنیا میں ایسی) جسمانی اور مالی (قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے) کھیت اور باغوں کے (نیچے سے نہریں جاری کیں) جس سے زراعت اور پھلوں کی خوب ترقی ہوئی اور وہ خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگے (پھر) اس قوت و قدرت اور سامان و اسباب کے ہوتے ہوئے (ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب) مختلف قسم کے عذاب سے (ہلاک کر ڈالا اور اس سے ہمارا اپنا کچھ بھی نقصان نہ ہوا اور نہ ہوتا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد بھی دنیا ویسے ہی آباد رہی (اور ہم نے ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر

دیا) تو اگر تم پر بھی عذاب نازل کر دیں تو کوئی تعجب نہیں ہے۔

**فائدہ**: جس عذاب سے موجود کفار کو ڈرایا اس سے یا تو دنیوی عذاب مراد ہے چنانچہ قتل اور قید کئے گئے یا آخرت کا عذاب مراد ہے کہ وہ بھی قریب ہے کیونکہ موت کے ساتھ ہی اس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

**ربط**: کفار کی تکذیب و اعراض کا بیان ہوا۔ آگے تکذیب پر اصرار اور عناد کا ذکر ہے جو توحید و کتاب کے ساتھ ساتھ رسالت کے بارے میں بھی تھا۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِىَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝

**ترجمہ**: اور اگر اتارتے ہم تجھ پر تحریر کسی کاغذ میں پھر چھو لیتے وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے (تب بھی) ضرور کہتے کافر نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا۔ اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتارا گیا اس پر کوئی فرشتہ۔ اور اگر اتارتے ہم فرشتہ تو طے کر دیا جاتا قصہ پھر نہ مہلت دیئے جاتے وہ (کافر) اور اگر ہم بناتے رسول کسی فرشتہ کو تو بناتے اس کو آدمی (کی صورت میں) اور شبہ ڈالتے ہم ان پر وہی جو شبہ وہ (اب) کر رہے ہیں۔

**تفسیر**: اور ان لوگوں کے عناد کی یہ حالت ہے کہ (اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے، پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھ سے چھو بھی لیتے) جیسا کہ ان کا مطالبہ تھا کہ لکھی ہوئی کتاب آسمان سے آجائے اور ہاتھوں سے چھو لینے کا ذکر کر کے نظر بندی کے شبہ کو بھی دور کر دیا (تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے) کیونکہ جب بات ماننے کا ارادہ ہی نہیں تو ہر دلیل میں کوئی نہ کوئی نئی بات نکال لینا کیا مشکل ہے (اور یہ لوگ یوں) بھی (کہتے ہیں کہ ان) پیغمبر (کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا) جس کو ہم دیکھیں اور جس کی باتیں ہم سنیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں (اور اگر ہم کوئی فرشتہ) اسی طرح (بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر) نزول فرشتہ کے بعد (ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ

ہے کہ جن لوگوں کا منہ مانگا معجزہ دکھلا دیا گیا اگر پھر بھی انہوں نے ایمان سے انکار کیا تو فوراً کسی مہلت کے بغیر ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا ہے اور جب تک اپنا مطلوبہ معجزہ نہ دیکھیں دنیا میں مہلت ملتی رہتی ہے۔ (اور اگر) کسی کو یہ خیال ہو کہ اگر فرشتہ نازل ہو جاتا تو شاید یہ مان لیتے تو یہ خیال غیر واقعی ہے کیونکہ اگر (ہم اس) پیغام پہنچانے والے (کو فرشتہ ہی قرار دیتے تو) پھر اگر ہم اس کو فرشتہ ہی کی شکل میں بھیجتے تو اس کی ہیبت انسانوں سے برداشت نہ ہوتی، اس لئے (ہم اس) فرشتہ (کو آدمی ہی) کی شکل (بناتے تو اس پر بھی وہی شبہ کرتے جواب کر رہے ہیں) یعنی اس فرشتہ کو بشر سمجھ کر پھر بھی اعتراض کرتے، غرض نزول فرشتہ جس کا یہ مطالبہ کرتے ہیں اگر اس کو پورا کر دیا جائے تو ان کو اس سے کوئی فائدہ تو اس لئے نہیں ہو سکتا کہ فرشتہ کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے پر ان کو قدرت نہیں، اور انسانی شکل میں بھیجنے سے ان کا شبہ دور نہیں ہوگا اور دوسری طرف ان کو یہ نقصان پہنچے گا کہ نہ ماننے پر خود ہی عذاب کے مستحق ہو جائیں گے۔

**ربط**: کفار کی تکذیب و استہزاء سے رسول اللہ ﷺ کو صدمہ ہوتا تھا اس لئے آگے تسلی کا مضمون فرماتے ہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١

**ترجمہ**: اور بلاشبہ استہزاء کیا گیا رسولوں کے ساتھ تجھ سے پہلے پھر گھیر لیا ان لوگوں کو جو ہنسی کرتے تھے ان (رسولوں) سے اس چیز نے جس کا وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔ تو کہہ دے کہ چلو زمین میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا۔

**تفسیر**: (اور) آپ ان کی بے ہودگیوں سے صدمہ نہ کیجئے کیونکہ (واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ان کے ساتھ بھی) مخالفین کی طرف سے (استہزاء کیا گیا ہے، پھر جن لوگوں نے ان سے) جب انہوں نے ان کو تکذیب پر عذاب کی وعید سنائی (تمسخر کیا تھا ان کو اس عذاب نے آ گھیرا جس کا تمسخر اڑاتے تھے) جس سے معلوم ہوا کہ ان کے اس طرز عمل سے انبیاء کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، بلکہ یہ خود انہی کے لئے عذاب اور مصیبت ہے اور اگر یہ لوگ سابقہ امتوں کے عذاب کا انکار کرنے لگیں تو (آپ) ان سے (فرما دیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے

والوں کا کیا انجام ہوا) ان کے آثار کے ہوتے ہوئے برے انجام کا انکار مشکل ہے۔

**ربط**: آگے پھر توحید کا مضمون ہے اور اس کے ضمن میں قیامت کا مضمون ہے تاکہ توحید کے اعتقاد میں رغبت ہو اور شرک سے خوف ہو۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ
مَا سَكَنَ فِی الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ
اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ
قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ
اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ
فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

**ترجمہ**: کہہ کس کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں۔ کہہ دے اللہ کا ہے، اس نے لکھی ہے اپنے ذمہ مہربانی۔ ضرور اکٹھا کرے گا تم کو قیامت کے دن کہ کچھ شک نہیں ہے اس میں جو لوگ نقصان کر چکے اپنی جانوں کا وہی ایمان نہیں لاتے۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آرام پکڑتا ہے رات میں اور دن میں اور وہی ہے (سب کچھ) سننے والا جاننے والا۔ تو کہہ دے کیا اللہ کے علاوہ کو میں بناؤں مددگار (وہ اللہ) جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور وہ کھلایا نہیں جاتا۔ کہہ دے بے شک مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں سب سے پہلا جو اسلام لایا اور تو ہرگز نہ ہو شرک کرنے

والوں میں سے۔تو کہہ بے شک میں ڈرتا ہوں اگر میں نافرمانی کروں اپنے رب کی ایک بڑے دن کے عذاب سے۔ شخص کہ پھیر دیا گیا (وہ عذاب) اس سے اس دن تو رحم کر دیا اللہ نے اس پر اور یہی ہے کامیابی کھلی۔ اور اگر پہنچا دے تجھ کو اللہ کچھ سختی تو نہیں کوئی دور کرنے والا اس کو سوا اس کے، اور اگر پہنچا دے تجھ کو بھلائی تو وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور وہ زور آور ہے اپنے بندوں پر اور وہی ہے بڑی حکمت والا خبر رکھنے والا۔

**تفسیر**: (آپ) ان مخالفین سے ان پر حجت قائم کرنے کیلئے (کہئے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کس کی ملک ہے) اول تو وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ یہ سب اللہ کی ملک ہے جس سے توحید ثابت ہو گی اور اگر کسی وجہ سے مثلاً مغلوبیت کے خوف کی وجہ سے جواب نہ دیں تو خود (آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ ہی کی ملک ہے) اور ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ (اللہ تعالیٰ نے) اپنے فضل سے توبہ کرنے والوں کے ساتھ (مہربانی فرمانا اپنے ذمہ لازم فرما لیا ہے) اور یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر تم نے توحید کو قبول نہ کیا تو پھر سزا بھی بھگتنا پڑے گی کیونکہ (تم کو خدا تعالیٰ قیامت کے روز) قبروں سے زندہ اٹھا کر میدان حشر میں (جمع کریں گے) اور قیامت کی حالت یہ ہے کہ (اس کے آنے میں کوئی شک نہیں) مگر (جن لوگوں نے اپنے کو) یعنی اپنی عقل و نظر کو (ضائع) یعنی معطل (کر لیا ہے، سو وہ ایمان نہ لائیں گے اور) اتمام حجت کے لئے ان سے یہ بھی کہئے کہ (اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ رات میں اور دن میں رہتے ہیں) اس آیت کے اور اس سے پہلی آیت قُلْ لِمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ کے مجموعہ کا حاصل یہ نکلا کہ جتنی چیزیں کسی مکان میں ہیں یا کسی زمانہ میں ہیں سب اللہ کی مملوک ہیں (اور وہی سب سے بڑا سننے والا جاننے والا ہے) توحید کو ثابت کرنے کے بعد اب (آپ) ان سے (کہئے کہ کیا اللہ کے سوا جو کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں اور جو) سب کو (کھانا کھلاتے ہیں اور ان کو کوئی نہیں کھلاتا) کیونکہ وہ کھانے پینے کی احتیاج سے بالاتر ہیں، تو کیا ایسے اللہ کے سوا (کسی کو اپنا معبود قرار دوں آپ) اس استفہام انکاری کی وضاحت میں خود (فرما دیجئے) کہ میں غیر اللہ کو معبود کیسے قرار دے سکتا ہوں جو عقل و نقل کے خلاف ہے (مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کر لوں) جس میں عقیدہ توحید بھی آ گیا (اور) مجھ کو یہ کہا گیا کہ (تم مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا)۔

(آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں) کہ اسلام و ایمان کے حکم کی تعمیل نہ کروں یا شرک میں مبتلا ہو جاؤں (تو میں ایک بڑے دن) یعنی قیامت (کے عذاب سے ڈرتا

ہوں) یہ ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ معصوم ہیں، اسلام وایمان کے خلاف شرک ومعصیت کا صادر ہونا آپ سے ممکن نہیں، مگر یہاں سنانا عام امت کو ہے کہ نبی معصوم بھی اللہ کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں، پھر فرمایا کہ وہ عذاب ایسا ہے کہ (جس شخص سے اس روز کا عذاب ہٹا دیا گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا اور یہ) عذاب کا ہٹ جانا اور اللہ کی رحمت کا متوجہ ہو جانا (صریح کامیابی ہے اور) آپ ان کو یہ بھی سنا دیجئے کہ اے انسان (اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف) دنیا یا آخرت میں (پہنچائیں تو اس کا دور کرنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں) وہی چاہیں تو دور کریں یا نہ کریں اور جلد کریں یا دیر میں کریں (اور اگر تجھ کو) اسی طرح (کوئی نفع پہنچادیں تو) اس کا بھی کوئی ہٹانے والا نہیں، جیسا دوسری جگہ ہے لَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ کیونکہ (وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں) اور اس مضمون کی تاکید کے لئے یہ بھی فرما دیجئے کہ (وہی اللہ تعالیٰ) قدرت کے اعتبار سے (اپنے بندوں پر غالب اور برتر ہیں اور) علم کے اعتبار سے (وہی بڑی حکمت والے اور پوری خبر رکھنے والے ہیں) لہٰذا وہ علم سے سب کا حال جانتے ہیں اور قدرت سے سب کو جمع کر لیں گے اور حکمت سے مناسب جزاء وسزا دیں گے۔ اس لئے اسلام قبول کر لینا ضروری ہے۔

**ربط**: اوپر توحید و رسالت کے بارے میں جدا جدا کلام ہوا ہے آگے دونوں کے بارے میں اکٹھا کلام ہے چنانچہ اَئِنَّکُمْ لَتَشْھَدُوْنَ میں توحید کی بحث ہے اور قُلِ اللّٰہُ شَھِیْدٌ میں رسالت کی بحث ہے۔ وجہ یہ ہوئی کہ کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر کہا کہ کیا خدا تعالیٰ کو آپ کے سوا کوئی رسول نہیں ملا، ہم تو نہیں سمجھتے کہ آپ کے دعوی کی کوئی تصدیق کر سکتا ہے اور ہم نے تو یہود و نصاریٰ سے پوچھ کر دیکھ لیا وہ تو یوں کہتے ہیں کہ ان کتابوں میں آپ کا ذکر ہی نہیں تو ہم کو کوئی ایسا شخص بتائیے جو اس بات کی گواہی دے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَھَادَۃً ؕ

قُلِ اللّٰہُ ۟ شَھِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ۟ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ
بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّکُمْ لَتَشْھَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اٰلِھَۃً اُخْرٰی ؕ قُلْ
لَّآ اَشْھَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ﴿۱۹﴾
اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

**ترجمہ**: تو کہہ کون سی چیز سب سے بڑی ہے گواہی دینے میں۔ کہہ دے اللہ گواہ ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تم کو اس کے ذریعہ اور (اس کو) جس کو پہنچے (قران)۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ معبود اور بھی ہیں۔ تو کہہ دے میں (تو) گواہی نہ دوں گا۔ کہہ دے محض وہی ہے معبود ایک اور بے شک میں بیزار ہوں اس سے جو تم شرک کرتے ہو۔ وہ لوگ کہ دی ہم نے جن کو کتاب پہچانتے ہیں اس کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔ جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو وہی ایمان نہیں لاتے۔ اور کون زیادہ ظالم ہوگا اس سے جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو، بلاشک کامیاب نہیں ہوتے ظالم لوگ۔

**تفسیر**: (آپ) توحید و رسالت کے ان منکرین سے (کہئے کہ) اچھا یہ تو بتاؤ کہ (سب سے بڑھ کر چیز گواہی دینے کیلئے کون سی ہے) جس کی گواہی دینے پر سب کا اختلاف ختم ہو جائے۔ اس کا جواب ظاہر ہے یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر ہیں۔ پھر (آپ کہئے کہ میرے اور تمہارے درمیان) جس مسئلہ میں اختلاف ہے اس میں وہی (اللہ تعالیٰ گواہ ہے) جس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے (اور) ان کی گواہی یہ ہے کہ (میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے) اللہ کی جانب سے (بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو) ان وعیدوں سے (ڈراؤں) جو توحید و رسالت کے انکار پر اس میں مذکور ہیں رسول اللہ ﷺ کی سچائی پر قرآن کے وحی ہونے سے اللہ تعالیٰ کی گواہی کی ایک صورت تو قرآن کا اعجاز اور اس کی مثل بنانے سے ساری دنیا کا عاجز ہونا ہے اور دوسری صورت مضامین قرآن کی حقانیت ہے۔ تو (کیا تم) اللہ تعالیٰ کی قرآن جیسی بڑی شہادت کے بعد بھی جو کہ توحید کو شامل ہے، توحید کے بارے میں (سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ) استحقاق عبادت میں (کچھ اور معبود بھی) شریک (ہیں)۔ اور اگر وہ ہٹ دھرمی سے اس پر بھی کہہ دیں کہ ہاں ہم تو یہی گواہی دیں گے تو اس وقت ان سے بحث کرنا فضول ہے، بلکہ صرف (آپ) اپنے عقیدہ کو ظاہر کرنے کے لئے (کہہ دیجئے کہ میں تو اس کی گواہی نہیں دیتا اور بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں) اور آپ کی رسالت کے بارے میں جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے یہود و نصاریٰ سے پوچھ کر دیکھ لیا تو اول تو اس معاملہ کی تحقیق یہ ہے کہ (جن لوگوں کو ہم نے کتاب) تورات و انجیل (دی ہے وہ سب لوگ رسول ﷺ (کو) شروع سے بلاشک وشبہ ایسا (پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو) (پہچانتے ہیں)

کہ بیٹے کی صورت دیکھ کر عادۃً کبھی شبہ نہیں ہوتا کہ یہ کون شخص ہے البتہ حسد، تکبر، تقلید آباء اور حب جاہ و حب مال وغیرہ کی وجہ سے مانتے نہیں اس لئے زبان سے ان کے جھوٹا کہنے کا اعتبار نہیں۔ علاوہ ازیں قرآن جیسی بڑی شہادت کے ہوتے ہوئے اہل کتاب کی شہادت کی ضرورت ہی نہیں لہٰذا اس کے نہ ہونے سے بھی کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایسی بڑی شہادت کے ہوتے ہوئے بھی (جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کر لیا ہے) کہ مذکورہ شہادت جن طریقوں سے توحید اور رسالت پر دلالت کرتی ہے ان پر اپنی عقل سے صحیح کام نہیں لیا بلکہ اس کو معطل رکھ چھوڑا ہے (سو وہ ایمان نہ لائیں گے) اور رسالت کو نہ مانیں گے (اور) ایسے لوگ تو بڑے ظالم اور بے انصاف ہیں کیونکہ (اس سے زیادہ کون بے انصاف ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے) اور اس کا شریک ٹھہرائے (یا اللہ تعالیٰ کی آیات) و دلائل (کو جھوٹا بتائے، ایسے بے انصافوں) کا حال یہ ہوگا کہ ان (کو) قیامت کے دن (فلاح حاصل نہ) ہوگی بلکہ دائمی عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

**ربط**: یہ بتا کر کہ توحید و رسالت کے منکرین کو فلاح حاصل نہ ہوگی آگے اس کی کچھ کیفیت ذکر کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾

**ترجمہ**: اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر کہیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا تھا کہاں ہیں شریک تمہارے جن کا تم دعویٰ کرتے تھے۔ پھر نہ رہے گا ان کا کوئی فریب مگر یہی کہ کہیں گے قسم ہے اللہ (کی) ہمارے رب کی نہ تھے ہم شرک کرنے والے۔ دیکھو تو کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر اور کھوئی گئیں ان سے وہ باتیں جو یہ بنایا کرتے تھے۔

**تفسیر**: (اور وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جس روز ہم تمام خلائق کو) میدان حشر میں (جمع کریں گے پھر ہم مشرکین سے) بواسطہ یا بلا واسطہ ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر (کہیں گے کہ) بتاؤ (تمہارے وہ شرکاء جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے کہاں گئے) کہ تمہاری سفارش نہیں کرتے جس پر تم کو بھروسہ تھا (پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی) ظاہر (نہ ہوگا

کہ) وہ اس شرک سے خود بیزاری اور نفرت کا اظہار کریں گے اور بدحواسی کے عالم میں سوائے انکار کے کچھ بن نہ پڑے گا لہٰذا (یوں کہیں گے قسم اللہ کی اپنے پروردگار کی کہ ہم مشرک نہیں تھے) حق تعالیٰ نے فرمایا تعجب کی نظر سے (ذرا) ان کی بدحواسی (دیکھو تو کس طرح) صریح (جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ موٹ تراشا کرتے تھے) یعنی ان کے بت اور جن کو وہ خدا کا شریک ٹھہراتے تھے ان کے بے چارگی تو دیکھو کہ (وہ سب غائب ہو گئے)۔

**فائدہ**: 1۔ یہاں معلوم ہوتا ہے کہ وہ شریک وہاں نہ ہوں گے جب کہ دوسری آیات جیسے اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی موجود ہونگے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ذات تو موجود ہوں گی لیکن جس وصف کے ساتھ مشرکین ان کو مانتے تھے اس وصف کے ساتھ نہ ہوں گے۔

2۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کفار سے بولیں گے جب کہ دوسری آیت لَایُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ بولیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو کلام بطور اکرام کے ہو وہ نہ ہوگا البتہ ڈانٹ ڈپٹ کا کلام ہوگا۔

3۔ قیامت کے دن تمام حقیقتیں کھل جائیں گی تو وہاں جھوٹ کیسے بولیں گے۔ جواب یہ ہے کہ انتہائی حیرت اور وحشت کی وجہ سے کچھ بن نہ پڑے گا تو اسی کا سہارا ڈھونڈیں گے۔

**ربط**: توحید و رسالت کے انکار کی مذمت اور جزا کے بیان کے بعد انکار قرآن کی شناعت مذکور ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ
اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٢٥ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ
يَنْــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝٢٦

**ترجمہ**: اور ان (مشرکین) میں سے (بعض) وہ ہیں جو کان لگاتے ہیں تیری طرف اور کر دیئے ہم نے ان کے دلوں پر پردے (اس سے) کہ سمجھیں قرآن کو اور (رکھ دیا ہم نے) ان کے کانوں میں بوجھ، اور اگر وہ دیکھ لیں تمام نشانیاں (تو بھی) ایمان نہ لائیں

ان پر۔ یہاں تک کہ جب آتے ہیں تیرے پاس جھگڑتے ہیں تجھ سے (اس طور پر کہ) کہتے ہیں کافر نہیں ہے یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی اور یہ لوگ روکتے ہیں اس (قرآن) سے اور دور رہتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو، اور نہیں سمجھتے۔

**تفسیر**: (اور ان) مشرکین (میں بعض ایسے ہیں کہ) آپ کے قرآن پڑھنے کے وقت اس کے سننے کو (آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور) چونکہ یہ سننا طلب حق کے لئے نہیں محض تماشے یا تمسخر کی نیت سے ہوتا ہے اس لئے اس سے ان کو کچھ نفع نہیں ہوتا، نصیحت و ہدایت سے ان کی مسلسل روگردانی کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ قبول حق کے وسائل اور قوای ماؤف ہوکر رہ گئے اور ان کے دلوں پر پردے پڑ گئے۔ چونکہ اسباب پر مسببات کو مرتب کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اس لئے مذکورہ مسببات یعنی پردے وغیرہ ڈالنے کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے فرماتے ہیں (ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس) قرآن کے مقصود (کو سمجھیں اور) ہم نے (ان کے کانوں میں بوجھ بھر دیا ہے) کہ جس سے وہ اس کو ہدایت کے لئے نہیں سنتے، یہ تو ان کے دلوں اور کانوں کی حالت تھی، اب ان کی بصارت اور نگاہ کو دیکھو (اگر وہ لوگ) آپ کی نبوت کی سچائی کے (تمام دلائل کو) بھی (دیکھ لیں ان پر بھی ایمان نہ لائیں)۔ ان کافروں کے عناد کی نوبت (یہاں تک) پہنچی ہے (کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں) اس طور پر کہ (یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ) قرآن (تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پچھلے لوگوں سے) منقول (چلی آتی ہیں) یعنی مذہب والے پہلے سے ایسی باتیں کرتے چلے آتے ہیں مثلاً یہ کہ معبود ایک ہی ہے اور یہ کہ انسان خدا کا پیغمبر ہوسکتا ہے اور یہ کہ قیامت میں پھر زندہ ہونا ہے۔ آگے اس سے ترقی کر کے دوسروں کو بھی ہدایت سے روکنے کا کام شروع کیا (اور) پھر (یہ لوگ اس) قرآن (سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی) اس سے نفرت ظاہر کرنے کے لئے (دور دور رہتے ہیں اور) ان حرکتوں سے (یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور) حماقت اور انتہائی بغض کی وجہ سے (کچھ خبر نہیں رکھتے) کہ ہم کس کا نقصان کر رہے ہیں، ہمارے اس فعل سے رسول اور قرآن کا تو کچھ بگڑتا نہیں۔

**ربط**: آگے انکار قرآن کی جزا بیان فرماتے ہیں۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ

مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

**ترجمہ**: اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ کھڑے کئے جائیں گے وہ دوزخ پر پس کہیں گے اے کاش ہم واپس بھیج دیئے جائیں اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے رب کی آیتوں کو اور ہو جائیں ہم ایمان والوں میں سے۔ (کوئی نہیں) بلکہ ظاہر ہو گیا ان کے لئے جو وہ چھپاتے تھے پہلے، اور اگر واپس بھیجے جائیں تو (پھر بھی) وہی کام کریں کہ منع کئے گئے تھے جس سے اور وہ بیشک جھوٹے ہیں۔

**تفسیر**: (اور اگر آپ) ان کو (اس وقت دیکھیں) تو بڑا ہولناک واقعہ نظر آئے (جب کہ یہ) منکرین (دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے) اور قریب ہو گا کہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں (تو) ہزاروں تمناؤں کے ساتھ (کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہوتی کہ ہم) دنیا میں (پھر واپس بھیج دیئے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم) پھر (اپنے رب کی آیات) مثل قرآن وغیرہ (کو کبھی جھوٹا نہ بتائیں اور ہم) ضرور (ایمان والوں میں سے ہو جائیں)۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی یہ تمنا اور وعدہ سچی رغبت اور اطاعت کے قصد سے نہیں (بلکہ) اس وقت ایک مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں کہ (جس چیز کو) یعنی آخرت کے عذاب کو جس سے کفر و معصیت پر ان کو دنیا میں ڈرایا جاتا تھا (اس سے پہلے) دنیا میں (چھپایا) کرتے تھے یعنی اس کا انکار (کرتے تھے، وہ) آج (ان کے سامنے آ گئی ہے) مطلب یہ ہے کہ اس وقت جان کو بن رہی ہے، اس لئے جان بچانے کو یہ سارے وعدے ہو رہے ہیں، اور دل سے ہرگز وعدہ پورا کرنے کا ارادہ نہیں یہاں تک کہ (اگر) بالفرض (یہ لوگ پھر واپس بھی بھیج دیئے جائیں تب بھی یہ وہی) کفر و نافرمانی کا (کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ) ان وعدوں میں (بالکل جھوٹے ہیں) کہ نہ اس وقت ایفائے وعدہ کا قصد ہے نہ ہی دنیا میں جا کر ایفاء کرتے، یہ ایسے سرکش اور معاند ہیں۔ اس کے بعد دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے۔

**فائدہ**: منکرین جب قیامت میں اپنی آنکھوں سے واقع ہونے والے امور کا معائنہ کر لیں گے تو اس کے بعد پھر دنیا میں لوٹائے جاتے پر ان سے کفر اور تکذیب کا احتمال کیونکر ہو سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ تکذیب تو زبان کا فعل ہے اور خود کفر ہے اور دل میں یقین ہونے کے باوجود زبان سے تکذیب ہونا ممکن ہے جیسے بعض ضدی قسم کے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ دل میں جانتے ہیں مگر مانتے نہیں۔ مثلاً قرآن پاک میں ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ

غلوًّا (سورہ نمل: 14) یعنی فرعون اور آل فرعون نشانیاں دیکھ کر دل میں یقین کر چکے تھے کہ یہ خدائی نشانیاں ہیں مگر محض بے انصافی اور تکبر کی وجہ سے جان بوجھ کر اپنے ضمیر کے خلاف حق کی تکذیب کی اور سچائی کا انکار کیا۔

**ربط**: آگے بعث بعد الموت کے انکار اور اس کی سزا کا بیان ہے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

**ترجمہ**: اور کہتے ہیں نہیں ہے یہ (زندگی) مگر ہماری دنیوی زندگی اور نہیں ہم (دوبارہ) اٹھائے جانے والے۔ اور اگر تو دیکھے جس وقت وہ کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے سامنے، فرمائے گا کیا نہیں ہے یہ حق کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے ہمارے رب کی، (اللہ) فرمائے گا تو چکھو عذاب بدلے میں اس کے جو تم کفر کرتے تھے۔ تباہ ہوئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ جانی ملاقات اللہ کی۔ یہاں تک کہ جب آ پہنچے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے اے افسوس ہمارا اس پر جو کوتاہی کی ہم نے اس بارے میں۔ اور وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر۔ خبردار ہو جاؤ کہ برا (بوجھ) ہے جس کو وہ اٹھائیں گے۔

**تفسیر**: (اور یہ) منکرین (کہتے ہیں کہ زندگی اور کوئی نہیں، بس یہی دنیا کی زندگی ہے) لہٰذا دنیوی زندگی کے خوب مزے لوٹ لو اور) آخرت کی فکر سے ان مزوں کو خراب نہ کرو کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے کہنے کے برعکس (اور ہم) اس زندگی کے ختم ہونے کے بعد پھر (زندہ نہ کئے جائیں گے) اس وقت تو یہ آخرت کی زندگی کو جھٹلا رہے ہیں لیکن آخرت تو ہو کر ہی رہے گی (اور اگر آپ) ان کو (اس وقت دیکھیں) تو بڑا عجیب واقعہ نظر آئے گا (جب کہ یہ اپنے رب کے سامنے

حساب کے لئے کھڑے کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ) کہو (کیا) قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کا (یہ امر واقعی نہیں۔ وہ کہیں گے بیشک) واقعی ہے (قسم ہمارے رب کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اب اپنے کفر کا مزہ چکھو) اس کے بعد دوزخ میں بھیج دئے جائیں گے۔ (بے شک) سخت (خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملنے کی) یعنی قیامت کے روز زندہ ہوکر خدا تعالیٰ کے سامنے پیشی کی (تکذیب کی) اور یہ تکذیب تھوڑے دنوں رہے گی (یہاں تک کہ جب وہ معین وقت) یعنی قیامت کا دن اپنے مقدمات سمیت (ان پر اچانک) بلا اطلاع (آ پہنچے گا) اس وقت ساری تکذیب اور سارے دعوے ختم ہو جائیں گے اور (کہنے لگیں گے ہائے افسوس ہماری کوتاہی) اور غفلت (پر جو اس) قیامت (کے بارے میں) ہم سے (ہوئی) وہ غفلت یہ ہے کہ قیامت کی تکذیب کی جو اس کے حق کا ضائع کرنا ہے (اور حالت ان کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے) گناہ وکفر کا (بار اپنی کمر پر لادے ہوں گے) یعنی اپنے گناہ اور کفر کے عذاب اور وبال میں زیر بار ہوں گے (خوب سن لو کہ بری ہوگی وہ چیز جس کو) اپنے اوپر (لادیں گے) کیونکہ اس کا انجام برا ہوگا کہ عذاب ہے۔

**ربط**: اوپر بتایا کہ بعث اور حیات اخروی ثابت ہے آگے اس سے ترقی کرکے فرماتے ہیں کہ ثابت بھی ایسی ہے کہ اس کے سامنے دنیوی زندگی گویا کہ ثابت ہی نہیں ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

**ترجمہ**: اور نہیں ہے زندگی دنیا کی مگر کھیل اور جی بہلانا۔ اور البتہ آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو پرہیزگاری کرتے ہیں۔ کیا پس تم سمجھتے نہیں ہو۔

**تفسیر**: (اور دنیوی زندگی) جس میں کفار نے حیات کو منحصر سمجھ رکھا ہے اس کے شغل غیر نافع اور غیر باقی ہونے کی بنا پر (تو کچھ بھی نہیں سوائے کھیل اور جی بہلانے کے اور) اس کے بعد پیش آنے والا (پچھلا گھر) یعنی آخرت جس کا کفار انکار کر رہے ہیں باقی رہنے والا ہے (متقیوں کے لئے بہتر) یعنی نافع بھی (ہے۔ کیا) اے منکرو! دلائل کے قائم ہونے کے باوجود (تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو) کہ آخرت کو مان کر اس کے لئے سامان کرو جو کہ ایمان اور اعمال ہیں)۔

**فائدہ**: 1 خود دنیوی زندگی کو لہو ولعب فرمانا مقصود نہیں بلکہ اس کے ان اعمال واشغال کو

بتانا مقصود ہے جن کا آخرت کے ثواب سے کچھ تعلق نہیں۔

2۔ غیر نافع کام میں مشغول ہونے کے دو اثر ہوتے ہیں۔ ایک خود اس کی طرف متوجہ ہونا دوسرے اس توجہ کی وجہ سے نافع کاموں سے بے توجہی ہو جانا۔ غیر نافع کام پہلے اثر کے اعتبار سے لعب کہلاتا ہے اور دوسرے اثر کے اعتبار سے لہو کہلاتا ہے۔

**ربط**: کفار کے انکار و تکذیب کی باتوں سے آپ ﷺ کو صدمہ اور رنج پہنچتا تھا۔ اللہ تعالیٰ آگے آپ کو تسلی دیتے ہیں۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

**ترجمہ**: بے شک ہم جانتے ہیں کہ غم میں ڈالتی ہے تجھ کو وہ بات جو وہ کہتے ہیں۔ سو وہ نہیں جھٹلاتے تجھ کو لیکن (یہ) ظالم لوگ (تو) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں، اور جھٹلائے گئے ہیں بہت سے رسول تجھ سے پہلے پس انہوں نے صبر کیا اپنے جھٹلائے جانے پر اور ایذاء دیئے گئے یہاں تک کہ آئی ان کے پاس مدد ہماری۔ اور نہیں ہے کوئی بدلنے والا اللہ کی باتیں۔ اور پہنچ چکے ہیں تجھ کو کچھ حالات رسولوں کے۔

**تفسیر**: (ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان) کفار (کے اقوال مغموم کرتے ہیں سو) آپ غم میں نہ پڑیئے بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے کیونکہ (یہ لوگ) براہ راست (آپ کو جھوٹا نہیں کہتے، لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا) قصداً (انکار کرتے ہیں،) گو اس سے آپ کی تکذیب بھی لازم آتی ہے مگر ان کا اصل مقصود اللہ کی آیتوں کی تکذیب ہے اور جب ان کا اصل مقصد اللہ کی آیتوں کی تکذیب ہے تو ان کا یہ معاملہ خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوا وہ خود ہی ان کو سمجھ لیں گے، آپ کیوں غم میں مبتلا ہوں (اور) کفار کی یہ تکذیب کوئی نئی بات نہیں بلکہ (بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے، تو انہوں نے صبر ہی کیا اس پر کہ جو ان کی تکذیب کی گئی اور جو ان کو) طرح طرح کی (ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچ گئی) جس سے مخالف مغلوب ہو گئے، (اور) اسی طرح صبر کرنے کے بعد آپ کو بھی امداد الٰہی پہنچے گی،

کیونکہ (اللہ تعالیٰ کی باتوں) یعنی وعدوں (کوکوئی بدلنے والانہیں) اور امداد کا وعدہ آپ سے ہو چکا ہے، جیسا کہ فرمایا: لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِیْ یعنی میں اور میرے رسول ہی ضرور غالب ہوں گے اور اس سے مخالفین کا بالآخر مغلوب ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

**فائدہ**: اس تسلی کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ابتدائی چند روزہ صبر کے بعد وہ اپنے رسولوں کو امداد بھیج دیتے ہیں جس سے دنیا میں بھی حق کا غلبہ ہو جاتا ہے اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے، اور آخرت میں بھی رسولوں کو عزت وفلاح ملتی ہے، آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہونے والا ہے، لہٰذا آپ مغموم نہ ہوں۔

**ربط**: رسول اللہ ﷺ کو چونکہ تمام انسانوں کے ساتھ انتہا درجے کی شفقت ومحبت تھی اس لئے مذکورہ بالا تسلی کے باوجود آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ مشرکین اگر موجودہ معجزات اور نبوت کے دلائل پر مطمئن ہو کر ایمان نہیں لاتے تو جس قسم کے معجزات کا یہ مطالبہ کرتے ہیں وہی معجزات واقع ہو جائیں، شاید ایمان لے آئیں۔ اور اس وجہ سے ان کا کفر دیکھ کر صبر نہ آتا تھا، اس لئے اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ ہماری حکمت کے تقاضے کے مطابق ان کے فرمائشی معجزے واقع نہ کئے جائیں گے آپ کچھ عرصہ صبر کیجئے۔

## وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَ

اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

**ترجمہ**: اور اگر گراں ہوتا ہے تجھ پر ان کا منہ پھیرنا تو اگر تو طاقت رکھے کہ ڈھونڈ نکالے کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں پھر لائے تو ان کے پاس ایک معجزہ (تو لے آ) اور اگر چاہتا اللہ تو جمع کر دیتا ان سب کو (سیدھی) راہ پر سو تو مت ہو

نادانوں میں سے۔ محض مانتے ہیں وہ لوگ جو سنتے ہیں، اور (رہے) مردے (تو) اٹھائے گا ان کو اللہ پھر اس کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے۔ اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتاری گئی اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے۔ کہہ دیجئے بے شک اللہ قادر ہے اس پر کہ اتارے نشانی لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔

**تفسیر**: (اور اگر آپ کو ان) منکرین (کا اعراض) وانکار (گراں گزرتا ہے) اور اس لئے جی چاہتا ہے کہ ان کے فرمائشی معجزات ظاہر ہو جائیں (تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں) جانے کو (کوئی سرنگ یا آسمان میں) جانے کو (کوئی سیڑھی ڈھونڈھ لیں پھر) اس کے ذریعہ زمین یا آسمان میں جا کر وہاں سے فرمائشی معجزوں میں سے (کوئی معجزہ لے آئیں تو) بہتر ہے آپ ایسا (کرلیں) یعنی ہم تو ان کی یہ فرمائشیں عدم ضرورت اور اپنی حکمت کے تقاضے کی وجہ سے پوری نہیں کرتے، اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ مسلمان ہی ہو جائیں تو آپ خود اس کا انتظام کیجئے (اور اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ راست پر جمع کر دیتا) لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ سب راہ راست پر نہ ہوں۔ (سو آپ) اس فکر کو چھوڑیئے اور (نادانوں میں سے نہ ہوں) حق و ہدایت کو تو (محض وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو) حق بات کو طلب حق کے ارادے سے (سنتے ہیں۔ اور) اگر اس انکار و اعراض کی پوری سزا ان کو دنیا میں نہ ملی تو کیا ہوا آخر ایک دن (مردوں کو اللہ تعالیٰ قبروں سے زندہ کر کے اٹھائیں گے، پھر وہ سب اللہ ہی کی طرف) حساب کے لئے (لائے جائیں گے۔ اور یہ) منکر (لوگ) براہ عناد (کہتے ہیں کہ اگر یہ نبی ہیں تو ان پر) ہمارے فرمائشی معجزات میں سے (کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو بے شک پوری قدرت ہے اس پر کہ وہ) ایسا ہی (معجزہ نازل فرما دیں، لیکن ان میں اکثر) اس کے انجام سے (بے خبر ہیں) اس لئے ایسی درخواست کر رہے ہیں، اور وہ انجام یہ ہے کہ اگر پھر بھی ایمان نہ لائیں گے تو سب فوراً ہلاک کر دیئے جائیں گے کیونکہ ایسی صورت میں یہی سنت الٰہی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر کرنے کی ضرورت تو اس لئے نہیں کہ پہلے معجزات کافی ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ فرمائشی معجزہ پر بھی ایمان نہ لائیں گے جس سے فوری عذاب کے مستحق ہو جائیں گے اس لئے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر نہ کیا جائے اور آیت کے آخر میں ولا تکونن من الجاھلین فرمانا محبت و شفقت کے طور پر ہے، لفظ جہالت عربی زبان میں معنی عام یعنی نادانی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ بخلاف اردو زبان کے، اس لئے اس کا ترجمہ جہل یا جہالت کرنا ادب کے خلاف ہے۔

**ربط**: آگے بعث بعد الموت کی تاکید کے لئے جانوروں اور پرندوں کا محشور ہونا یعنی حشر میں اٹھایا جانا ذکر کرتے ہیں جس کا بیان یہ ہے کہ تم تو مکلّف ہو اور جزا وسزا کا محل ہو پھر تم کیوں محشور نہ ہو گے جب کہ حشر کا معاملہ ایسا عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض حکمتوں کے تحت غیر مکلّف بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہوں گے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

**ترجمہ**: اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑتا ہے اپنے دو بازوؤں سے مگر گروہ ہیں تمہاری طرح۔ نہیں چھوڑی ہم نے کتاب میں کوئی چیز۔ پھر سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے۔

**تفسیر**: (اور جتنی قسم کے جاندار زمین پر) خواہ خشکی میں یا پانی میں (چلنے والے ہیں اور جتنی قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ) قیامت کے دن زندہ ہو کر اٹھنے میں (تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں اور) گو یہ سب اپنی کثرت کی وجہ سے بے انتہا سمجھے جاتے ہوں، لیکن ہم نے اپنے حساب میں سب کو ضبط کیا ہوا ہے کیونکہ (ہم نے) اپنے (دفتر) لوح محفوظ (میں کوئی چیز) جو قیامت تک ہونے والی ہے بے لکھے (نہیں چھوڑی)۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو لکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، ان کا ازلی اور محیط علم ہی کافی ہے لیکن لکھنے کے ذریعے ضبط کر لینا اس سے مزید اہتمام کا پتہ بھی چلتا ہے اور یہ عام فہم کے قریب تر بھی ہے۔ (پھر) اس کے بعد اپنے وقت معین پر (سب) انسان اور جانور (اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے)۔

**ربط**: کافروں کے حق کو قبول نہ کرنے اور معجزوں کی فرمائش کرنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو جو غم ہوتا تھا اس کو دور کرنے کے لئے تسلی دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ

يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

**ترجمہ**: اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو (وہ) بہرے اور گونگے ہیں

اندھیروں میں۔ جس کو چاہے اللہ گمراہ کرے اس کو اور جس کو چاہے ڈال دے اس کو سیدھی راہ پر۔

**تفسیر**: (اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ تو) حق سننے سے (بہرے) جیسے (اور) حق کہنے سے (گونگے) جیسے (ہو رہے ہیں) اور اس کی وجہ سے (طرح طرح کی ظلمتوں) تاریکیوں (میں) گرفتار (ہیں) کیونکہ ہر کفر ایک ظلمت ہے اور ان لوگوں میں مختلف قسم کے کفر جمع ہیں، پھر کفر کی ان اقسام کا بار بار تکرار الگ الگ ظلمتیں ہیں (اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں) اس کے حق سے اعراض کرنے کی وجہ سے (بے راہ کر دیں اور وہ جس کو چاہیں) اپنے فضل سے (سیدھی راہ پر لگا دیں) جیسے اوپر بھی کہا گیا ہے **لَوْشَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى** پس ایسی حالت میں ان کی فکر میں پڑنا بے سود ہے خدا کے سپرد کرنا چاہئے۔

**ربط**: آگے پھر توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال کے مضمون کی طرف لوٹتے ہیں وہ بھی ایک خاص طرز پر یعنی خود مشرکین سے خطاب کر کے کہتے ہیں کہ تم نے جب اندھے، بہرے اور گونگے ہو کر خدا کی آیات کو جھٹلایا اور گمراہی میں جا پڑے اس پر اگر دنیا میں یا قیامت میں خدا کا سخت عذاب نازل ہو تو سچ سچ بتاؤ کہ خدا کے سوا اس وقت کسے پکارو گے جب کہ تمہارا حال یہ ہے کہ دنیا کی چھوٹی چھوٹی مصیبتوں میں جب تم گھر جاتے ہو تو مجبور ہو کر صرف اسی خدائے واحد کو پکارتے ہو۔ اس سوال کے جواب سے شرک کا ابطال ہو جائے گا۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ
اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ
فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾

**ترجمہ**: تو کہہ بتاؤ تو اگر آئے تم پر عذاب اللہ کا یا آئے تم پر قیامت کیا اللہ کے غیر کو تم پکارو گے، (بتاؤ) اگر تم سچے ہو، بلکہ اسی کو پکارو گے۔ پھر وہ دور کر دیتا ہے وہ مصیبت پکارتے ہو تم جس کے لئے اگر چاہتا ہے اور تم بھول جاتے ہو جن کو شریک کرتے ہو۔

**تفسیر**: (آپ) ان مشرکین سے (کہئے کہ) اچھا (یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر خدا کا کوئی عذاب آ پڑے یا تم پر قیامت ہی آ پہنچے تو کیا) اس عذاب اور قیامت کی ہولناکی کو ہٹانے کے واسطے (خدا

کے سوا کسی اور کو پکارو گے، اگر تم) شرک کے دعوے میں (سچے ہو) تو چاہئے اس وقت بھی غیر اللہ ہی کو پکارو لیکن ایسا ہرگز نہ ہوگا (بلکہ) اس وقت تو (خاص اسی کو پکارنے لگو گے۔ پھر جس) آفت کے ہٹانے (کے لئے تم) اس کو (پکارو اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے) اور نہ چاہے تو نہ بھی ہٹائے۔ (اور جن کو تم) اب اللہ کا (شریک ٹھہراتے ہو) اس وقت (ان سب کو بھول بھال جاؤ) پس اسی سے سمجھ لو کہ خدا کے سوا جب کوئی قادر مختار نہیں تو اس کے سوا عبادت کا حقدار بھی کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

**ربط**: اوپر مشرکین پر عذاب کے واقع ہونے کو فرض کر کے اس کی بنیاد پر شرک کے ان کے دعوے کا ابطال کیا گیا تھا آگے یہ بتانے کے لئے کہ عذاب کے واقع ہونے کو فرض کرنا کوئی محال کو فرض کرنا نہیں ہے بلکہ عذاب واقع ہوا بھی ہے اور اس کے لئے بعض سابقہ امتوں کی ہلاکت کا قصہ ذکر کرتے ہیں تاکہ مخاطبین کو اس فرض کے غلط کہنے کی گنجائش نہ ہو۔ اور چونکہ عذاب کے انکار کا بڑا منشا یہ ہوتا ہے کہ بعض مصائب آ آ کر ٹل جاتے ہیں تو نادان کو دھوکا ہوتا ہے کہ یہ اعمال کی سزا نہ تھی ورنہ نہ ٹلتی اس لئے سنا دیا کہ ان ہلاک ہونے والوں کی پکڑ کی ترتیب بھی یہی ہوئی تھی کہ پہلے مصائب کا نزول ہوا کہ تضرع اور عاجزی کریں، پھر ڈھیل کے طور پر نعمتوں کا نزول فرمایا اور جب کفر خوب بڑھ گیا پھر ہلاک کر دیئے گئے۔ تو اے موجود کافرو تم بعض مصائب کے ٹلنے سے دھوکا مت کھانا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٤٢﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٥﴾

**ترجمہ**: اور ہم نے رسول بھیجے تھے بہت سی امتوں کی طرف تجھ سے پہلے پھر پکڑا ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری سے تاکہ وہ گڑگڑائیں۔ پھر کیوں نہ جب آیا ان پر ہمارا

عذاب وہ گڑگڑائے اور لیکن سخت ہو گئے دل ان کے اور مزین کر دیئے ان کے لئے شیطان نے جو وہ عمل کر رہے تھے۔ پھر جب وہ بھول گئے اس کو نصیحت کئے گئے تھے وہ جس کی کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے، یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوئے ان چیزوں پر جو وہ دیئے گئے پکڑ لیا ہم نے ان کو اچانک پس اس وقت وہ رہ گئے نا امید، پھر کاٹ دی گئی جڑ ان لوگوں کی جنھوں نے ظلم کیا اور سب تعریفیں ہیں واسطے اللہ سارے جہان کے پالنے والے کے۔

**تفسیر**: (اور ہم نے آپ سے پہلے) بھی (امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے تھے) مگر انہوں نے ان کو نہ مانا (تو ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری سے پکڑا تاکہ وہ گڑگڑائیں) اور اپنے کفر و معصیت سے توبہ کرلیں (سو جب ان کو ہماری) طرف سے (سزا پہنچی تھی وہ کیوں نہ گڑگڑائے) کہ ان کا جرم معاف ہو جاتا (لیکن ان کے (قلوب تو) ویسے ہی (سخت) کے سخت (رہے، اور شیطان ان کے اعمال بد کو ان کے خیال میں) بدستور (آراستہ) و مستحسن (کر کے دکھاتا رہا، پھر جب وہ لوگ) بدستور (ان چیزوں کو) یعنی ایمان واطاعت کو (بھولے) اور چھوڑے (رہے جن کی ان کو) پیغمبروں کی طرف سے (نصیحت کی جاتی تھی) تو ہم نے ان پر) عیش وعشرت کی (ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے) اور غفلت و سستی میں ان کا کفر اور بڑھ گیا، اس وقت (ہم نے ان کو اچانک) ان کے کسی بھی گمان کے بغیر عذاب میں (پکڑ لیا) اور سخت عذاب نازل کیا جس کا ذکر قرآن میں جا بجا آیا ہے (پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے) کہ کیا ہوگا (پھر) اس عذاب سے (ظالم) کافر (لوگوں کی جڑ) تک (کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے) کہ ایسے ظالموں کا پاپ کٹا جن کی وجہ سے دنیا میں نحوست پھیلی تھی۔

**ربط**: شرک کا مزید ابطال

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

**ترجمہ**: تو کہہ بتاؤ تو اگر لے لے اللہ تمہاری سماعت اور تمہاری بینائی اور مہر کر دے تمہارے دلوں پر تو کون معبود اللہ کے سوا لے آئے گا تمہارے پاس یہ چیزیں۔ دیکھو کیسے طرح

طرح سے ہم بیان کرتے ہیں دلائل پھر بھی وہ اعراض کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (آپ) ان سے یہ بھی (کہئے کہ یہ بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ) عذاب نازل کرنا تو ایک طرف صرف (تمہاری شنوائی اور بینائی بالکل لے لے) کہ نہ تم کو کچھ سنائی دے نہ دکھائی دے (اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے) کہ تم دل سے کسی چیز کو سمجھ نہ سکو (تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ) چیزیں (تم کو پھر دے دے)۔ جب تمہارے اقرار سے بھی کوئی ایسا نہیں پھر کیسے کسی کو مستحق عبادت سمجھتے ہو۔ (آپ دیکھئے تو کہ ہم کس) کس (طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے ظاہر کر رہے ہیں پھر) بھی ان دلائل میں غور کرنے سے اور ان کے نتیجہ کو تسلیم کرنے سے (یہ اعراض) و بے رخی (کرتے ہیں)

**ربط**: عذاب کے نازل کرنے پر اپنی قدرت ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ عذاب کافروں پر اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی وجہ سے ہوگا اس کی پکڑ میں صرف وہی آئیں گے جو کافر ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

**ترجمہ**: تو کہہ بتاؤ تو اگر آئے تم پر عذاب اللہ کا اچانک یا ظاہر ہو کر تو نہیں ہلاک کئے جائیں گے مگر ظالم لوگ۔

**تفسیر**: آپ ان سے یہ بھی (کہئے کہ یہ بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ پڑے خواہ اچانک بے خبری میں) کہ اس کی کوئی علامت پہلے سے ظاہر نہ ہو (یا ہوشیاری میں) کہ اس کے آنے سے پہلے اس کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں (تو نہیں ہلاک کئے جائیں گے) اس عذاب سے مگر ظالم لوگ مطلب یہ ہے کہ اگر عذاب آیا وہ تمہارے ظلم کی وجہ سے تم پر ہی پڑے گا، مومن بچے رہیں گے، اس لئے تم کو ہوش کرنا چاہئے اور یہ نہ سوچنا چاہئے کہ اگر عذاب آ ہی گیا تو اس میں ہمارے ساتھ مسلمان بھی تو مبتلا ہوں گے۔

**ربط**: کافر عذاب الٰہی سے نڈر اور بے فکر ہو کر نبی ﷺ سے اپنے فرمائشی معجزے طلب کرتے تھے جیسا کہ کچھ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس لئے ضابطہ کے طور پر رسالت کے لوازم اور غیر لوازم ذکر کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ نبی ﷺ سے کونسا مطالبہ درست ہے، کونسا نہیں۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا

مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ
بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ
وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ

**ترجمہ**: اور نہیں بھیجتے ہم رسول مگر خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے۔ پھر جو کوئی ایمان لائے اور اصلاح کرے تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو پہنچے گا ان کو عذاب اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں۔

**تفسیر**: (اور پیغمبروں کو) جن کی پیغمبری قطعی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں (ہم صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ) ایمان اور اطاعت کرنے والوں کو اللہ کی رضا اور جنت کی نعمتوں کی (بشارت دیں اور) کفر و معصیت کرنے والوں کو اللہ کی ناراضگی سے (ڈرائیں) یعنی ان کی بعثت کی غرض تبشیر و انذار اور تبلیغ و ارشاد ہے۔ (پھر) ان پیغمبروں کے بشارت دینے اور ڈرانے کے بعد (جو شخص ایمان لے آئے اور) اپنی اعتقادی و عملی حالت کی (اصلاح کر لے تو ان لوگوں پر) آخرت میں (کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ) وہاں (مغموم ہوں گے، اور جو لوگ) اس خوشخبری اور ڈراوے کے بعد بھی (ہماری آیتوں کو جھوٹا بتائیں ان کو) بعض اوقات تو دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو ضرور (عذاب پہنچتا ہے اس وجہ سے کہ وہ دائرہ ایمان سے نکل جاتے ہیں)۔

بعثت کی غرض اور لوازم بتانے کے بعد اب بتاتے ہیں کہ کافر جو رسولوں سے واہی تباہی فرمائشیں کرتے ہیں تو ان کو پورا کرنا تو بعثت کے لوازم میں سے ہے ہی نہیں اور اس بات کو کھولنے کے لئے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ (آپ) ان دشمنی کرنے والوں سے (کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے) تمام (خزانے ہیں) کہ جو کچھ مجھ سے مانگا جائے وہ اپنی قدرت سے دے دوں (اور نہ میں تمام غیب کی چیزوں کو جانتا ہوں) کہ جو کچھ تم پوچھو وہ اپنے علم سے بتا دوں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے (اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ کہ بشریت کے خواص اور لوازم مثلاً کھانے پینے اور نیند اور تھکان سے مبرا رہوں۔

**ربط**: نبی کے خواص بشر سے مبرا نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پھر نبی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہ ہو۔

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ
إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾

**ترجمہ**: نہیں میں پیروی کرتا مگر اس کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف۔ تو کہہ دے کیا برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا۔ کیا پس تم غور نہیں کرتے۔

**تفسیر**: میرے یہ کہنے سے کہ میں فرشتہ نہیں ہوں اور یہ کہ میں خواص بشر سے مبرا نہیں ہوں میرے اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں رہا بلکہ دونوں میں بہت فرق ہے۔ اول یہ کہ میری طرف خدا کی وحی کی جاتی ہے اور (میں تو صرف اسی وحی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس آتی ہے) جس میں وحی کے تقاضے پر خود عمل کرنا بھی ہے اور دوسروں کو دعوت دینا بھی ہے اور پچھلے تمام انبیاء کا بھی یہی حال تھا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور تجلیات کو دیکھنے کے لئے نبی کے دل کی آنکھیں ہر وقت کھلی رہتی ہیں جن کے بلاواسطہ مشاہدہ سے دوسرے انسان محروم ہوتے ہیں اور ان کے دل کی آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ لہٰذا (آپ کہہ دیجئے کہ کیا اندھا) جو اللہ تعالیٰ کی مرضیات وتجلیات کے بلاواسطہ مشاہدہ سے محروم ہو (اور بینا) جس کو یہ مشاہدہ حاصل ہو (برابر ہو سکتے ہیں) ظاہر ہے کہ نہیں ہو سکتے تو نبی اور غیر نبی میں نوع اور خواص نوع سے ہٹ کر بڑا فرق ہے۔ اب جب تمہارے سامنے یہ بات پوری طرح کھل گئی کہ بعثت کے اغراض کیا ہوتے ہیں اور پیغمبر کو کیا کچھ حاصل ہوتا ہے اور کیا کچھ نہیں (تو کیا تم) اس پر غور کر کے اپنی واہی فرمائشوں سے باز آتے ہو یا تم (غور نہیں کرتے) اور اپنی موجودہ روش پر ہی اصرار کرتے ہو۔

**ربط**: اگر یہ اپنی روش پر مصر رہیں اور آیات خداوندی کی تکذیب کرتے رہیں تو آپ ان سے قطع نظر کر لیجئے کیونکہ تبلیغ کا فرض ادا ہو چکا اور ان کے راہ راست پر آنے کی توقع نہیں۔ ایسوں کے لئے تو انداز عام پر اکتفا کریں باقی جن کے دلوں میں آخرت کا کچھ خوف ہے ان کو متنبہ کرنے کا اہتمام کریں۔

وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۙ لَيْسَ لَهُم
مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾

**ترجمہ**: اور ڈرا اس (قرآن) سے ان لوگوں کو جو خوف کرتے ہیں اس کا کہ وہ

جمع کئے جائیں گے اپنے رب کی طرف (اس طرح پر کہ) نہیں ہوگا ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارش کرنے والا، تا کہ وہ بچتے رہیں۔

**تفسیر**: اور (ایسے لوگوں کو) کفر ومعصیت پر (قرآن کے ذریعہ سے خاص طور پر ڈرائیے جو) کسی درجہ میں تو (اس بات سے اندیشہ رکھتے کہ) قیامت میں (اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جائیں گے کہ اللہ کے سوا) جس جس کو کافروں نے مددگار اور سفارشی سمجھ رکھا ہے اس وقت ان میں سے (نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی) اپنی مرضی سے (شفاعت کرنے والا ہوگا تا کہ وہ) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے (بچتے رہیں) کیونکہ ایسے ہی لوگوں سے امید ہوسکتی ہے کہ نصیحت سے اثر لیں اور ہدایت قرآنی سے نفع اٹھائیں۔

**فائدہ**: حشر پر ایمان ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے کل تین طرح کے آدمی ہیں۔ ایک وہ جو حشر کے یقینی معتقد ہیں دوسرے وہ جو اس میں متردد ہیں۔ آیت میں ان ہی دونوں جماعتوں کا ذکر ہے۔ تیسرے وہ جو اس کے یقینی منکر ہیں اور مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ ڈرانا اگرچہ ان کو بھی ہے لیکن یہاں مطلق ڈرانا مراد نہیں ہے بلکہ وہ ڈرانا ہے جس میں خاص اہتمام ہو اور یہ وہاں ہی ہوگا جہاں نفع یقینی یا متوقع ہو جیسا پہلی اور دوسری قسم کے لوگوں کا حال ہے ان کے برخلاف تیسری قسم کے لوگوں میں نفع کی توقع ہی نہیں اس وجہ سے ان کو ڈرانا محض اتمام حجت کے لئے ہوگا۔ دشمنی اور عناد کی وجہ سے ان میں توجہ کرنے کی قابلیت ہی نہیں۔

**ربط**: آگے فرماتے ہیں کہ ماننے والوں پر تو اور زیادہ خاص توجہ دیجئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ قریش کے بعض کافر سرداروں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بعض غریب صحابہ کو دیکھ کر تحقیر سے کہا أَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا (کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا) اور آپ سے کہا کہ ہم کو ان لوگوں کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھنا گوارا نہیں۔ اگر آپ ان کو ہٹا دیں تو ہم آپ کے پاس آیا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایسا بھی کر دکھائیے دیکھیں ان کا کیا مقصد ہے یعنی یہ راہ پر آتے ہیں یا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس درخواست کو منظور فرما لیا اگرچہ اس پر عمل نہیں ہونے پایا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر اپنی رائے پر معذرت کی۔

**تنبیہ**: رسول اللہ ﷺ نے جو درخواست منظور کی وہ غریب صحابہ کی تحقیر کی وجہ سے نہیں بلکہ اس امید پر کی کہ شاید اس طرح قریش کے سردار اسلام قبول کرلیں اور خود ان صحابہ کو بھی یہ بات معلوم تھی اس لئے ان کی دل شکنی بھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ آپ کا اجتہاد تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس

اجتہاد پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ ان سرداروں کا یہ مطالبہ ان کے دل میں تکبر کی وجہ سے تھا جب کہ تکبر قبول حق سے مانع ہوتا ہے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ
يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ
مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ
فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ
بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

**ترجمہ**: اور مت دور کر ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام چاہتے ہیں اس کی رضا۔ نہیں ہے تجھ پر ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے حساب میں سے ان پر ہے کچھ کہ تو دور کرنے لگے ان (غریبوں) کو پس ہو جائے گا تو بے انصافوں میں سے۔ اور اسی طرح آزمایا ہے ہم نے ان کے بعض لوگوں کو بعض سے تاکہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں احسان کیا اللہ نے ان پر ہم میں سے، کیا نہیں ہے اللہ خوب جاننے والا شکر کرنے والوں کو۔

**تفسیر**: (اور آپ ان لوگوں کو) اپنی مجلس سے (نہ نکالئے جو صبح و شام) یعنی اپنے حالات کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ وقت (اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، جس سے صرف اللہ کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں) اور کوئی غرض جاہ و مال کی نہیں، یعنی ان کی عبادت میں مداومت بھی ہے اور اخلاص بھی ہے۔ اخلاص ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہم اس کو جانتے ہیں اور دوسری یہ کہ اخلاص اگرچہ امر باطنی ہے مگر آثار و علامات سے پہچانا بھی جا سکتا ہے اور تیسری یہ کہ مسلمان کی شان ہی یہ ہے کہ وہ عبادت خالص اللہ ہی کے لئے کرتا ہے لہٰذا جب تک عدم اخلاص کی کوئی دلیل نہیں اخلاص ہی کا گمان رکھنا چاہئے (اور ان) کے باطن (کا حساب) اور تفتیش (ذرا بھی آپ کے ذمہ نہیں اور) ان کے باطن کی تفتیش کا آپ سے متعلق نہ ہونا ایسا یقینی ہے جیسا کہ یہ یقینی ہے (آپ) کے باطن (کا حساب) اور تفتیش (ذرا بھی ان کے متعلق نہیں مبادا آپ ان کو نکال دیں)

یعنی اگر ان کے باطنی اخلاص کی تفتیش آپ کے ذمہ ہوتی تو اس کی گنجائش تھی کہ جن کا اخلاص ثابت نہ ہو پاتا ان کو آپ الگ کر دیں، مگر وہ آپ کے ذمہ نہیں، اور دوسری کوئی وجہ ان کو نکالنے کے جواز کی موجود نہیں۔ لہٰذا اگر آپ ان کو نکالیں گے (تو) ان کے نکالنے سے (آپ بے انصافی کرنے والوں میں ہو جائیں گے اور) ہم نے جو مومنوں کو غریب اور کافروں کو رئیس بنا رکھا ہے حالانکہ عام عقل تو یہ فیصلہ دیتی ہے کہ مومن فرمانبردار ہونے کی وجہ سے اچھی حالت میں ہوں اور کافر نافرمان ہونے کی وجہ سے گھٹیا حالت میں ہوں (تو) اس کی وجہ یہ ہے کہ عام عقل کے فیصلہ کے برعکس (اسی طور پر ہم نے) ان میں سے (ایک) یعنی کفار (کو دوسروں) یعنی مومنوں (کے ذریعہ آزمائش میں ڈال رکھا ہے) یعنی اس طرز عمل میں امتحان ہے کفار کا (تاکہ یہ لوگ) مومنوں کے متعلق (کہا کریں کیا یہی لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے) انتخاب کر کے (ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا ہے) یعنی اپنے دین اسلام کے لئے ان کو منتخب کیا ہے (کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حق شناسوں کو خوب جانتا ہے) ان غریب لوگوں نے اپنے منعم حقیقی کا حق پہچانا، طلب حق میں لگ گئے، دین حق اور قبول عند اللہ سے مشرف کئے گئے، اور ان رئیسوں نے ناشکری اور کفر کیا وہ اس نعمت سے محروم رہے۔

**ربط**: بعث رسول کے اغراض میں سے انداز اور تبشیر دونوں کا ذکر کیا تھا۔ پچھلے اقتباس میں مومنوں کے لئے انذار کے ذکر کے بعد اب واقعہ کی مناسبت کو کام میں لاتے ہوئے تبشیر کا ذکر ہے تاکہ ان غریبوں کا دل بڑھے۔

وَإِذَا جَآءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع

**ترجمہ**: اور جب آئیں تیرے پاس وہ لوگ جو مانتے ہیں ہماری آیتوں کو تو تو کہہ دے سلام ہے تم پر، لکھ لیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو کہ جو کوئی کرے تم میں سے برائی ناواقفیت سے پھر توبہ کر لے اس کے بعد اور نیک ہو جائے تو بات یہ ہے کہ وہ ہے بخشنے والا مہربان اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتوں کو اور تاکہ کھل

جائے طریقہ گنہگاروں کا۔

**تفسیر**: (اور جب وہ لوگ آپ کے پاس آئیں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان بھی رکھتے ہیں تو آپ) ان کو بشارت سنانے کے لئے (یوں کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے) یعنی کفار پر جو ہر طرح کی آفتیں آخرت میں پڑیں گی ان سے تم مامون ہو، (اور) دوسرے یہ بھی کہ (تمہارے رب نے) اپنے فضل وکرم سے (رحمت کرنا) اور تم کو نعمتیں دینا (اپنے ذمہ مقرر کرلیا ہے) یہاں تک (کہ جو شخص تم میں سے کوئی برا کام کر بیٹھے) جو کہ (جہالت سے) ہو جاتا ہے، کیونکہ حکم کے خلاف کرنا عملی جہالت ہے مگر (پھر وہ اس کے بعد توبہ کرلے اور) آئندہ کو اپنے اعمال کی (اصلاح رکھے) اس میں یہ بھی آگیا کہ اگر وہ توبہ ٹوٹ جائے تو پھر توبہ کرلے (تو اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ) اس کے لئے بھی (بڑے مغفرت کرنے والے ہیں) کہ گناہ کی سزا بھی معاف کردیں گے اور (بڑی رحمت کرنے والے ہیں) کہ طرح طرح کی نعمتیں بھی دیں گے (اور) جس طرح ہم نے اس مقام پر مومنین اور کفار کے حال وانجام کی تفصیل ذکر کردی (اسی طرح ہم آیات کی) جو کہ دونوں فریق کے حال وانجام پر مشتمل ہوں (تفصیل کرتے رہتے ہیں) تاکہ مومنین کا طریقہ بھی ظاہر ہو جائے (اور تاکہ مجرمین کا طریقہ) بھی (ظاہر ہو جائے) اور حق و باطل کے واضح ہونے سے طالب حق کو حق کی معرفت آسان ہو جائے۔

**ربط**: پیچھے یہ بتانے کے بعد کہ کافروں کی خاطر آپ مسلمانوں کو اپنی مجلس سے دور نہ کیجئے بلکہ ان کی دلجوئی کے لئے خوشخبری سنایئے اب ہدایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کافروں سے کھل کر کہہ دیں کہ میرا رشتہ اور ہے تمہارا اور ہے میں کبھی تمہاری خواہش کی پیروی نہیں کرسکتا۔ اور تم مجھ سے بے جا مطالبے بھی نہ کرو۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝۵۶ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝۵۷ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝۵۸

**ترجمہ**: تو کہہ دے بے شک میں منع کیا گیا ہوں اس سے کہ بندگی کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا۔ تو کہہ نہیں میں پیروی کرتا تمہاری خواہشات کی۔ بے شک میں تو بہک جاؤں گا اس صورت میں اور نہ رہوں گا میں ہدایت پانے والوں میں۔ تو کہہ دے بے شک میں تو گواہی پر ہوں اپنے رب کی اور تم نے جھٹلایا ہے اس کو۔ نہیں ہے میرے پاس وہ چیز تم جلدی کر رہے ہو جس کی۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ کے لئے۔ وہ بیان کرتا ہے حق بات اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ تو کہہ اگر ہوتی میرے پاس وہ چیز جلدی کر رہے ہو تم جس کی تو طے کیا جا چکا ہوتا جھگڑا میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو۔

**تفسیر**: (آپ) ان معاندین سے (کہہ دیجئے کہ مجھ کو) حق تعالیٰ کی طرف سے (اس سے ممانعت کی گئی ہے کہ ان) معبودوں (کی عبادت کروں جن کی تم لوگ اللہ) کی توحید (کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو)۔ اور ان کے طریقہ کی گمراہی ظاہر کرنے کے لئے (آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے) باطل (خیالات کا اتباع نہ کروں گا، کیونکہ) اگر نعوذ باللہ میں ایسا کروں تو (اس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ) راست (پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا۔ توحید کے بعد اب زیادہ مضمون رسالت سے متعلق آتا ہے (آپ) ان سے یہ بھی (کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو) اس دین اسلام کے حق ہونے پر (ایک دلیل) کافی موجود (ہے) جو (میرے رب کی طرف سے) مجھ کو ملی ہے، یعنی قرآن مجید جو کہ میرا معجزہ ہے، جس سے میری تصدیق ہوتی ہے (اور تم) بلاوجہ (اس کی تکذیب کرتے ہو)۔ اور تم جو یہ کہتے ہو کہ اگر دین اسلام حق ہے تو ہمارے انکار پر آسمان سے پتھر برسیں یا کوئی اور سخت عذاب آئے، جیسا کہ دوسری جگہ ان الفاظ سے مذکور ہے۔ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ تو اس کا جواب یہ ہے کہ (جس چیز) یعنی دردناک عذاب (کا تم تقاضا کر رہے ہو) جب کہ ابھی تک عذاب کے نازل ہونے کا حکم اللہ کی طرف سے نہیں ہوا وہ (میرے پاس) میری قدرت میں (نہیں۔ حکم کسی کا نہیں) چلتا (سوائے اللہ کے) اور جب کہ ابھی تک عذاب کے نازل ہونے کا حکم اللہ کی طرف سے نہیں ہوا، تو میں کیسے عذاب دکھا دوں البتہ قرآن جیسی دلیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوگئی ہے وہ میں دکھا سکتا ہوں (اللہ تعالیٰ حق بات کو) دلیل سے (بتا دیتا ہے چنانچہ اس نے میری رسالت کی واضح اور قوی دلیل یعنی قرآن کریم بھیج دیا اور دوسرے واضح معجزات بھی ظاہر فرما دیئے اور صحیح دلیل تو ایک بھی کافی ہوتی ہے۔ تو جب تم نے ان کو نہیں مانا تو اب مزید تمہاری فرمائشی

دلیلیں ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں (اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے) کہ حکمت کے موافق فیصلہ کرتا ہے۔ چونکہ ابھی نزول عذاب میں حکمت نہیں دیکھی اس لئے اس وقت نزول عذاب کا فیصلہ نہیں فرمایا (آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس) یعنی میری قدرت میں (وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو) یعنی عذاب (تو) اب تک (میرا اور تمہارا باہمی جھگڑا) کبھی کا (فیصل ہو چکا ہوتا ہے کیونکہ یہ تو تمہارا ہی کہنا ہے کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر عذاب نازل کر دیں۔ یہ تو اللہ کا علم محیط اور حلم عظیم ہے کہ مہلت دیئے جاتے ہیں (اور) تم (ظالموں کو) کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنا ہے (اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے) اس لئے ان کے علم میں جب مناسب ہوگا عذاب نازل کر دیں گے۔ غرض نہ تو مجھ کو اس کی قدرت ہے اور نہ ہی اس کا مناسب وقت مجھ کو معلوم ہے۔

**ربط**: کفار کی طرف سے نزول عذاب کی عاجلانہ فرمائش کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خیر الفاصلین یعنی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت کی نشاندہی کی اور فرمایا کہ وہ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ یعنی ظالموں کو خوب جاننے والا ہے جس سے ان کے کمال علم کی نشاندہی کی۔ آگے بتاتے ہیں کہ علم اور قدرت کا کام صرف کافروں، ظالموں کے اعتبار سے ہی نہیں ہر ہر چیز کے اعتبار سے ہے۔

## وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۵۹ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۶۰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝۶۱ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝۶۲

**ترجمہ**: اور اسی کے پاس ہیں خزانے غیب کے نہیں جانتا کوئی ان کو مگر وہی۔ اور

وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور دریا میں ہے۔ اور نہیں جھڑتا کوئی پتا مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں (گرتا) کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ کوئی سوکھی چیز، مگر وہ سب کتاب مبین میں ہے، اور وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تم کو رات میں اور جانتا ہے جو کچھ کہ تم کر چکے ہو دن میں پھر اٹھا دیتا ہے تم کو اس میں تا کہ پورا کر دیا جائے وقت مقرر۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے پھر وہ خبر دے گا تم کو اس کی جو کچھ تم کرتے تھے۔ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب آ پہنچے تم میں سے کسی کو موت تو قبضہ میں لے لیتے ہیں اس کو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر لوٹائے جائیں گے اللہ اپنے حقیقی مالک کی طرف سن رکھو اسی کا ہے حکم اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

**تفسیر**: (اور اللہ تعالیٰ کے پاس) یعنی اسی کی قدرت میں (خزانے ہیں تمام مخفی اشیاء کے) ان میں سے جس چیز کو جس وقت اور جس قدر چاہیں ظہور میں لاتے ہیں، ان اشیاء میں سب قسم کے عذاب بھی شامل ہیں، مطلب یہ کہ اور کسی کو ان چیزوں پر قدرت نہیں۔ اور جس طرح ان چیزوں کے خزانوں پر قدرت کاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اسی طرح ان کا علم کامل بھی اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے، چنانچہ (ان) مخفی خزانوں کو (کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے، اور وہ ان تمام چیزوں کو بھی جانتا ہے جو خشکی میں ہیں اور جو دریا میں ہیں اور کوئی پتہ) تک درخت سے (نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ) تک (زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز) مثل پھل وغیرہ کے (گرتی ہے، مگر یہ سب) باتیں یعنی قیامت تک ہونے والی تمام باتیں (کتاب مبین) یعنی لوح محفوظ (میں) لکھی ہوئی (ہیں اور ظاہر ہے کہ کچھ لکھنے سے پہلے اس کا علم ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے احاطہ میں ہیں۔ اور یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کی تمام معلومات لوح محفوظ ہی میں منحصر ہیں بلکہ ان کی تو کہیں انتہا ہی نہیں اور وہ) اللہ تعالیٰ (ایسا ہے کہ رات میں) سونے کے وقت (تمہاری روح کو ایک گونہ قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو) دواماً (جانتا ہے پھر تم کو دن میں) تمہاری روح تمہارے جسم میں لوٹا کر (جگا اٹھاتا ہے تا کہ) اسی سونے جاگنے کے دوروں سے دینوی زندگی کی (معین میعاد) پوری کر دی جائے پھر اسی) اللہ (کی طرف) مر کر (تم کو جانا ہے، پھر تم کو بتا دے گا جو کچھ تم) دنیا میں (کیا کرتے تھے) اور اس کے مناسب جزاء اور سزا جاری کرے گا (اور وہی) اللہ تعالیٰ قدرت سے (اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں۔ اور) اے بندو (وہ تم پر) تمہارے اعمال

اور جان کی (نگرانی کرنے والے) فرشتے (بھیجتے ہیں) جو زندگی بھر تمہارے اعمال کو بھی دیکھتے ہیں اور تمہاری جان کی بھی حفاظت کرتے ہیں (یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچتی ہے تو) اس وقت (اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے) فرشتے (قبض کر لیتے ہیں اور ذرا کوتاہی نہیں کرتے) بلکہ جس وقت حفاظت کا حکم تھا حفاظت کرتے رہے، جب موت کا حکم ہوگا تو یہی محافظ روح قبض کرنے والے فرشتوں کے ساتھ مل جاتے ہیں (پھر سب اپنے مالک حقیقی اللہ کے پاس لائے جائیں گے، خوب سن لو) اس وقت (فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا) اور کوئی دخل نہ دے سکے گا (اور وہ بہت جلد حساب لے لے گا)۔

**فائدہ**: اس مقام پر تین قسم کے فرشتوں کا ذکر ہے۔ ایک اعمال لکھنے والے۔ دوسرے وہ جو جن مضرتوں سے حفاظت کرنے کا حکم ہو اور جب تک حکم ہو آدمی کی حفاظت کرتے ہیں۔ تیسرے جان نکالنے والے، یہ ملک الموت کے مددگار ہوتے ہیں۔

**ربط**: اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کا ذکر ہوا۔ اور یہ اللہ کی قدرت ہی ہے کہ وہ ہر قسم کی تکالیف سے نجات دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے نجات دینے سے کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ کبھی عذاب نہیں آ سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی پوری قدرت ہے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ
ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ
هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ
كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ
عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ
شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ
الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۗ قُلْ
لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

**ترجمہ**: تو کہہ کون نجات دیتا ہے تم کو اندھیروں سے خشکی کے اور دریا کے (اس وقت میں کہ) پکارتے ہو تم اس کو گڑگڑا کر اور چپکے سے کہ اگر نجات دے ہم کو ان

(اندھیروں) سے تو ہم ضرور ہو جائیں گے شکر گزاروں سے۔ تو کہہ دے اللہ نجات دیتا ہے تم کو ان سے اور ہر غم سے پھر بھی تم شرک کرتے ہو، تو کہہ وہی قدرت والا ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو مختلف گروہ کر کے اور چکھا دے تمہارے بعض کو لڑائی دوسرے کی۔ دیکھ کس کس طرح سے ہم بیان کرتے ہیں آیتوں کو تاکہ وہ سمجھ جائیں۔ اور جھٹلایا اس کو تیری قوم نے حالانکہ وہ حق ہے، تو کہہ دے نہیں ہوں میں تم پر داروغہ۔ ہر ایک خبر کے لئے ایک وقت مقرر ہے اور جلد ہی تم جان لو گے۔

**تفسیر**: (آپ) ان لوگوں سے (کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کے اندھیروں) یعنی ان کے شدائد (سے اس حالت میں نجات دیتا ہے کہ تم اس کو) نجات دینے کے لئے (پکارتے ہو) کبھی (تذلل ظاہر کر کے اور) کبھی (چپکے چپکے) اور یوں کہتے ہو (کہ) اے اللہ (اگر آپ ہم کو ان) شدائد (سے) اس دفعہ (نجات دیدیں تو) پھر (ہم ضرور حق شناسی) پر قائم رہنے (والوں میں سے ہو جائیں گے) یعنی آپ کی توحید جو کہ بڑی حق شناسی ہے اس کے قائل رہیں گے۔ اور اس سوال کا جواب چونکہ متعین ہے اور وہ لوگ بھی کوئی دوسرا جواب نہ دیں گے اس لئے (آپ) ہی (کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے) جب کبھی نجات ملتی ہے (اور) ان مذکورہ شدائد کی کیا تخصیص ہے بلکہ (ہر غم سے) وہی نجات دیتا ہے مگر (تم) ایسے ہو کہ (پھر بھی) نجات پانے کے بعد بدستور (شرک کرنے لگتے ہو) جو کہ اعلیٰ درجہ کی ناحق شناسی ہے حالانکہ تم نے وعدہ کیا تھا حق شناسی کا۔ غرض یہ کہ شدائد میں تمہارے اقرار سے توحید کا حق ہونا ثابت ہو جاتا ہے، پھر بعد میں تمہارا انکار کب قابل التفات ہے۔ (آپ) یہ بھی (کہئے کہ) جس طرح وہ نجات دینے پر قادر ہے اسی طرح (اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر) تمہارے کفر و شرک کی وجہ سے (کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے) جیسے طوفانی ہوا یا طوفانی بارش (یا تمہارے پاؤں تلے) جو زمین ہے اس (سے) ظاہر کر دے، جیسے زلزلہ یا غرق ہو جانا۔ اور ان عذابوں کے سب قریب و بعید اسباب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں کبھی نہ کبھی ایسا ہو گا خواہ دنیا میں یا آخرت میں (یا کہ تم کو) تمہارے اغراض کے اختلاف کی وجہ سے مختلف (گروہ گروہ کر کے سب کو) آپس میں (بھڑا دے) یعنی لڑوا دے (اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی) کے ذریعہ مزہ (چکھا دے) اور اس کا قریبی سبب اگرچہ بندوں کا فعل اختیاری ہے لیکن سبب بعید تو اللہ کے اختیار میں ہے اور بندوں

کے دل بھی اللہ کے اختیار میں ہیں اور یا سب آفتیں جمع کر دے، غرض نجات دینا اور عذاب میں مبتلا کرنا دونوں اسی کی قدرت میں ہیں، اے محمد ﷺ (آپ دیکھئے تو سہی ہم کس ) کس (طرح) توحید کے (دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں شاید وہ) لوگ (سمجھ جائیں۔ اور) اللہ تعالی کے عذاب دینے پر قادر ہونے اور کفر و شرک کے سبب سے عذاب ہونے کو جاننے کے باوجود (آپ کی قوم کے لوگ) قریشی اور دیگر عرب بھی (اس) عذاب (کی تکذیب کرتے ہیں) اور اس کے واقع نہ ہونے کے معتقد ہیں (حالانکہ وہ یقینی) واقع ہونے والا (ہے)۔ اور اس کو سن کر وہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ کب ہوگا تو (آپ) یوں (کہہ دیجئے کہ میں تم پر) عذاب واقع کرنے کے لئے (تعینات نہیں کیا گیا ہوں) کہ مجھ کو تفصیلی اطلاع ہو یا میرے اختیار میں ہو البتہ (ہر خبر کے) واقعہ (کے وقوع کا ایک وقت) اللہ کے علم میں معین (ہے اور جلدی ہی تم کو معلوم ہو جائے گا) کہ یہ عذاب آیا۔

**فائدہ**: عذاب میں اخروی اور دنیوی دونوں عذاب شامل ہیں جن میں جہاد کی صورت بھی داخل ہے چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا: قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيكُمْ (تم ان کافروں سے جنگ کرو اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا البتہ یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ اگر چہ کفار کے حق میں جہاد اللہ کی جانب سے عذاب دینا ہے لیکن مسلمانوں کو اس کا حکم عذاب دینے کی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ ان کو اعلاء کلمۃ اللہ یعنی دین کی سربلندی کے لئے جہاد کا حکم ہے۔

**ربط**: جو لوگ آیت خداوندی کی تکذیب کرتے ہوئے ان پر طعن و استہزاء کر رہے ہوں اور اپنے کو عذاب کا مستحق بنا رہے ہوں آگے مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ تم ان سے خلط ملط نہ رکھو کہیں تم بھی ان کے زمرہ میں داخل ہو کر مورد عذاب نہ بن جاؤ۔ ہاں تبلیغ کی غرض سے جاؤ تو اور بات ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ
يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ
بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ
مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَٰكِنْ ذِكْرَىٰ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ
الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَ

ذُكِّرْبِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ
بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۟

**ترجمہ**: اور جب تو دیکھے ان لوگوں کو کہ مشغول ہوں ہماری آیتوں (کی عیب جوئی) میں تو اعراض کر ان سے یہاں تک کہ مشغول ہو جائیں کسی بات میں اس کے علاوہ۔ اور اگر بھلا دے تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ یاد آ جانے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ۔ اور نہیں ہے ان لوگوں پر جو پرہیز گاری کرتے ہیں، ظالموں کے حساب سے کچھ بھی لیکن (ان کے ذمہ) نصیحت کرنا ہے شاید وہ ڈریں، اور چھوڑ دے ان کو جنہوں نے بنا رکھا ہے اپنے دین کو کھیل اور تماشا اور دھوکہ دیا ان کو دنیا کی زندگی نے اور نصیحت کر (ان کو) قرآن سے مبادا کہ گرفتار کیا جائے کوئی بسبب اپنے کئے کے۔ (کہ) نہ ہو اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارش کرنے والا، اور اگر بدلے میں دے سارے بدلے تو قبول نہ کیا جائے گا اس سے۔ وہی لوگ ہیں جو گرفتار کئے گئے بسبب اپنے کئے کے۔ ان کے لئے پینا ہوگا گرم پانی سے اور عذاب دردناک ہوگا بسبب اس کے جو وہ کفر کرتے تھے۔

**تفسیر**: (اور) اے مخاطب (جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات) اور احکام (میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں) کے پاس بیٹھنے (سے کنارہ کش ہو جا یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے) یعنی ایسی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت یاد نہ رہے (تو) جب یاد آئے (یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھ) فوراً اٹھ کھڑا ہو۔ (اور) اگر کوئی واقعی دنیوی یا دینی ضرورت ایسی مجلس میں جانے کی ہو مثلاً کافروں کو اسلام کی دعوت دینے گئے اور وہ عیب جوئی میں مشغول ہوں یا خاص اس وقت کے اعتبار سے کہ مسلمان مسجد حرام میں نماز وطواف کے لئے گئے اور کافر وہاں عیب جوئی میں مشغول ہوں تو اس کا حکم یہ ہے کہ (جو لوگ) ممنوعات شرعیہ سے جن میں ایسی مجالس میں بلا ضرورت جانا بھی داخل ہے (احتیاط رکھتے ہیں، ان پر ان) طعنہ زنی اور تکذیب کرنے والوں (کی باز پرس) اور گناہ طعن (کا کوئی اثر نہ پہنچے گا) یعنی ضرورت سے وہاں جانے والے گنہگار نہ ہوں گے (ولیکن ان کے ذمہ) بشرط قدرت

(نصیحت کر دینا ہے شاید وہ) طعنے دینے والے (بھی) ان خرافات سے (احتیاط کرنے لگیں) خواہ اسلام قبول کر کے خواہ ان نصیحت کرنے والوں کا لحاظ کر کے۔ (اور) مجلس تکذیب کی کچھ تخصیص نہیں بلکہ (ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے) اس (دین کو) جس کا ماننا ان کے ذمہ فرض تھا یعنی اسلام کو (لہو ولعب بنا رکھا ہے) کہ اس کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں (اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے) کہ اس کی لذتوں میں مشغول ہیں اور چونکہ آخرت کے منکر ہیں اس لئے اس تمسخر کا انجام نظر نہیں آتا (اور) کنارہ کشی وترک تعلقات کے ساتھ ایسے لوگوں کو (اس قرآن کے ذریعہ سے) جس سے یہ تمسخر کر رہے ہیں (نصیحت بھی کرتا رہ تاکہ کوئی شخص اپنے کردار) بد (کے سبب) عذاب میں (اس طرح نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ نہ اس کا مدد گار ہو اور نہ سفارشی ہو) کیونکہ جس پر اللہ کا عذاب نازل ہو اس کا حال ایسا ہی ہو جاتا ہے (اور یہ کیفیت ہو کہ اگر) بالفرض (دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے) کہ اس کو خرچ کر کے عذاب سے بچ جائے (تب بھی اس سے نہ لیا جائے) تو نصیحت سے یہ فائدہ ہے کہ اعمال بد کے انجام پر تنبہ ہو جاتا ہے، آگے ماننا نہ ماننا دوسرے کا کام ہے چنانچہ (یہ) تمسخر کرنے والے (ایسے ہی ہیں کہ) نصیحت نہ مانی اور (اپنے کردار) بد (کے سبب) عذاب میں (پھنس گئے) جس کا آخرت میں اس طرح ظہور ہوگا کہ (ان کے لئے نہایت تیز کھولتا ہوا پانی پینے کے لئے ہوگا اور) اس کے علاوہ اور طرح بھی (دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب) کہ یہی کفر ان کا کردار بد ہے، اور اسی کا ایک شعبہ تمسخر تھا۔

**ربط**: کافر اپنے کفر کے ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتے تھے کہ مسلمان بھی ان ہی کے طریقے پر لوٹ آئیں۔ ان کو جواب دیتے ہیں کہ مسلمان تو خود دوسروں کو توحید پر لانے کی فکر کرتے ہیں وہ کیوں شرک کی راہ پر آنے لگے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَ
لَا یَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤی اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ
الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ ۪ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَی
الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ
لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ

تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ڛ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

**ترجمہ**: تو کہہ دے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا اس کو جو نہ نفع پہنچا سکے ہم کو اور نہ نقصان دے سکے ہم کو اور (کیا) لوٹ جائیں ہم اپنی ایڑیوں پر اس کے بعد کہ سیدھی راہ دکھا چکا ہم کو اللہ مثل اس شخص کے کہ رستہ بھلوا دیا ہو اس کو جنوں نے جنگل میں جب کہ وہ حیران ہے۔ اس کے رفیق ہیں جو بلاتے ہوں اس کو صحیح رستہ کی طرف کہ چلا آ ہمارے پاس۔ تو کہہ دے کہ اللہ کی راہ ہی سیدھی راہ ہے اور ہم حکم دیئے گئے کہ ہم تابع رہیں پروردگار عالم کے، اور یہ کہ قائم رکھو نماز کو اور ڈرتے رہو اللہ سے اور وہی ہے جس کی طرف تم سب اکٹھے کئے جاؤ گے۔ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو فائدہ کے ساتھ۔ اور جس دن کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا۔ اسی کی بات باثر ہے اور اسی کے لئے سلطنت ہوگی جس دن پھونکا جائے گا صور میں۔ جاننے والا ہے چھپی اور کھلی باتوں کا اور وہی ہے حکمت والا جاننے والا۔

**تفسیر**: (آپ) سب مسلمانوں کی طرف سے ان مشرکین سے (کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ کے سوا) تمہاری مرضی کے موافق (ایسی چیز کی عبادت کریں کہ) اس کی عبادت کرنے کی صورت میں (وہ ہم کو نہ نفع پہنچا) نے پر قادر ہو (سکے اور) اس کی عبادت نہ کرنے کی صورت میں (وہ ہم کو نہ نقصان پہنچا) نے پر قادر ہو (سکے) اس سے مراد معبودان باطلہ ہیں کہ بعض کو تو سرے سے قدرت حاصل نہیں جیسے بت اور جن کو کچھ ہے تو وہ ان کی ذاتی نہیں جیسے جن اور فرشتے جب کہ معبود میں کم از کم اپنے موافق اور مخالف کو نفع وضرر پہنچانے کی ذاتی قدرت تو ہونی چاہئے۔ تو کیا ہم ایسوں کی عبادت کریں (اور کیا) معاذ اللہ (ہم) اسلام سے (الٹے پھر جائیں اس کے بعد کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے) طریق حق کی (ہدایت کر دی ہے) یعنی اول تو شرک خود ہی قبیح ہے، پھر خصوصاً اسلام کے اختیار لینے کے بعد تو اور زیادہ برا ہے ورنہ ہماری تو وہ مثال ہو جائے (جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں) بہکا کر راہ سے (بے راہ کر دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو) اور (اس کے کچھ ساتھی بھی ہوں کہ وہ اس کو ٹھیک راستہ کی طرف) پکار پکار کر (بلا رہے ہیں کہ) ادھر (ہمارے پاس آ) مگر وہ انتہائی حیرت سے نہ پکار کو سمجھتا ہے اور نہ ان کی طرف آتا ہے، حاصل یہ کہ

جیسا یہ شخص راہ پر تھا لیکن اپنے راہ دان ساتھیوں سے جدا ہو کر غول بیابانی کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر بے راہ ہو گیا، اور وہ ساتھی اب بھی اس کو راہ پر لاتے ہیں، مگر وہ نہیں آتا، ایسی ہی ہماری حالت ہو جائے کہ راہ اسلام پر ہو کر اپنے ہادی پیغمبر سے جدا ہوں اور گمراہ کرنے والوں کے پنجہ میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جائیں اور وہ ہادی پھر بھی خیر خواہی سے دعوت اسلام کرتے رہیں اور ہم گمراہی کو نہ چھوڑیں۔ یعنی کیا ہم تمہاری مرضی پر عمل کر کے اپنی ایسی مثال بنالیں (آپ) ان سے (کہہ دیجئے کہ) جب اس مثال سے معلوم ہوا کہ راہ سے بے راہ ہونا برا ہے اور یہ (یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ خاص اللہ ہی کی) بتائی ہوئی (راہ ہے) اور وہ اسلام ہے، پس یقیناً اس کا ترک کرنا بے راہ ہونا ہے، پھر ہم اس کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں (اور) آپ کہہ دیجئے کہ ہم شرک کیسے کر سکتے ہیں (ہم کو) تو (یہ حکم ہوا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے پورے اطاعت گزار ہو جائیں) اور وہ اطاعت گزاری منحصر ہے اسلام میں (اور) ہمیں (یہ) حکم ہوا ہے (کہ نماز کی پابندی کرو) جو کہ توحید پر ایمان کی ظاہر تر علامت ہے (اور) یہ حکم ہوا ہے کہ (اس سے) یعنی اللہ سے (ڈرو) اور اس کے حکموں کی مخالفت نہ کرو، جس میں سب سے بڑھ کر شرک ہے (اور) ہم اس کی عبادت اور اطاعت کیوں نہ کریں جب کہ (وہی) اللہ (ہے جس کے پاس تم سب) قیامت کے دن قبروں سے نکل کر حساب کے لئے (جمع کئے جاؤ گے) وہاں مشرکین کو اپنے شرک کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ (اور) ہم اس کی عبادت اور اطاعت کیوں نہ کریں جب کہ (وہی) اللہ (ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو فائدہ مند پیدا کیا) جس میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے خالق کے وجود اور توحید پر استدلال کیا جا سکتا ہے (اور) اوپر جو تُحْشَرُوْنَ میں حشر کی یعنی قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دی ہے اس کو بھی کچھ بعید مت سمجھو کیونکہ وہ قدرت الٰہیہ کے سامنے اس قدر آسان ہے کہ (جس وقت اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دے گا کہ) اے حشر (تو ہو جا بس وہ) حشر فوراً (ہو پڑے گا اس کا) یہ (کہنا با اثر ہے) خالی نہیں جاتا (اور) حشر کے روز (جب کہ صور میں) بحکم الٰہی دوسری بار فرشتہ کی (پھونک ماری جائے گی، ساری حکومت) حقیقت میں بھی اور ظاہر میں بھی (خاص اسی) اللہ (کی ہوگی) اور وہ اپنی حکومت سے موحدین و مشرکین کا فیصلہ کرے گا (وہ) اللہ (جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا) پس مشرکین کے اعمال و احوال کا بھی اس کو علم ہے (اور وہی ہے بڑی حکمت والا) اس لئے مناسب مناسب جزاء ہر ایک کو دے گا اور وہی ہے (پوری خبر رکھنے والا) اس لئے کسی بات کو اس سے چھپانا ممکن نہیں۔ تو جو خدا یہ صفات رکھتا ہے وہی اس لائق ہے کہ ہم اس کے تابع فرمان ہوں اور اسی کے عبادت گزار ہوں۔

**فائدہ**: مثال میں جو شیطانوں کا راہ بھلوا دینا مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ شیاطین اور

خبیث جنوں سے بعض اوقات اس قسم کے تصرفات وافعال سرزد ہو سکتے ہیں۔

**ربط**: آگے شرک کے ابطال اور توحید کے اثبات کی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید کا قصہ ذکر کرتے ہیں۔

1۔ قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے جو احوال مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بت پرستی بھی کرتے تھے اور ستاروں کو عالم میں تصرف کرنے والے بھی مانتے تھے لہذا وہ دو طریقوں سے مشرک تھے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظروں میں ان کے شرک کی دونوں قسموں پر کلام ہے۔

2۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوش سنبھالنے ہی کے وقت سے توحید پر تھے البتہ ایک عرصہ تک مناظرہ کا اتفاق نہیں ہوا پھر یا تو نبوت سے پہلے خود ہی یا نبوت کے بعد بامر الٰہی قوم سے مناظرہ کیا۔

3۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی قوم خدا کی بھی قائل تھی البتہ نمرود کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود خالق کا منکر تھا۔

## وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ

لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ
مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ
فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا
رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ
الضَّاۗلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ
اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ
لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَ
حَاۗجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَاۗجُّوْۗنِّىْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ

مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ
اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝٨٠ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ
اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ
اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٨١ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا
اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝٨٢

**ترجمہ**: اور (یاد کر) جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر کو کیا تو قرار دیتا ہے بتوں کو معبود، بے شک میں دیکھتا ہوں تجھے اور تیری قوم کو صریح گمراہی میں۔ اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو مخلوقات آسمانوں اور زمین کی اور تاکہ وہ ہو جائے یقین کرنے والوں میں سے۔ پھر جب چھا گئی اس پر رات دیکھا اس نے ایک ستارہ بولا یہ ہے رب میرا۔ پھر جب وہ غائب ہو گیا تو بولا نہیں میں پسند کرتا غائب ہو جانے والوں کو۔ پھر جب دیکھا چاند چمکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا۔ پھر جب وہ غائب ہو گیا بولا اگر نہ ہدایت کرتا رہے مجھ کو رب میرا تو بیشک میں ہو جاؤں گمراہ لوگوں میں سے۔ پھر جب دیکھا سورج جھلکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا، یہ سب سے بڑا ہے، پھر جب وہ غائب ہو گیا بولا اے میری قوم میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو۔ میں نے متوجہ کر لیا اپنے چہرے کو اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین، سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والوں میں سے۔ اور جھگڑا کیا اس سے اس کی قوم نے بولا کیا تم جھگڑا کرتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ وہ راہ دکھا چکا ہے مجھ کو اور نہیں ڈرتا ہوں میں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو اللہ کا مگر یہ کہ چاہے میرا رب ہی کچھ (تکلیف پہنچانا)۔ احاطہ کر لیا ہے میرے رب نے سب چیزوں کا از روئے علم، کیا تم نہیں سوچتے۔ اور کیسے میں ڈروں ان سے جن کو تم نے شریک ٹھہرایا حالانکہ نہیں ڈرتے ہو تم اس بات سے کہ شریک کیا تم نے اللہ کا ان کو جن کی نہیں اتاری اس نے تم پر کوئی دلیل۔ اب دونوں فرقوں میں کون زیادہ حقدار ہے امن کا، (بولو) اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملایا انہوں نے اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے ہے امن اور وہی ہیں سیدھی راہ والے۔

**تفسیر**: (اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم) علیہ السلام (نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے، بیشک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو) جو اس اعتقاد میں تیرے شریک ہیں (صریح غلطی میں دیکھ رہا ہوں) اور ستاروں کے متعلق گفتگو تو آگے آئے گی۔ درمیان میں ابراہیم علیہ السلام کو صحیح نظر و فکر حاصل ہونا بیان فرماتے ہیں جس کا تعلق ماقبل و مابعد دونوں سے ہے (اور ہم نے ایسے ہی) کامل (طور پر ابراہیم) علیہ السلام (کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات) معرفت کی نظر سے (دکھلائیں تا کہ وہ) خالق کی ذات و صفات کو خوب پہچان لیں اور تا کہ) مزید معرفت سے (کامل یقین کرنے والوں سے ہو جائیں) آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرہ کی مزید تفصیل مذکور ہے۔ (پھر) اسی دن یا کسی اور دن (جب رات کی تاریکی ان پر) اور سب پر اسی طرح (چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا) کہ چمک رہا ہے (آپ نے) اپنی قوم سے مخاطب ہو کر (فرمایا) تمہارے خیال کے موافق (یہ میرا) اور تمہارا (رب) اور میرے حالات و معاملات میں تصرف کرنے والا (ہے) بہت اچھا، اب تھوڑی دیر میں حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے، چنانچہ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ افق میں جا چھپا (سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا) جب کہ جس کو رب یعنی پرورش کرنے والا اور ضروریات پوری کرنے والا اور کمال تک پہنچانے والا سمجھے اس سے محبت ہونا لازمی ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ میں اس کو رب ہی نہیں سمجھتا (پھر) اسی شب میں یا کسی دوسری شب میں (جب چاند کو دیکھا) کہ چمکتا ہوا) نکلا ہے (تو) پہلے ہی کی طرح (فرمایا کہ) تمہارے خیال کے موافق (یہ میرا) اور تمہارا (رب) اور حالات و معاملات میں تصرف کرنے والا (ہے) بہتر، اب تھوڑی دیر میں اس کی کیفیت بھی دیکھنا۔ چنانچہ وہ بھی غروب ہو گیا (سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرا) حقیقی (رب ہدایت نہ کرتا رہے) جیسا اب تک ہدایت کرتا رہا ہے (تو میں بھی) تمہاری طرح گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ پھر) اسی شب کی صبح کو یا اس کے علاوہ کسی صبح کو (جب آفتاب دیکھا) کہ بڑی آب و تاب سے (چمکتا ہوا) نکلا ہے تو پہلی دو دفعہ کی طرح پھر (فرمایا کہ) تمہارے خیال کے موافق (یہ میرا) اور تمہارا (رب) اور حالات و معاملات میں تصرف کرنے والا (ہے) اور (یہ تو سب) مذکورہ ستاروں (میں بڑا ہے) اس پر مناظرہ بھی مکمل ہو جائے گا، اگر اس کی ربوبیت باطل ہوگئی تو چھوٹوں کی بدرجہ اولیٰ باطل ہو جائے گی، غرض شام ہوئی تو وہ بھی غروب ہو گیا (سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ

بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ) اور متنفر ( ہوں ) کیونکہ وہ خدا اور رب ہی کیا ہوا جو اپنے آپ کو ظاہر بھی نہ رکھ سکے اور دن رات کی گردش کے تابع ہو کر غروب ہو جائے۔ غرض میں براءت اور بیزاری کا برملا اظہار کرتا ہوں اگر چہ اعتقاد میں تو ہمیشہ سے بیزار ہی رہا ہوں ( میں ) سب طریقوں سے ( یک سو ہو کر اپنا ) ظاہری اور قلبی ( رخ اس ) ذات ( کی طرف ) کرنا تم سے ظاہر ( کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور میں ) تمہاری طرح ( شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں ) نہ عقیدے کے اعتبار سے اور نہ ہی قول و عمل کے اعتبار سے ( اور ان سے ان کی قوم نے ) بیہودہ ( حجت کرنا شروع کی ) وہ یہ کہ یہ ہمارا آبائی طریقہ ہے وَجَدْنَا اٰبَآءَ نَا لَهَا عٰبِدِیْنَ یعنی ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے اور معبودان باطلہ کے انکار پر ڈرایا بھی کہ کبھی تم کو یہ کسی آفت میں نہ پھنسا دیں ( آپ نے ) پہلی بات کے جواب میں تو یہ ( فرمایا کہ کیا تم اللہ ) کی توحید ( کے معاملہ میں مجھ سے ) باطل ( حجت کرتے ہو، حالانکہ اس نے مجھ کو ) صحیح استدلال کا ( طریقہ بتا دیا ہے ) جس کو میں تمہارے روبرو پیش کر چکا ہوں، اور محض آبائی طریقہ ہونا اس استدلال کا جواب نہیں ہو سکتا، لہٰذا یہ دلیل تمہارے لئے بیکار اور میرے نزدیک نا قابل التفات ہے ( اور ) دوسری بات کے جواب میں یہ فرمایا کہ ( میں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ) استحقاق عبادت میں ( شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا ) کہ وہ مجھ کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں کیونکہ ان میں خود صفت قدرت ہی مفقود ہے اور اگر کسی مخلوق میں ہو بھی تو وہ مستقل نہیں ہے بلکہ اللہ ہی کی قدرت کے تابع ہے۔ ( ہاں لیکن اگر میرا پروردگار ہی کوئی بات چاہے ) تو وہ دوسری بات ہے وہ تو ہو ہی جائے گی، لیکن اس سے معبودان باطل کی قدرت کا ثبوت یا ان سے خوف کی ضرورت کب لازم آئی اور ( میرا پروردگار ) جس طرح قادر مطلق ہے جیسا ان دلائل سے معلوم ہوا اسی طرح وہ ( ہر چیز کو اپنے ) احاطہ ( علم میں ) بھی ( گھیرے ہوئے ہے )۔ غرض قدرت وعلم دونوں اسی کے ساتھ خاص ہیں جب کہ تمہارے معبودوں کو نہ قدرت ہے نہ علم ہے ( کیا تم ) سنتے ہو اور ( پھر ) بھی ( خیال نہیں کرتے۔ اور ) جس طرح میرے نہ ڈرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے معبود علم وقدرت سے محض خالی ہیں، اسی طرح یہ بات بھی تو ہے کہ میں نے کوئی کام ڈر کا کیا بھی تو نہیں کیونکہ توحید کو اختیار کرنا کوئی جرم نہیں ہے پھر ( میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کے استحقاق اور ربوبیت کے اعتقاد میں ناحق ( شریک بنایا ہے، حالانکہ ) اصل تو تم کو ڈرنا چاہئے کیونکہ تم نے خدا کی بغاوت اختیار کی ہے کہ شرک کرتے ہو یعنی خدا کا حق

دوسروں کو دیتے ہو اور اس پر دلیری یہ کہ (تم اس بات) کے وبال (سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن) کے معبود ہونے (کی بابت اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی) لفظی یا معنوی (دلیل نازل نہیں فرمائی)۔ مطلب یہ کہ ڈرنا چاہئے تھا تم کو مگر تم الٹا مجھ کو ڈراتے ہو (لہٰذا) اس تقریر کے بعد انصاف سے سوچ کر بتاؤ کہ (ان) مذکورہ (دو فریقوں میں سے) یعنی تم جیسے مشرکین اور میرے جیسے موحدین میں سے آخرت کے عذاب سے (امن کا) زیادہ مستحق کون ہے۔ اگر تم) کچھ (خبر رکھتے ہو) تو بتاؤ اور خیر تم کیا بتاؤ گے میں ہی بتاتا ہوں کہ (جو لوگ) اللہ پر (ایمان رکھتے ہیں اور) اپنے اس (ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے ایسے ہی لوگوں کے لئے) قیامت میں (امن ہے اور وہی) دنیا میں (راہ) راست (پر چل رہے ہیں) اور وہ صرف موحدین ہیں۔ ان کے برخلاف مشرکین اگرچہ خدا کے قائل ہیں لیکن شرک بھی کرتے ہیں جس سے اصل ایمان باقی نہیں رہتا۔

**ربط**: آگے مسئلہ توحید کی مزید تقویت کے لئے بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسے لاجواب دلائل دے کر ان کی قوم پر غالب کیا اور دنیا و آخرت میں سربلند کیا۔ اسی سربلندی میں یہ بھی شامل ہے کہ دنیا میں ان سے نبوت و رسالت کا ایک عظیم الشان سلسلہ چلایا۔ لہٰذا توحید کی طرح نبوت بھی کوئی نئی چیز نہیں جس کو تم مستبعد خیال کرو۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ
رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ
وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ
وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا
وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ
وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ
ذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾
ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا
لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰۤؤُلَاۤءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا
لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ
اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

**ترجمہ**: اور یہ ہماری دلیل ہے۔ دی ہم نے یہ ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں۔ بلند کرتے ہیں ہم درجوں میں جس کو چاہیں۔ بے شک تیرا رب حکمت والا ہے جاننے والا، اور بخشا ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب۔ سب کو ہم نے ہدایت دی ہے اور نوح کو ہدایت کی ہم نے ان سب سے پہلے اور اس کی اولاد میں سے (ہدایت کی ہم نے) داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں نیک کام والوں کو۔ اور (ہدایت دی ہم نے) زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو۔ سب ہیں شائستہ لوگوں میں سے۔ اور (ہدایت دی ہم نے) اسماعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور سب کو بزرگی دی ہم نے سارے جہان والوں پر۔ اور (ہدایت کی ہم نے بعضوں کو) ان کے باپ دادوں میں سے اور ان کی اولاد میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے اور پسند کیا ہم نے ان کو اور چلایا ہم نے ان کو سیدھی راہ پر۔ یہ ہدایت ہے اللہ کی چلاتا ہے اس پر جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے۔ اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو البتہ ضائع ہو جاتا ان سے جو کچھ وہ عمل کرتے تھے۔ یہی لوگ ہیں وہ دی ہم نے جن کو کتاب اور شریعت اور نبوت۔ پھر اگر نہ مانیں ان باتوں کو یہ لوگ (یعنی مکہ والے) تو مقرر کر دیئے ہیں ہم نے ان باتوں کے لئے ایسے لوگ جو نہیں ہیں ان کے منکر۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے۔ سو ان کے طریقہ کی تو پیروی کر۔ تو کہہ دے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت جہان کے لوگوں کے لئے۔

**تفسیر**: (اور یہ) حجت جو ابراہیم علیہ اسلام نے توحید پر قائم کی تھی (ہماری) دی ہوئی (حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم) علیہ السلام (کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی) جب ہماری دی ہوئی تھی تو یقیناً اعلیٰ درجہ کی تھی اور ابراہیم علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے (ہم) تو (جس کو چاہتے ہیں علمی و عملی (مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں) چنانچہ سب انبیاء کو درجات کی یہ بلندی عطا فرمائی (بیشک آپ کا رب بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے) کہ ہر ایک کا حال اور استعداد جانتا ہے اور ہر ایک کے مناسب اس کو کمال عطا فرماتا ہے (اور) ہم نے جیسا ابراہیم علیہ السلام کو علم و عمل میں

کمال دیا، اسی طرح ان کے اصول اور فروع میں سے بہتوں کو کمال دیا چنانچہ (ہم نے ان کو) علاوہ اور اولاد کے ایک بیٹا (اسحاق دیا اور) ایک پوتا (یعقوب) دیا اور ان دونوں میں سے (ہر ایک کو) راہ حق کی (ہم نے ہدایت کی، اور) ابراہیم سے (پہلے زمانہ میں ہم نے نوح) علیہ السلام (کو) جن کا ابراہیم علیہ السلام کے اجداد میں سے ہونا مشہور ہے ان کو بھی ہم نے راہ حق کی (ہدایت کی اور ان) ابراہیم علیہ السلام کی (اولاد) اور نسل (میں سے) اخیر تک جتنے مذکور ہیں سب کو راہ حق کی ہدایت کی یعنی (داؤد) علیہ السلام (کو اور) ان کے صاحبزادہ (سلیمان) علیہ السلام (کو اور ایوب) علیہ السلام (کو اور یوسف) علیہ السلام (کو اور موسیٰ) علیہ السلام (کو اور ہارون) علیہ السلام (کو) راہ حق کی ہدایت کی۔ (اور) جب یہ ہدایت پر چلے تو ہم نے ان کو جزائے خیر یعنی ثواب اور زیادہ قرب سے بھی نوازا۔ اور جس طرح نیک کاموں پر ان کو جزا دی (اسی طرح) ہماری عادت ہے کہ (ہم نیک کام کرنے والوں کو) مناسب (جزا دیا کرتے ہیں اور نیز) ہم نے راہ حق کی ہدایت کی (زکریا) علیہ السلام (کو اور یحییٰ) علیہ السلام (کو اور عیسیٰ) علیہ السلام (کو اور الیاس) علیہ السلام (کو) اور یہ (سب) حضرات (پورے شائستہ لوگوں میں تھے۔ اور نیز) ہم نے راہ حق کی ہدایت کی (اسماعیل) علیہ السلام (کو اور یسع) علیہ السلام (کو اور یونس) علیہ السلام (کو اور لوط) علیہ السلام (کو اور) ان میں سے (ہر ایک کو) ان زمانوں کے (تمام جہان والوں پر) نبوت سے (ہم نے فضیلت دی۔ اور نیز ان) مذکورہ حضرات (کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو) راہ حق کی ہم نے ہدایت کی (اور ہم نے ان) سب (کو مقبول بنایا)۔ اور جس ہدایت کا اب تک ذکر ہوا ہے وہ کیا ہے تو اس کے بارے میں سنو کہ (ہم نے ان) سب (کو راہ راست) یعنی دین حق (کی ہدایت کی)۔ اور (یہی) دین (اللہ کی ہدایت ہے) جو وہ سب کو دکھاتا ہے لیکن (اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے) جس کا مدار یہ ہے کہ جس میں طلب صادق پاتا ہے اس کو (اس دین تک پہنچاتا ہے) اسی طرح اب جو لوگ موجود ہیں ان کو بھی دین کی راہ دکھا دی ہے اور اس تک پہنچنا ان کی طلب صادق پر موقوف ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے اس کے بجائے شرک اختیار کر لیا (اور) شرک اس قدر ناپسند چیز ہے کہ غیر انبیاء تو کس شمار میں ہیں (اگر بالفرض یہ حضرات) انبیاء (بھی) نعوذ باللہ (شرک کرتے تو جو کچھ یہ) نیک (اعمال کیا کرتے تھے ان سے سب اکارت ہو جاتے)۔ آگے مسئلہ نبوت کی طرف اشارہ ہے کہ (یہ) جتنے حضرات مذکور ہوئے (ایسے تھے کہ ہم نے ان) کے مجموعہ (کو کتاب) الٰہی (اور حکمت) کے علوم (اور نبوت عطا کی تھی) تو نبوت کوئی نئی اور عجیب بات نہیں ہے جو یہ کافر لوگ آپ کی نبوت کے منکر ہو رہے ہیں، کیونکہ

انبیاء کی مثالیں تو موجود ہیں (سو اگر) مثال موجود ہونے پر بھی (یہ لوگ) آپ کی (نبوت کا انکار کریں تو) آپ غم نہ کیجئے کیونکہ (ہم نے اس کے) ماننے کے (لئے ایسے بہت لوگ مقرر کر دیئے ہیں) یعنی مہاجرین وانصار (جو اس کے منکر نہیں ہیں) اور ہم جو غم نہ کرنے کو اور صبر کرنے کو کہتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ سب انبیاء نے ایسا ہی کیا ہے۔ چنانچہ (یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے) اس صبر کی (ہدایت کی تھی سو) اس بارے میں (آپ بھی ان ہی کے طریقہ) صبر (پر چلئے) اور آپ کو بھی اس کی ہدایت کی گئی ہے کیونکہ منکرین سے نہ آپ کو کوئی نفع نہ کوئی ضرر جس کی وجہ سے غم اور بے صبری ہو۔ اور اس مضمون کے اظہار کے واسطے ان سے تبلیغ کے وقت (آپ) یہ بھی (کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس) تبلیغ قرآن (پر کچھ معاوضہ نہیں چاہتا) جس کے ملنے سے نفع اور نہ ملنے سے ضرر ہو بلکہ بے غرض نصیحت کرتا ہوں (یہ) قرآن (تو تمام جہان والوں کے واسطے صرف ایک نصیحت ہے) جس کو ماننے سے تمہارا ہی نفع ہے اور نہ ماننے سے تمہارا ہی نقصان ہے۔

**ربط:** آگے رسالت کا اثبات اور اس کے منکرین کی مذمت کا ذکر ہے جس کا سبب یہ ہوا کہ یہود نے کہا واللہ آسمان سے اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب نازل نہیں کی۔ اسی کے ساتھ توحید و رسالت کے منکرین کو عذاب کی وعید بھی سنائی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ
شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ
هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ
وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ
خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ
بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ
اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ

الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى
اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا
فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ
وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ
لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

**ترجمہ**: اور نہیں قدر پہچانی انہوں نے اللہ کی اس کی قدر کے برابر جب کہا انہوں نے (کہ) نہیں اتاری اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز۔ تو کہہ کس نے اتاری وہ کتاب لے کر آیا تھا جس کو موسیٰ اس حال میں کہ وہ روشن تھی اور ہدایت تھی لوگوں کے واسطے۔ کرتے ہو تم اس کو (متفرق) اوراق میں، ظاہر کرتے ہو تم ان (میں سے بعض) کو اور چھپاتے ہو بہت کو۔ اور سکھلائے گئے تم وہ کچھ جو نہ جانتے تھے تم اور نہ تمہارے باپ دادے۔ تو کہہ دے کہ اللہ نے (اتاری) پھر چھوڑ دے ان کو ان کے مشغلہ میں بے ہودگی کرتے رہیں۔ اور یہ (قرآن) کتاب ہے اتارا ہم نے اس کو، برکت والی ہے، تصدیق کرنے والی ان کی جو اس سے پہلے ہیں اور تاکہ (اس کے ذریعہ تو ڈرائے مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں کو۔ اور جو یقین رکھتے ہیں آخرت پر وہ ایمان لاتے ہیں اس (قرآن) پر اور وہ اپنی نماز پر محافظت کرتے ہیں۔ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا کہے وحی کی گئی میری طرف حالانکہ نہیں وحی کی گئی اس کی طرف کچھ بھی اور جو کہے کہ میں بھی اتار لاتا ہوں مثل اس کے جو اتارا اللہ نے۔ اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم ہوں گے موت کی سختیوں میں اور فرشتے بڑھائے ہوئے ہوں گے اپنے ہاتھ کہ نکالو اپنی جانیں۔ آج تم بدلہ میں دیئے جاؤ گے عذاب ذلت کا اس سبب سے کہ تم کہتے تھے اللہ پر جھوٹی باتیں اور تم اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔ اور البتہ آ گئے ہو تم ہمارے پاس ایک ایک ہو کر جیسے پیدا کیا تھا ہم نے تم کو پہلی بار اور چھوڑ آئے تم جو کچھ (سامان) دیا تھا ہم نے تم کو پیچھے اپنی پیٹھ کے۔ اور نہیں ہم دیکھتے تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک

ہیں۔ البتہ منقطع ہو گیا (تعلق) تمہارے مابین اور جاتے رہے تم سے جو دعوے (کہ) تم کیا کرتے تھے۔

**تفسیر**: (اور ان) منکر (لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچاننا واجب تھی، ویسی قدر نہ پہچانی جب کہ) ڈھٹائی سے (یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز) یعنی قرآن سمیت کوئی کتاب (بھی نازل نہیں کی۔) یہ کہنا اس وجہ سے نا قدر شناسی ہے کہ اس سے مسئلہ نبوت کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ رسول اپنے اوپر کتاب الٰہی کے نازل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو اس کہنے سے کہ اللہ نے کوئی کتاب نازل نہیں کی رسول کو اس کے دعوے میں جھوٹا کہنا ہے اور چونکہ جھوٹا دعوی کرنے والا رسول اور نبی نہیں ہوسکتا لہٰذا اس طرح سے اس کی رسالت و نبوت کا انکار کیا۔ اور نبوت کا منکر اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ماننا واجب ہے۔ پس اس میں قدر شناسی جو واجب تھی کہ اللہ کی ذات وصفات کو پہچانتے اور مانتے اس میں خلل آیا۔ یہ تو تحقیقی جواب تھا۔ اور الزامی جواب دینے کے لئے (آپ) ان سے (یہ کہئے کہ) یہ تو بتاؤ کہ (وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ) علیہ السلام (لائے تھے) یعنی توریت جس کو تم بھی مانتے ہو (جس کی یہ کیفیت ہے کہ وہ) خود (نور) کی طرح واضح (ہے اور) جن کی ہدایت کے لئے وہ آئی تھی ان (لوگوں کے لئے وہ) اس وجہ سے کہ اس میں شرعی احکام کا ذکر (ہدایت ہے، جس کو تم نے) اپنی نفسانی اغراض کے لئے (متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے جن) میں جتنے اوراق کو چاہتے ہو جب کہ ان میں تمہارے مطلب کے خلاف کوئی بات نہ ہو تو ان (کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سے اوراق کو) جو اپنے مطلب کے خلاف ہیں (چھپاتے ہو اور) اس کتاب کی بدولت (تم کو بہت سی ایسی باتیں تعلیم کی گئیں جن کو) اے بنی اسرائیل کتاب ملنے سے پہلے (نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے) قریب سلسلہ کے (بڑے) جانتے تھے۔ مطلب یہ کہ جس توریت کی یہ حالت ہے کہ اس کو اولاً تو تم مانتے ہو، دوسرے نور وہدایت ہونے کی وجہ سے ماننے کے قابل بھی ہے، تیسرے ہر وقت تمہارے استعمال میں ہے اگرچہ وہ استعمال شرمناک ہے، لیکن اس کی وجہ سے انکار کی گنجائش تو نہیں رہی، چوتھے تمہارے حق میں وہ بڑی نعمت اور احسان کی چیز ہے کہ اسی کی بدولت عالم بنے بیٹھے ہو، اس حیثیت سے بھی اس میں انکار کی گنجائش نہیں تو یہ بتاؤ کہ اس کو کس نے نازل کیا ہے، اور چونکہ اس سوال کا جواب ایسا متعین ہے کہ وہ لوگ بھی اس کے سوا کوئی جواب نہ دیتے، اس لئے خود ہی جواب دینے کے لئے حضور کو حکم ہے کہ (آپ) ہی (کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے) توریت کو (نازل فرمایا ہے) اور اس سے ان کا دعویٰ کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ نازل

نہیں کیا باطل ہو گیا (پھر) یہ جواب سنا کر آپ (ان کو ان کے مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے) یعنی آپ کا منصبی کام ختم ہو گیا، نہ مانیں تو آپ فکر میں نہ پڑیں ہم خود ہی ان سے نمٹ لیں گے۔ (اور) جس طرح توریت ہماری نازل کی ہوئی کتاب تھی اسی طرح (یہ) قرآن (بھی) جس کی تکذیب یہود کو اصل مقصود تھی (ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے) آپ پر (نازل کیا ہے جو بڑی) خیر و (برکت والی ہے) چنانچہ اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا فلاح اور دنیا و آخرت کے نفع کا سبب ہے اور (اپنے سے پہلے) نازل شدہ (کتابوں) کے اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کئے جانے (کی تصدیق کرنے والی ہے)۔ سو ہم نے اس قرآن کو مخلوق کے نفع اور کتب الٰہیہ کی تصدیق کے لئے نازل فرمایا (اور) اس لئے نازل فرمایا کہ (تاکہ آپ) اس کے ذریعہ سے (مکہ والوں کو اور آس پاس والوں کو) خصوصیت کے ساتھ عذاب الٰہی سے جو کہ مخالفت پر ہو گا (ڈرائیں) اور اس کے علاوہ عمومی طور سے بھی تمام لوگوں کو ڈرائیں لِیَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا تاکہ وہ سب جہان والوں کو ڈرائے (اور) آپ کے ڈرانے کے بعد گو سب ایمان نہ لائیں لیکن (جو لوگ آخرت کا) پورا (یقین رکھتے ہیں) جس سے عذاب کا ڈر پیدا ہو جائے اور اس سے بچنے کی فکر پڑ جائے اور ہمیشہ نجات اخروی اور حق کی طلب کی دھن لگ جائے خواہ کسی نقلی دلیل سے حاصل ہو یا عقلی دلیل سے حاصل ہو (ایسے لوگ) تو (اس) قرآن (پر ایمان لے) ہی (آتے ہیں اور) ایمان و اعتقاد کے ساتھ اس کے اعمال کے بھی پابند ہوتے ہیں، کیونکہ عذاب سے کامل نجات کا وعدہ ایمان و عمل کے مجموعہ پر ہے چنانچہ (وہ اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں) اور جب اس عبادت پر جو کہ ہر روز پانچ بار مکرر اور شاق ہے مداومت کرتے ہیں تو دوسری عبادات کے جو کہ کبھی کبھی ہیں اور سہل بھی ہیں بدرجہ اولیٰ پابند ہوں گے، حاصل یہ کہ کسی کے ماننے نہ ماننے کی فکر نہ کیجئے جو اپنا بھلا چاہیں گے مان لیں گے، جو نہ چاہیں گے نہ مانیں گے آپ اپنا کام کیجئے۔ (اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے) جیسے اس طرح کہنا جو ابھی اوپر ذکر ہوا کہ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ یعنی اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا (یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی) جیسے نبوت کے جھوٹے دعویداروں مسیلمہ وغیرہ نے کہا تھا (اور) اسی طرح اس سے بھی زیادہ ظالم کون ہو گا (جو یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے) رسول اللہ ﷺ کے دعویٰ کے مطابق (نازل کیا ہے، اسی طرح کا میں بھی لا) کر (دکھاتا ہوں) جیسا نضر یا عبداللہ نامی یہودی نے کہا تھا، غرض یہ سب لوگ بڑے ظالم ہیں (اور) ظالموں کا حال یہ ہے کہ (اگر آپ) ان کی (اس وقت دیکھیں) تو بڑا ہولناک منظر دکھائی دے (جب کہ یہ ظالم لوگ) جن

کا ذکر ہوا (موت کی) روحانی (سختیوں میں) گرفتار (ہوں گے اور) موت کے (فرشتے) جو ملک الموت کے مددگار ہیں ان کی روح نکالنے کے واسطے ان کی طرف (اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے) اور شدت کے ظاہر کرنے کو یوں کہتے جاتے ہوں گے کہ (ہاں) جلدی (اپنی جانیں نکالو) کہاں بچاتے پھرتے تھے، دیکھو (آج) مرنے کے ساتھ ہی (تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی) جس میں جسمانی تکلیف بھی ہے اور روحانی ذلت بھی ہے (اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی) جھوٹی (باتیں بکتے تھے) جیسے وہ جھوٹی تہمتیں جو اوپر ذکر ہوئیں (اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات) جو کہ ذریعہ ہدایت تھیں ان کے قبول کرنے (سے تکبر کرتے تھے) یہ کیفیت تو موت کے وقت ہو گی، (اور) جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے (تم ہمارے پاس) یارو مددگار سے (تنہا تنہا) ہوکر (آگئے) اور اس حالت سے آئے (جس طرح ہم نے پہلی مرتبہ) دنیا میں (تم کو پیدا کیا تھا) کہ نہ بدن پر کپڑا نہ پاؤں میں جوتا (اور جو کچھ ہم نے تم کو) دنیا میں سازو سامان (دیا تھا) جس پر تم بھولے بیٹھے تھے (اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے) ساتھ کچھ نہ لا سکے۔ مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کے بھروسہ پر نہ رہنا، یہ سب یہاں ہی رہ جائے گا (اور) تم میں جو بعض کو اپنے باطل معبودوں کی شفاعت کا بھروسہ تھا سو (ہم تو تمہارے ہمراہ) اس وقت (تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے) جس سے ثابت ہوا کہ واقع میں بھی وہ تمہارے ساتھ نہیں ہیں (جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں) ہمارے (شریک ہیں) اور اس لئے عبادت کے ہر کام میں ہمارے ساتھ تم ان کو بھی شریک کرتے تھے (واقعی تمہارے) اور ان کے (آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا) کہ آج تم ان سے بیزار ہو اور وہ تم سے بیزار ہیں تو وہ شفاعت کیا کریں گے (اور وہ تمہارا دعویٰ) جو مذکور ہوا (سب تم سے گیا گزرا ہوا) کچھ کام کا نہ نکلا تو اب پوری پوری مصیبت پڑے گی۔

**فائدہ**: 1 غَمَرَاتِ میں روحانی کی قید اس لئے لگائی کہ حالت نزع کی جسمانی شدت نہ تو کفار کو لازم ہے اور نہ ان کے خواص میں سے ہے

2۔ فرشتوں کا اَخرِجُوا کہنا فی الحقیقت طلب کے لئے نہیں بلکہ ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی کی چیز لے کر بھاگ جائے اور اس کو چھپائے پھرتا رہے پھر مالک یا اس کا کوئی آدمی اس کو پکڑ کر جبراً اس کی جیبوں میں سے خود نکالتا جاتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ ہاں یہاں سے نکال وہاں سے نکال۔ اس سے مقصود صرف اظہار شدت ہوتا ہے۔

3- اہل محشر کے برہنہ پا اور برہنہ بدن ہونے کا ذکر صحیح حدیثوں میں وارد ہوا ہے۔

**ربط**: آگے توحید و رسالت کے اثبات کے لئے اللہ تعالیٰ کے افعال، صفات اور مظاہر قدرت کو بیان کرتے ہیں جن سے خدا کے وجود، وحدانیت اور کامل الصفات ہونے پر استدلال تو واضح ہے لیکن انہی سے رسالت پر بھی اس طور سے استدلال ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہماری دنیوی زندگی اور مادی حوائج کے انتظام کے لئے اس قدر اسباب مہیا فرمائے ہیں تو ضرور اس نے ہماری اخروی زندگی اور روحانی ضروریات کے پورا ہونے کا انتظام بھی یقیناً کیا ہو گا۔ وہی انتظام نبوت و رسالت کی صورت میں ہے۔

## اِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ

الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۹۵ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا
وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۹۶ وَهُوَ
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۹۷ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ
نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يَّفْقَهُوْنَ ۝۹۸ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ
كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ
مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ
وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ
اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۹۹

**ترجمہ**: بے شک اللہ پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو۔ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے۔ یہ ہے اللہ پھر کدھر تم بہکے جاتے ہو، پھاڑنے والا ہے صبح کی روشنی کا اور اس نے بنائی رات آرام کے لئے اور (بنا کے رکھا ہے) سورج اور چاند کو حساب سے۔ یہ اندازہ ٹھہرانا ہے زور آور خبردار کا۔ اور وہی ہے جس نے بنا دیئے

تمہارے واسطے ستارے تاکہ تم راستہ معلوم کرو ان کے ذریعہ اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے۔ بے شک کھول (کر بیان کر) دیئے ہم نے دلائل ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تم سب کو ایک جان سے پھر ایک تو (تمہارا) ٹھکانا ہے اور ایک جائے امانت ہے۔ بے شک کھول (کر سنا) دیئے ہم نے دلائل ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی، پھر نکالی ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز پھر نکالی ہم نے اس میں سے سبز کھیتی نکالتے ہیں ہم جس سے دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے، اور کھجور کے گپھے میں سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے اور (پانی سے نکالے) باغات انگور کے اور زیتون (کے درخت) کو اور انار (کے درخت) کو آپس میں ملتے جلتے اور غیر ملتے جلتے بھی۔ دیکھو ہر ایک (درخت کے) پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور اس کے پکنے کو، ان چیزوں میں نشانیاں ہیں واسطے ان لوگوں کے جو ایمان رکھتے ہیں۔

**تفسیر**: (بیشک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو) یعنی زمین میں دبانے کے بعد جو دانہ یا گٹھلی پھوٹتی ہے یہ اللہ ہی کا کام ہے۔ (وہ جاندار) چیز (کو بے جان) چیز (سے نکال لاتا ہے) جیسے انڈے سے مرغی کو پیدا کرتا ہے (اور وہ بے جان) چیز (کو جاندار) چیز (سے نکالنے والا ہے) جیسے مرغی کے بدن سے انڈے کو۔ (اللہ یہ ہے) جس کی ایسی قدرت ہے (سو تم) اس کی عبادت چھوڑ کر (کہاں) غیر اللہ کی عبادت کی طرف (الٹے چلے جا رہے ہو۔ وہ) اللہ تعالیٰ (صبح) صادق (کا) رات میں سے (نکالنے والا ہے) یعنی اسی کے حکم سے رات ختم ہو جاتی ہے اور صبح صادق ظاہر ہوتی ہے (اور اس نے رات کو راحت کی چیز بنایا ہے) کہ سب تھکے تھکائے سو کر آرام پاتے ہیں (اور سورج اور چاند) کی رفتار (کو حساب سے رکھا ہے) یعنی ان کی رفتار منضبط ہے جس سے اوقات کے انضباط میں سہولت ہو۔ (یہ) یعنی حساب سے ان کی رفتار ہو ایسی بات ہے جو ایسی ذات کی (ٹھہرائی ہوئی ہے) جو کہ (قادر) مطلق (ہے) کہ اس طرح کی حرکت پیدا کرنے پر اس کو قدرت ہے اور (بڑے علم والا ہے) کہ اس رفتار کی مصلحتیں اور حکمتیں جانتا تھا اس لئے اس خاص حساب پر ان کو ٹھہرا دیا (اور وہ) اللہ (ایسا ہے جس نے تمہارے) فائدہ کے (لئے ستاروں کو پیدا کیا) جو یہ ہے (کہ تم ان کے ذریعہ سے) رات کے (اندھیروں میں، خشکی میں بھی اور دریا میں بھی راستہ معلوم کر سکو، بیشک ہم نے) توحید و انعام کے یہ (دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں) اور گو یہ دلائل پہنچیں گے سب کو مگر نافع (ان) ہی (لوگوں کے لئے)

ہوں گے (جو) بھلے برے کی کچھ (خبر رکھتے ہیں) کیونکہ غور ایسے ہی لوگ کیا کرتے ہیں۔ (اور وہ) اللہ (ایسا ہے جس نے تم) سب (کو) اصل میں (ایک شخص سے) یعنی آدم علیہ السلام سے (پیدا کیا پھر) آگے تمہارے لئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ایک تو (ٹھکانا ہے اور) دوسرے (جائے امانت ہے)۔ دنیا کی جائے امانت تو ماں کا رحم ہے اور ٹھکانا خود دنیا ہے جب کہ آخرت کی جائے امانت قبر ہے اور ٹھکانا جنت یا دوزخ ہے۔ (بیشک ہم نے) توحید و انعام کے یہ (دلائل) بھی سب کے لئے (خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں) مگر ان کا نفع بھی جیسے پہلے ذکر ہوا (ان) ہی (لوگوں کے لئے) ہوگا (جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں)۔

(اور وہ) اللہ (ایسا ہے جس نے آسمان) کی طرف (سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس) ایک ہی پانی (کے ذریعہ سے ہر قسم کے) رنگ برنگ (نباتات کو) زمین سے (نکالا) ایک ہی پانی ایک ہی مٹی سے اتنی مختلف قسم کی نباتات جن کے رنگ و بو، ذائقہ، اور فائدے بے حد مختلف ہیں، یہ قدرت کا کس قدر عجیب کرشمہ ہے (پھر ہم نے اس) کونپل (سے) جو اول زمین سے نکلتی ہے اور جس کو سوئی بھی کہتے ہیں اور رنگ میں زرد ہوتی ہے (سبز شاخ نکالی کہ اس) شاخ (سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں) یہ تو اناج اور غلے کی کیفیت ہے، (اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گپھے میں سے خوشے) نکلتے (ہیں جو) مارے بوجھ کے (نیچے کو لٹکے جاتے ہیں اور) اسی پانی سے ہم نے (انگوروں کے باغ) پیدا کئے (اور زیتون و انار) کے درخت پیدا کئے (جو کہ) بعضے انار اور بعضے زیتون پھل کی صورت شکل و مقدار و رنگ وغیرہ کے اعتبار سے (ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور) بعضے (ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے) ذرا (ہر ایک کے پھل کو تو دیکھو جب وہ پھلتا ہے) کہ اس وقت بالکل کچا، بدمزہ، نا قابل انتفاع ہوتا ہے (اور) پھر (اس کے پکنے کو دیکھو) کہ اس وقت سب اوصاف میں یعنی رنگ، مزہ اور انتفاع میں کیسا کامل ہو جاتا ہے۔ یہ بھی خدا کی قدرت کا ظہور ہے۔ (ان) امور (میں) بھی توحید کے (دلائل) موجود (ہیں) اور گو تبلیغ کے اعتبار سے تو یہ دلائل سب کے لئے ہیں مگر انتفاع کے اعتبار سے (ان) ہی (لوگوں کے لئے) ہیں (جو ایمان) لانے کی فکر (رکھتے ہیں)۔

**ربط**: لیکن توحید کے منکروں نے مذکورہ بالا دلائل پر غور کرنے کے بجائے شرک پر اصرار کیا۔ آگے ان کے شرک کی بعض صورتیں ذکر کر کے ان کا ابطال کرتے ہیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝١٠٠ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى

يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهُ صَاحِبَةٌ ۖ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ
شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌ ﴿١٠٢﴾ لَا تُدْرِكُهُ
الْاَبْصَارُ ۖ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٠٣﴾

**ترجمہ**: اور ٹھہرا لیا ہے انہوں نے اللہ کے لئے شریک جنوں کو حالانکہ اللہ نے پیدا کیا ہے ان کو، اور تراش لئے ہیں انہوں نے اس کے واسطے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے۔ پاک ہے وہ اور بہت بلند ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ نئی طرح پر بنانے والا آسمانوں کا اور زمین کا۔ کیسے ہوسکتی ہے اس کے لئے اولاد حالانکہ نہیں ہے اس کے لئے کوئی بیوی، اور اس نے بنائی ہر چیز اور وہ ہر چیز سے واقف ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے، نہیں ہے کوئی مستحق عبادت سوا اس کے، پیدا کرنے والا پہلے ہر چیز کا سو تم عبادت کرو اسی کی اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔ نہیں پاسکتیں اس کو آنکھیں اور وہ پاسکتا ہے آنکھوں کو اور وہ نہایت لطیف خبردار ہے۔

**تفسیر**: (اور) مشرک (لوگوں نے) اپنے اعتقاد میں (شیاطین کو) ایسے (اللہ کا) جس کے صفات و افعال اوپر ذکر ہوئے (شریک قرار دے رکھا ہے) کہ ان کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں اور خدا کے مقابلہ میں ان کے کہنے پر چلتے ہیں (حالانکہ ان لوگوں کو) خود ان کے اقرار کے موافق بھی (خدا) ہی (نے پیدا کیا ہے) جب خالق کوئی اور نہیں تو معبود بھی کوئی اور نہ ہونا چاہئے۔ (اور ان) مشرکین میں سے بعض (لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں) اپنے اعتقاد میں (محض بلا دلیل تراش رکھی ہیں) جیسے نصاریٰ حضرت مسیح کو اور بعض یہود حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے (وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جن کو یہ لوگ) خدا تعالیٰ کی شان میں (بیان کرتے ہیں) یعنی یہ کہ اس کا کوئی شریک ہے یا اس کی کوئی اولاد ہے (وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد) یعنی عدم سے وجود میں لانے والا (ہے) اور دوسرا کوئی موجد نہیں، پس معبود بھی کوئی اور نہ ہوگا، اس سے تو شریک کی نفی ہوئی۔ اور اولاد کی نفی کی دلیل اولاد کی حقیقت ہے جو یہ ہے کہ میاں بیوی ہوں اور ان دونوں کی مقاربت ہو۔ اس سے تیسری جان دار چیز پیدا ہوگی۔ تو (اللہ کے اولاد کہاں ہوسکتی ہے، حالانکہ اس کی کوئی بیوی تو ہے

نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے) جیسا ان لوگوں کو پیدا کیا وَخَلَقَهُمْ اور زمین و آسمان کو پیدا کیا، بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اسی طرح اس نے (ہر چیز کو پیدا کیا، اور) جس طرح وہ خالقیت میں یکتا ہے، اسی طرح اس صفت میں بھی یکتا ہے کہ (وہ) ازل سے ابد تک کی (ہر چیز کو خوب جانتا ہے) اور اس وصف میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور تخلیق چونکہ علم کے بغیر ہو نہیں سکتی، اس سے بھی ثابت ہوا کہ اور کوئی خالق نہیں۔ (یہ) ذات جس کی کمال درجے کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں یہ (ہے اللہ تمہارا رب، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا) ہے جیسا اوپر بیان ہوا۔ جب یہ صفات صرف اللہ ہی میں ہیں (تو تم لوگ اس) ہی (کی عبادت کرو اور) پھر یہ کہ (وہ) ہی (ہر چیز کا کارساز) حقیقی (ہے) دوسرا کوئی کارساز بھی نہیں پس اس کی عبادت کرو گے تو وہی تم کو حقیقی نفع پہنچائے گا کوئی دوسرا کیا دے سکتا ہے۔ غرض خالق بھی وہی، علیم بھی وہی، وکیل بھی وہی، اور یہ سب امور اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ معبود بھی وہی ہو۔

اور اس کے علیم ہونے کی اور اس میں منفرد ہونے کی یہ کیفیت ہے کہ (اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی) دنیا میں تو اس طرح کہ کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا، جیسا کہ شرعی دلائل سے ثابت ہے، اور آخرت میں اس طرح کہ اہل جنت گو دیکھیں گے جیسا کہ یہ بھی شرعی دلائل سے ثابت ہے لیکن پورا احاطہ وہاں بھی محال رہے گا اور اتنی بات عقل سے سمجھ سکتے ہیں کہ جب آخرت میں آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود اس کا پورا احاطہ محال ہوگا تو اس کی باطنی حقیقت جو کہ اور بھی زیادہ پوشیدہ ہے اس کو محض عقل سے پہچاننا اور بھی محال ہے کیونکہ عقل سے تو خطا کا زیادہ احتمال ہوتا ہے (اور وہ) یعنی اللہ تعالیٰ (سب نگاہوں کو) جو کہ اس کے احاطہ سے عاجز تھیں لازماً (محیط ہو جاتا ہے) اسی طرح اور چیزوں کو بھی اپنے علم سے محیط ہے، وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (اور) اس بات سے کہ وہ سب کو محیط ہے اور اس کو کوئی محیط نہیں لازم) آ گیا کہ (وہی بڑا باریک بین، باخبر ہے) اور کوئی دوسرا نہیں، اور یہ وہ کمال علم ہے جس میں اللہ تعالیٰ یکتا ہے۔

**فائدہ**: کلام کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شے خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو اس کا احاطہ کسی دیکھنے والے کی آنکھ سے خواہ وہ دیکھنے والا کتنا ہی چھوٹا اور حقیر کیوں نہ ہو محال نہیں ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کا دنیا میں دیکھا جانا اگرچہ فی ذاتہ ممکن ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست رَبِّ اَرِنِیْ سے ظاہر ہے لیکن شرعاً یہ ممکن نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے جواب لَنْ تَرٰنِیْ یعنی تم مجھے دنیا میں ہرگز نہیں دیکھ سکتے سے ظاہر ہے البتہ آخرت میں ممکن ہے اور ہوگا بھی لیکن پورا احاطہ وہاں بھی نہ ہوگا اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے خواص میں سے ہے۔

**ربط**: آگے اس کا بیان ہے کہ آپ کے ذمہ رسالت کی حیثیت سے صرف ان مضامین کی تبلیغ اور عبدیت کے اعتبار سے خود عمل پر استقامت ہے توحید و رسالت کے منکرین کے فکر و غم میں پڑنا نہیں۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

**ترجمہ**: بلاشبہ آ چکیں تمہارے پاس نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے، پھر جس نے دیکھ لیا سو اپنے واسطے، اور جو اندھا رہا سو اپنے نقصان کو۔ اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان اور یوں طرح طرح سے ہم پھیرتے (اور سمجھاتے) ہیں آیتیں اور تاکہ وہ کہیں کہ تو نے (کسی سے) پڑھا ہے، اور تاکہ ہم واضح کر دیں اس کو ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ تو پیروی کر اس حکم کی جو وحی کیا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی جانب سے۔ نہیں کوئی لائق عبادت سوا اس کے اور منہ پھیر لے مشرکوں سے۔ اور اگر چاہتا اللہ (تو) نہ شرک کرتے وہ لوگ۔ نہیں بنایا ہم نے تجھ کو ان پر نگہبان اور نہیں ہے تو ان پر داروغہ۔

**تفسیر**: آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ (اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع) یعنی توحید و رسالت کے حق ہونے کے عقلی و نقلی دلائل (پہنچ چکے ہیں سو جو شخص) ان کے ذریعہ سے حق کو (دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا، اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں تمہارا) یعنی تمہارے اعمال کا (نگران نہیں ہوں) یعنی جیسا نگرانی کرنے والے کے ذمہ ہوتا ہے کہ ناشائستہ حرکت نہ کرنے دے، یہ میرے ذمہ نہیں، میرا کام صرف تبلیغ ہے (اور) دیکھئے (ہم اس) عمدہ (طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ سب کو پہنچا دیں، اور تاکہ یہ) منکرین تعصب سے (یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے) ان مضامین کو (پڑھ لیا ہے) مطلب یہ کہ اس طرح کہنے سے ان پر اور زیادہ الزام ہو کہ ہم تو اس طرح واضح کر کے حق کو ثابت کرتے تھے اور تم پھر لغو بہانے تراشتے تھے (اور تاکہ ہم اس) قرآن کے

مضامین (کو دانشمندوں کے لئے خوب ظاہر کردیں) یعنی قرآن کے نازل کرنے کے تین فائدے ہیں، ایک یہ کہ آپ کو تبلیغ کا اجر ملے، دوسرے یہ کہ منکرین پر زیادہ جرم قائم ہو، تیسرے یہ کہ دانشمندوں اور طالبان حق کے سامنے حق ظاہر ہو جائے پس (آپ) یہ نہ دیکھئے کہ کون مانتا ہے اور کون نہیں مانتا (خود اس طریق پر چلتے رہئے جس) پر چلنے (کی وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے) اور اس طریق میں بڑی چیز یہ اعتقاد ہے کہ (اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور) اس طریقہ میں یہ بھی داخل ہے کہ اس پر قائم رہ کر (مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے) کہ افسوس! انہوں نے قبول کیوں نہ کیا۔ (اور) خیال نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ (اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے) لیکن ان لوگوں کی بدعنوانیوں سے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ان کو سزا دیں، اس لئے ایسا ہی سامان جمع کر دیا، پھر ان کو آپ کیا مسلمان بنا سکتے ہیں (اور) آپ اس فکر میں پڑیں ہی کیوں (ہم نے آپ کو ان) کے اعمال (کا نگراں نہیں بنایا اور نہ آپ) ان اعمال پر عذاب دینے کے ہماری طرف سے (مختار ہیں) پس جب آپ کے متعلق نہ ان کے جرائم کی تفتیش ہے اور نہ ان کی سزا کا حکم ہے پھر آپ کو کیوں تشویش ہے۔

**ربط**: اوپر تبلیغ کی بات ذکر ہوئی تو اس کی مناسبت سے تبلیغ دین کا ایک ضابطہ بتایا اور وہ یہ کہ غیر قوم سے مناظرہ کرنا جزو تبلیغ ہے لیکن ان کے بڑوں کے بارے میں گالم گلوچ اور دلخراش الفاظ کسنا ممنوع ہے کہ وہ جواب میں ہمارے معبود یا رسول یا قابل تعظیم لوگوں کی شان میں گستاخی کریں گے تو گویا اس کے باعث ہم ہوں گے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ
ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

**ترجمہ**: اور نہ تم برا کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو حد سے گزر کر بغیر علم کے۔ اسی طرح مزین کر دیا ہم نے ہر ایک فرقہ کی نظر میں ان کے عمل کو، پھر ان کے رب کی طرف ان کا لوٹنا ہے تب وہ جتلا دے گا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے۔

**تفسیر**: (اور مت برا کہو ان) معبودان باطل (کو جن کی یہ) مشرک (لوگ خدا) کی توحید (کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کیونکہ) تمہارے ایسا کرنے سے (پھر وہ جہالت کی وجہ سے حد سے گذر کر) یعنی غصہ میں آ کر (اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے)۔ اور اس کا تعجب نہ کیا

جائے کہ ایسی گستاخی کرنے والوں کو ساتھ کے ساتھ سزا کیوں نہیں مل جاتی کیونکہ (ہم نے) دنیا میں تو (اسی طرح) جیسا ہو رہا ہے (ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل) بھلا ہو یا برا ہو (مرغوب بنا رکھا ہے) یعنی یہ ہماری بنائی ہوئی فطرت کی وجہ سے ہے کہ ہر ایک اپنے طریقہ کو پسند کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ عالم اصل میں ابتلاء و امتحان کا ہے، پس اس میں سزا ضروری نہیں (پھر) البتہ اپنے وقت پر (اپنے رب ہی کے پاس ان) سب (کو جانا ہے، سو) اس وقت (وہ ان کو جتلا دے گا جو کچھ بھی وہ) دنیا میں (کیا کرتے تھے) اور مجرموں کو سزا دیدے گا۔

**فائدہ**: 1 بتوں کو برا کہنا بذات خود مباح ہے مگر جب یہ کسی حرام کام مثلاً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی کا سبب بن جائے تو یہ بھی منع اور قبیح ہو جائے گا۔ اس سے شریعت کا یہ قاعدہ حاصل ہوا کہ مباح جب حرام کا سبب بن جائے تو وہ خود حرام ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک کی آیات میں جو مضامین توحید و رسالت کے اثبات اور کفر و شرک کے ابطال کے ہیں بعض اوقات کفار ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب میں کلمات کہا کرتے تھے لیکن ان مضامین کا بیان کرنا منع نہیں ہوا۔ فرق کی وجہ یہ ہے کہ ان مضامین کو بیان کرنا واجب ہے۔ واجب بات پر اگر کچھ مفاسد مرتب ہو جائیں تو اس واجب کو ترک نہیں کریں گے (یہ دوسرا قاعدہ ثابت ہوا) جب کہ بتوں کو برا کہنا محض امر مباح ہے واجب نہیں ہے ایسے پر جب مفاسد مرتب ہوں تو اس مباح کو ترک کرنا واجب ہوگا۔

2- قرآن پاک کی بعض آیات میں جو معبودان باطل کی تحقیر مذکور ہے وہ گالم گلوچ کے قصد سے نہیں بلکہ مناظرہ میں تحقیق اور توجہ دلانے کی غرض سے ہے۔

**ربط**: تبلیغ کی بات چلی تو پچھلی آیت میں اس کے بارے میں ایک ضابطہ بتایا۔ تبلیغ کی جائے تو ہٹ دھرم کافر بار بار نشانیاں مانگتے تھے اور قسمیں کھاتے تھے کہ ہماری یہ مطلوبہ نشانی پوری کر دی جائے تو ایمان لے آئیں گے۔ اس پر بعض مسلمانوں کو بھی یہ خیال ہوتا کہ اچھا ہوا گر ان کی یہ حجت بھی پوری کر دی جائے۔ اس پر فرمایا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ
بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ
يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

**ترجمہ**: اور قسم کھائی اللہ کی اپنی قسموں کے زور کے ساتھ کہ اگر آئے ان کے پاس کوئی نشانی تو ضرور ایمان لائیں گے اس پر۔ تو کہہ دے کہ نشانیاں تو صرف اللہ کے پاس ہیں اور تم کو (اے مسلمانو) کیا خبر ہے کہ وہ نشانیاں جب آ جائیں تو نہ ایمان لائیں گے یہ لوگ۔ اور ہم الٹ دیں گے ان کے دل اور ان کی آنکھیں جیسے نہیں ایمان لائے اس (قرآن) پر پہلی بار اور ہم چھوڑے رکھیں گے ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہیں۔ اور اگر ہم اتارتے ان پر فرشتے، اور باتیں کرتے ان سے مردے اور جمع کر دیتے ہم ان کے پاس ہر چیز کو (ان کے) سامنے، نہیں ہیں یہ لوگ کہ ایمان لائیں مگر یہ کہ چاہے اللہ لیکن ان میں اکثر جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (اور ان) منکر (لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے) یعنی منکرین کے (پاس ان کی فرمائشی نشانیوں میں سے (کوئی نشانی) ظہور میں (آ جائے تو وہ ضرور ہی اس) نشانی (پر ایمان لے آئیں گے) اور نشانی ظاہر کرنے والے کی نبوت کو مان لیں گے۔ (آپ) جواب میں (کہہ دیجئے کہ نشانیاں سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں) وہ ان میں جس طرح چاہے تصرف فرمائے دوسرے کو دخل دینا اور فرمائش کرنا بے جا ہے، کیونکہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ کس کا ظاہر ہونا حکمت ہے اور کس کا ظاہر نہ ہونا حکمت ہے، البتہ رسول کی بعثت کے وقت مطلقاً کسی نشانی کو ظاہر کر دینا اس میں حکمت یقینی ہے، کیونکہ وہ اس رسول کی رسالت کی دلیل ہوتی ہے سو اللہ تعالیٰ رسالت محمدؐ یہ کی سچائی پر بہت سی نشانیاں ظاہر فرما چکے ہیں جو کہ دلالت کے لئے کافی ہیں، بس یہ ان کی فرمائش کا جواب ہو گیا (اور) چونکہ مسلمانوں کے دل میں خیال تھا کہ اچھا ہے اگر یہ نشانیاں ظاہر ہو جائیں، شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں ان کو خطاب فرماتے ہیں کہ (تم کو اس کی کیا خبر) بلکہ ہم کو خبر ہے (کہ وہ) فرمائشی (نشانیاں جس وقت) ظہور میں (آ جائیں گی یہ لوگ) غایت عناد سے (جب بھی ایمان نہ لائیں گے اور) ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے (ہم بھی ان کے دلوں کو) حق طلبی کے قصد سے (اور ان کی نگاہوں کو) حق بینی کی نظر سے (پھیر دیں گے) اور ان کا یہ ایمان نہ لانا ایسا ہے (جیسا یہ لوگ اس) قرآن (پر) کہ عظیم معجزہ ہے (پہلی دفعہ) جب کہ وہ آیا (ایمان نہیں لائے) تو

اب ایمان نہ لانے کو بعید مت سمجھو (اور) نگاہوں کو پھیرنے کا ظاہری مطلب مراد نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ (ہم ان کو ان کی سرکشی) و کفر (میں حیران) سرگرداں (رہنے دیں گے) اور ان کو ایمان کی توفیق نہ ہو گی (اور) ان کے عناد کی تو یہ کیفیت ہے کہ (اگر ہم) ایک فرمائشی نشانی کیا کئی کئی اور بڑی بڑی فرمائشی نشانیاں بھی ظاہر کر دیتے، مثلاً یہ کہ (ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے) جیسا وہ کہتے ہیں لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ (اور ان سے مردے) زندہ ہو کر (باتیں کرنے لگتے) جیسا وہ کہتے ہیں فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَا (اور) یہ تو صرف اسی طرح کے چند مطالبے کرتے ہیں لیکن اگر (ہم) انہی پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ (تمام موجودات) غیبیہ (کو) جس میں جنت و دوزخ سب ہی کچھ آ گیا (ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو لا کر جمع کر دیتے) کہ سب کو کھلم کھلا دیکھ لیتے (تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے، ہاں مگر خدا ہی چاہے) اور ان کی تقدیر بدل دے (تو اور بات ہے)۔ پس جب ان کے عناد و شرارت کی یہ کیفیت ہے اور خود بھی وہ اس کو جانتے ہیں کہ ہماری نیت اس وقت بھی ایمان لانے کی نہیں تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ نشانیوں کی فرمائش نہ کرتے کہ محض بیکار ہے (لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں) کہ ایمان لانے کا تو قصد نہیں خواہ مخواہ کی فرمائشیں کرتے ہیں جن کا جہالت ہونا ظاہر ہے۔

**ربط**: اور کافروں اور دشمنوں کی ہٹ دھرمی اور تنگ کرنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہر پیغمبر کے مقابلہ میں شیطانی قوتیں کام کرتی رہی ہیں لیکن خود یہ اور ان کی حرکتیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا
شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ
الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا
يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

**ترجمہ**: اور اسی طرح کر دیا ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن شیطان آدمیوں کو اور (شیطان) جنوں کو، وسوسے ڈالتے ہیں ان کے بعض دوسرے کی طرف ملمع کی ہوئی بات فریب دینے کے لئے اور اگر چاہتا تیرا رب تو نہ کرتے وہ لوگ یہ کام، سو تو چھوڑ دے ان کو اور اس کو جو وہ جھوٹ باندھتے ہیں۔ اور اس لئے کہ مائل ہوں اس (ملمع کی ہوئی بات) کی

طرف ان لوگوں کے دل جو نہیں یقین رکھتے آخرت پر اور تا کہ وہ پسند (بھی) کرلیں اس کو اور تا کہ ارتکاب کریں جن کے وہ مرتکب ہیں۔

**تفسیر**: یہ لوگ جو آپ سے عداوت کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات آپ ہی کے لئے نہیں ہوئی، بلکہ جس طرح یہ آپ سے عداوت رکھتے ہیں (اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے، کچھ آدمی) جن سے اصل معاملہ تھا (اور کچھ جن) ابلیس اور اس کا لشکر (جن میں سے بعض) یعنی ابلیس اور اس کا لشکر (دوسرے بعضوں کو) یعنی کافر آدمیوں کو (چکنی چپڑی باتوں) یعنی کفر اور مخالفت کی باتوں (کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے) جو ظاہر میں نفس کو بھلی معلوم ہوتی تھیں اور حقیقت میں مہلک تھیں (تا کہ) اس طرح سے (ان کو دھوکہ میں ڈال دیں) جب یہ کوئی نئی بات نہیں تو اس کا غم نہ کیجئے کہ آپ کے ساتھ یہ لوگ ایسے معاملات کیوں کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اس میں ہماری کچھ حکمتیں ہیں، اس وجہ سے ان کو ایسے امور پر قدرت بھی ہوگئی ہے (اور اگر اللہ تعالیٰ) یہ (چاہتا) کہ یہ لوگ ایسے امور پر قادر نہ ہوں (تو) پھر (یہ ایسے کام نہ کر سکتے) مگر بعض حکمتوں سے ان کو قدرت دیدی ہے۔ (سو) جب اس میں حکمتیں ہیں تو (ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ) دین کے بارے میں (افتراء پردازی کر رہے ہیں) مثلاً آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں پھر اس کی بنیاد پر آپ سے عداوت کرتے ہیں (اس کو آپ رہنے دیجئے) اس کی فکر وغم میں نہ پڑیئے، ہم خود متعین وقت پر مناسب سزا دیں گے کیونکہ ان حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کو سزا سے پہلے مہلت دی جائے (اور) وہ شیاطین ان کافر آدمیوں کو اس لئے وسوسہ میں ڈالتے تھے (تا کہ اس) فریب آمیز بات (کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جائیں جو آخرت پر) جیسا ہونا چاہئے ویسا (یقین نہیں رکھتے) مراد کافر لوگ ہیں اگر چہ اہل کتاب ہوں، کیونکہ جیسا ہونا چاہئے ویسا ان کو بھی یقین نہیں، ورنہ انکار نبوت پر جس پر قیامت میں سزا ہوگی کبھی جرأت نہ کرتے (اور تا کہ) میلان نفسانی کے بعد (اس کو) اعتقاد قلبی سے بھی (پسند کرلیں اور تا کہ) اعتقاد کے بعد (ان امور مرتکب) بھی (ہو جائیں جن کے وہ دل سے (مرتکب ہوتے تھے) اور اس طرح سے پھر کبھی برے کاموں اور کفر وفسق کی دلدل سے نکلنے نہ پائیں اور سخت عذاب کے مستحق ٹھہریں۔

**ربط**: شیطانی قوتیں صرف دشمنی ہی نہیں کرتیں بلکہ یہ چاہتی ہیں کہ نبی بھی راہ حق کو چھوڑ کر ان کے باطل طریقوں پر چلنے لگیں۔ اس کے جواب میں نبی ﷺ سے یہ کہلوایا۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا
وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١١٥﴾ وَإِن
تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِن
يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿١١٦﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ
أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١١٧﴾

**ترجمہ**: کیا پس اللہ کے غیر کو میں تلاش کروں فیصلہ کرنے والا، حالانکہ اسی نے اتاری ہے تمہاری طرف (کامل) کتاب واضح کی ہوئی۔ اور وہ لوگ دی ہم نے جن کو کتاب وہ جانتے ہیں کہ یہ نازل کی ہوئی ہے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ سو مت ہو تو شک کرنے والوں میں سے۔ اور تام (مکمل) ہوگئی بات تیرے رب کی سچائی اور اعتدال میں۔ نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کو اور وہی ہے سننے والا جاننے والا۔ اور اگر تو کہنا مانے گا اکثر ان لوگوں کا جو زمین میں ہیں تو وہ بہکا دیں گے تجھ کو اللہ کی راہ سے۔ نہیں وہ پیروی کرتے مگر (اپنے) خیال کی۔ اور نہیں وہ سب مگر اٹکل دوڑاتے ہیں۔ بے شک تیرا رب ہی خوب جاننے والا ہے اس کو جو بہکتا ہے اس کی راہ سے اور وہی خوب جاننے والا ہے ان کو جو ہدایت یافتہ ہیں۔

**تفسیر**: آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رسالت کے مقدمہ میں اختلاف ہے کہ میں بحکم سرکاری اس کا مدعی ہوں اور تم منکر ہو اور یہ مقدمہ احکم الحاکمین کے اجلاس سے میرے حق میں اس طرح طے اور فیصل ہو چکا ہے کہ میرے اس دعوے پر کافی ثبوت اور دلیل جو کہ قرآن ہے خود قائم فرما دیا ہے اور تم پھر بھی نہیں مانتے (تو کیا) تم یہ چاہتے ہو کہ میں اس خدائی فیصلہ کو کافی نہ قرار دوں اور (اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں، حالانکہ وہ ایسا) کامل فیصلہ کر چکا (ہے کہ اس نے ایک کتاب) جو اپنے معجز ہونے میں (کامل) ہے (تمہارے پاس بھیج دی ہے) اور وہ اپنے معجز ہونے کی وجہ سے میری نبوت پر کافی دلیل ہے۔ قرآن کے دو کمال تو یہ ذکر ہوئے یعنی معجز ہونا اور نبوت پر کافی دلیل ہونا۔ ان کے علاوہ بھی اس میں کمال کے اوصاف ہیں مثلاً وہ ہدایت و تعلیم کے مقاصد کے لئے بھی کافی ہے لہٰذا (اس) کے کمال (کی) تیسری (حالت یہ ہے کہ اس کے مضامین) جو دین کے باب میں اہم ہیں (خوب صاف صاف بیان کئے گئے ہیں اور) اس کا چوتھا

کمال یہ ہے کہ سابقہ کتب میں اس کی خبر دی گئی ہے جو اس کے مہتم بالشان ہونے کی علامت ہے چنانچہ (جن لوگوں کو ہم نے کتاب) یعنی تورات وانجیل (دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے کہ یہ) قرآن (آپ کے رب کی طرف سے واقعیت کے ساتھ بھیجا گیا ہے) اس کو جانتے تو سب ہیں، پھر بھی جن میں حق گوئی کی صفت تھی انہوں نے ظاہر بھی کر دیا اور جو معاند تھے وہ ظاہر نہ کرتے تھے (سو آپ شبہ کرنے والوں میں نہ ہوں اور) قرآن کا پانچواں وصف کمال یہ ہے کہ (آپ کے رب کا) یہ (کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے) بھی (کامل ہے) یعنی علوم وعقائد میں واقعیت اور ظاہری اور باطنی اعمال میں اعتدال لئے ہوئے ہے، اور اس کا چھٹا وصف کمال یہ ہے کہ (اللہ کے) اس (کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں) یعنی کسی کی تحریف وتغیر سے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرنے والا ہے (اور) ایسی کامل دلیل کے باوجود جو لوگ اپنے دل وزبان سے اس کی تکذیب کرتے ہیں تو وہ جان لیں کہ (وہ) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے اقوال کو (خوب سن رہے ہیں) اور ان کے عقائد کو (خوب جان رہے ہیں) اپنے وقت پر ان کو کافی سزادیں گے (اور) دلائل کے واضح ہونے کے باوجود (دنیا میں زیادہ لوگ ایسے) منکر اور گمراہ ہی (ہیں کہ اگر) بالفرض (آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ) راست (سے بے راہ کر دیں) کیونکہ وہ خود گمراہ ہیں چنانچہ عقائد میں (وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور) اقوال میں (بالکل اٹکل باتیں کرتے ہیں) اور ان کے مقابلہ میں بعض بندگان خدا راہ پر بھی ہیں اور (بالیقین آپ کا رب ان کو) بھی (خوب جانتا ہے جو اس کی) بتائی ہوئی (راہ) راست (سے بے راہ ہو جاتے ہیں اور وہ) ہی (ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی) بتائی ہوئی (راہ پر چلتے ہیں) پس گمراہوں کو سزا ملے گی اور راہ والوں کو انعام واکرام ہوگا۔

**ربط**: اوپر وَاِنْ تُطِعْ کے الفاظ میں گمراہ لوگوں کے اتباع سے مطلقاً منع فرمایا تھا آگے ایک خاص واقعہ کے پیش آجانے کی وجہ سے اس خاص امر میں اتباع کرنے سے منع فرماتے ہیں، وہ خاص واقعہ مذبوح وغیر مذبوح کی حلت کا ہے، واقعہ یہ ہے کہ کفار نے مسلمانوں کو شبہ میں ڈالنا چاہا کہ اللہ کے مارے ہوئے جانور کو تو کھاتے نہیں ہو اور اپنے مارے ہوئے یعنی ذبیحہ کو کھاتے ہو، بعض مسلمانوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں یہ شبہ نقل کیا، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ تم مسلمان ہو اللہ کے احکام کا التزام کئے ہوئے ہو، اور اللہ تعالیٰ نے حلال وحرام کی تفصیل بتا دی ہے، پس اس پر چلتے رہو، حلال پر حرام ہونے کا اور حرام پر حلال ہونے کا شبہ مت کرو اور مشرکین کے وساوس کی طرف التفات نہ کرو، اور اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ اصول وضوابط کے اثبات کے لئے عقلی دلائل درکار ہوتے ہیں۔ ان کے ثابت ہو جانے کے بعد اعمال وفروع میں صرف نقلی دلائل

ہی کافی ہوتے ہیں۔ مثلاً نبوت ورسالت کو ثابت کرنے کے لئے تو عقلی دلائل کی ضرورت ہے۔ لیکن جب کسی کی رسالت ثابت ہو جائے اور وہ کوئی حکم بتائے تو اب یہ نقلی دلیل کہ وہ رسول کا بتایا ہوا حکم ہے حکم کے ثابت ہونے کے لئے کافی ہے۔ اس کے باوجود حکم کے لئے عقلی دلیل مانگنا محض ہٹ دھرمی ہے لہٰذا ایسا مطالبہ قابل التفات نہیں۔ اس کے باوجود بھی کفار کے شبہ کے جواب کی طرف اشارہ فرما دیا اور وہ یہ ہے کہ حلت کا مدار دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایک ذبح جو نجس خون کو نکال کر نجاست سے پاک کر دیتا ہے اور وہ نجاست ہی ممانعت کا سبب تھی، دوسرے اللہ کا نام لینا جس سے برکت حاصل ہوتی ہے اور یہ خون والے جانوروں میں حلت کی شرط ہے۔ اور کسی چیز کے وجود کے لئے مانع کا دور کرنا اور شرط کا موجود ہونا دونوں باتیں ضروری ہیں لہٰذا اس مجموعہ سے حلت ثابت ہوئی۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا
لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ
مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ
بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾
وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ
سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ
اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى
اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

**ترجمہ**: سو کھاؤ اس جانور میں سے لیا گیا ہو نام اللہ کا جس پر اگر تم ہو اس کے احکام پر ایمان رکھنے والے۔ اور کیا ہے تم کو کہ نہیں تم کھاتے اس جانور میں سے کہ لیا گیا ہو نام اللہ کا جس پر حالانکہ تفصیل بتا دی ہے اس نے تمہارے لئے جو کچھ اس نے حرام کیا ہے تم پر سوائے اس کے (کہ) مجبور ہو جاؤ تم جس (کے کھانے) کی طرف۔ اور بے شک بہت لوگ بہکاتے پھرتے ہیں اپنے خیالات سے بغیر تحقیق کے۔ بے شک تیرا رب ہی خوب جاننے والا ہے حد سے بڑھنے والوں کو۔ اور چھوڑ دو کھلا ہوا گناہ اور چھپا ہوا گناہ۔ بے شک جو لوگ کرتے ہیں گناہ عنقریب سزا دیئے جائیں گے بسبب اس کے جو وہ کرتے ہیں۔ اور

مت کھاؤ تم اس جانور میں سے کہ نہیں لیا گیا نام اللہ کا اس پر اور بے شک یہ کھانا گناہ ہے۔
اور بلاشبہ شیطان (دل میں) ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کی طرف تا کہ وہ جھگڑا کریں تم سے،
اور اگر اطاعت کرنے لگو تم ان کی تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ۔

**تفسیر** اوپر کفار کی اتباع کا قابل مذمت ہونا معلوم ہو گیا (سو جس) حلال (جانور پر) ذبح کے وقت (اللہ کا نام) بلا شرکت (لیا جائے اس میں سے) بے تکلف (کھاؤ) اور اس کو مباح و حلال سمجھو (اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو) کیونکہ حلال کو حرام سمجھنا خلاف ایمان ہے (اور تم کو) تمہارے عقیدے کی (کون سی بات اس کا باعث ہو سکتی ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر) ذبح کے وقت (اللہ کا نام) بلا شرکت (لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے) دوسری آیت میں (ان سب جانوروں کی تفصیل بتلا دی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے) اور ان جانوروں کی تفصیل میں وہ شامل نہیں ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو تم اس کو حرام کیوں سمجھتے ہو اور اس کے کھانے سے کیوں اجتناب کرتے ہو، ہاں جس کو حرام بتایا ہے اس سے بچو (مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہیں)۔ اور ان لوگوں کے شبہات کی طرف سرے سے التفات نہ کرو کیونکہ (یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے آدمی) جن میں یہ بھی ہیں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی (اپنے غلط خیالات) کی بناء (پر بلا کسی سند کے گمراہ کرتے) پھرتے (ہیں) لیکن آخر کہاں تک خیر منائیں گے کیونکہ (اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حد) ایمانؑ (سے نکل جانے والوں کو) جن میں یہ بھی ہیں (خوب جانتا ہے) پس ان کو یکبارگی سزا) دے گا۔ (اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو) مثلاً حلال کو حرام یا حرام کو حلال اعتقاد کرنا باطنی گناہ ہے (بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کئے کی عنقریب) قیامت میں (سزا ملے گی۔ اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر) ذبح کے وقت (اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو) جیسا کہ مشرکین ایسے جانوروں کو کھاتے ہیں (اور بلاشبہ یہ بات) یعنی جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا (بے حکمی ہے)۔ غرض نہ ترک فعل میں ان کا اتباع کرو اور نہ فعل میں (اور) ان لوگوں کے شبہات اس لئے قابل التفات نہیں کیونکہ (یقیناً شیاطین) جن (اپنے) ان (دوستوں) اور پیروؤں (کو) یہ شبہات (تعلیم کر رہے ہیں تا کہ یہ تم سے) بیکار کا (جھگڑا کریں) یعنی اول تو یہ شبہات ہماری بیان کردہ تصریحات کے خلاف، دوسرے غرض محض جھگڑا کرنا ہے اس لئے قابل التفات نہیں۔ (اور اگر تم) خدانخواستہ عقائد یا افعال میں (ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ) کہ خدا کے احکام پر دوسرے کے احکام کو ترجیح دو کیونکہ یہ حکم میں شریک کرنا ہوا۔ غرض ان کی اطاعت ایسی بری چیز ہے اس لئے اس کی طرف التفات سے بھی بچنا چاہئے۔

**فائدہ**: مَاذُ کِرَاسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ میں ذبح اختیاری (یعنی چھری سے ذبح) اور ذبح اضطراری یعنی تیر و باز اور کتے کا شکار جب کہ اس کے چھوڑنے کے وقت بسم اللہ پڑھی جائے، اور ذکر حقیقی یعنی زبان سے اللہ کا نام لینا اور ذکر حکمی یعنی مسلمان زبان سے بسم اللہ پڑھنا بھول جائے پھر بھی ذکر کو موجود سمجھنا سب داخل ہے، پس امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس جانور پر بسم اللہ سہواً ترک ہو جائے تو چونکہ مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا نام ہوتا ہے اس لئے وہ از روئے حکم مَاذُ کِرَاسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ میں داخل ہے، البتہ عمداً ترک کرنے سے امام صاحب کے نزدیک جانور حرام ہو جاتا ہے۔

**ربط**: اوپر فرمائشی معجزات کا غیر ضروری ہونا ثابت کر کے آیات قرآنیہ کے حق کو ثابت کرنے میں کافی ہونے کو اور اس کے ساتھ حق کی تصدیق اور تکذیب کرنے والوں کا حال ذکر کیا تھا۔ آگے اس کی مزید وضاحت ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي
النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ
زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ
قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ
وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى
نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۂ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ
رِسٰلَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ
شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ
صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا
حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاۗءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ
عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ
فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

**ترجمہ**: کیا وہ شخص جو کہ تھا مردہ پھر زندہ کر دیا ہم نے اس کو اور بنا دی ہم نے اس کے لئے روشنی کہ لئے پھرتا ہے اس کو لوگوں میں، مانند (ہو سکتا) ہے اس کے کہ جس کا حال یہ ہے کہ (پڑا) ہے اندھیروں میں نہیں نکلنے والا ان سے۔ اسی طرح مزین کر دیئے گئے کافروں کیلئے (عمل) جو وہ کرتے ہیں۔ اور اسی طرح بنائے ہیں ہم نے ہر بستی میں سرداروں کو اس کے مجرم تا کہ وہ مکر کیا کریں اس (بستی) میں۔ اور نہیں وہ مکر کرتے مگر اپنی ہی جانوں پر اور نہیں جانتے۔ اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی آیت تو کہتے ہیں ہرگز نہ مانیں گے ہم یہاں تک کہ دیئے جائیں ہم مثل اس کے جو دیئے گئے اللہ کے رسول۔ اللہ خوب جانتا ہے جہاں کرے اپنی رسالت کو۔ عنقریب پہنچے گی ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیا ذلت اللہ کے ہاں اور عذاب سخت بسبب اس کے جو وہ مکر کرتے تھے۔ تو جو شخص، ارادہ کرتا ہے اللہ کہ ہدایت دے اس کو تو کھول دیتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے (قبول کرنے کے) لئے اور جو شخص، چاہتا ہے (اللہ) کہ گمراہ کرے اس کو کر دیتا ہے اس کے سینہ کو تنگ بے انتہا تنگ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر اسی طرح ڈالتا ہے اللہ عذاب کو ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ ہے رستہ تیرے رب کا سیدھا۔ بے شک ہم نے واضح کر دیا نشانیوں کو ان لوگوں کے لئے جو نصیحت پکڑتے ہیں۔ انہی کے لئے ہے سلامتی کا گھر ان کے رب کے ہاں اور وہ ان کا مددگار ہے بہ سبب اس کے جو وہ عمل کرتے تھے۔

**تفسیر**: (ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ) یعنی گمراہ (تھا پھر ہم نے اس کو زندہ) یعنی مسلمان (بنا دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور) یعنی ایمان (دیدیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے) یعنی ہر وقت وہ اس کے ساتھ رہتا ہے، جس سے وہ سب مضرتوں مثل گمراہی وغیرہ سے محفوظ اور مامون و بے فکر پھرتا ہے تو (کیا ایسا شخص) بدحالی میں (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ) گمراہی کی (تاریکیوں میں) گھرا ہوا (ہے) اور (ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا) یعنی یہ کہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔ اور اس پر تعجب نہ کیا جائے کہ کفر کی ظلمت و تاریکی کے باوجود وہ شخص اس پر کیوں قائم رہا، وجہ یہ ہے کہ جس طرح مومنین کو اپنا ایمان اچھا معلوم ہوتا ہے (اسی طرح کافروں کو اپنے اعمال) کفر وغیرہ (مستحسن معلوم ہوا کرتے ہیں) چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یہ سردار مکہ جو آپ کے سامنے مہمل فرمائشیں اور شبہات پیش کرتے رہتے ہیں اپنے کفر کو مستحسن ہی سمجھ کر اس پر قائم و دائم ہیں۔

(اور) یہ کوئی نئی بات نہیں جس طرح مکہ کے سرداران جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں اور ان کے اثر سے دوسرے لوگ متاثر ہو جاتے ہیں (اسی طرح ہم نے) پہلی امتوں میں بھی (ہر بستی میں وہاں

کے سرداروں ہی کو) اول (جرائم کا مرتکب بنایا) پھران کے اثر سے اور عوام بھی ان سے مل گئے (تا کہ وہ لوگ وہاں) انبیاء کوضرر پہنچانے کے لئے (شرارتیں کیا کریں) جن سے ان کا مستحق سزا ہونا خوب ثابت ہو جائے (اور وہ لوگ) گو اپنے خیال میں دوسروں کوضرر پہنچاتے ہیں لیکن واقع میں (اپنے ہی ساتھ شرارت کررہے ہیں) کیونکہ اس کا وبال تو انہیں کو بھگتنا پڑے گا (اور) غایت جہل سے (ان کو) اس کی (ذرا خبرنہیں۔ اور) ان کفار مکہ کا جرم یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ (جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو) اس کے باوجود کہ وہ آیت اپنے اعجاز کی وجہ سے نبوت پر کافی دلیل ہے، مگر یہ لوگ پھر بھی (یوں کہتے ہیں کہ ہم) ان نبی پر (ہرگز ایمان نہ لائیں گے، جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے) یعنی وحی وخطاب یا صحیفہ و کتاب جس میں ہم کو آپ پر ایمان لانے کا حکم ہو، ان کے اس قول کا جرم عظیم ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ تکذیب اور عناد اور تکبر اور گستاخی سب کا جامع ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ اس قول کو رد فرماتے ہیں کہ (اس موقع کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے جہاں اپنا پیغام) وحی کے ذریعہ سے (بھیجتا ہے) ہر کس و ناکس اس شرف کے قابل تو نہیں ہوتا آگے ان کے اس جرم کی سزا کا بیان ہے کہ (عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے یہ جرم کیا ہے خدا کے پاس پہنچ کر) یعنی آخرت میں ایسے (ذلت پہنچے گی) جیسے انہوں نے اپنے کو نبی کے مقابلہ میں عزت و نبوت کا مستحق سمجھا تھا (اور سخت سزا) ملے گی (ان کی شرارتوں کے مقابلہ میں۔ سو) یہ جو مومن و کافر کا حال ذکر ہوا اس سے یہ معلوم ہوا کہ (جس شخص کو اللہ تعالیٰ) نجات کے (راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینہ) یعنی قلب (کو اسلام) کے قبول کرنے (کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں) کہ اس کے قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرتا (اور جس کو) اپنی تکوین و تقدیر میں (بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینہ) یعنی قلب (کو) اسلام کو قبول کرنے سے (تنگ) اور (بہت تنگ کر دیتے ہیں) اور اس کو اسلام لانا ایسا مصیبت نظر آتا ہے (جیسے) فرض کرو (کوئی آسمان میں چڑ) ھنا چا (ہتا ہو) اور چڑھا نہیں جاتا اور جی تنگ ہوتا ہے اور مصیبت کا سامنا ہوتا ہے، پس جیسے اس شخص سے چڑھا نہیں جاتا (اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر چونکہ ان کے کفر اور شرارت کے سبب (پھٹکار ڈالتا ہے) اس لئے ان سے ایمان نہیں لایا جاتا۔

(اور) اوپر جو اسلام کا ذکر ہے تو (یہی) اسلام (تیرے رب کا) بتلایا ہوا (سیدھا رستہ ہے) جس پر چلنے سے نجات ہوتی ہے، اور اسی صراط مستقیم کی وضاحت کے لئے (ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے ان آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا ہے) جس سے وہ اس کے معجزہ ہونے کو معلوم کر کے اس کی تصدیق کریں اور پھر اس کے مضامین پر عمل کر کے نجات حاصل کریں، یہی

تصدیق وعمل کامل صراط مستقیم ہے، اس کے برخلاف جن لوگوں کونصیحت حاصل کرنے کی فکر ہی نہیں ان کے واسطے نہ یہ کافی ہے نہ دوسرے دلائل کافی ہیں۔ آگے ان ماننے والوں کی جزا کا ذکر ہے، لہٰذا ارشاد ہے کہ (ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے پاس) پہنچ کر (سلامتی) اور امن وبقا، (کا گھر) یعنی جنت (ہے اور اللہ ان سے محبت رکھتا ہے ان کے اعمال) حسنہ (کی وجہ سے)۔

**ربط**: اوپر کی آیتوں میں حق اور باطل کے اختیار کرنے والوں کے احوال میں ہر ایک کی جزاو سزا کا بھی بیان ہوا تو آگے اس کے وقوع کا وقت اور اس کی بعض کیفیات اور اس کے بعض متعلقات ذکر کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ
يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓـؤُهُمْ
مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ
اَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۗ
اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ
بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ
يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ
لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۗ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ
اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾
وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾
وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۗ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ
بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا
تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

**ترجمہ**: اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو (فرمائے گا) اے جماعت جنات کی! بلاشبہ کثیر حصہ لیا تم نے انسانوں سے اور کہیں گے ان کے دوست (جو) انسانوں میں سے (ہیں) اے رب ہمارے فائدہ حاصل کیا ہمارے ایک نے دوسرے سے اور پہنچے ہم اپنی میعاد کو جو مقرر کی تو نے ہمارے لئے۔ فرمائے گا (اللہ) آگ ہے ٹھکانا تمہارا ہمیشہ رہو گے اسی میں مگر جو چاہے اللہ۔ بے شک تیرا رب حکمت والا خبردار ہے۔ اور اسی طرح ہم ملا دیں گے بعض گنہگاروں کو دوسروں کے ساتھ بسبب اس کے جو وہ کرتے تھے۔ اے جماعت جنوں کی اور انسانوں کی کیا نہیں پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے (کہ) بیان کرتے تھے تم پر میرے حکم اور ڈراتے تھے تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے۔ کہیں گے کہ ہم نے اقرار کر لیا اپنے اوپر اور دھوکہ دیا ان کو دنیا کی زندگی نے اور قائل ہو گئے اپنے اوپر (اس بات کے) کہ وہ کافر تھے۔ یہ (اس وجہ سے) کہ نہیں ہے تیرا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کا (ان کے) ظلم پر اس حال میں کہ وہاں کے لوگ بے خبر ہوں۔ اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں بسبب ان کے عمل کے اور نہیں ہے تیرا رب بے خبر اس سے جو وہ عمل کرتے ہیں۔ اور تیرا رب بے پروا ہے رحمت والا اگر چاہے تو لے جائے تم کو اور قائم مقام کر دے تمہارے بعد جس کو چاہے جیسا کہ اس نے پیدا کیا تم کو دوسرے لوگوں کی اولاد سے، بے شک جس چیز کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو وہ ضرور آنے والی ہے اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے۔ تو کہہ دے اے میری قوم (کے لوگو) تم کام کرتے رہو اپنی جگہ پر میں بھی کام کرتا ہوں سو عنقریب تم جان لو گے کہ کون شخص ہے ہوگا جس کے لئے اس عالم کا انجام۔ بلاشبہ نہیں فلاح پائیں گے ظالم لوگ۔

**تفسیر**: (اور) وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے (جس روز اللہ تعالیٰ تمام خلائق کو جمع کریں گے) اور ان میں سے بالخصوص کفار کو حاضر کر کے ان میں جو شیطان جن ہیں ان سے ڈانٹ کے طور پر کہا جائے گا کہ (اے جنات کی جماعت تم نے انسانوں) کے گمراہ کرنے (میں بڑا حصہ لیا) اور ان کو خوب بہکایا اسی طرح انسانوں سے پوچھا جائے گا۔ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ الخ یعنی اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پوجا نہ کرو گے۔ (اور

جو انسان ان ) شیاطین جن ( کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے وہ ) بھی اقرار کرتے ہوئے ( کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ) آپ صحیح فرماتے ہیں واقعی ( ہم میں ایک نے دوسرے سے ) اس گمراہی کے باب میں نفسانی ( فائدہ حاصل کیا تھا ) چنانچہ گمراہ انسانوں کو اپنے کفریہ و شرکیہ عقائد سے خوشی ہوتی ہے اور گمراہ کرنے والے شیاطین کو اس سے خوشی ہوتی ہے کہ ہمارا کہنا چل گیا ( اور ) درحقیقت ہم ان کے بہکانے سے قیامت کا انکار کرتے تھے، لیکن وہ انکار غلط ثابت ہوا، چنانچہ ( ہم اپنی اس متعین میعاد تک آ پہنچے جو آپ نے ہمارے لئے معین فرمائی ) یعنی قیامت آ گئی ( اللہ تعالیٰ ) سب کفار جن و انس سے ( فرمائیں گے کہ تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو گے، کوئی نکلنے کی سبیل و تدبیر نہیں۔ ( ہاں اگر خدا ہی کو ) نکالنا ( منظور ہو تو دوسری بات ہے ) لیکن یہ یقینی ہے کہ خدا بھی نہیں چاہے گا اس لئے اس میں ہمیشہ رہو گے ( بے شک آپ کا رب بڑی حکمت والا اور بڑا علم والا ہے ) علم سے سب کے جرائم کو معلوم کرتا ہے حکمت سے مناسب سزا دیتا ہے۔ ( اور ) جس طرح دنیا میں گمراہی کے لحاظ سے سب میں تعلق و قرب تھا ( اسی طرح ) دوزخ میں ( بعض کفار کو بعض کے قریب ) اور مجتمع ( رکھیں گے ان کے ) کفریہ ( اعمال کے سبب )۔ یہ خطاب تو جن و انس کو ان کے باہمی احوال کے اعتبار سے تھا۔ آگے ہر ایک کو خاص ان کے ذاتی احوال کے اعتبار سے خطاب ہے کہ ( اے جنات اور انسانوں کی جماعت ) ہاں یہ تو بتلاؤ تم جو کفر و انکار کرتے رہے تو ( کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم سے ) عقائد و اعمال سے متعلق ( میرے احکام بیان کیا کرتے تھے اور تم کو اس آج کے دن ) کے وقوع ( کی خبر دیا کرتے تھے ) پھر کیا وجہ کہ تم کفر و انکار سے باز نہ آئے ( وہ سب عرض کریں گے کہ ہم سب اپنے اوپر ) جرم کا ( اقرار کرتے ہیں ) ہمارے پاس عذر اور براءت کی کوئی وجہ نہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ ان کو اس مصیبت کے پیش آنے کا سبب بتاتے ہیں ( اور ان کو ) یہاں ( دنیوی زندگانی نے بھول میں ڈال رکھا ہے ) کہ دنیوی لذتوں کو مقصود اعظم سمجھ رکھا ہے آخرت کی فکر ہی نہیں ( اور ) اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آخرت میں ( یہ لوگ ) اپنے بارے میں ( اقراری ہوں گے کہ وہ کافر تھے ) اور غلطی پر تھے، مگر وہاں کے اقرار سے کیا ہوتا ہے، اگر دنیا میں ذرا اپنی غفلت دور کر دیں تو اس روز بد کا کیوں سامنا ہو، اور آخرت کا عذاب ہو یا دنیا کا اس سے پہلے جو ہم رسول بھیجتے ہیں تو ( یہ ) رسولوں کا بھیجنا ( اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو ) ان کے ( کفر کے سبب ) دنیا میں بھی ( ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ اس بستی کے رہنے والے ) رسولوں کے نہ آنے کی وجہ سے احکام الٰہیہ سے ( بے خبر ہوں ) پس آخرت کا عذاب کہ جو اور بھی زیادہ سخت

ہے بدرجہ اولیٰ نہ ہوتا، اس لئے رسولوں کو بھیجتے ہیں تا کہ ان کو جرائم کی اطلاع ہو جائے پھر جس کو عذاب ہوا استحقاق کی وجہ سے ہو، چنانچہ آگے فرماتے ہیں (اور) جب رسول آگئے اور اطلاع ہو گئی پھر جیسا کوئی کرے گا (ہر ایک) جن و انس نیک و بد (کے لئے) جزاء و سزا کے لئے ویسے ہی (درجے ہوں گے ان کے اعمال کے سبب اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے اور) خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ رسولوں کا بھیجنا اس وجہ سے نہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ تمہاری عبادت کا محتاج ہے کیونکہ (آپ کا رب تو بالکل غنی ہے) بلکہ اس لئے بھیجتا ہے کہ وہ (رحمت والا) بھی (ہے) اپنی رحمت سے رسولوں کو بھیجا تا کہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنے نفع اور نقصان کی باتیں اور چیزیں معلوم ہو جائیں۔ پھر نفع والی چیزوں سے نفع اٹھائیں اور نقصان دہ سے محفوظ رہیں، سو اس میں بندوں ہی کا فائدہ ہے، اور باقی اللہ تعالیٰ کا غنا تو ایسا ہے کہ اس کا کوئی کام نہ تم سے اٹکا ہوا ہے نہ کسی اور سے اٹکا ہوا ہے (اگر وہ چاہے تو تم سب کو) دنیا سے دفعۃً (اٹھا لے اور تمہارے بعد جس) مخلوق (کو چاہے تمہاری جگہ) دنیا میں (آباد کر دے جیسے) اس کی نظیر پہلے سے موجود ہے کہ (تم کو) جو کہ اب موجود ہو (دوسرے لوگوں کی نسل سے پیدا کیا ہے) کہ اب ان کا کہیں پتہ نہیں اور تم ان کی جگہ موجود ہو، اور اسی طرح یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے، لیکن یہ سلسلہ تدریجاً قائم ہے، اگر ہم چاہیں دفعۃً بھی ایسا کر دیں، کیونکہ کسی کے ہونے نہ ہونے سے ہمارا کوئی کام اٹکا نہیں پڑا۔ پس رسولوں کو بھیجنا ہمارے احتیاج کی وجہ سے نہیں تمہاری اپنی احتیاج کی وجہ سے ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک ذی حیات جسم اور دوسرے روح ملکوتی سے۔ ذی حیات جسم ہونے کی وجہ سے آدمی کو کھانے پینے، اوڑھنے پہننے اور جنسی تقاضے کو پورا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور روح ملکوتی کی وجہ سے اس کو اخلاق حسنہ اور معرفت الٰہی کی ضرورت ہے۔ کھانے پینے میں وہ کونسی چیزیں جن سے جسمانی ضروریات کے علاوہ اخلاق حسنہ کی تحصیل ممکن ہو۔ جنسی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کئے جائیں کہ غیرت اور وقار بھی ملحوظ رہے اور نسب بھی محفوظ رہے۔ پھر انسان طبعی طور پر مل جل کر رہنے کا محتاج ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ باہمی معاملات اس طور پر کئے جائیں کہ جھگڑے کا امکان نہ رہے اور اگر کہیں پیدا ہو ہی جائے تو اس کا مناسب حل نکالا جائے۔ باہمی معاملات کے احکام کی بنیاد یہی حقیقت ہے۔ پھر ظالم کو ظلم سے روکنے کے لئے اور حقدار کو حق دلوانے کے لئے حکومت اور عدالت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ایک ملک محض اپنی قوت کی وجہ سے دوسرے ملک پر چڑھائی نہ کر دے بین الاقوامی سطح پر خلافت کے ادارے کی ضرورت ہے۔ غرض جسمانی تقاضے ہوں یا

روحانی تقاضے اور معاشی معاملات ہوں یا سماجی معاملات ہوں یا سیاسی وعدالتی معاملات ہوں سب ہی میں ضرورت ہے کہ کامل رہنمائی حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ تم انسانوں کے ان فطری تقاضوں اور معاملات کی رہنمائی کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجتے ہیں تو یہ تو تمہاری اپنی ضرورت ہے اور تمہارا اپنا فطری مطالبہ ہے لہٰذا تم کو چاہئے کہ ان کی تصدیق اور ان کا اتباع کر کے سعادت حاصل کرو اور کفر و انکار کے ضرر سے بچو کیونکہ (جس چیز کا) رسولوں کی معرفت (تم سے وعدہ کیا جاتا ہے) یعنی قیامت و عذاب (وہ بیشک آنے والی چیز ہے اور) اگر احتمال ہو کہ اگر چہ قیامت آ جائے مگر ہم کہیں بھاگ جائیں گے، ہاتھ نہ آئیں گے، جیسا دنیا میں حکومت کا مجرم ایسا کرسکتا ہے، تو خوب سمجھ لو کہ (تم) خدا تعالیٰ کو (عاجز نہیں کر سکتے) کہ اس کے ہاتھ نہ آؤ۔ اور اگر تعیین حق کے دلائل قائم ہونے کے باوجود کوئی اسی پر اصرار کرے کہ کفر ہی کا طریقہ اچھا ہے اسلام کا برا ہے پھر قیامت سے کیا اندیشہ، تو ایسے لوگوں کے جواب میں (آپ) اخیر بات (یہ فرما دیجئے کہ اے میری قوم) کے لوگو! تم نہیں مانتے تو تم جانو (تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو میں بھی) اپنے طور پر (عمل کر رہا ہوں، سو اب جلدی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس عالم) کے اعمال (کا انجام کس کے لئے نافع ہوگا) ہمارے لئے یا تمہارے لئے اور (یہ یقینی بات ہے کہ حق تلفی کرنے والوں کو کبھی) انجام میں (فلاح نہ ہوگی) اور سب سے بڑی حق تلفی تو اللہ کی حق تلفی ہے۔

**مسئلہ قومیت:** اس آیت میں قُلْ یٰقَوْمِ کہہ نبی ﷺ سے مشرکین مکہ کو میری قوم کہلوایا قرآن پاک میں اس کی مثل بے شمار آیتیں ہیں جن میں غیر مسلموں کو اور پیغمبر کو ایک قوم بتایا گیا ہے اور کفار کی نسب یا وطن میں اتحاد کی وجہ سے پیغمبر کی طرف کفار کی نسبت کی گئی ہے مثلاً:

اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ (سورہ نوح)

بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف۔

یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ (سورہ ہود 78)

حضرت لوط علیہ السلام نے کہا اے میری قوم یہ میری ہم قوم عورتیں میری بیٹیاں ہیں۔ یہ پاکیزہ ہیں تمہارے لئے۔

یٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً (سورہ ہود: 64)

اے میری قوم یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لئے نشانی۔

اسی طرح بہت سی آیتیں ہیں جن میں مسلمانوں کی طرف سے کافروں کو محض نسب یا وطن کی وجہ

سے اپنی قوم قرار دے کر خطاب کرنا مذکور ہے مثلاً:

یَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ أَجْراً وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ (سورہ یٰسین)

اے میری قوم پیروی کرو بھیجے ہوؤں کی، پیروی کرو ان لوگوں کی جو تم سے اجرت نہیں مانگتے اور وہ (خود) ہدایت یافتہ ہیں۔

آل فرعون میں سے ایمان لانے والا شخص کہتا ہے۔

یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِکُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ (سورہ مومن: 38)

اے میری قوم پیروی کرو میری میں پہنچاؤں گا تم کو نیکی کی راہ پر۔

یٰقَوْمِ مَالِیْٓ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّار (سورہ مومن: 41)

اے میری قوم کیا ہوا مجھ کو (کہ) میں بلاتا ہوں تم کو نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھ کو آگ کی طرف۔

غرض یہ کہ قرآن کے نقطہ نظر اور استعمال میں قومیت میں مسلم اور کافر کا اشتراک ہو سکتا ہے اور پیغمبر بھی قومیت کے ایک ہونے کی وجہ سے کافر اور مشرک اور فاسق کے ساتھ دنیا میں تعلق رکھ سکتا ہے لہٰذا یہ سمجھنا کہ ایک ہی وطن اور ایک ہی ملک کے رہنے والے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان کسی بھی طور سے قومیت میں اتحاد نہیں ہو سکتا غلط ہے۔

ہاں اتنا ہے کہ اسلام کی اپنی خاص ملت اور طریقہ اور شریعت ہونے کی وجہ سے اس نے اپنے ماننے والوں کے درمیان ایک ملی ربط و اتحاد قائم کر دیا ہے جس کے آگے دیگر روابط مثلاً نسب اور وطن اور رنگ اور لسان یہ سب ہیچ ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ. حاصل یہ ہے کہ وطن یا نسب کے اتحاد کی وجہ سے کفار کے ساتھ جو قومیت ہے اسلام نے اس کا بھی اعتبار کیا ہے اور اس کا حوالہ دے کر ان کو اسلام کی دعوت دے سکتے ہیں اور اسلام و مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر ان سے ملکی اور علاقائی معاملات کئے جا سکتے ہیں بشرطیکہ شعائر اسلام کی توہین اور شعائر کفر کی تعظیم نہ ہو۔

**ربط**: اوپر کی آخری آیت میں کافروں اور مشرکوں کو کہلوایا تھا کہ اگر تم اپنی اصلاح پر آمادہ نہیں تو تم اللہ تعالیٰ کی حق تلفی کے کام کئے جاؤ یہاں تک کہ تم ان کا انجام دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ کی حق تلفی میں جن اعتقادی و عملی اعمال و رسوم میں یہ لوگ مبتلا تھے آگے ان کا کچھ بیان کرتے ہیں تا کہ ان کی برائی اور شناعت کو خود بھی محسوس کریں اور ساتھ ساتھ ان کا رد بھی کرتے ہیں۔

پہلی رسم: غلہ اور پھل میں سے کچھ حصہ اللہ کے نام کا نکالتے ہیں اور کچھ حصہ بتوں اور جنات

کے نام کا، پھر اگر اتفاق سے اللہ کے حصہ میں سے کچھ حصہ بتوں کے حصہ میں مل جاتا تو اس کو اسی طرح ملا رہنے دیتے تھے، اور معاملہ برعکس ہوتا تو اس کو نکال کر پھر بتوں کے حصہ کو پورا کر دیتے تھے اور بہانہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے اس کا حصہ کم ہو جانے سے اس کا کوئی ضرر نہیں اور شرکاء محتاج ہیں، ان کا حصہ نہ گھٹنا چاہئے، اس رسم بد کا بیان اگلی آیتوں میں سے پہلی آیت میں ہے۔

دوسری رسم: یہ تھی کہ بحیرہ، سائبہ جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے اور یہ کہتے تھے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہے، اس میں بھی بتوں کا حصہ یہ تھا کہ عبادت ان کی تھی اور اللہ کا حصہ یہ تھا کہ اس کو اللہ کی خوشنودی سمجھتے تھے۔

تیسری رسم: اپنی لڑکیوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔

چوتھی رسم: کچھ کھیت بتوں کے نام وقف کر دیتے اور کہتے کہ اس کا اصل مصرف فقط مرد ہیں، عورتوں کو اس میں سے کچھ دینا نہ دینا ہماری مرضی پر ہے، ان کو مطالبہ کا حق نہیں،

پانچویں رسم: اسی طرح کا عمل مویشی جانوروں میں کرتے تھے کہ بعض کو مردوں کے لئے مخصوص قرار دیتے تھے۔

چھٹی رسم: جن چوپایہ جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تو ان پر سواری اور بار برداری کو حرام سمجھتے تھے۔

ساتویں رسم: بعض چوپایہ جانور مخصوص تھے جن پر کسی موقع میں بھی اللہ کا نام نہ لیتے تھے، نہ دودھ نکالنے کے وقت، نہ سوار ہوتے وقت، نہ ذبح کرنے کے وقت۔

آٹھویں رسم: یہ تھی کہ جن جانوروں کا نام بحیرہ یا سائبہ رکھ کر بتوں کے نام پر چھوڑتے ان کے ذبح کے وقت اگر بچہ پیٹ سے زندہ نکلتا تو اس کو بھی ذبح کر لیتے، مگر اس کو صرف مردوں کے لئے حلال عورتوں کے لئے حرام سمجھتے تھے اور اگر بچہ مردہ نکلا تو وہ سب کے لئے حلال ہوتا تھا،

نویں رسم: بعض جانوروں کا دودھ بھی مردوں کے لئے حلال عورتوں کے لئے حرام سمجھتے تھے،

دسویں رسم: بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی چار قسم کے جانوروں کی تعظیم کو عبادت سمجھتے تھے۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ

مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ

هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ

مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿١٣٦﴾
وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ
لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا
فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٧﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّ
حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ
ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۗ
سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٨﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ
الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ
مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۗ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ
عَلِيْمٌ ﴿١٣٩﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ
وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۗ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٤٠﴾ ع

**ترجمہ**: اور ٹھہرایا انہوں نے اللہ کے لئے اس میں سے جو پیدا کیا اللہ نے کھیتی سے اور مویشیوں سے ایک حصہ پھر کہتے ہیں یہ حصہ اللہ کے لئے ہے۔ اپنے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کے لئے ہے۔ سو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہے تو نہیں پہنچتا وہ اللہ کی طرف اور جو ہے اللہ کا وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کی طرف۔ برا ہے جو وہ حکم لگاتے ہیں۔ اور اسی طرح مزین کر دیا واسطے بہت سے مشرکوں کے ان کی اولاد کے قتل کو ان کے شریکوں نے تاکہ برباد کریں ان کو اور تاکہ خلط کر دیں ان پر ان کے دین کو اور اگر چاہتا اللہ نہ کرتے وہ یہ کام سو تو چھوڑ دے ان کو اور جو وہ جھوٹ باندھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہے نہیں کھا سکتا اس کو مگر (وہی) جس کو ہم چاہیں اپنے خیال میں اور بعض مویشی ہیں، حرام کی گئی ہیں ان کی پشتیں (یعنی ان پر سواری) اور بعض مویشی ہیں نہیں لیتے اللہ کا نام ان پر (وہ یہ سب کچھ کہتے ہیں) جھوٹ باندھتے ہوئے اللہ پر۔ عنقریب وہ سزا دے گا ان کو بسبب اس

کے جو وہ جھوٹ باندھتے ہیں۔ اور کہتے جو (بچہ) پیٹ میں ہے ان مویشیوں کے (وہ) خاص ہے ہمارے مردوں کے لئے اور حرام ہے ہماری عورتوں پر اور اگر ہو (بچہ) مردہ تو وہ (مرد و عورتیں) سب اس (کے کھانے) میں شریک ہیں۔ عنقریب سزا دے گا (اللہ) ان کو ان کے (غلط) بیان پر۔ بے شک وہ حکمت والا جاننے والا ہے۔ بیشک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے اور حرام ٹھہرا لیا اس کو جو رزق دیا ان کو اللہ نے افتراء باندھتے ہوئے اللہ پر۔ وہ گمراہ ہوئے اور نہیں ہوئے ہدایت پانے والے۔

**تفسیر**: (اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی) وغیرہ (اور مویشی پیدا کئے ہیں ان) مشرک (لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ) کے نام (کا مقرر کیا) اور کچھ حصہ بتوں کے نام کا مقرر کیا حالانکہ پیدا کرنے میں کوئی شریک نہیں (اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے) جو کہ مہمانوں اور مساکین اور مسافر وغیرہ عام مصارف میں صرف ہوتا ہے (اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے) جس کے مصارف خاص ہیں مثلاً یہ کہ مندر کے پنڈتوں اور زیارت کرنے والوں کو بطور تبرک ملے گا۔ (پھر جو چیز ان کے معبودوں) کے نام (کی ہوتی ہے وہ تو اللہ) کے نام کے حصہ (کی طرف نہیں پہنچتی) بلکہ اتفاقاً مل جانے سے بھی الگ نکال لی جاتی ہے (اور جو چیز اللہ) کے نام (کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں) کے نام کے حصہ (کی طرف پہنچ جاتی ہے)۔ جیسا کہ پہلی اور دوسری رسم میں ذکر ہوئی (انہوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے) کیونکہ اول تو اللہ کا پیدا کیا ہوا دوسرے کے نام کیوں جائے، دوسرے پھر جتنا اللہ کا حصہ نکالا ہے اس میں سے بھی گھٹ جائے تو خیر۔ اور اگر اللہ کا حصہ غیر اللہ کے حصہ میں ملنے دینا اور غیر اللہ کا حصہ اللہ کے حصہ میں نہ ملنے دینا اس خیال سے ہے کہ اللہ تو غنی ہیں اور غیر اللہ غنی نہیں بلکہ محتاج ہیں تو محتاج ماننے کے باوجود غیر اللہ کو معبود سمجھنا اور زیادہ حماقت ہے۔

(اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں) شیاطین (نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے) جیسا کہ تیسری رسم میں مذکور ہوا کہ جاہلیت میں لڑکیوں کو قتل کرنے یا زندہ درگور کر دینے کی رسم تھی (تاکہ وہ) شیاطین (ان) مشرکین (کو) اس قبیح فعل کے ارتکاب کی وجہ سے مستحق عذاب بنا کر (برباد کریں اور تاکہ ان کے طریقہ کو خلط کر دیں) کہ ہمیشہ غلطی میں پھنسے رہیں۔ (اور) آپ ان کی ان حرکات شنیعہ سے مغموم نہ ہوں کیونکہ (اگر اللہ تعالیٰ کو) انکا بھلا (منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے۔ تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں) کہ ہمارا یہ فعل بہت اچھا ہے (یوں ہی رہنے دیجئے)، کچھ فکر نہ کیجئے ہم ان سے خود نمٹ لیں گے (اور وہ اپنے) باطل (خیال پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ) مخصوص (مویشی ہیں، اور) مخصوص (کھیت ہیں)، جن کا استعمال ہر شخص کو جائز

نہیں، ان کو کوئی نہیں کھا سکتا سوائے ان کے جن کو ہم چاہیں) جیسا چوتھی اور پانچویں رسم میں ذکر ہوا (اور) یوں کہتے ہیں کہ یہ مخصوص (مویشی ہیں جن پر سواری یا بار برداری حرام کر دی گئی ہے) جیسا چھٹی رسم میں ذکر ہوا۔ (اور) یوں کہتے ہیں کہ یہ مخصوص (مویشی ہیں جن پر) اللہ کا نام نہیں لینا چاہئے، چنانچہ اسی اعتقاد کی وجہ سے ان پر (یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے) جیسا ساتویں رسم میں ذکر ہوا، اور یہ سب باتیں (محض اللہ پر افتراء باندھنے کے طور پر) کہتے ہیں۔ افتراء اس لئے کہ وہ ان امور کو حق تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے تھے (اللہ تعالیٰ ابھی ان کو ان کے افتراء کی سزا دیتا ہے) ابھی اس لئے کہا کہ قیامت جو کہ آنے والی ہے دور نہیں، اور کچھ کچھ سزا تو مرتے ہی شروع ہو جائے گی (اور وہ) یوں بھی (کہتے ہیں کہ جو چیز ان مویشی کے پیٹ میں) سے نکلتی (ہے) مثلاً دودھ یا بچہ (وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے) حلال (ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ) پیٹ کا نکلا ہوا بچہ (مردہ ہو تو اس) سے نفع اٹھانے کے جواز (میں) مرد و عورت (سب برابر ہیں) جیسا آٹھویں اور نویں رسم میں ذکر ہوا (ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی) اس (غلط بیانی کی سزا دے دیتا ہے) غلط بیانی سے مراد وہ ساری باتیں ہیں جو وہ اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر بناتے ہیں۔ اور اب تک جو سزا نہیں دی تو وجہ یہ ہے کہ (بلاشبہ وہ حکمت والا ہے) بعض حکمتوں سے مہلت دے رکھی ہے، اور ابھی سزا نہ دینے سے کوئی یوں نہ سمجھے کہ ان کو خبر نہیں کیونکہ (وہ بڑا علم والا ہے) اس کو سب خبر ہے۔ آگے بطور خلاصہ اور انجام کے فرماتے ہیں کہ (واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے) ان مذکورہ افعال کو طریقہ بنا لیا اور (اپنی اولاد کو محض براہ حماقت کسی) معقول و مقبول (سند کے بغیر قتل کر ڈالا اور جو) حلال (چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو دی تھیں) اپنے اعتقاد یا عمل میں (ان کو حرام کر لیا) جیسا اوپر کی رسموں میں مذکور ہوا اور یہ سب باتیں (محض اللہ پر افتراء باندھنے کے طور پر) ہیں (بیشک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور) ان کی یہ گمراہی جدید نہیں بلکہ پرانی ہے، کیونکہ یہ پہلے بھی (کبھی راہ راست پر چلنے والے نہیں ہوئے)۔

**ربط**: اوپر مشرکین کی باطل رسموں کا بیان اور ان پر رد تھا۔ آگے بھی اسی رد کی کچھ تفصیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ تو جس طرح اللہ کے سوا کسی کے لئے یہ حق نہیں کہ ان چیزوں کو عبادت کے طور پر اس کے نامزد کیا جائے جیسے مشرکین کرتے تھے اسی طرح حرام و حلال ٹھہرانے کا اختیار بھی اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو حاصل نہیں جس کو اللہ نے حلال ٹھہرایا کسی اور کے حرام کرنے سے وہ حرام نہیں ہوگا۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ
وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا
وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ
حَصَادِهٖ ۖؗ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ
حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ
اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ
اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ
ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ
الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ
مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

**ترجمہ:** اور وہی ہے جس نے پیدا کیے باغ ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے اور ٹٹیوں پر نہ چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت اور کھیتی اس حال میں کہ مختلف ہیں اس کے پھل۔ اور (پیدا کیا) زیتون کو اور انار کو آپس میں ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے۔ کھاؤ ان کے پھل میں سے جس وقت پھل لائیں اور ادا کرو ان کا حق ان کی کٹائی کے دن اور حد سے نہ بڑھو۔ بے شک نہیں پسند کرتا (اللہ) حد سے بڑھنے والوں کو۔ اور (پیدا کئے) مویشیوں میں سے بوجھ اٹھانے والے اور زمین سے لگے ہوئے۔ کھاؤ اس میں جو رزق دیا تم کو اللہ نے اور مت پیروی کرو شیطان کے قدموں کی بے شک وہ ہے تمہارا دشمن صریح۔ (اللہ نے پیدا کئے) آٹھ نر اور مادہ، بھیڑ میں سے دو، اور بکری میں سے دو۔ تو پوچھ کہ کیا دونوں نر (اللہ نے)

حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ (بچہ) مشتمل ہیں جس پر دونوں مادہ کے رحم۔ بتاؤ مجھ کو کسی دلیل سے اگر تم ہو سچے۔ اور پیدا کئے اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو۔ تو پوچھ کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ (بچہ) مشتمل ہیں جس پر رحم دونوں مادہ کے۔ کیا تم تھے حاضر جس وقت حکم دیا تھا تم کو اللہ نے اس کا۔ پھر کون زیادہ ظالم ہوگا اس سے جو گھڑے اللہ پر جھوٹ تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو بلا تحقیق۔ بیشک اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو۔

**تفسیر**: (اور وہی) اللہ (ہے جس نے باغات پیدا کئے وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں) جیسے انگور (اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے) یا تو اس لئے کہ بیلدار نہیں جیسے تنہ دار درخت، یا باوجود بیلدار ہونے کے عادت نہیں، جیسے خربوزہ، تربوز وغیرہ (اور کھجور کے درخت اور کھیتی) بھی اس نے پیدا کئے (جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور کی) حاصل (ہوتی ہیں اور زیتون اور انار) بھی اسی نے پیدا کئے (جو) انار انار (باہم) اور زیتون زیتون باہم رنگ و مزہ و شکل و مقدار میں سے بعض صفات میں بھی (ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور) کبھی (ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے) اور اللہ نے ان چیزوں کو پیدا کر کے اجازت دی ہے کہ (ان سب کی پیداوار کھاؤ) خواہ اسی وقت سے سہی (جب وہ نکل آئے) اور پکنے بھی نہ پائے (اور) البتہ اس (کے) ساتھ اتنا ضرور ہے کہ (اس میں جو حق) شریعت کی رو سے (واجب ہے) یعنی خیر خیرات (وہ اس کے کاٹنے) توڑنے (کے دن) مسکینوں کو (دیا کرو اور) اس دینے میں بھی شرعی اجازت کی (حد سے مت گذرو، یقیناً وہ) یعنی اللہ تعالیٰ شرعی اجازت کی (حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور) جس طرح باغ اور کھیت اللہ نے پیدا کئے ہیں، اسی طرح حیوانات بھی اللہ نے پیدا کئے چنانچہ (مویشی میں اونچے قد کے) بھی (اور چھوٹے قد کے) بھی اسی نے پیدا کئے، اور باغ اور کھیت کی طرح حیوانات کے بارے میں بھی اجازت دی کہ (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے) اور شرع کی رو سے حلال کیا ہے اس کو (کھاؤ اور) اپنی طرف سے تحریم کے احکام تراش کر (شیطان کے قدم بقدم مت چلو، بلاشک وہ تمہارا (صریح دشمن ہے) کہ تم کو حق کے دلائل واضح ہونے کے باوجود گمراہ کر رہا ہے۔

اور یہ مویشی جن کو تم اپنی طرف سے حرام و حلال کر رہے ہو ہم نے ان کو (آٹھ نر و مادہ) بنایا (یعنی بھیڑ) اور دنبہ (میں دو) ایک نر ایک مادہ (اور بکری میں دو) ایک نر اور ایک مادہ۔ (آپ) ان سے (کہئے کہ) یہ تو بتاؤ کہ (کیا اللہ تعالیٰ نے ان) دونوں جانوروں کے (دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو) حرام کہا ہے (یا اس) بچہ (کو جس کو دونوں) یعنی بھیڑ اور بکری کے (مادہ) اپنے

(پیٹ میں لئے ہوئے ہوں) پھر خواہ وہ بچہ نر ہو یا مادہ۔ یعنی تم جو مختلف صورتوں سے تحریم کے مدعی ہو تو کیا یہ تحریم اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے (تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتاؤ اگر) اپنے دعوے میں (سچے ہو)۔
یہ تو چھوٹے قد والے کے متعلق بیان ہوا آگے بڑے قد والوں کا بیان ہے (اور) اسی طرح (اونٹ میں دو) ایک نر اور ایک مادہ (اور گائے) اور بھینس (میں دو) ایک نر اور ایک مادہ پیدا کئے (آپ) ان سے اس بارے میں بھی (کہئے کہ) یہ تو بتاؤ کہ (کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں) جانوروں کے (نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو) حرام کہا ہے (یا اس) بچہ (کو جس کو دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہوں) وہ بچہ خواہ نر ہو یا مادہ۔ اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ تم جو مختلف صورتوں سے تحریم کے دعویدار ہو تو کیا یہ تحریم اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس پر کوئی دلیل لانی چاہئے، جس کے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ وہ دلیل کسی رسول و فرشتہ کے واسطہ سے ہو، لیکن تم اس شق کو تو اختیار نہیں کر سکتے کیونکہ تم تو نبوت اور وحی کے منکر ہو لہٰذا دعویٰ کرنے کے لئے صرف دوسرا طریقہ ہی رہ گیا کہ خود خدا تعالیٰ نے بلاواسطہ تم کو یہ احکام دیئے ہوں تو (کیا تم) اس وقت (حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس) تحریم و تحلیل (کا حکم دیا) اور ظاہر ہے کہ اس کا دعویٰ بھی نہیں ہوسکتا، پس ثابت ہوگیا کہ ان کے پاس سرے کوئی دلیل نہیں۔ (تو) اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ اس دعوے پر کوئی دلیل نہیں، یقینی بات ہے کہ (اس سے زیادہ کون ظالم) اور کاذب (ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر بلا دلیل) تحلیل و تحریم کے بارے میں (جھوٹ تہمت لگائے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے) یعنی یہی شخص بڑا ظالم ہوگا اور (یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو) جنت کا (رستہ) آخرت میں (نہ دکھلائیں گے) بلکہ دوزخ میں بھیجیں گے، پس یہ لوگ بھی اس جرم کی سزا میں دوزخ میں جائیں گے۔

**ربط**: جب اوپر یہ ثابت کیا کہ تحلیل و تحریم کا حق تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے تو آگے کہلوایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ یہ چیزیں حرام کی ہیں اور یہ یہ چیزیں حلال کی ہیں تم اپنی طرف سے اختراع کیوں کرتے ہو۔ اس کے آگے دو شبہوں کا جواب دیا ایک یہ کہ مذکور مستثنیٰ جانوروں کو چھوڑ کر باقی سب حلال ہیں تو اہل کتاب کیسے بعض اور جانوروں کو حرام کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر مشرکین کا طریقہ باطل ہے تو قدرت الٰہیہ کے باوجود ان کو سزا کیوں نہیں ہوتی۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ
مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا

اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى
الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ
حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ
اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾
فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ
عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

**ترجمہ**: تو کہہ دے نہیں پاتا میں اس میں جو وحی کی گئی میری طرف کوئی حرام کی ہوئی شے کھانے والے پر جو کھائے اس کو مگر یہ کہ ہو وہ چیز مردار یا بہتا ہوا خون یا گوشت سؤر کا کیونکہ وہ (یعنی سؤر) ناپاک ہے یا (وہ چیز) شرک (کا ذریعہ) ہو کہ نام پکارا گیا ہو غیر اللہ کا اس پر۔ پھر جو شخص بے تاب ہو جائے اس حال میں کہ (وہ) نہ ہو طالب (لذت کا) اور نہ ہو حد سے تجاوز کرنے والا تو تیرا رب ہے بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان۔ اور یہود پر حرام کیا ہم نے ہر ایک ناخن والا (جانور)۔ اور گائے اور بکری میں سے حرام کی تھی ہم نے ان پر ان دونوں کی چربی مگر جو اٹھائی ہو ان دونوں کی پشتوں نے یا انتڑیوں نے یا جو ملی ہو ہڈی کے ساتھ۔ یہ سزا دی تھی ہم نے ان کو بسبب ان کی شرارت کے اور بے شک ہم سچے ہیں۔ پھر اگر وہ جھٹلائیں تجھ کو تو تو کہہ دے تمہارا رب (بڑی) وسیع رحمت والا ہے اور نہ ٹالا جائے گا اس کا عذاب گنہگار لوگوں سے۔

**تفسیر**: (آپ کہہ دیجئے کہ) جن حیوانات میں کلام ہو رہا ہے ان کے متعلق (جو کچھ احکام وحی کے ذریعہ سے میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے) خواہ مرد ہو یا عورت (مگر) ان چیزوں کو البتہ حرام پاتا ہوں۔ وہ یہ کہ (وہ مردار) جانور (ہو) یعنی جو حلال ہونے کے باوجود شرعی ذبح کے بغیر مر جائے (یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ) یعنی خنزیر پورا کا پورا (بالکل ناپاک ہے) اسی لئے اس کے سب اجزاء نجس اور حرام ہیں۔ ایسا نجس نجس العین کہلاتا ہے (یا جو) جانور وغیرہ (شرک کا ذریعہ ہو) اس طرح

(کہ) تقرب کے قصد سے (غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو) سو یہ سب حرام ہیں (پھر) بھی اس میں اتنی آسانی رکھی ہے کہ (جو شخص) بھوک سے بہت ہی (بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو) کھانے میں (طالب لذت ہو اور نہ) ضرورت و حاجت کی مقدار سے (تجاوز کرنے والا ہو تو) اس حالت میں ان حرام چیزوں کے کھانے میں بھی اس شخص کو گناہ نہیں ہوگا (واقعی آپ کا رب) اس شخص کے لئے (غفور رحیم ہے) کہ ایسے وقت میں رحمت فرمائی کہ گناہ کی چیز میں سے گناہ اٹھا دیا۔ یہاں تک کے مضمون پر یہ شبہ ہے کہ سوائے ذکر کردہ مستثنیٰ چیزوں کے سب کو حلال کہا گیا ہے حالانکہ بعض اہل کتاب سے معلوم ہوا کہ کچھ اور جانور بھی حرام ہیں۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ان کی حرمت یہود کی شرارتوں کی وجہ سے تھی اور اب وہ منسوخ ہو چکی ہے۔ اسی جواب کو بیان کرتے ہیں (اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے) ایسے (جانور حرام کر دیئے تھے) جن کا پنجہ یا کھر پھٹا ہوا نہ ہو جیسے اونٹ، شتر مرغ اور مرغابی وغیرہ۔ (اور گائے اور بکری) کے اجزاء میں سے (ان دونوں کی چربیاں ان) یہود (پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ) چربی مستثنیٰ تھی (جو ان) دونوں (کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو یا جو) چربی (ہڈی سے ملی ہوئی ہو)۔ ان کے علاوہ باقی سب چربی حرام تھی۔ اور ان جانوروں اور چربیوں کی حرمت اس وجہ سے نہیں تھی کہ ان میں حرمت کے اسباب یعنی ضرر یا گھناؤنے پن وغیرہ میں سے کوئی سبب تھا بلکہ (ان کی شرارت کے سبب سے ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی، اور ہم یقیناً سچے ہیں، پھر) اس تحقیق کے بعد بھی (اگر یہ) مشرکین (آپ کو) نعوذ باللہ اس مضمون میں صرف اس شبہ کی وجہ سے (جھوٹا کہیں) کہ ان پر عذاب نہیں آتا حالانکہ اگر مشرکین کا طریقہ اللہ کے نزدیک باطل ہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت سے ان پر سزا نازل کر دینی چاہئے تھی۔ (تو آپ) اس شبہ کے جواب میں (فرما دیجئے کہ) باوجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اور تمہارے طریقے کے بطلان کے جو تم پر عذاب نازل نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ (تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے) بعض حکمتوں سے جلدی مواخذہ نہیں فرماتا (اور) اس سے یوں نہ سمجھو کہ ہمیشہ یوں ہی بچے رہو گے بلکہ جب عذاب کا وقت معین آ جائے گا پھر اس وقت (اس کا عذاب مجرم لوگوں سے) کسی طرح (نہ ٹلے گا)۔

**ربط**: اوپر مشرکوں کے شرک اور ان کی تحریم و تحلیل کا رد کیا تو ان سے متعلق ایک عقلی شبہ کا جواب بھی دیتے ہیں۔ وہ عقلی شبہ یہ ہے کہ ہم جو کچھ شرک اور تحریم کر رہے ہیں اگر یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتا تو ہم کو اپنی مرضی کے خلاف یہ کام کیوں کرنے دیتا۔ جب وہ کرنے دیتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو تو ناپسند نہیں۔ اس شبہ کا جواب اس آیت میں دو طرح سے دیا گیا ہے۔ ایک کا

حاصل تو دلیل کا مطالبہ ہے اس کو اصطلاح میں منع کہتے ہیں یعنی تمہارا یہ دعوی ہوا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کاموں کے کرنے کی قدرت دی ہے اس لئے لازم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے راضی ہے۔ تمہارے اس دعوے کی دلیل چاہئے۔ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ میں یہی جواب ہے۔ دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ خود مشرکین کی دلیل کے خلاف دلیل قائم کی۔ اس کو اصطلاح میں نقض کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ رسول شرک اور اختراعی تحریم کو باطل کہتے رہے۔ تمہارے دعوی سے ان باتوں کا حق ہونا لازم آیا حالانکہ رسولوں کا صدق قطعی عقلی دلائل سے ثابت ہے لہٰذا ان کا کذب محال ہے تو ضروری ہوا کہ مشرکین کی دلیل باطل ہو كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ پھر ان دونوں جوابوں پر تفریع کے طور پر فرمایا کہ کوئی بھی دعویٰ ثابت کرنے کے لئے عقلی یا نقلی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہاری عقلی دلیل کا حال تو معلوم ہوا۔ لہٰذا اگر تمہارے پاس کوئی نقلی دلیل ہے تو وہ لے آؤ لیکن تم اس سے بھی تہی دامن ہو۔ قُلْ هَلُمَّ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ
مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ
عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾
قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ
فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع

**ترجمہ**: اب کہیں گے مشرک اگر چاہتا اللہ تو نہ شرک کرتے ہم اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ حرام کرتے ہم کوئی چیز۔ اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے چکھا ہمارا عذاب۔ تو کہہ کیا تمہارے پاس کچھ علم ہے تو نکالو اس کو ہمارے سامنے۔ نہیں تم پیروی کرتے مگر خیال کی اور تم تو صرف اٹکل ہی کرتے ہو۔ تو کہہ

دے پس اللہ ہی کے لئے ہے پوری حجت۔ سو اگر وہ چاہتا تو ہدایت کر دیتا تم سب کو۔ تو کہہ کہ لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں اس بات کی کہ اللہ نے حرام کیا ہے ان چیزوں کو۔ پھر اگر وہ (ایسی) گواہی دیں تو تو گواہ نہ بن ان کے ساتھ اور نہ پیروی کر ان لوگوں کی خواہشات کی جنہوں نے جھٹلایا ہمارے حکموں کو اور جو یقین نہیں کرتے آخرت پر اور وہ اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) مساوی ٹھہراتے ہیں۔

**تفسیر**: (یہ مشرکین یوں کہنے کو ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو) بطور رضا کے یہ بات (منظور ہوتی) کہ ہم شرک اور تحریم نہ کریں اور وہ خود شرک وتحریم کو ناپسند کرتے (تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا) شرک کرتے (اور نہ ہم) اور نہ ہمارے بزرگ (کسی چیز کو) جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے (حرام کر سکتے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس شرک وتحریم سے ناراض نہیں۔ اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ یہ استدلال اس لئے باطل ہے کہ اس سے رسولوں کو جھوٹا بنانا لازم آتا ہے کیونکہ رسول یہی تو بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو شرک اور ذکر کردہ تحریم ناپسند ہے، جب کہ یہ مشرک کہتے ہیں کہ ناپسند نہیں ہے تو انہوں نے رسول کی بات کو جھوٹا کہا۔ پس یہ لوگ رسول کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اور جس طرح یہ کر رہے ہیں (اسی طرح جو) کافر (لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی) رسولوں کی (تکذیب کی تھی، یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا) خواہ دنیا میں، جیسا اکثر سابقہ کفار پر نزول عذاب ہوا ہے، یا مرنے کے بعد تو ظاہر ہی ہے، اور یہ اشارہ ہے اس طرف کہ ان لوگوں کے کفریات کے مقابلہ میں صرف زبانی سوال وجواب پر اکتفاء نہ کیا جائے گا، بلکہ سابقہ کفار کی طرح عملی سزا بھی دی جائے گی، خواہ دنیا میں بھی یا صرف آخرت میں، آگے دوسرے جواب کے لئے ارشاد ہے کہ (آپ) ان سے (کہئے کہ کیا تمہارے پاس) اس بات پر کہ بندوں کو شرک کرنے کی قدرت دینے سے یہ لازم آتا ہے اللہ ان کے شرک کرنے پر راضی ہے (کوئی دلیل ہے)۔ اگر ہے (تو اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو) اصل یہ ہے کہ دلیل وغیرہ کچھ بھی نہیں (تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل انکل سے باتیں کرتے ہو) اور دونوں جواب دے کر (آپ) ان سے (کہئے کہ پس) دونوں جوابوں سے معلوم ہوا کہ (پوری حجت اللہ ہی کی رہی) اور تمہاری حجت باطل ہوگئی (پھر) اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم سب راہ پر آ جاتے مگر اس کی توفیق خدا ہی کی طرف سے ہے (اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ) راست (پر لے آتا) مگر حق تعالیٰ کی بہت سے حکمتیں ہیں، کسی کو توفیق دی کسی کو نہیں دی، البتہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اظہار حق کی اور اختیار وارادہ کی عطا سب کے لئے عام ہے۔ آگے نقلی دلیل کے مطالبہ کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ (آپ) ان سے (کہئے کہ) اپنی نقلی دلیل کا حال

تو تم کو معلوم ہوا اچھا اب کوئی صحیح نقلی دلیل پیش کرو مثلاً (اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس بات پر) با قاعدہ (شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان) مذکورہ (چیزوں کو حرام کر دیا ہے) با قاعدہ شہادت وہ ہوتی ہے جو مشاہدہ پر مبنی ہو یا ایسی قطعی دلیل پر مبنی ہو جو یقین کا فائدہ دینے میں مشاہدہ کے برابر ہو جیسا کہ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ (پھر اگر) اتفاق سے مشرکین کسی کو فرضی جھوٹے گواہ بنا کر لے آئیں اور (وہ) گواہ اس کی (گواہی) بھی (دیدیں تو) چونکہ (وہ شہادت یقیناً بے قاعدہ اور محض تخن سازی ہوگی، کیونکہ مشاہدہ بھی مفقود ہے اور مشاہدہ کے برابر یقین کا فائدہ دینے والی قطعی دلیل بھی مفقود ہے اس لئے (آپ، اس شہادت کی سماعت نہ فرمائیے اور) جب ان کا جھٹلانا اور آخرت کا انکار کرنا اور ان کا مشرک ہونا ثابت ہو گیا تو اے مخاطب (ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا) جن کا بطلان ابھی ثابت ہو چکا (اتباع مت کرنا جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے) اور اسی سبب سے نڈر ہو کر حق کی تلاش نہیں کرتے (اور وہ) استحقاق معبودیت میں (اپنے رب کے برابر دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں) یعنی شرک کرتے ہیں۔

**ربط**: اوپر مشرکین کی تحریم کا ابطال کیا اور ان کے شبہات کا جواب دیا اور یہ بتایا کہ تشریع اور تحریم و تحلیل تو دراصل صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ آگے یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں حرام کی ہیں اور کچھ احکام دیئے ہیں بس وہی اس قابل ہیں کہ ان پر عمل کیا جائے اور یہی سیدھا رستہ ہے بس اسی پر چلو۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ
بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ
نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا
بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ
وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ
بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ
لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا
السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

**ترجمہ**: تو کہہ تم آؤ میں پڑھوں جو حرام کیا تمہارے رب نے تم پر کہ نہ تم شریک کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو، اور ماں باپ کے ساتھ (کرو) احسان اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی سے، ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو۔ اور نہ پاس جاؤ بے حیائی کے کاموں کے جو ظاہر ہوں ان میں سے اور جو پوشیدہ ہوں۔ اور نہ قتل کرو اس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق پر۔ یہ ہے (وہ)، وصیت کی تم کو جس کی تا کہ تم سمجھو۔ اور نہ پاس جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طرح سے کہ وہ بہتر ہو یہاں تک کہ (یتیم) پہنچ جائے اپنی جوانی کو۔ اور پورا کرو ناپ کو اور تول کو انصاف سے۔ نہیں ہم تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے بقدر۔ اور جب تم (فیصلہ کی) بات کہو تو انصاف رکھا کرو اگر چہ وہ ہو (اپنا) قرابت دار۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ ہے (وہ) وصیت کی تم کو جس کی تا کہ تم یاد رکھو۔ اور یہ کہ یہ ہے میری راہ سیدھی سو پیروی کرو اس کی اور مت پیروی کرو اور رستوں کی کہ وہ رستے جدا کر دیں گے تم کو اللہ کے راستے سے۔ یہ ہے (وہ) وصیت کی تم کو جس کی تا کہ تم بچتے رہو۔

**تفسیر**: (آپ) ان سے (کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے وہ) چیزیں یہ ہیں۔ ایک (یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ) پس شریک ٹھہرانا حرام ہوا۔ (اور) دوسرے یہ کہ (ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو) پس ان سے بری طرح پیش آنا حرام ہوا۔ (اور) تیسرے یہ کہ (اپنی اولاد کو افلاس کے سبب) جیسا کہ جاہلیت میں عام عادت تھی (قتل مت کیا کرو) کیونکہ (ہم تم کو اور ان کو) دونوں کو تقدیر میں لکھا ہوا (رزق دیں گے) تمہاری اولاد تمہاری ذات کے مقدر رزق میں شریک نہیں ہیں، پھر کیوں ان کو قتل کرتے ہو، پس ان کو قتل کرنا حرام ہوا۔ (اور) چوتھے یہ کہ (بے حیائی) یعنی بدکاری (کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ) لہٰذا زنا کرنا اور دیگر فحش باتیں اور کام کرنا حرام ہوا (خواہ وہ اعلانیہ ہوں اور خواہ پوشیدہ ہوں۔ اور) پانچویں یہ کہ (جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق) شرعی (پر) قتل جائز ہے مثلاً قصاص میں یا رجم میں، لہٰذا قتل ناحق حرام ہوا۔ (اس) سب (کا تم کو) اللہ تعالیٰ (نے تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم) ان کو (سمجھو) اور سمجھ کر عمل کرو۔ (اور) چھٹے یہ کہ (یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ) یعنی اس میں تصرف مت کرو (مگر ایسے طریقہ سے) تصرف

کی اجازت ہے (جو کہ) شرعاً (مستحسن ہے) مثلاً اس کے مال کو تجارت میں لگانا، اس کی ضروریات پر خرچ کرنا اور بالغ و سمجھدار ہو جانے پر اس کے حوالے کر دینا۔ پس یتیم کے مال میں ناجائز تصرف حرام ہوا۔ (اور) ساتویں یہ کہ (ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو، انصاف کے ساتھ) کہ کسی کا حق اپنے پاس نہ رہے اور نہ آئے، اور یہ احکام کچھ دشوار نہیں کیونکہ (ہم) تو (کسی شخص کو اس کے امکان سے زیادہ) احکام کی (تکلیف) بھی (نہیں دیتے) پھر ان احکام میں کوتاہی کیوں کی جائے۔ (اور) آٹھویں یہ کہ (جب تم) فیصلہ یا شہادت وغیرہ کے متعلق کوئی (بات کیا کرو تو) اس میں (انصاف) کا خیال (رکھا کرو گو وہ شخص) جس کے مقابلہ میں وہ بات کہہ رہے ہو تمہارا (قرابت دار ہی ہو اور) نویں یہ کہ (اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو) جیسے قسم یا نذر جب کہ وہ شرعاً جائز ہو (اس کو پورا کیا کرو ان) سب (کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو) اور عمل کرو۔ (اور یہ) بھی کہہ دیجئے (کہ) کچھ انہیں احکام کی تخصیص نہیں بلکہ (یہ دین) اسلام اور اس کے تمام احکام (میرا رستہ ہے) جس کی طرف میں باذن الٰہی دعوت دیتا ہوں (جو) کہ بالکل (مستقیم) اور راست (ہے)، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے) جس کی طرف میں دعوت دیتا ہوں (جدا) اور دور (کر دیں گی، اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے، تاکہ تم) اس راہ کے خلاف کرنے سے (احتیاط رکھو)

**ربط**: اوپر تحریم سمیت جو احکام دیئے گئے آگے ان کے بارے میں بتاتے ہیں کہ یہ ہمیشہ سے جاری تھے تمام انبیاء اور تمام شریعتوں کا ان پر اتفاق تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی جس میں احکام کی مزید تفصیل درج تھی۔ لیکن مشرکین عرب یہ بہانہ کر سکتے تھے کہ وہ کتابیں تو یہود و نصاریٰ پر اتریں ہم پر تو نہیں اتریں ہمیں ان کا کیا علم، تو ان کے بہانہ کو قطع کرنے کے لئے اب قرآن پاک نازل فرما دیا ہے جس کے براہ راست مخاطب یہ عرب ہیں۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ
وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ
قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ

أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا
سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

**ترجمہ**: پھر دی ہم نے موسیٰ کو کتاب واسطے پورا کرنے (نعمت کے) ان لوگوں پر جو نیک عمل کرتے ہیں، اور واسطے تفصیل کے ہر شے کی، اور واسطے ہدایت اور رحمت کے تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے کا یقین کریں۔ اور یہ ایک کتاب ہے اتارا ہے ہم نے اس کو۔ بابرکت ہے سو تم اتباع کرو اس کا اور ڈرتے رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔ مبادا کہ تم کہنے لگو کہ محض اتاری گئی کتاب دو گروہوں پر ہم سے پہلے اور ہم تھے ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر۔ یا کہنے لگو کہ اگر اتاری جاتی ہم پر کتاب تو ہم زیادہ راہ پر ہوتے ان سے۔ سو آ چکی تمہارے پاس حجت تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت۔ تو کون زیادہ ظالم ہوگا اس سے جس نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو اور روکا ان سے۔ ہم سزا دیں گے ان کو جو روکتے ہیں ہماری آیتوں سے برا عذاب بسبب اس کے جو وہ روکتے تھے۔

**تفسیر**: اوپر ذکر کئے ہوئے احکام ہم نے تمام ہی انبیاء کو دیئے (پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام (کو) پیغمبر بنا کر (کتاب) تورات (دی تھی، جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر) ہماری (نعمت پوری ہو) کہ عمل کر کے کامل ثواب حاصل کریں (اور سب) ضروری (احکام کی) اس کے ذریعہ سے (تفصیل ہو جائے اور) اس کے ذریعہ سے سب کو (رہنمائی ہو اور) ماننے والوں کے لئے (رحمت ہو) ہم نے اس صفت کی کتاب اس لئے دی (تاکہ وہ لوگ) یعنی بنی اسرائیل (اپنے رب کے ملنے پر یقین کریں) اور رب سے ملاقات کے عقیدہ کو سامنے رکھ کر سب احکام بجا لائیں۔ (اور) جب اس کا اور اس کے تتمہ انجیل کا دور ختم ہو چکا اس کے بعد (یہ) قرآن (ایک کتاب ہے جس کو ہم نے) آپ کے پاس (بھیجا بڑی خیر و برکت والی ہے، سو) اب (اس کا اتباع کرو، اور) اس سے خلاف کرنے کے بارے میں خدا سے (ڈرو تاکہ تم پر) اللہ تعالیٰ کی (رحمت ہو) اور ہم نے یہ قرآن اس لئے بھی نازل کیا کہ اگر یہ کتاب نازل نہ کی گئی ہوتی تو (کبھی تم لوگ) قیامت میں کفر و شرک پر عذاب کے وقت (یوں کہنے لگتے کہ) آسمانی (کتاب تو ہم سے پہلے جو دو فرقے) یہودی اور عیسائی (تھے

صرف ان پر نازل ہوئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے) اس لئے ہم کو توحید کی تحقیق نہ ہوئی (یا) اور مومنین سابقین کو ثواب ملنے کے وقت (یوں کہتے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان) مؤمنین سابقین (سے بھی زیادہ راہ پر ہوتے) اور عقائد و اعمال میں ان سے زیادہ کمال حاصل کر کے ثواب کے مستحق ہوتے (سو) یاد رکھو کہ (اب) تمہارے پاس کوئی عذر نہیں (تمہارے پاس) بھی (تمہارے رب کے پاس سے ایک کتاب) جس کے احکام (واضح) ہیں (اور) جو (رہنمائی کا ذریعہ) ہے (اور) خدا کی (رحمت) ہے (آچکی ہے سو) ایسی کافی شافی کتاب آنے کے بعد (اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو ہماری ان آیتوں کو جھوٹا بتائے) اور دوسروں کو بھی (اس سے روکے۔ ہم ابھی) آخرت میں (ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں سے روکتے ہیں ان کو اس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے) یہ سختی اس روکنے سے بڑھی ورنہ صرف تکذیب بھی موجب سزا ہے۔

**فائدہ**: بے خبری کی وجہ یہ نہیں تھی کہ تورات و انجیل عربی زبان میں نہ تھیں کیونکہ ترجمہ کے ذریعہ سے مضامین پر اطلاع ہو سکتی ہے بلکہ وجہ یہ تھی کہ اہل کتاب نے اہل عرب کی تعلیم و توحید کا کبھی اہتمام نہیں کیا اور اتفاق سے کوئی مضمون کان میں پڑ جانے سے عام طور سے توجہ نہیں ہوتی اگرچہ اس قدر بات سے بھی غور و فکر کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر توحید ترک کرنے پر عذاب ممکن تھا لیکن بادی النظر میں چونکہ آیات میں مذکور عذر پیش کیا جا سکتا تھا اس لئے اس کی بھی گنجائش نہیں چھوڑی۔

**ربط**: پچھلے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء تشریف لائے، شریعتیں اتریں، کتابیں آئیں حتیٰ کہ اللہ کی آخری کتاب بھی آچکی جس نے ہر بات کو خوب کھول کھول کر بیان کیا اور ہر قسم کے شبہات کا ازالہ کیا اب بھی نہیں مانتے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اب قیامت ہی کے آنے کے منتظر ہیں لیکن اس وقت ان کا ایمان لانا ان کو کچھ مفید نہ ہوگا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

**ترجمہ**: نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر اس کا کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا آئے تیرا رب یا آئے کوئی نشانی تیرے رب کی۔ جس دن آئے گی نشانی تیرے رب کی نہیں نفع

دے گا کسی کو اس کا ایمان لانا جو نہیں ایمان لایا تھا پہلے سے یا نہیں کی تھی اس نے اپنے ایمان میں کچھ نیکی۔ تو کہہ دے تم منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں۔

**تفسیر**: (یہ لوگ) جو کہ کتاب الٰہی اور واضح دلائل کے نازل ہونے اور حق کے بالکل واضح ہو جانے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے اپنے ایمان لانے کے لئے (صرف اس امر کے منتظر) معلوم ہوتے (ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کے پاس آپ کا رب آئے) جیسا قیامت میں حساب کے وقت واقع ہوگا (یا آپ کے رب کی) قیامت کی نشانیوں میں سے (کوئی بڑی نشانی آئے) اس بڑی نشانی سے مراد آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کیا ایمان لانے میں قیامت کے وقوع یا قرب کا انتظار ہے سو اس کے متعلق سن رکھیں کہ (جس روز آپ کے رب کی) یہ (بڑی نشانی آ پہنچے گی) اس روز (کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہ رکھتا ہوگا) بلکہ اسی روز ایمان لایا ہو (یا) ایمان تو پہلے سے بھی رکھتا ہو، لیکن (اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو) بلکہ اعمال بد اور گناہوں میں مبتلا ہو، اور اس روز ان سے توبہ کر کے نیک اعمال شروع کرے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ ہاں اس سے پہلے اگر معاصی سے توبہ کرتا تو مومن ہونے کی برکت سے توبہ قبول ہو جاتی۔ تو اگر چہ توبہ کی قبولیت ایمان کے منافع میں سے ہے مگر جب اس وقت ایمان نے یہ خاص نفع نہ دیا اور علامت قیامت ایمان و توبہ کی قبولیت سے مانع بن گئی تو قیامت کا واقع ہو جانا تو بدرجہ اولیٰ مانع ہوگا پھر انتظار کس بات کا ہے۔ اور اگر اس توبیخ پر بھی ایمان نہ لائیں تو (آپ) مزید تہدید کے طور پر (فرما دیجئے کہ) خیر بہتر (تم) ان امور کے (منتظر رہو) اور مسلمان نہیں ہوتے تو مت ہو (ہم بھی) ان امور کے (منتظر ہیں) اس وقت تم پر مصیبت پڑے گی، اور ہم مومن انشاء اللہ تعالیٰ نجات یافتہ ہوں گے۔

**فائدہ**: آیت میں جو بعض آیات مذکور ہے بہت سی احادیث میں اس کی تفسیر مغرب سے سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس کی کیفیت اس طرح آئی ہے کہ اس روز غروب کے بعد سورج بحکم خداوندی مغرب سے طلوع ہوگا پھر بیچ آسمان میں پہنچ کر واپس مغرب کی طرف لوٹ کر ادھر غروب ہوگا۔ اس کے بعد عام معمول کے مطابق مشرق سے نکلنے لگے گا۔ اس وقت بظاہر آبادی پوری دنیا میں نہ پھیلی ہوئی ہوگی بلکہ جنگوں اور حوادث کی وجہ سے کم ہو کر ایک محدود خطہ تک رہ جائے گی اور وہیں اس کا مشاہدہ ہوگا۔

**ربط**: مشرکین عرب کی گمراہی کو خوب تفصیل سے بیان کرنے کے بعد بتاتے ہیں کہ خواہ مشرکین عرب ہوں یا دیگر گمراہ قومیں مثلاً یہود و نصاریٰ ہوں یا وہ مدعیان اسلام ہوں جو آئندہ اسلامی

عقائد کو خراب کرنے والے ہیں ان لوگوں سے آپ کو کچھ واسطہ نہیں یہ سب اللہ کے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ آپ بھی ان سے بیزاری کا اظہار کیجئے اور ان کا انجام اللہ کے حوالے کیجئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦٠﴾

**ترجمہ**: بے شک جن لوگوں نے جدا جدا کر دیا اپنے دین کو اور ہو گئے بہت سے فرقے۔ نہیں ہے تو ان سے کچھ تعلق میں۔ محض ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے پھر وہ خبر دے گا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے۔ جو کوئی لائے گا ایک نیکی تو اس کے لئے اس کا دس گنا ہے اور جو کوئی لائے گا ایک برائی تو نہیں سزا دیا جائے گا مگر اسی کے برابر اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔

**تفسیر**: (بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو) جس کے وہ مکلف تھے (جدا جدا کر دیا) اور اس میں نئی نئی راہیں نکال کر شرک و کفر و بدعت کے طریقے اختیار کر لئے (اور) مختلف (گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں) یعنی آپ ان سے بری ہیں اور آپ پر کوئی الزام نہیں (بس) وہ خود اپنے نیک و بد کے ذمہ دار ہیں، اور (ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے) وہ دیکھ بھال رہے ہیں (پھر) قیامت میں (ان کو ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے) اور حجت قائم کر کے ان کا مستحق عذاب ہونا ظاہر کر دیں گے۔ (جو شخص نیک کام کرے گا اس کو) کم از کم (اس کے دس حصے ملیں گے) یعنی ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا وہ نیکی دس بار کی اور نیز ایک نیکی پر جس قدر ثواب ملتا اب دس حصے ویسے ثواب کے ملیں گے (اور جو شخص برا کام کرے گا سو اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی) زیادہ نہ ملے گی (اور ان لوگوں پر) ظاہراً بھی (ظلم نہ ہوگا) کہ کوئی نیکی درج نہ ہو یا کوئی بدی زیادہ کر کے لکھ لی جائے۔

**فائدہ**: نیکی میں کم از کم کی قید اس لئے لگائی کہ دوسری نصوص میں تصریح ہے کہ بعض اوقات دس گنا سے بھی زیادہ ملے گا۔

**ربط**: اوپر یہ بتانے کے بعد کہ راہ حق سے ہٹ کر نئی نئی راہیں اختیار کرنے والوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی واسطہ نہیں آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ خود جس راہ حق پر ہیں اس کو کھول کر بیان

کر دیں۔

قُلۡ اِنَّنِیۡ هَدٰىنِیۡ رَبِّیۡۤ اِلٰی
صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۚ دِیۡنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ۚ وَ
مَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُكِیۡ وَ
مَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیۡكَ لَهٗ ۚ وَ
بِذٰلِكَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۶۳﴾

**ترجمه**: تو کہہ دے بے شک رہنمائی کی میری میرے رب نے سیدھے رستے کی طرف کہ (وہ) دین مستحکم ہے طریقہ ہے ابراہیم کا جو یکسو تھا اور نہ تھا شرک کرنے والوں میں سے۔ تو کہہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ نہیں کوئی شریک اس کا اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا اور میں ہوں ماننے والوں میں سب سے پہلا۔

**تفسیر**: (آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا رستہ) وحی کے ذریعہ سے (بتا دیا ہے کہ وہ ایک دین ہے) جو دلائل سے ثابت ہونے کی وجہ سے (مستحکم) ہے (جو طریقہ ہے ابراہیم) علیہ السلام (کا جس میں ذرا کجی نہیں اور وہ) ابراہیمؑ (شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے) اور (آپ) اس دین کی قدرے تفصیل کے لئے (فرما دیجئے کہ) اس دین کا حاصل یہ ہے کہ (بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو مالک ہے سارے جہان کا)۔ استحقاق عبادت یا تصرفات ربوبیت میں (اس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھ کو اسی) دین پر رہنے (کا حکم ہوا ہے اور) حکم کے موافق (میں) اس دین کے (سب ماننے والوں سے پہلا) ماننے والا (ہوں)۔

**فائدہ**: 1- یہاں دین کے جو اوصاف ذکر کئے گئے ہیں ان کے اعتبار سے دین خاص ہوا اسلام کے ساتھ اور اسلام میں بھی طریق سنت کے ساتھ، چنانچہ ملت ابراہیمی کا اسلام ہونا پہلے پارہ کے آخر میں گزر چکا ہے۔ اور مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ سے مشرکین اور یہود و نصاری سب کا رد ہو گیا۔ حنیف سے بدعت کے تمام طریقوں کا رد ہوا کیونکہ سب بدعات میں کجی ہے اور تفصیل میں صلوۃ اور نُسُک تو تشریعی امور میں سے ہیں اور مَحْیَا وَ مَمَات خاص اللہ تعالیٰ کے لئے تکوینی

امور میں سے ہیں۔ پہلے کا تعلق عبادت سے ہے اور دوسرے کا ربوبیت کے اعتقاد سے ہے اور دونوں کے مجموعہ کا حاصل یہ ہوا کہ استحقاق عبادت میں بھی کوئی خدا کا شریک نہیں اور تصرف میں بھی کوئی خدا کا شریک نہیں ہے اور یہی مجموعہ توحید ہے۔

2: بِذٰلِکَ اُمِرْتُ میں دوسروں کو لطف کے ساتھ دعوت ہے کہ جب نبی بھی ایمان کے مکلّف ہیں تو دوسرے کیوں نہ ہوں گے۔

**ربط**: اوپر رسول اللہ ﷺ سے راہ حق کی تفصیل بیان کروائی اور اب کہلوایا جا رہا ہے کہ میں اپنی راہ حق کو چھوڑ کر باطل راہوں کو اختیار کرنے والا نہیں جس کی چند وجوہ ہیں۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ

اَبْغِىْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَىْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ

اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

**ترجمہ**: تو کہہ کیا (اب) اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی رب حالانکہ وہی ہے رب ہر چیز کا۔ اور نہیں کرتا کوئی بھی (کوئی گناہ) مگر (ہوتا ہے اسی کے) اپنے ذمہ پر۔ اور نہ اٹھائے گا (گناہوں کا) کوئی بوجھ اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے (کے گناہوں) کا۔ پھر تمہارے رب کی طرف ہی تم سب کا لوٹنا ہے۔ سو وہ خبر دے گا تم کو اس بات کی جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

**تفسیر**: (آپ) گمراہیوں کو اختیار کرنے والوں سے (فرما دیجئے کہ کیا) توحید و اسلام کی حقیقت واضح ہونے کے باوجود تمہارے کہنے سے (میں خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں) یعنی نعوذ باللہ شرک اختیار کرلوں (حالانکہ) اس کے خلاف کئی وجوہ موجود ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ (وہ مالک ہے ہر چیز کا) اور سب چیزیں اس کی مملوک ہیں اور مملوک مالک کا شریک نہیں ہوسکتا (اور) دوسری وجہ یہ ہے کہ (جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے تو وہ) یعنی اس کا وبال (اسی پر رہتا ہے، اور کوئی دوسرے) کے گناہ کا (کا بوجھ نہ اٹھائے گا) بلکہ سب اپنی اپنی بھگتیں گے تو میں غلط راہ پر چل کر اپنے اوپر بوجھ کیوں لادوں (پھر) تیسری وجہ یہ ہے کہ سب کے عمل کر چکنے کے بعد (تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا، پھر وہ تم کو جتلا دیں گے جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے) کہ کوئی کسی دین کو حق بتاتا تھا اور کوئی کسی کو، وہاں عملی اطلاع سے فیصلہ کردیا جائے گا، اہل حق کو نجات

اور اہل باطل کو سزا ہوگی تو میں نجات کی راہ چھوڑ کر سزا کی راہ کیوں اختیار کروں۔

**فائدہ**: اگر کسی کو شبہ ہو کہ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کسی کو گمراہ کرے تو اس گمراہ کا گناہ اس گمراہ کرنے والے کو بھی ہوتا ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ ایک گمراہ کرنے کا گناہ ہے جو گمراہ کرنے والے کا اپنا ہی فعل ہے۔ پھر اس کے گمراہ کرنے کے بعد گمراہ ہونے والا جب وہ فعل کرے گا تو اس کرنے کا سبب گمراہ کنندہ بنا ہے۔ سبب بننے والا بھی چونکہ فعل کو وجود میں لانے میں شریک ہوا ہے اس لئے اس فعل کا گناہ گمراہ کنندہ کو بھی ہوتا ہے جب کہ یہاں آیت سے یہ مقصود ہے کہ محض دوسرے کے فعل سے گناہ نہیں ہوتا۔

**ربط**: راہ حق کی تحقیق کے بعد فرمایا کہ اسی کی وجہ سے تم کو زمین میں صاحب اختیار بنایا پھر اس کو اختیار کرنے کی ترغیب اور اس سے اعراض پر ڈراوا ذکر کرتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَٰٓئِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ ءَاتَىٰكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُۥ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٥﴾

**ترجمہ**: اور وہی ہے جس نے بنایا تم کو نائب زمین کا اور بلند کیا تمہارے بعض کو بعض پر درجوں میں تاکہ آزمائے تم کو ان (نعمتوں) میں جو دیں اس نے تم کو۔ بے شک تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

**تفسیر**: (اور وہ) اللہ (ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں صاحب اختیار بنایا اور ایک کا دوسرے پر) مختلف غیر اختیاری چیزوں میں مثلاً عقل و جاہ، رزق، حسن و جمال اور صحت وقوت وغیرہ میں (رتبہ بڑھایا، تاکہ) ان نعمتوں سے (تم کو) ظاہراً (آزمائے ان چیزوں میں جو کہ مذکورہ نعمتوں میں سے (تم کو دی ہیں) آزمانا یہ کہ کون ان نعمتوں کی قدر کر کے منعم کی اطاعت کرتا ہے اور کون بے قدری کر کے اطاعت نہیں کرتا، پس بعضے مطیع ہوئے، بعضے نافرمان ہوئے اور دونوں کے ساتھ مناسب معاملہ کیا جائے گا، کیونکہ (بالیقین آپ کا رب جلد سزا دینے والا) بھی (ہے، اور بالیقین وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے والا مہربانی کرنے والا) بھی (ہے)۔ پس نافرمانوں کے لئے سزا وعتاب ہے اور فرمانبرداروں کے لئے رحمت ہے۔ اور نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف آنے والوں کے لئے مغفرت ہے۔ لہٰذا مکلفین پر ضروری ہوا کہ دین حق کے موافق اطاعت اختیار کریں اور باطل اور مخالفت سے باز آئیں۔

# سورۃ اعراف

اس صورت میں بنیادی مضمون یہ ہے کہ آیات و دلائل چونکہ رسولوں کی دعوت کے موافق ہیں اس لئے رسولوں پر اور ان کی تعلیمات پر ایمان لاؤ۔

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ﷽ اٰيَاتُهَا ۲۰۶ رُكُوْعَاتُهَا ۲۴

الٓمّٓصٓ ۚ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ حَرَجٌ
مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ
اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

**ترجمہ**: (یہ) کتاب (ہے) اتاری گئی ہے تیری طرف سو نہ ہو تیرے سینے میں کوئی شک اس سے تا کہ تو ڈرائے اس کے ذریعہ اور نصیحت ہو ایمان والوں کیلئے۔ اتباع کرو اس کا جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اور نہ اتباع کرو اس (اللہ) کے سوا اور رفیقوں کا۔ تھوڑی ہے جو تم نصیحت مانتے ہو۔

**تفسیر**: (الٓمّٓصٓ) اس کے معنی تو اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہیں (یہ) قرآن (ایک کتاب ہے جو) یقیناً اللہ کی جانب سے (آپ کے پاس بھیجی گئی ہے تو) اس کے منجانب اللہ ہونے میں اور (اس کے) احکام و اخبار کے (بارے میں آپ کے دل میں ذرا سا بھی شک و شبہ) یا کھٹکا (راہ نہ پائے) کیونکہ یہ کتاب آپ کی طرف اس لئے نازل کی گئی ہے (کہ آپ اس کے ذریعہ سے) لوگوں کو نافرمانی کی سزا سے (ڈرائیں اور) تا کہ یہ (نصیحت ہو ایمان والوں کے لئے) اگر بفرض محال خود پیغمبر کے دل میں کتاب کے بارے میں کامل وثوق اور یقین نہ ہو بلکہ کچھ کھٹکا ہو تو وہ اپنے فرض انذار و تذکیر کو قوت و جرات کے ساتھ کیونکر ادا کر سکے گا۔ آگے عام امت کو خطاب ہے کہ جب معلوم ہو گیا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے اور اس میں کسی بھی اعتبار سے کچھ شک و شبہ نہیں تو (تم لوگ اس) کتاب (کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے)۔ اتباع

کتاب یہ ہے کہ اس کی دل سے تصدیق بھی کرو اور اس پر عمل بھی کرو۔ (اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر) جس نے تمہاری ہدایت کے لئے قرآن نازل کیا (دوسرے رفیقوں کا اتباع مت کرو) جو تم کو گمراہ کرتے ہیں جیسے شیطان قسم کے جن اور انسان مگر باوجود اس مشفقانہ فہمائش کے (تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو)۔

**ربط**: اوپر ذکر تھا کہ رسول قرآن کے ذریعہ ڈراتے ہیں اور لوگوں کو حکم تھا کہ وہ قرآن کا اتباع کریں آگے اتباع نہ کرنے والوں کو قرآن کے ذریعہ سے دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرایا جاتا ہے۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ
هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ
قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ
لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا
غَآئِبِيْنَ ۝ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝

**ترجمہ**: اور کتنی بستیاں ہیں ہلاک کیا ہم نے ان کو کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت یا اس حال میں کہ وہ (دوپہر کے وقت) قیلولہ میں تھے۔ پھر نہیں تھی ان کی بات جس وقت کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب مگر یہ کہ کہنے لگے کہ بیشک ہم ہی تھے گنہگار۔ سو ضرور ہم پوچھیں گے ان سے بھیجے گئے تھے جن کی طرف (رسول) اور ضرور ہم پوچھیں گے رسولوں سے۔ پھر ضرور ہم بیان کر دیں گے ان پر (اپنے) علم سے اور نہیں تھے ہم غائب۔ اور تول اس دن حق (یعنی واقع ہونے والی) ہے۔ تو جو لوگ بھاری ہوں گے ان کے ترازو سو وہی لوگ ہیں کامیابی پانے والے۔ اور جو لوگ ہلکے ہوں گے ان کے ترازو سو وہی ہیں جنہوں نے نقصان کیا اپنی جانوں کا بسبب اس کے کہ وہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے۔

**تفسیر**: (اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ان کو) یعنی ان کے رہنے والوں کو ان کے کفر و تکذیب کی بناء پر (ہم نے تباہ و برباد کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب) یا تو (رات کے وقت پہنچا) جو سوتے اور

آرام کرنے کا وقت ہے (یا ایسی حالت میں) پہنچا (کہ وہ دوپہر کے وقت آرام میں تھے) یعنی کسی کو ایک وقت میں اور کسی کو دوسرے وقت میں (سو جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا اس وقت ان کے منہ سے اس کے سوا) اور کوئی بات نہ نکلتی تھی کہ واقعی ہم ظالم) اور خطاوار (تھے) یعنی ایسے وقت اقرار کیا جب کہ اقرار کا وقت گزر چکا تھا، یہ تو دنیوی عذاب ہوا (پھر) اس کے بعد آخرت کے عذاب کا سامان ہو گا کہ قیامت میں (ہم ان لوگوں سے) بھی (ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے) کہ تم نے پیغمبروں کا کہنا مانا یا نہیں (اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے) کہ تمہاری امتوں نے تمہارا کہنا مانا یا نہیں؟ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ. یعنی جس دن جمع کریں گے اللہ رسولوں کو اور پوچھیں گے کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا۔ اور دونوں سوالوں سے مقصود کفار کو ڈانٹ ڈپٹ ہو گی (پھر چونکہ ہم پوری خبر رکھتے ہیں) خود ہی (ان کے روبرو) ان سب کے اعمال کو (بیان کر دیں گے، اور ہم) عمل کے وقت اور جگہ سے (غائب تو نہ تھے)۔

(اور اس روز) یعنی قیامت کے دن اعمال وعقائد کا (وزن واقع ہونے والا ہے) تا کہ عام طور پر ہر ایک کی حالت ظاہر ہو جائے (پھر) وزن کے بعد (جس شخص) کے ایمان (کا پلہ بھاری ہو گا) یعنی وہ مومن ہو گا (سو ایسے لوگ) تو (کامیاب ہوں گے) یعنی نجات پائیں گے (اور جس شخص کے) کے ایمان کا پلہ (ہلکا ہو گا) یعنی وہ کافر ہو گا (تو یہ لوگ وہ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کیا کرتے تھے) یعنی ان پر ایمان نہ رکھتے تھے۔

**فائدہ: 1:** چونکہ اکثر ظلم کا اطلاق کفر پر آیا ہے اس لئے اخیر آیت کو کفار کے بارے میں سمجھا گیا ہے اور تقابل کی وجہ سے فَمَنْ ثَقُلَتْ کی تفسیر مطلق مومن کی ساتھ کی گئی ہے۔

2: پلہ کا ہلکا ہونا قلت ایمان کی وجہ سے نہیں بلکہ عدم ایمان کی وجہ سے ہو گا یعنی جو پلہ ایمان کے رکھنے کے لئے مخصوص ہے وہ خالی ہو گا اور دوسرے پلہ میں کفر ہو گا تو لامحالہ خالی پلہ بھرے پلہ کے مقابلے میں ہلکا ہو گا۔

3: ایمان وکفر کے تول کے بعد کہ جب کافر اور مومن ممتاز ہو جائیں گے خاص مومنین کے لئے ایک پلہ میں ان کی نیکیاں اور دوسرے پلہ میں ان کی برائیاں رکھ کر ان کے سب اعمال کا وزن ہو گا جیسے اس آیت میں ہے وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا درمنثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اگر نیکیاں غالب ہوئیں تو جنت اور اگر برائیاں غالب ہوئیں تو دوزخ اور اگر دونوں برابر ہوئے تو اعراف اس کے لئے تجویز ہو گی پھر خواہ شفاعت سے سزا سے پہلے خواہ سزا کے بعد مغفرت ہو جائے گی۔

4۔ حدیثوں سے آخرت کی ترازو کے لئے دو پلوں اور اس کے بیچ کے کانٹے کا ذکر ہے۔ وہ عالم مادے کا محتاج نہیں اس لئے وہاں ایسے ترازو سے غیر مادی چیزیں تولنے کا کوئی انتظام ہوگا۔

**ربط**: ڈراوے اور ترہیب کے بعد آگے نعمتوں کا ذکر کر کے قبول حق پر ترغیب ہے۔ مَکّنّٰکُمْ میں نعمت تربیت مذکور ہے۔ پھر خلقناکم میں نعمت ایجاد پھر قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ میں نعمت اکرام۔ تیسری نعمت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ابلیس کے قصہ میں انسانوں کے لئے اس کی دائمی دشمنی کو ذکر کیا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا
مَّا تَشْكُرُوْنَ ۠ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا
لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ
السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ
مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ
مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ
الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ
مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ
الْمُسْتَقِيْمَ ۙ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾
قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ
جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ
فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا
وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ

الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝۲۰ وَ
قَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝۲۱ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا
ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا
مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا
الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۲ قَالَا
رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي
الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝۲۴ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ
فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝۲۵ ع يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ
لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ
ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۲۶

**ترجمہ**: اور بے شک جگہ دی ہم نے تم کو زمین میں اور بنا دیئے ہم نے تمہارے لئے اس میں سامان زندگی۔ بہت تھوڑا ہے جو تم شکر کرتے ہو۔ اور بے شک پیدا کیا ہم نے تم کو پھر صورتیں دیں ہم نے تم کو پھر کہا ہم نے فرشتوں سے ( کہ ) تم سجدہ کرو آدم کو، پس سجدہ کیا سب نے سوائے ابلیس کے، نہ تھا وہ سجدہ کرنے والوں میں سے۔ ( اللہ نے ) کہا کس چیز نے روکا تجھ کو کہ نہ تو سجدہ کرے جب کہ حکم دیا میں نے تجھ کو۔ ( ابلیس ) بولا میں بہتر ہوں اس سے، پیدا کیا تو نے مجھ کو آگ سے اور پیدا کیا تو نے اس کو مٹی سے ( اللہ نے ) کہا تو اتر یہاں سے نہیں ہے تیرے لئے ( کوئی حق ) کہ تو تکبر کرے اس ( مقام ) میں پس تو باہر نکل بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔ ( ابلیس ) بولا مہلت دے مجھ کو اس دن تک کہ لوگ ( قبروں سے ) اٹھائے جائیں گے۔ ( اللہ نے ) فرمایا بے شک تو مہلت دیئے ہوئے لوگوں میں سے ہے۔ ( ابلیس ) بولا تو بسبب اس کے جو گمراہ کیا تو نے مجھ کو میں ضرور بیٹھوں گا ان

کے لئے تیری سیدھی راہ پر۔ پھر میں آؤں گا ان پر ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے، اور نہیں تو پائے گا ان کے اکثروں کو شکر گزار، کہا نکل یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر، جو کوئی پیروی کرے گا تیری ان میں سے تو میں ضرور بھروں گا دوزخ کو تم سب سے۔ اور اے آدم رہ تو اور تیری بیوی جنت میں، پھر تم دونوں کھاؤ جہاں سے چاہو اور نہ پاس جانا تم اس درخت کے کہ کہیں تم ہو جاؤ گناہگاروں میں سے۔ پھر وسوسہ اندازی کی ان دونوں کے لئے شیطان نے تاکہ ظاہر کر دے ان کے لئے وہ چیز جو چھپائی گئی تھی ان سے یعنی ان کی شرمگاہ اور کہا نہیں منع کیا تم کو تمہارے رب نے اس درخت سے مگر یہ کہ کہیں تم ہو جاؤ فرشتے یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والوں میں سے۔ اور قسم کھائی ان دونوں سے کہ بے شک میں تمہارے لئے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ پس نیچے لے آیا ان کو فریب سے۔ پھر جب چکھا انہوں نے درخت کو (تو) ظاہر ہو گئیں ان کے لئے ان کی شرمگاہیں اور وہ دونوں لگے جوڑنے اپنے اوپر جنت کے پتے۔ اور پکارا ان کو ان کے رب نے کیا نہیں میں نے منع کیا تھا تم دونوں کو اس درخت سے اور (کیا) میں نے (نہیں) کہا تھا تم دونوں کو کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ان دونوں نے کہا اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جانوں پر اور اگر نہ تو نے مغفرت کی ہماری اور (نہ) رحم کیا تو نے ہم پر تو ہم ضرور ہوں گے نقصان اٹھانے والوں میں سے۔ فرمایا تم اترو (اس حال میں کہ) تمہارے بعض دوسرے بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔ فرمایا اسی میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے۔ اے اولاد آدم اتارا ہم نے تم پر لباس (جو) چھپاتا ہے تمہاری شرمگاہوں کو اور لباس پرہیزگاری کا وہ (سب سے) بہتر ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ لوگ یاد رکھیں۔

**تفسیر**: (اور بے شک ہم نے) نعمت کے طور پر (تم کو زمین میں رہنے کی جگہ دی، اور ہم نے تمہارے لئے اس) زمین (میں سامان زندگی پیدا کیا) یعنی تمہاری تخلیق سے پہلے تمہارے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا سامان پیدا کیا جس کا تقاضا یہ تھا کہ تم اس کے شکریہ میں فرمانبردار و اطاعت شعار ہوتے، لیکن (تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو) شکر سے مراد اطاعت ہے اور کم اس لئے فرمایا کہ تھوڑا بہت نیک کام تو اکثر لوگ کر ہی لیتے ہیں لیکن ایمان نہ ہونے کی وجہ سے وہ قابل اعتبار نہیں (اور ہم نے تم کو پیدا) کرنے کا سامان شروع (کیا) یعنی آدم علیہ السلام کا مادہ بنایا، اسی مادے سے تم

سب لوگ ہو (پھر) مادہ بنا کر (ہم نے تمہاری صورت بنائی) یعنی اس مادے میں آدم علیہ السلام کی عمدہ صورت بنائی، پھر وہی صورت ان کی اولاد میں چلی آ رہی ہے، (پھر) جب آدم علیہ السلام بن گئے اور علوم اسماء سے مشرف ہوئے تو (ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو) اب (سجدہ کرو) اور اس طرح تمہارا اکرام کرایا (تو سب) فرشتوں (نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا) اور سجدہ نہ کیا (حق تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا، تجھ کو اس سے کونسا امر مانع ہے، جب کہ میں) خود (تجھ کو سجدہ کا حکم دے چکا، کہنے لگا) وہ امر مانع یہ ہے کہ (آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس) آدم (کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے) یہ شیطان کے استدلال کا پہلا مقدمہ ہے اور دوسرا مقدمہ جس کا ذکر نہیں کیا وہ یہ ہے کہ آگ نورانی ہونے کی وجہ سے خاک سے افضل ہے، تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ افضل کا سجدہ کرنا غیر افضل کو نامناسب ہے، ان تینوں مقدمات کو ملا کر شیطان نے اپنے سجدہ نہ کرنے کی یہ دلیل بنائی کہ میں چونکہ افضل ہوں اس لئے میں نے غیر افضل کو سجدہ نہیں کیا، مگر پہلے مقدمہ کے سوا باقی دونوں ہی مقدمات غلط ہیں اور ان کا غلط ہونا کھلا ہوا ہے، کیونکہ آگ کا خاک پر افضل ہونا ایک جزوی فضیلت تو ہوسکتی ہے، کلی طور پر اس کو افضل کہنا دعویٰ بے دلیل ہے، اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ افضل کو مفضول کے لئے سجدہ اور تعظیم نامناسب ہے، بعض اوقات مصلحتوں کا تقاضا اس کے خلاف ہوتا ہے مثلاً کوئی مفضول امیر بن جائے تو سب کو اس کی تعظیم کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ اس بات کو تسلیم کرنے کی علامت تھی کہ وہ زمین میں خلیفۃ اللہ ہیں۔ غرض شیطان کی جانب سے یہ کھلی نافرمانی تھی۔

(حق تعالیٰ نے فرمایا) جب تو ایسا نافرمان ہے (تو آسمان سے نیچے اتر، تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے) کیونکہ بندہ کو تو حکم کے آگے سر جھکانا لازم ہے اور خاص کر (آسمان میں رہ کر) جو سب فرمانبرداروں ہی کا مقام ہے (سو) یہاں سے (نکل) دور ہو (بے شک تو) اس تکبر کی وجہ سے (ذلیلوں میں شمار ہونے لگا، وہ کہنے لگا مجھ کو) مرنے سے (مہلت دیجئے قیامت کے دن تک، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی، وہ کہنے لگا کہ بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو) تکوین وتخلیق کے اعتبار سے (گمراہ کیا ہے) کہ آپ نے میری تقدیر میں گمراہی لکھی اور میری نافرمانی کے فعل کو آپ نے پیدا کیا لہٰذا (میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان) کے یعنی آدم اور اولاد آدم کی رہزنی کرنے (کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر) جو کہ دین حق ہے جا کر (بیٹھ جاؤں گا پھر ان پر) ہر چار طرف سے (حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی پیچھے سے بھی اور ان کی دائیں جانب سے بھی اور بائیں جانب سے بھی) یعنی

ان کے بہکانے میں کوشش کا کوئی پہلو باقی نہ چھوڑوں گا تا کہ وہ آپ کی عبادت نہ کرنے پائیں (اور) آدمی کی کمزوریوں سے واقفیت کی بنا پر میرا قوی گمان ہے کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوں گا، چنانچہ (آپ ان میں سے اکثروں کو) اپنی نعمتوں کا (احسان ماننے والا نہ پائیں گے کہ احسان مان کر اطاعت کریں (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو یہاں) آسمان (سے ذلیل وخوار ہو کر نکل جا) اور تو جو اولاد آدم کو بہکانے کو کہتا ہے تو جو تیرا جی چاہے کر لے میں سب سے بے نیاز ہوں نہ کسی کے راہ راست پر آنے سے میرا کوئی فائدہ ہے نہ گمراہ ہونے سے کوئی نقصان (جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سے) یعنی تجھ سے اور ان سے (جہنم کو بھر دوں گا) اور جہنم میں جانے کو کون کامیابی کہے گا۔

(اور ہم نے) آدم علیہ السلام کو (حکم دیا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی) حوا، (جنت میں) رہو، (پھر جس جگہ سے چاہو) اور جس چیز کو چاہو (دونوں کھاؤ اور) اتنا خیال رہے کہ (اس) خاص (درخت کے پاس) بھی (مت جاؤ) یعنی اس کا پھل نہ کھاؤ (کہیں ان لوگوں کے شمار میں آ جاؤ جن سے نامناسب کام ہو جایا کرتا ہے۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تا کہ) ان کو وہ ممنوع درخت کا پھل کھلا کر (ان کا مستور بدن جو ایک دوسرے سے) اور خود اپنے سے بھی (پوشیدہ تھا دونوں کے روبرو بے پردہ کر دے) کیونکہ اس درخت کے پھل کھانے میں ہم نے تمہارے لئے یہی تاثیر رکھی ہے کہ جنت کا لباس اتر جائے گا۔ (اور) وہ وسوسہ یہ تھا کہ دونوں سے (کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت) کے کھانے (سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا مگر محض اس وجہ سے کہ تم دونوں) اس کو کھا کر (کہیں فرشتے) نہ (بن جاؤ، یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے) نہ (ہو جاؤ)۔ وسوسہ کا حاصل یہ تھا کہ اس درخت کے کھانے سے فرشتہ بننے کی یا دائمی زندگی کی قوت پیدا ہو جاتی ہے، مگر شروع میں آپ کا وجود اس طاقتور غذا کا متحمل نہ تھا اس لئے منع کر دیا گیا تھا، اب آپ کی حالت اور قوت میں ترقی ہو گئی، اور آپ کے قویٰ میں اس کا تحمل ہو گیا تو اب وہ ممانعت باقی نہ رہی (اور ان دونوں کے روبرو) اس بات پر (قسم کھالی کہ یقین جانئے میں آپ دونوں کا) دل سے (خیر خواہ ہوں۔ تو) ایسی باتیں بنا کر (ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا) نیچے لانا حالت اور رائے کے اعتبار سے بھی تھا کہ اپنی رائے عالی کو چھوڑ کر اس دشمن کی رائے پر مائل ہو گئے، اور مقام کے اعتبار سے بھی کہ جنت سے نیچے زمین کی طرف اتارے گئے (پس ان دونوں نے جونہی درخت کو چکھا) فوراً (دونوں کا مستور بدن ایک دوسرے کے سامنے کھل گیا) یعنی جنت کا لباس اتر پڑا اور دونوں شرما گئے (اور) بدن چھپانے کے لئے (دونوں اپنے) بدن کے (اوپر جنت کے) درختوں کے (پتے جوڑ

جوڑ کر رکھنے لگے اور) اس وقت (ان کے رب نے ان کو پکارا، کیا میں تم دونوں کو اس درخت) کے کھانے (سے ممانعت نہ کر چکا تھا اور یہ نہ بتا چکا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے) اس کے بہکانے سے بچتے رہنا (دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا) کہ پوری احتیاط اور تامل سے کام نہ لیا (اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہم بڑے خسارہ میں پڑ جائیں گے، حق تعالیٰ نے) آدم وحواء علیہما السلام سے (فرمایا کہ) جنت سے (نیچے) زمین پر (ایسی حالت میں جاؤ کہ تم) یعنی تمہاری اولاد (باہم بعضے بعض کے دشمن رہو گے، اور تمہارے واسطے زمین میں رہنے کی جگہ) تجویز کی گئی (ہے اور) اسباب معیشت سے (نفع حاصل کرنا) تجویز ہوا (ہے ایک وقت) خاص (تک) یعنی موت کے وقت تک اور یہ بھی (فرمایا کہ تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے) قیامت کے روز (پھر زندہ ہو کر نکلنا ہے)۔

(اے اولاد آدم) ایک ہمارا انعام یہ ہے کہ دشمن نے تم سے جنت کے کپڑے اتروائے تو (ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا یعنی تم کو دنیا میں لباس بنانے کی تدبیر سکھادی (جو تمہارے ستر) یعنی پردہ والے بدن (کو بھی چھپاتا ہے اور) تمہارے بدن کے لئے (موجب زینت بھی) ہوتا (ہے، اور) اس ظاہری لباس کے علاوہ ایک معنوی لباس بھی تمہارے لئے تجویز کیا ہے جو (تقویٰ) یعنی دینداری (کا لباس) ہے کہ (یہ اس) ظاہری لباس (سے بڑھ کر) ضروری (ہے) کیونکہ اس ظاہری لباس کا شرعاً مطلوب ہونا اسی تقویٰ یعنی دینداری کی ایک فرع ہے کیونکہ ستر کا کھلے رہنا دینداری کے خلاف ہے۔ لہٰذا اصل مقصود ہر حالت میں لباس تقویٰ ہی ہے (یہ) لباس پیدا کرنا (اللہ تعالیٰ) کے فضل وکرم (کی نشانیوں میں سے ہے، تاکہ یہ لوگ) اس نعمت کو (یاد رکھیں) اور یاد رکھ کر اپنے منعم اور محسن کا حق اطاعت ادا کریں اور وہ حق اطاعت وہی ہے جس کو لباس تقویٰ فرمایا ہے۔

**فائدہ:** 1 ابن جریر کی ایک روایت کے مطابق ابلیس کی موت کا وقت وہی ہے جو سب مخلوقات کی فنا کا وقت ہے یعنی نفخہ اولی۔

2۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ کافر کی دعا بھی کبھی قبول ہو جاتی ہے اور یہ اکرام ومحبت کو مستلزم نہیں ہے اور وما دعاءُ الکافرین الا فی ضلال یعنی کافروں کی پکار محض بے نفع ہے سے جو اس کے خلاف شبہ ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں جو وہ دعا ودرخواست کریں گے وہ قبول نہ ہو گی۔

3۔ یہ قصہ کئی جگہ بیان ہوا ہے اور ہر جگہ اس کے سوال و جواب کی عبارت مختلف ہے حالانکہ

ظاہر ہے کہ واقعہ کسی خاص طور پر ہوا تھا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ سب عبارتیں صحیح ہوں۔ جواب یہ ہے کہ واقعہ تو خاص انداز سے واقع ہوا ہو لیکن بعینہ انہی الفاظ میں بیان کرنا ضروری نہیں بلکہ اصل مضمون و معنیٰ میں تبدیلی کئے بغیر مقام کے مناسب تعبیر کر سکتے ہیں۔

4۔ دشمن کا قاعدہ ہے کہ مذکورہ چار اطراف سے حملہ کرتا ہے ابلیس کے کلام میں اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح سے بھی ہو سکے گا خوب کوشش کروں گا اور کوئی کسر نہ چھوڑوں گا۔ لہٰذا اس کے تحت حدیث میں وارد یہ صورت بھی شامل ہے کہ آدمی کے بدن میں داخل ہو کر خون کی طرح گردش کرتا ہے۔

5- ابلیس نے یہ جو کہا کہ وہ اکثر کو بہکا سکے گا تو اس کا اندازہ اس نے قرائن سے مثلاً انسانی کمزوریوں کو دیکھ کر لگایا۔

6- ابلیس نے اغوا کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کی۔ غوایت و گمراہی کو پیدا کرنے کے معنیٰ میں یہ بات صحیح ہے اللہ تعالیٰ ہر شے اور مخلوق کے ہر فعل کا خالق ہے۔ لیکن اس سے ابلیس کا مقصود اللہ تعالیٰ پر اعتراض تھا جو ظاہر ہے کہ مخلوق کے بہت ہی غیر مناسب ہے۔

**ربط**: اوپر یہ بتائے کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اور اپنی دشمنی ہی کے تحت اس نے ہی تمہارے اولین ماں باپ کے کپڑے بھی اتروائے اور جنت سے بھی نکلوایا اور اس نے تمہیں گمراہ کرنے کے لئے مہلت بھی حاصل کر رکھی ہے آگے بتاتے ہیں کہ تم شیطان سے چوکنے رہو۔ ہر قسم کی بے حیائی کے کام وہی کرواتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے کاموں کا حکم نہیں دیتے بلکہ وہ تو تمہیں ان سے اور دیگر برائیوں سے روکتے ہیں اور حیا کے کاموں اور دیگر خوبیوں کا حکم دیتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ
الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا
لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ
اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا فَعَلُوْا
فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۸
قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿٢٩﴾
فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا
الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٠﴾
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ
الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣٢﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا
ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا
بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ
سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٤﴾

**ترجمہ:** اے اولاد آدم ہرگز فتنہ میں نہ ڈالے تم کو شیطان جیسا کہ اس نے نکالا تمہارے والدین کو جنت سے، اتروائے ان سے ان کے کپڑے تا کہ دکھلائے ان دونوں کو ان کی شرمگاہیں۔ بے شک دیکھتا ہے تم کو وہ اور اس کا لشکر ایسے طور سے کہ نہیں دیکھتے تم ان کو۔ ہم نے کر دیا شیطانوں کو رفیق ان لوگوں کا جو ایمان نہیں لاتے۔ اور جب وہ کرتے ہیں کوئی برا کام تو کہتے ہیں کہ پایا ہم نے اس پر ہم اپنے باپ دادوں کو اور اللہ نے (بھی) ہم کو حکم دیا ہے اسی کا۔ تو کہہ دے کہ اللہ نہیں حکم کرتا برے کام کا۔ کیا تم بات لگاتے ہو اللہ کے ذمہ (وہ باتیں) جو تم جانتے نہیں ہو۔ تو کہہ دے کہ حکم دیا ہے میرے رب نے انصاف کا، اور سیدھے کرو اپنے چہرے ہر سجدہ (نماز) کے وقت اور پکارو اس کو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو۔ جیسا تم کو پہلے (پیدا) کیا دوسری بار بھی (پیدا) ہو گے، ایک فرقہ کو

ہدایت کی اور ایک فرقہ پر ثابت ہو چکی گمراہی۔ انہوں نے بنایا شیطانوں کو رفیق اللہ کو چھوڑ کر اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اے اولاد آدم! لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو اور مت حد سے نکلو بلاشبہ وہ (اللہ) نہیں پسند کرتا حد سے نکلنے والوں کو۔ تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو اس نے نکالی اپنے بندوں کے واسطے اور پاکیزہ چیزیں کھانے پینے کی۔ تو کہہ یہ (نعمتیں) ایمان والوں کے واسطے ہیں دنیا کی زندگی میں اس طور سے کہ (یہ وبال سے) خالص ہیں قیامت کے دن۔ اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتیں ان کے لئے جو سمجھتے ہیں۔ تو کہہ دے محض حرام کیا میرے رب نے بے حیائی کی باتوں کو کھلی ہوں ان میں سے اور جو چھپی ہوں اور گناہ کو اور زیادتی کو جو ناحق ہوں اور یہ کہ تم شریک ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو کہ نہیں اتاری (اللہ نے) اس کے بارے میں کوئی دلیل اور یہ کہ تم بات لگاؤ اللہ کے ذمہ وہ باتیں جو تم جانتے نہیں ہو، اور ہر گروہ کے واسطے ایک میعاد ہے، تو جب آ پہنچے گی ان کی میعاد نہ پیچھے ہٹ سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے ہو سکیں گے۔

**تفسیر**: (اے اولاد آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے) کہ دین وتقویٰ کے خلاف تم سے کوئی کام کرا دے (جیسا اس نے تمہارے ماں باپ) یعنی آدم وحواء علیہما السلام (کو جنت سے باہر کرا دیا) یعنی ان سے ایسا کام کرا دیا کہ اس کے نتیجہ میں وہ جنت سے باہر ہو گئے، اور باہر بھی (ایسی حالت سے) کرایا (کہ ان کا لباس بھی ان) کے بدن (سے اتروا دیا، تاکہ دونوں کو ایک دوسرے کے پردہ کا بدن دکھائی دینے لگے) جو شریف انسان کے لئے بڑی شرم و رسوائی ہے، غرض شیطان تمہارا قدیم دشمن ہے، اس سے بہت ہوشیار رہو اور زیادہ احتیاط اس لئے اور بھی ضروری ہے کہ (وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو) عادۃً (نہیں دیکھتے ہو) ظاہر ہے کہ ایسا دشمن بہت خطرناک ہے، اس سے بچنے کا پورا اہتمام چاہئے، اور یہ اہتمام کامل ایمان اور تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے وہ اختیار کر لو تو بچاؤ کا انتظام ہو جائے گا کیونکہ (ہم شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے)۔ اگر ایمان سرے سے ہی نہیں ہے تو شیطان کو کامل رفاقت اور قدرت حاصل ہوتی ہے اور اگر ایمان تو ہو لیکن کامل نہ ہو تو ناقص رفاقت اور قدرت حاصل ہوتی ہے البتہ جو کامل ایمان والا ہو اس پر شیطان کا سرے سے قابو نہیں چلتا جیسا کہ اس آیت میں ہے لَیْسَ لَہٗ سُلْطَانٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ یعنی اس کو قابو حاصل نہیں ہے ان لوگوں پر جو

ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ (اور) جو لوگ ایمان نہیں لائے ان پر اس کے قابو چلنے کی یہ حالت ہے کہ (وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں) یعنی ایسا کام جس کی برائی کھلی ہوئی ہو اور انسانی فطرت اس کو برا سمجھتی ہو، جیسے اہل جاہلیت کا ننگے ہو کر طواف کرنا اور اس کو بڑی نیکی اور پرہیزگاری سمجھنا (تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہم کو یہی بتایا ہے)۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا قابو چلے گا کہ کفر و شرک میں مبتلا کر رکھا ہے۔ آگے جواب کی تعلیم ہے کہ اے رسول! ان کے جاہلانہ استدلال کے جواب میں (آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش کام کی) کبھی (تعلیم نہیں دیتا) اور اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی ایسی باتوں کی اجازت نہیں دی (کیا) تم ایسا دعویٰ کر کے (خدا کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہو جس کی تم کوئی دلیل نہیں رکھتے، آپ) یہ بھی (کہہ دیجئے کہ) تم نے جن فحش اور غلط کاموں کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے وہ تو غلط ہے، اب وہ بات سنو جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے واقعی طور پر دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ (میرے رب نے تو حکم دیا ہے انصاف کرنے کا اور یہ کہ تم ہر سجدہ) یعنی عبادت (کے وقت اپنا رخ سیدھا) اللہ کی طرف (رکھا کرو) یعنی کسی مخلوق کو اس کی عبادت میں شریک نہ کرو (اور اللہ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھا کرو) اس مختصر جملہ میں اجمالی طور سے تمام شرعی احکام آ گئے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اللہ کے احکام ہیں ان کو مانو کیونکہ اللہ نے تم کو صرف حکم دے کر چھوڑ نہیں دیا بلکہ حساب و کتاب کا بھی ایک وقت آنے والا ہے یعنی قیامت کا دن۔ چنانچہ (تم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح) اپنی قدرت سے (شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح تم) ایک وقت (پھر دوبارہ پیدا ہو گے)۔ اس وقت تمہارے اعمال کی جزا و سزا ہو گی (بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے) دنیا میں (ہدایت کی ہے) ان کو اس وقت جزا ملے گی (اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے) ان کو اس وقت سزا ملے گی۔ اور ان لوگوں کے گمراہ ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ (ان لوگوں نے شیطانوں کو) اپنا (رفیق بنا لیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر) یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی اور شیطانوں کی اطاعت کی (اور) اس کے باوجود اپنے بارے میں پھر بھی یہ (خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں) خواہ اپنی جانب میں یہ خیال کر کے کہ ہم ہی دین حق پر ہیں یا اس کو حق تو نہیں سمجھتے البتہ مصلحت وقت سمجھتے ہیں۔ اے اولاد آدم جب برہنہ طواف کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک فحش اور مذموم ہونا معلوم ہو گیا تو (تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت) نماز کے لئے ہو یا طواف کے لئے (اپنا لباس پہن لیا کرو اور) جس طرح ترک لباس گناہ ہے ایسے ہی حلال چیزوں کے کھانے پینے کو ناجائز سمجھنا بھی بڑا گناہ ہے جیسا کہ بعض اہل جاہلیت ایام حج میں

زندگی باقی رکھنے سے زائد کھانا اور گھی اور چکنائی کا استعمال چھوڑ دیتے تھے اور بعض بکری کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کرتے تھے اس لئے اس سے بھی باز آجاؤ اور حلال چیزوں کو (خوب کھاؤ اور پیو اور) خواہ مخواہ ان کو حرام اعتقاد کر کے (حد) شرعی (سے مت نکلو۔ بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو)۔ اور جو لوگ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزیں، ملبوسات اور مطعومات و مشروبات کو بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل حرام سمجھ رہے ہیں ان سے (آپ) یوں (فرما دیجئے کہ) یہ بتلاؤ (اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جو اس نے اپنے بندوں کے) استعمال کے (واسطے بنائے ہیں اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو) جن کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے (کس شخص نے حرام کیا ہے) یعنی حلال و حرام قرار دینا تو خالق و مالک کائنات کا کام ہے، تم اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کہنے والے کون؟ ان آیات میں لباس اور کھانے پینے کی چیزوں کو انعام خداوندی قرار دیا ہے، اس سے کفار کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ انعام تو ہمیں خوب مل رہا ہے، اگر اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوتا اور ہمارے عقائد و اعمال اس کے خلاف ہوتے تو یہ انعام ہمیں کیوں ملتا، اس شبہ کے جواب کے لئے فرمایا کہ اے محمد ﷺ (آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ) انعامات الٰہیہ کے استعمال کی اجازت اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مقبولیت کی دلیل نہیں، ہاں جس استعمال کے بعد کوئی وبال نہ ہو وہ مقبولیت کی دلیل ہے اور ایسا استعمال خالص اہل ایمان کا حصہ ہے، کیونکہ کافر جتنا زیادہ دنیاوی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اتنا ہی ان کا وبال اور عذاب آخرت بڑھتا رہتا ہے، اس لئے فرمایا کہ (یہ اشیاء) لباس اور کھانے پینے کی چیزیں (اس طور پر کہ قیامت کے روز بھی) کدورات سے اور عذاب سے (خالص رہیں دنیوی زندگی میں خاص اہل ایمان ہی کے لئے ہیں) بخلاف کفار کے کہ گو دنیا میں انہوں نے اللہ کی نعمتوں کو استعمال کر کے عیش و عشرت میں زندگی بسر کی، مگر چونکہ ان نعمتوں کا شکر ایمان و اطاعت کے ذریعہ ادا نہیں کیا، اس لئے وہاں یہ نعمتیں وبال اور عذاب بن جائیں گی۔ جیسے کوئی حاکم یا بڑا افسر اپنے دو اہلکاروں کو کچھ کام بتائے اور کام کی میعاد ختم ہونے تک اپنے گھر سے کھانا بھی ان کو کھلائے تو یہ کھانا کھلانا خوشنودی کی دلیل نہیں بلکہ یہ تو اعانت ہے۔ البتہ جس نے وقت کے اندر کام کو کر لیا اس سے خوش ہوا اور جس نے کام نہ کیا اس کے لئے تو کھانا بھی مزید غصہ کا سبب بن گیا کہ میں نے اس کو اپنے پاس سے کھانا کھلایا پھر بھی اس نے ڈھٹائی کی۔ اور جیسے یہ مضمون ہم نے تفصیل سے بیان کیا (ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھداروں کے واسطے صاف صاف بیان کرتے ہیں۔ آپ) ان سے یہ بھی (فرمائیے کہ) تم نے جن حلال چیزوں کو بلاوجہ حرام سمجھ رکھا ہے وہ تو اللہ نے حرام نہیں کیں (البتہ

میرے رب نے صرف ) ان چیزوں کو جن میں سے اکثر میں تم مبتلا ہو ( حرام کیا ہے ) مثلاً ( تمام فحش باتوں کو ان میں جو علانیہ ہیں وہ بھی ) جیسے ننگے ہو کر طواف کرنا ( اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی ) جیسے بدکاری ( اور ہر گناہ کی بات کو ) حرام کیا ہے ( اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو ) حرام کیا ہے ( اور اس بات کو ) حرام کیا ہے ( کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ) عبادت ( ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند ) اور دلیل ( نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو ) حرام کیا ہے ( کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگا دو جس کی تمہارے پاس کوئی سند نہ ہو ) یعنی جو واقع میں حلال ہیں ان کو تم حرام کہو اور جو واقع میں حرام ہیں ان کو تم حلال کہو۔ ( اور ) اگر ان حرام کاموں کے ارتکاب کرنے والوں کو فوراً سزا نہ ہونے سے ان کی حرمت میں کسی کو شبہ ہو جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی میں ( ہر گروہ ) کے ہر فرد کی سزا ( کے لئے ) اللہ کی حکمت کے تقاضے سے ( ایک میعاد معین ہے سو جس وقت ان کی ) وہ ( میعاد معین ) نزدیک ( آ جائے گی اس وقت ایک ساعت نہ ) اس سے ( پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے ) بلکہ فوراً ہی سزا جاری ہو جائے گی۔ اس میعاد کے قبل سزا نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حرام کام حرام نہیں اور ان پر سزا نہ ہو گی۔

**فائدہ: 1** یہ جو فرمایا لَا تَرَوْنَهُمْ یعنی تم شیطان اور اس کے لشکر کو نہیں دیکھتے ہو یہ عام عادت کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کا یا دیگر لوگوں کا ان کو دیکھنا اس آیت کے خلاف نہیں ہے۔

2۔ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ تفسیر میں جو یہ ذکر کیا کہ خواہ وہ اپنے دین کو حق سمجھنے کی بناء پر ہو یا مصلحت وقت خیال کرنے سے ہو۔ اس کا بیان یہ ہے کہ بعض کفار تو اپنے مذہب کو واقع میں حق سمجھتے ہیں ان پر تو يَحْسَبُوْنَ کا صادق آنا ظاہر ہے اور بعض باوجود باطل سمجھنے کے اس پر جمے رہتے ہیں ان پر اس کا صدق اس اعتبار سے ہے کہ وہ اپنی خیال کردہ کسی وقتی مصلحت کی وجہ سے جس کی رعایت کو وہ ضروری خیال کرتے ہیں اپنے مذہب پر اصرار کرتے ہیں۔

پہلی صورت میں اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ایک شخص واقع میں اپنے کو حق پر سمجھتا ہے گو غلطی پر ہو پھر اس پر کیا الزام ہے وہ معذور ہونا چاہئے کیونکہ اس کو اپنی غلطی کی اطلاع ہی نہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ اس لئے معذور نہیں کہ اس نے قوی اور صحیح دلائل کے باوجود پورا غور نہیں کیا حالانکہ غور کرنے سے صحیح نتیجہ حاصل ہونا ضروری تھا۔ آیت میں جن کی مذمت ہے وہ ایسے ہی تھے اور اکثر تو اپنے طریقے کو باطل سمجھنے والے تھے۔

دوسری صورت میں اگر شبہ ہو کہ جب یہ شخص حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھتا ہے تو مومن ہونا چاہئے پھر اس کو کفار میں کیوں شمار کیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ جیسے دل سے تکذیب کرنا کفر ہے اسی طرح زبان سے تکذیب کرنا اور برتاؤ میں انبیاء سے عداوت کرنا بھی کفر ہے۔

**ربط**: اوپر عقائد و اعمال میں ابلیس کے اتباع و موافقت اور احکام الٰہی کی مخالفت سے ممانعت کر کے آگے یہ بتاتے ہیں کہ اس مضمون کا خطاب تم سے کوئی نیا نہیں ہے بلکہ عالم ارواح ہی میں یہ عہد لے لیا گیا تھا اور اسی وقت یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو یاد دلانے کے لئے اپنے رسول بھیجتے رہیں گے اور اسی وقت وعدہ وعید بھی سنا دیا گیا تھا لہٰذا اب اسی کے مطابق رسول آئے ہیں اور تمہیں خدا تعالیٰ کی آیات کے ذریعے وہی حقیقت بتاتے ہیں اور وہی وعدہ وعید سناتے ہیں۔

يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ إِمَّا يَأۡتِيَنَّكُمۡ رُسُلٞ مِّنكُمۡ
يَقُصُّونَ عَلَيۡكُمۡ ءَايَٰتِي فَمَنِ ٱتَّقَىٰ وَأَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ
وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ ۝٣٥ وَٱلَّذِينَ كَذَّبُواْ بِـَٔايَٰتِنَا وَٱسۡتَكۡبَرُواْ عَنۡهَآ
أُوْلَٰٓئِكَ أَصۡحَٰبُ ٱلنَّارِۖ هُمۡ فِيهَا خَٰلِدُونَ ۝٣٦

**ترجمہ**: اے اولاد آدم اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے بیان کرتے ہوں تم پر میرے احکام سو جو شخص پرہیز گاری کرے اور اصلاح کرے تو نہ ہوگا کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہمارے احکام کو اور تکبر کیا ان سے وہی ہیں آگ والے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

**تفسیر**: ہم نے عالم ارواح ہی میں کہہ دیا تھا (اے اولاد آدم اگر تمہارے پاس پیغمبر آئیں جو تم ہی میں سے ہوں گے جو میرے احکام تم سے بیان کریں گے سو) ان کے آنے پر تم میں سے (جو شخص) ان آیات کی تکذیب سے (پرہیز رکھے اور) اعمال کی (درستی کرے) مراد یہ کہ کامل اتباع کرے (سو ان لوگوں پر) آخرت میں (نہ کچھ اندیشہ) کی بات واقع ہونے والی (ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور) تم میں سے (جو لوگ ہمارے ان احکام کو جھوٹا بتائیں گے اور ان) کے قبول کرنے (سے تکبر کریں گے وہ لوگ) دوزخ میں رہنے (والے ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

**ربط**: اوپر ذکر ہوا کہ عالم ارواح میں ہی بتا دیا گیا تھا کہ تمہارے پاس ہمارے رسول ہدایت لے کر آئیں گے۔ جو ان کی مانیں گے جنت میں جائیں گے جو نہ مانیں گے جہنم میں جائیں گے۔

آگے اہل جنت اور اہل جہنم کا کسی قدر تفصیلی ذکر کرتے ہیں تا کہ ترغیب وترہیب مکمل ہو جائے۔

اہل جہنم کا ذکر

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ
الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى
اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِى النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ
اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا
هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ
ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۸ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ
لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۳۹
اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ
السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ
وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۰ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ
فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱

**ترجمہ**: پھر کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو۔ یہی لوگ ہیں پہنچے گا ان کو ان کا حصہ کتاب (میں لکھے ہوئے) سے۔ یہاں تک کہ جب آئیں ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے وفات دینے ان کو کہتے ہیں کہاں ہیں وہ پکارتے تھے تم جن کو اللہ کو چھوڑ کر۔ کہیں گے وہ گم ہو گئے ہم سے اور گواہی دیں گے اپنے خلاف کہ وہ کافر تھے۔ (اللہ) کہے گا تم داخل ہو جاؤ ان گروہوں کے ساتھ جو گزر چکے تم سے

پہلے جن اور انس سے آگ میں۔ جب بھی داخل ہوگی کوئی جماعت (جہنم میں) لعنت کرے گی اپنی جیسی (دوسری جماعت) پر۔ یہاں تک کہ جب جمع ہو جائیں گے اس میں سب تو کہے گی ان کی پچھلی جماعت ان کی پہلی جماعت کے بارے میں اے ہمارے رب ان ہی لوگوں نے گمراہ کیا ہمیں، تو دے تو ان کو دگنا عذاب آگ کا۔ (اللہ) فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا (عذاب ہے) اور لیکن نہیں جانتے تم۔ اور کہے گی ان کی پہلی جماعت ان کی پچھلی جماعت کو کہ نہ ہوئی تم کو ہم پر کوئی فوقیت تو اب چکھو عذاب کو بسبب اس کے جو تم کرتے تھے۔ بے شک جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا ان سے نہیں کھولے جائیں گے ان کے لئے آسمان کے دروازے اور نہیں وہ داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ داخل ہو جائے اونٹ سوئی کے ناکہ میں۔ اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرموں کو۔ ان کے لئے جہنم کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر سے (آگ کی) اوڑھنیاں ہوں گی اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو۔

**تفسیر**: اجمالی طور سے یہ جاننے کے بعد کہ تکذیب کرنے والے سخت وعید کے مستحق ہیں اب اس کی تفصیل سنو کہ (اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے) یعنی جو بات خدا کی کہی ہوئی نہ ہو اس کو خدا کی کہی ہوئی کہے (یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتائے) یعنی جو بات خدا کی کہی ہوئی ہو اس کو بے کہی بتائے (ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ) رزق اور عمر (ہے وہ) تو (ان کو) دنیا میں (مل جائے گا) لیکن آخرت میں مصیبت ہی مصیبت ہے (یہاں تک کہ) مرنے کے وقت برزخی عالم کے اعتبار سے تو ان کی یہ حالت ہوگی کہ (جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی جان قبضہ کرنے آئیں گے تو) ان سے (کہیں گے کہ) کہو (وہ کہاں گئے جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے) اب اس مصیبت میں کیوں نہیں کام آتے (وہ) کفار (کہیں گے کہ ہم سے سب غائب ہو گئے) یعنی واقعی کوئی کام نہ آیا (اور) اس وقت (اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے) لیکن اس وقت کا اقرار محض بے کار ہوگا۔ اور بعض آیتوں میں ایسے ہی سوال و جواب کا ہونا قیامت میں بھی مذکور ہے تو کوئی تضاد نہیں کیونکہ دونوں موقعوں پر ہونا ممکن ہے۔ اور قیامت میں ان کا یہ حال ہوگا کہ (اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ) کفار کے (جو فرقے تم سے پہلے گزر چکے ہیں جنات میں سے بھی اور آدمیوں میں سے بھی ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ) چنانچہ آگے پیچھے سب کفار اس میں داخل ہوں گے اور یہ کیفیت واقع ہوگی کہ (جس وقت بھی) کفار کی (کوئی

جماعت ) دوزخ میں ( داخل ہوگی اپنی جیسی دوسری جماعت کو ) جوانہیں جیسے کافر ہوں گے اوران سے پہلے دوزخ میں جا چکے ہوں گے ( لعنت کرے گی ) یعنی باہم ہمدردی نہ ہوگی ، بلکہ حقائق کے انکشاف کی وجہ سے ہر شخص دوسرے کو بری نظر سے دیکھے گا اور برا کہے گا ( یہاں تک کہ جب اس ) دوزخ ( میں سب جمع ہو جائیں گے تو ) اس وقت ( پچھلے لوگ ) جو بعد میں داخل ہوئے ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو کفر میں دوسروں کے تابع تھے ( پہلے ) داخل ہونے والے ( لوگوں کی نسبت ) یعنی ان لوگوں کی نسبت جو کفر کے رئیس و پیشوا ہونے کی وجہ سے دوزخ میں پہلے داخل ہوں گے یہ ( کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا ، سوان کو دوزخ کا عذاب ) ہم سے ( دوگنا دیجئے ) اللہ تعالیٰ ( ارشاد فرمائیں گے کہ ) ان کو دوگنا ہونے سے تم کو کونسی تسلی و راحت ہو جائے گی ، بلکہ چونکہ تمہارا عذاب بھی ہمیشہ لحہ بہ لحہ بڑھتا جائے گا ، اس لئے تمہارا عذاب بھی ان کے دوگنے عذاب ہی جیسا ہو جائے گا ، پس اس حساب سے ( سب ہی کا ) عذاب ( دوگنا ہے ، لیکن ) ابھی ( تم کو ) پوری ( خبر نہیں ) کیونکہ ابھی تو عذاب کی ابتداء ہی ہے ، اس کے بڑھنے کو دیکھا نہیں اس لئے ایسی باتیں بنا رہے ہو جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کے عذاب کے بڑھنے کو اپنے غیظ کی شفا اور باعث تسلی سمجھ رہے ہو ( اور پہلے ) داخل ہونے والے ( لوگ پچھلے ) داخل ہونے والے ( لوگوں سے ) خدا تعالیٰ کے اس جواب سے مطلع ہو کر ( کہیں گے ) کہ جب سب کی سزا کی یہ حالت ہے تو ( پھر تم کو ہم پر ) تخفیف عذاب کے بارے میں ( کوئی فوقیت نہیں ) کیونکہ تخفیف نہ ہمارے لئے ہے نہ تمہارے لئے ( سو تم بھی اپنے کردار ) بد ( کے مقابلہ میں ) بڑھنے والے ( عذاب کا مزہ چکھتے رہو ) یہ حالت تو کفار کی جہنم میں داخلہ کے وقت کی ہوئی اب جنت سے محرومی کی کیفیت سنو کہ ( جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتاتے ہیں اور ان ) کے ماننے ( سے تکبر کرتے ہیں ان ) کی روح کے چڑھنے ( کے لئے ) مرنے کے بعد ( آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے ) یہ حالت تو مرنے کے بعد برزخ میں ہوئی ( اور ) قیامت کے روز ( وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر سے نہ چلا جائے ) اور یہ محال ہے تو ان کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے ۔ ( اور ہم ایسے مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں ) یعنی ہم کو کوئی عداوت نہ تھی بلکہ جیسا کیا ویسا بھگتا ، اور اوپر جو دوزخ میں جانا مذکور ہوا ہے وہ آگ ان کو ہر چہار طرف سے محیط ہوگی کہ کسی طرف سے کچھ راحت نہ ملے ، چنانچہ یہ حال ہوگا کہ ( ان کے لئے آتش دوزخ کا بچھونا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا ، اور ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں ) ۔

اہل جنت کا ذکر

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِىْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ
غِلٍّ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ
هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ
رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۗ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

**ترجمہ**: اور جو لوگ ایمان لائے اور کئے نیک اعمال نہیں ہم تکلیف دیتے کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے بقدر۔ وہی ہیں جنت والے۔ وہ اس میں ہمیشہ کو رہنے والے ہیں۔ اور نکال لیں گے ہم جو کچھ ان کے سینوں میں ہے رنج سے۔ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں اور کہیں گے شکر ہے اللہ کا جس نے پہنچایا ہم کو اس تک۔ اور نہیں تھے ہم کہ پہنچ پاتے اگر نہ پہنچا تا ہم کو اللہ۔ بے شک لائے تھے ہمارے رب کے پیغمبر حق بات کو۔ اور وہ پکارے جائیں گے کہ یہ جنت ہے وارث بنائے گئے ہو تم جس کے، بسبب اس کے جو تم عمل کرتے تھے۔

**تفسیر**: (اور جو لوگ) ہماری آیتوں پر (ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے) اور یہ نیک کام کچھ مشکل نہیں، کیونکہ ہماری عادت ہے کہ (ہم کسی شخص کو اس کی قدرت سے زیادہ کوئی کام نہیں کہتے) یہ جملہ معترضہ تھا غرض (ایسے لوگ جنت) میں جانے (والے ہیں) اور (وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) اور ان کی حالت اہل دوزخ کی سی نہ ہوگی کہ وہاں بھی ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرتے رہیں گے، بلکہ ان کی یہ کیفیت ہوگی کہ (جو کچھ ان کے دلوں میں) کسی معاملہ کی وجہ سے دنیا میں طبعی تقاضے سے (غبار) اور رنج (تھا ہم اس کو) بھی (دور کر دیں گے) اور وہ باہم الفت و محبت سے رہیں گے اور (ان کے) مکانات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ) انتہائی فرح و سرور سے (کہیں گے اللہ تعالیٰ کا) لاکھ لاکھ (شکر ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور ہماری کبھی) یہاں تک (رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتے) اس میں یہ بھی آ گیا کہ یہاں تک پہنچنے کا جو

طریقہ تھا یعنی ایمان اور اعمال اللہ تعالیٰ نے وہ ہم کو بتائے اور ان پر چلنے کی توفیق دی۔ (واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے) چنانچہ انہوں نے جن اعمال پر جنت کا وعدہ کیا تھا وہ سچا ثابت ہوا (اور ان سے پکار کر کہا جائے گا کہ یہ جنت تم کو دی گئی ہے تمہارے اعمال) حسنہ (کے بدلے)۔

**فائدہ**: 1۔ یہ ندا کرنے والا حدیث کے مطابق ایک فرشتہ ہوگا۔

2- بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ سے بظاہر اعمال کا جنت میں داخلہ کے لئے سبب ہونا معلوم ہوتا ہے جب کہ حدیث میں آیا ہے کہ اعمال کے سبب سے کوئی جنت میں نہ جائے گا بلکہ رحمت الٰہی کے سبب سے جائیں گے۔ اصل یہ ہے کہ آیت میں سبب ظاہری مراد ہے اور حدیث میں سبب حقیقی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں وہ بے بہا ہیں اور پھر ان میں سے ہر ہر نعمت اتنی قیمتی ہے کہ اگر انسان اپنے اعمال کو ان کے شکر میں پیش کرے تو مثلاً بینائی جیسی نعمت کے شکر کے لئے تمام اعمال کافی نہ ہوں۔ غرض یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ اعمال کی قدر دانی فرماتے ہیں اور اپنے فضل سے اعمال پر مزید انعام فرماتے ہیں تو جنت میں داخلہ کا سبب حقیقی اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل ہے جب کہ اعمال سبب ظاہری ہیں سبب حقیقی نہیں ہیں۔

**ربط**: اہل جنت و اہل نار کی سزا کی تفصیل کے بعد آگے ان کا وہ باہمی مکالمہ ذکر ہے جو وہ اپنی اپنی جزا و سزا کی جگہ پہنچ کر کریں گے۔ اس مکالمہ میں یہی ذکر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے جو باتیں بتائیں ان کو ہم نے برحق پا لیا۔ اور ان کے ساتھ اہل اعراف کا بھی ذکر ہے جن کی حالت ابتداء میں بین بین ہوگی لیکن پھر جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ
وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ
حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى
الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ
وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ
رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ
اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ
قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ
الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ
عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ
الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْٓا
اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا
وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ
يَوْمِهِمْ هٰذَا وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٥١﴾

**ترجمہ**: اور پکاریں گے جنت والے دوزخ والوں کو کہ پالیا ہے ہم نے (اس کو) جو وعدہ کیا تھا ہم سے ہمارے رب نے سچا، سو کیا پایا تم نے (بھی اس کو) جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے سچا، وہ کہیں گے (کہ) ہاں۔ پھر پکارے گا ایک پکارنے والا ان کے درمیان کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر جو روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور تلاش کرتے تھے اس میں کجی اور وہ آخرت کے منکر تھے۔ اور دونوں کے درمیان ایک آڑ (یعنی دیوار) ہوگی اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے پہچانیں گے ہر ایک کو ان کی نشانی سے اور وہ پکاریں گے جنت والوں کو کہ سلامتی ہے تم پر۔ وہ ابھی داخل نہیں ہوئے جنت میں اور وہ طمع رکھتے ہوں گے۔ اور جب پھیری جائیں گی ان کی نگاہیں جانب دوزخ والوں کے تو کہیں گے اے ہمارے رب مت کر تو ہم کو ظالم لوگوں کے ساتھ۔ اور پکاریں گے اعراف والے (جہنم کے) بہت سے آدمیوں کو پہچانتے ہوں گے ان کو ان کی نشانی سے، کہیں گے نہیں کام آئی تمہارے تمہاری جماعت اور جو تم تکبر کرتے تھے۔ کیا یہ وہی (مسلمان) ہیں جن کے بارے میں تم قسم کھایا کرتے تھے کہ نہیں پہنچے گا ان کو اللہ رحمت کے ساتھ۔ داخل ہو جاؤ جنت میں نہیں ہے

ڈر تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے۔ اور پکاریں گے دوزخ والے جنت والوں کو کہ بہاؤ ہم پر پانی سے یا اس میں سے جو روزی دی تم کو اللہ نے۔ (جنت والے) کہیں گے بلاشبہ اللہ نے حرام کر دیا ان دونوں چیزوں کو کافروں پر جنہوں نے بنا لیا تھا اپنے دین کو تماشا اور کھیل اور دھوکہ میں ڈالا ان کو دنیوی زندگی نے۔ سو آج ہم بھلا دیں گے ان کو جس طرح بھلائے رکھا انہوں نے اپنے اس دن کے ملنے کو اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

**تفسیر**: (اور) جب اہل جنت جنت میں جا پہنچیں گے اس وقت وہ (اہل جنت اہل دوزخ کو) اپنی حالت پر خوشی ظاہر کرنے کو اور ان کی حسرت بڑھانے کو (پکاریں گے کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا) کہ ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے سے جنت دیں گے (ہم نے تو اس کو واقع کے مطابق پایا سو) تم بتاؤ کہ (تم سے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا) کہ کفر کے سبب دوزخ میں پڑو گے (تم نے بھی اس کو مطابق واقع کے پایا) یعنی اب تو اللہ اور رسولؐ کے صدق اور اپنی گمراہی کی حقیقت معلوم ہوگئی (وہ) اہل دوزخ جواب میں (کہیں گے ہاں) واقعی سب باتیں اللہ اور رسولؐ کی ٹھیک نکلیں (پھر) ان دوزخیوں کی حسرت اور جنتیوں کی مسرت بڑھانے کو (ایک پکارنے والا) یعنی کوئی فرشتہ (دونوں) فریق (کے درمیان میں) کھڑا ہو کر (پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مار ہو ان ظالموں پر جو اللہ کی راہ) یعنی دین حق (سے اعراض کیا کرتے تھے اور اس) دین حق (میں) ہمیشہ بزعم خود (کجی) کی باتیں (تلاش کرتے رہتے تھے) کہ اس میں عیب اور اعتراض پیدا کریں (اور وہ لوگ) اس کے ساتھ (آخرت کے بھی منکر تھے) جس کا نتیجہ آج بھگت رہے ہیں، یہ کلام تو اہل جنت کا اور ان کی تائید میں اس سرکاری منادی کا مذکور ہوا۔ آگے اعراف والوں کا ذکر ہے (اور ان دونوں) فریق یعنی اہل جنت اور اہل دوزخ (کے درمیان ایک آڑ) یعنی دیوار (ہوگی) جس کا ذکر سورہ حدید میں ہے: فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ الخ اس کا خاصہ یہ ہوگا کہ جنت کا اثر دوزخ تک اور دوزخ کا اثر جنت تک نہ جانے دے گی۔ رہی یہ بات کہ پھر ان جنت اور دوزخ والوں کے مابین گفتگو کیونکر ہوگی، سو ممکن ہے کہ اس دیوار میں جو دروازہ ہوگا، جیسا سورہ حدید میں ہے بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ، اس دروازہ میں سے یہ گفتگو ہو جائے یا کسی آلہ کے ذریعہ سے یا ویسے ہی آواز پہنچ جائے (اور) اس دیوار کا یا اس کے بالائی حصہ کا نام اعراف ہے، اور اس پر سے جنتی اور دوزخی سب نظر آئیں گے سو (اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے) جن کی نیکیاں اور برائیاں میزان میں برابر وزن کی ہوں گی۔ (وہ لوگ) اہل جنت اور اہل دوزخ میں سے (ہر ایک کو) جنت اور دوزخ کے اندر ہونے علاوہ مزید (ان کی علامت سے) بھی (پہچانیں گے) علامت یہ کہ اہل جنت کے چہروں پر نورانیت اور اہل دوزخ کے

چہروں پر ظلمت اور کدورت ہوگی، جیسا دوسری آیت میں ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ الخ یعنی اس دن کچھ چہرے روشن اور ہنستے ہوئے ہوں گے (اور یہ) اہل اعراف اہل جنت کو پکار کر کہیں گے السلام علیکم، ابھی یہ (اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے، اور اس کے امیدوار ہوں گے) چنانچہ حدیثوں میں آیا ہے کہ ان کی امید پوری کر دی جائے گی اور جنت میں جانے کا حکم ہو جائے گا (اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف جا پڑیں گی) اس وقت ہول کھا کر (کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ) عذاب میں (شامل نہ کیجئے۔ اور) جیسے ان اہل اعراف نے اوپر اہل جنت سے سلام و کلام کیا اسی طرح (اہل اعراف) دوزخیوں میں سے (بہت سے آدمیوں کو) جو کہ کافر ہوں گے اور (جن کو کہ ان کی علامت) یعنی چہرہ کی ظلمت و کدورت (سے پہچانیں گے) کہ یہ کافر ہیں (پکاریں گے) اور (کہیں گے کہ تمہاری جماعت) تمہارے کچھ کام نہ آئی (اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا) اور انبیاء کا اتباع نہ کرنا بھی (تمہارے کچھ کام نہ آیا) اور تم اسی تکبر کی وجہ سے مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر یہ بھی کہا کرتے تھے کہ یہ فضل و کرم کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں جیسا اهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا یعنی کیا یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان کیا اس سے بھی یہ مضمون مفہوم ہوتا ہے، تو ان مسلمانوں کو اب تو دیکھو (کیا یہ) جو جنت میں عیش کر رہے ہیں (وہی) مسلمان (ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نہ کرے گا) ان پر تو اتنی بڑی رحمت ہوئی کہ (ان کو یہ حکم ہو گیا کہ جاؤ جنت میں) جہاں (تم پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ تم مغموم ہو گے)۔

(اور) جس طرح اوپر جنت والوں نے دوزخ والوں سے گفتگو کی اسی طرح (دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ) ہم بھوک اور پیاس اور گرمی کے مارے بے دم ہوئے جاتے ہیں (خدا کے واسطے ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو) شاید کچھ تسکین ہو جائے (یا اور وہی کچھ دیدو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھا ہے) اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو یہ توقع اور امید ہوگی کہ ان کو اس میں سے کچھ مل ہی جائے گا کیونکہ انتہائی اضطراب میں توقع سے بعید باتیں بھی منہ سے نکلا کرتی ہیں۔ (جنت والے) جواب میں (کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی) یعنی جنت کے کھانے اور پینے کی (کافروں کے لئے بندش کر رکھی ہے جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو) جس کا قبول کرنا ان کے ذمہ واجب تھا (تماشہ اور کھیل بنا رکھا تھا اور جن کو دنیوی زندگانی نے دھوکہ) اور غفلت (میں ڈال رکھا تھا) اس لئے دین کی کچھ پرواہ ہی نہ کی، اور یہ تو دار الجزاء ہے، جب دین نہیں اس کا ثمرہ کہاں، آگے حق تعالیٰ اہل جنت کے اس جواب کی تصدیق و تائید میں فرماتے ہیں (سو) جب ان کی دنیا میں یہ

حالت تھی تو (ہم بھی آج) قیامت (کے روز ان کا نام نہ لیں گے) اور کھانا پینا کچھ نہ دیں گے (جیسا انہوں نے اس) عظیم الشان (دن کا نام تک نہ لیا، اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے)۔

**ربط**: سزا و جزا کے تفصیلی بیان اور دیگر قرآنی مضامین کا مقتضا تو یہ ہے کہ کفر و مخالفت سے باز آ جائیں جیسا کہ اہل ایمان اس سعادت کو حاصل کرتے ہیں لیکن کفار و معاندین کی قساوت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ یہ سزا سے پہلے نہ مانیں گے لیکن اس وقت ماننا کچھ فائدہ نہ دے گا۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ

بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ

نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ

شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ

قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

**ترجمہ**: اور لائے ہیں ہم ان کے پاس ایسی کتاب مفصل بیان کیا ہم نے جس کو (اپنے کامل) علم سے اس حال میں کہ وہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ نہیں یہ انتظار کرتے مگر اس (کتاب) کے (ذکر کئے ہوئے) انجام کا۔ جس دن آئے گا اس کا انجام کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے بھلایا ہوا تھا اس کو پہلے سے بے شک لائے تھے ہمارے رب کے پیغمبر سچی بات۔ تو (اب) کیا ہمارے لئے کوئی سفارشی ہیں کہ سفارش کریں ہمارے لئے یا ہم لوٹا دیئے جائیں تو ہم عمل کریں برخلاف اس کے جو ہم عمل کیا کرتے تھے۔ بے شک ان لوگوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو اور گم ہو گیا ان سے جو کچھ وہ افتراء کیا کرتے تھے۔

**تفسیر**: (اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی ہے) یعنی قرآن (جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت ہی واضح واضح کر کے بیان کر دیا ہے) اور یہ بیان سب کے سنانے کو کیا ہے لیکن (ذریعہ ہدایت اور رحمت ان) ہی (لوگوں کے لئے) ہوا (ہے جو) اس کو سن کر (ایمان لے آتے ہیں) اور جو لوگ اتمام حجت کے باوجود ایمان نہیں لاتے، ان کی حالت سے ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ (ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس) قرآن (کے) بتلائے ہوئے (اخیر نتیجہ) یعنی وعدہ سزا (کا انتظار ہے) یعنی عذاب سے پہلے وعید سے نہیں ڈرتے تو خود عذاب کا وقوع چاہتے ہوں گے سو (جس روز اس کا) بتایا ہوا (اخیر نتیجہ پیش آئے گا) جس کی تفصیل دوزخ وغیرہ کی اوپر مذکور ہوئی (اس روز جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے) مضطر ہو کر (یوں کہنے لگیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر) دنیا میں (سچی سچی باتیں لائے تھے) مگر ہم سے حماقت ہوئی سو اب کیا (کوئی ہمارے سفارشی ہیں کہ وہ ہماری سفارش کر دیں یا کیا ہم پھر) دنیا میں (واپس بھیجے جا سکتے ہیں تا کہ ہم لوگ) پھر دنیا میں جا کر (ان اعمال) بد (کے برخلاف جن کو ہم کیا کرتے تھے دوسرے) نیک (اعمال کریں)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب نجات کی کوئی صورت نہیں (بے شک ان لوگوں نے اپنے کو) کفر کے (خسارہ میں ڈال دیا اور یہ جو باتیں تراشتے تھے) اس وقت (سب گم ہو گئیں) اب سوائے سزا کے اور کچھ نہ ہو گا۔

**ربط**: اوپر جزا و سزا کے اعتبار سے آخرت کا ذکر ہوا۔ مشرکین تو معاد کو مستبعد سمجھتے تھے اس کو رد کرنے کے لئے آگے اللہ تعالیٰ اپنی کامل قدرت اور تصرف کا بیان فرماتے ہیں جس کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے ذکر سے شروع کیا اور بارش کے ذکر پر ختم کیا جس کا اثر مردہ زمین کا زندہ ہونا ہے۔ پھر کذلک نخرج الموتی سے اصل مقصود یعنی معاد کو ذکر کیا۔ کامل قدرت و تصرف کی مناسبت سے توحید کا مضمون بھی بیان فرمایا:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ
وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ
الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٥٤ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ
خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝٥٥ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ
بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ
قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝٥٦ وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ
بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ

لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾

**ترجمہ**: بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین چھ دنوں میں پھر قائم ہوا عرش پر۔ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن پر (بایں طور کہ) رات طلب کرتی ہے دن کو جلدی سے اور (پیدا کئے) سورج اور چاند اور ستارے اس حال میں کہ یہ سب تابع ہیں اس کے حکم کے۔ آگاہ ہو جاؤ اسی کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا، بابرکت ہے اللہ پروردگار تمام جہانوں کا۔ پکارو اپنے رب کو عاجزی سے اور چپکے چپکے، بے شک وہ نہیں پسند کرتا حد سے نکلنے والوں کو۔ اور مت فساد پھیلاؤ زمین میں اس کی اصلاح کے بعد اور پکارو اس کو ڈر اور امید کرتے ہوئے۔ بے شک اللہ کی رحمت قریب ہے نیک کام کرنے والوں سے۔ اور وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو بشارت دینے والی پیشتر اپنی رحمت (باران) سے۔ یہاں تک کہ جب اٹھا لیتی ہیں (وہ ہوائیں) بھاری بادلوں کو تو ہانک دیتے ہیں ہم اس (بادل) کو خشک زمین کی طرف پھر اتارتے ہیں ہم اس (بادل) سے پانی کو پھر نکالتے ہیں ہم اس (پانی) سے ہر قسم کے پھل۔ اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تاکہ تم سمجھو۔ اور ستھری زمین (جو ہوتی ہے) نکلتی ہے اس کی پیداوار اس کے رب کے حکم سے۔ اور جو (زمین) خراب ہوئی نہیں نکلتی (اس کی پیداوار) مگر ناقص۔ اسی طرح ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں دلائل کو ان لوگوں کے لئے جو قدر کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز) کے برابر وقت (میں پیدا کیا) اور جیسا کہ قرآن پاک میں ہے وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ یعنی تمہارے ہزار برس اس کے یہاں کے ایک دن کے برابر ہیں۔ لہٰذا چھ ہزار سال کے برابر وقت مراد ہے۔ یعنی پہلے ان کا مادہ پیدا کیا پھر اس کی استعداد کے مطابق بتدریج مختلف صورتوں میں منتقل کیا یہاں تک کہ چھ ہزار سال میں جا کر آسمان اور زمین اپنے تمام متعلقات سمیت موجودہ شکل میں موجود ہوئے۔ (پھر عرش پر) جو سلطنت کے تخت کے مشابہ ہے اس طرح (قائم) اور جلوہ فرما

(ہوا) جو کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ جس کی ممکنہ صورت یہ ہے کہ عرش پر اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص تجلی قائم ہوئی ہے اور اسی کے ذریعہ سے امور عالم کی تدبیر کی جاتی ہے۔ اس صفت الٰہی کو سننے سے دل میں اللہ تعالیٰ کی دو شانیں متحضر ہو جاتی ہیں ایک رفعت و بلندی دوسری احکام شاہی کا صادر ہونا کیونکہ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہونے کے لئے یہ دو باتیں ضروری ہیں۔ چنانچہ دوسری شان کا ذکر آگے بھی ہے کہ (چھپا دیتا ہے شب) کی تاریکی (سے دن) کی روشنی (کو) یعنی شب کی تاریکی سے دن کی روشنی پوشیدہ اور زائل ہو جاتی ہے (ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے) یعنی دن آنا فانا گزرتا معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ رات دفعۃً آ جاتی ہے (اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب) اپنی رفتار اور روشنی اور دیگر آثار میں (اس کے حکم) تکوینی (کے تابع ہیں) کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان میں تصرف کرنا چاہیں کرتے ہیں (یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خلق) یعنی پیدا کرنا (اور) پیدا کرنے کے بعد (امر کرنا) یعنی تکوینی یا تشریعی احکام دینا۔ یہ دونوں انہی کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ اس طرح (بڑی برکتوں) اور خوبیوں (والے ہوئے اللہ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں) اور جب پروردگار میں ایسی خوبیاں ہیں تو (تم لوگ) ہر حالت میں اور ہر حاجت میں (اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی)۔ البتہ یہ بات (واقعی) ہے کہ (اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں جو) دعا میں (حد) ادب (سے نکل جائیں) اور محال عقلی طلب کریں مثلاً یہ دعا کریں کہ ایک ہی وقت میں بارش بھی ہو اور موسم خشک بھی رہے یا محال شرعی طلب کریں مثلاً یہ کہ آپ اس دنیا میں مجھے اپنے آپ کو دکھائیں یا حرام شرعی طلب کریں مثلاً یہ کہ میرے لئے چوری کرنے کو آسان کر دیں یا جو عام عادت کے اعتبار سے مستبعد ہے مثلاً یہ کہ مجھے ایک ہزار سال کی زندگی دے دیجئے یا جو محض تکلف ہو مثلاً یہ کہ جنت فردوس کی طلب کے بعد یہ طلب کرنا کہ اس کی داہنی جانب سفید رنگ کا محل ملے وغیرہ (اور دنیا میں اس کے بعد کہ) توحید کی تعلیم اور بعثت انبیاء کے ذریعہ (اس کی اصلاح اور درستی کر دی گئی ہے، فساد مت پھیلاؤ) یعنی امور حقہ توحید وغیرہ کے ماننے اور ان پر چلنے سے عالم میں امن قائم ہوتا ہے تم ان کو چھوڑ کر نقض امن مت کرو (اور) جیسا تم کو اوپر خاص دعا کرنے کا حکم ہوا ہے اسی طرح بقیہ عبادات کا حکم کیا جاتا ہے کہ (تم اللہ تعالیٰ کی عبادت) جس طریق سے تم کو بتایا ہے (کیا کرو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے) یعنی عبادت کر کے نہ تو ناز ہو اور نہ مایوسی ہو۔ آگے عبادت کی ترغیب ہے کہ (بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے)۔

(اور وہ) اللہ (ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ) بارش کی امید دلا کر دل کو (خوش کر دیتی ہیں یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی خشک زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں، پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں) جس سے اللہ تعالیٰ کی توحید بھی ثابت ہوتی ہے اور مردوں کو زندہ کرنے پر قدرت بھی ثابت ہوتی ہے، اس لئے فرمایا (یوں ہی) قیامت کے روز (ہم مردوں کو) زمین سے (نکال کھڑا کریں گے) یہ سب اس لئے سنایا (تاکہ تم سمجھو)۔ اور قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اگرچہ سب کے لئے عام ہے مگر اس سے فائدہ اٹھانے والے کم لوگ ہوتے ہیں۔ اس کی مثال اسی بارش سے سمجھ لو کہ بارش تو ہر زمین پر برستی ہے، مگر کھیتی اور درخت ہر جگہ نہیں پیدا ہوتے صرف ان زمینوں میں پیدا ہوتے ہیں جن میں صلاحیت ہے، اسی لئے فرمایا کہ (جو زمین ستھری ہوتی ہے اس کی پیداوار تو خدا کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس کی پیداوار) اگر نکلی بھی تو (بہت کم نکلتی ہے اسی طرح ہم) ہمیشہ (دلائل کو طرح طرح سے بیان کرتے رہتے ہیں) مگر وہ سب (انہی لوگوں کے لئے) نافع ہوتے ہیں (جو) ان کی (قدر کرتے ہیں) اور ان کو اپنی فلاح کی چیز سمجھ کر ان میں غور کرتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔

## فائدہ: 1- اللہ تعالیٰ کی تجلیات

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت کے دو اہم طریقے ہیں:

i- رسولوں کے ذریعہ۔

ii- تجلیات کے ذریعہ۔

## تجلی کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کسی شے کو اپنی ذات کا عنوان اور اپنی معرفت کا اور اپنے احکام دینے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اس وقت اس شے کی اپنی مستقل حیثیت ختم ہو جاتی ہے یعنی بالکل نظر انداز کر دی جاتی ہے اس لئے جب اس حالت میں اس شے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تو اس سے خود وہ شے مقصود نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقصود ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شے خود خدا بن جاتی ہے یا خدا اس میں حلول کر جاتا ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھو۔ فرض کرو کہ بڑے جاہ وجلال والا ایک بادشاہ ہے جس تک ہر کسی کی رسائی نہیں ہے۔ اس بادشاہ نے ایک پبلک مقام میں ایک بڑا ٹیلی ویژن نصب کرا دیا اور اعلان کرا دیا

کہ میری رعایا فلاں وقت اس ٹیلی ویژن کے گرد جمع ہو جایا کرے اور اس وقت ٹیلی ویژن پر ان کو جو حکم دیا جائے اس پر عمل کو واجب سمجھے اور جس بات سے روکا جائے اس سے رک جائے۔ اس اعلان کے بعد بادشاہ اپنی منتظمہ کے افراد کو کہتا ہے کہ وہ اس مقام پر باادب حاضر ہوں اور ٹیلی ویژن پر وہ ان کو جو حکم دے وہ ان کو بجالائیں۔ پھر مقرر وقت پر بادشاہ اپنا شاہی تاج پہن کر تخت پر بیٹھتا ہے اور ٹیلی ویژن براہ راست چلا دیا جاتا ہے۔ اب سکرین پر بادشاہ کی تصویر اور عکس آتا ہے۔ بادشاہ کسی کو قریب کرنے اور کسی کو دور کرنے کا حکم دیتا ہے، کسی کو انعام دینے اور کسی کو سزا دینے کا حکم دیتا ہے۔

اس مثال میں ٹی وی پر سکرین پر جو صورت نظر آتی ہے یہی اس بادشاہ کی تجلی ہے۔ مادی اعتبار سے بادشاہ اور ہے اور اس کا عکس اور ہے لیکن ظاہری صورت کے اعتبار سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ بادشاہ ہی نے ان کو حکم دیا ہے اور سکرین پر عکس وتصویر ہونے کی مستقل حیثیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس کی طرف اشارہ سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ بعینہ بادشاہ کی طرف اشارہ ہے۔

اب اہم بات یہ ہے کہ جب تجلی سے مقصود تجلی کرنے والی ذات ہوتی ہے اور اسی کی طرف مکمل توجہ مطلوب ہوتی ہے اور تجلی والی شے کی اپنی ذاتی حیثیت معدوم ہو جاتی ہے تو ذات تجلی کے ذریعہ جن باتوں کا اظہار چاہتی ہے اور ان کو نمایاں کرنے کا ارادہ کرتی ہے ان کی نسبت ذات ہی کی طرف کرنا مناسب ہے مثلاً جب اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص تجلی عرش پر قائم ہوئی ہے تو یہی کہنا حقیقت اور مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہوئے۔

2- آسمان وزمین کی تدریجی تخلیق اللہ تعالیٰ کی شان کُنْ فَیَکُوْنُ کے منافی نہیں کیونکہ کُنْ فَیَکُوْنُ کا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو وجود کے جس درجہ میں لانا چاہے اس کا ارادہ ہوتے ہی وہ اس درجہ میں آجاتی ہے یہ مطلب نہیں کہ خدا کسی چیز کو وجود کے مختلف مدارج سے گزارنے کا ارادہ نہیں کرتا اور ہر شے کو اسباب وعلل کے واسطوں کے بغیر ہی یکا یک پیدا کر دیتا ہے۔

**ربط**: حق کی اطاعت پر ترغیب وترہیب کے تفصیلی مضمون کے بعد اب کچھ واقعاتی شہادتیں ذکر کرتے ہیں کہ قوموں کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے رسول آئے لیکن ان قوموں نے ان رسولوں کو اور ان کی تعلیمات کو جھٹلایا تو بالآخر ان کو دنیا میں بھی عذاب نے پکڑا اور آخرت میں بھی وہ جہنم میں جائیں گے۔

## حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ایک طویل زمانہ ایسا گزرا کہ ساری اولاد آدم کلمہ توحید پر قائم

تھی۔ بت پرستی کی ابتداء یوں ہوئی کہ بعض بزرگوں کا انتقال ہو گیا جن کے نام ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔ لوگوں نے ان کی تصویریں بنا لیں تا کہ ان کے حالات اور عبادت وغیرہ کی یاد تازہ رہے۔ کچھ مدت کے بعد ان صورتوں کے موافق مجسمے بنا لئے حتیٰ کہ کچھ عرصہ کے بعد ان کی عبادت ہونے لگی۔ جب بت پرستی کی وبا پھیل گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع

**ترجمہ:** بے شک بھیجا ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف پس کہا (نوح نے) اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی۔ نہیں ہے تمہارے لئے کوئی مستحق عبادت اس کے سوا۔ بے شک میں خوف کرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا۔ بولے سردار اس کی قوم کے بے شک ہم دیکھتے ہیں تجھ کو کھلی گمراہی میں۔ کہا اے میری قوم نہیں مجھ میں کوئی گمراہی ولیکن میں بھیجا ہوا ہوں رب العالمین کی جانب سے۔ میں پہنچاتا ہوں تم کو پیغامات اپنے رب کے اور میں خیر خواہی کرتا ہوں تمہارے لئے اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے ہو۔ کیا تم نے تعجب کیا (اس پر) کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک مرد پر تم میں سے تا کہ وہ ڈرائے تم کو اور تا کہ تم ڈرو اور تا کہ تم رحم کئے جاؤ۔ پھر جھٹلایا انہوں نے اس کو پس بچا لیا ہم نے اس کو اور ان کو جو تھے اس کے ساتھ کشتی میں اور غرق کر دیا ہم نے

ان لوگوں کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ بے شک وہ تھے لوگ اندھے۔

**تفسیر**: (ہم نے نوح) علیہ السلام (کو) پیغمبر بنا کر (ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے) اس قوم سے (فرمایا کہ اے میری قوم تم) صرف (اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود) ہونے کے قابل (نہیں) اور بتوں کی پرستش چھوڑ دو۔ ان بتوں کے نام سورہ نوح میں مذکور ہیں یعنی وَدّ اور سُواع اور یغُوث اور یعُوق اور نَسْر (مجھ کو تم پر) میرا کہنا نہ ماننے کی صورت میں (ایک بڑے) سخت (دن کے عذاب کا اندیشہ ہے) کہ وہ یوم قیامت ہے یا دنیا میں عذاب کا دن ہے۔ (ان کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تم کو صریح غلطی) وگمراہی (میں) مبتلا (دیکھتے ہیں) کہ ہمارے ان معبودوں کو یکسر نظر انداز کر کے توحید کی تعلیم کر رہے ہو اور عذاب کا محض فرضی ڈراوا دے رہے ہو۔ (انہوں نے) جواب میں (فرمایا کہ اے میری قوم مجھ میں تو ذرا بھی غلطی نہیں لیکن) چونکہ (میں پروردگار عالم کا) بھیجا ہوا (رسول ہوں) انہوں نے مجھ کو توحید پہنچانے کا حکم کیا ہے اس لئے اپنا منصبی کام کرتا ہوں کہ (تم کو اپنے پروردگار کے پیغام) اور احکام (پہنچاتا ہوں) اور اس پہنچانے میں میری کوئی دنیوی غرض نہیں بلکہ محض (تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں) کیونکہ توحید میں تمہارا ہی نفع ہے۔ (اور) یوم عظیم کے عذاب سے جو تم کو تعجب ہوتا ہے تو تمہاری غلطی ہے کیونکہ (میں خدا کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں) تو اللہ تعالی نے مجھ کو بتا دیا ہے کہ ایمان نہ لانے سے عذاب یوم عظیم واقع ہوگا (اور) تم کو جو میرے رسول ہونے پر میرے بشر ہونے کی وجہ سے انکار ہے جیسا سورہ مؤمنون میں تصریح ہے مَاهٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً الخ یعنی یہ نہیں ہے مگر تم جیسا بشر، چاہتا ہے کہ فضیلت حاصل کرے تم پر اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتوں کو نازل کر دیتا۔ تو (کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا) بشر (ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی) وہ نصیحت کی بات یہ ہے کہ جو مذکور ہوئی یعنی يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ سے اِنِّیْٓ اَخَافُ (تا کہ وہ شخص تم کو) بحکم خداوندی عذاب سے (ڈرائے اور تا کہ تم) اس کے ڈرانے سے (ڈر جاؤ اور تا کہ) ڈرنے کی وجہ سے مخالفت چھوڑ دو جس سے (تم پر رحم کیا جائے سو) باوجود اس تمام تر فہمائش کے (وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح) علیہ السلام (کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے) طوفان کے عذاب سے (بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے) طوفان میں (غرق کر دیا بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے) حق و باطل، نفع نقصان کچھ نہ سوجھتا تھا۔

**فائدہ**: 1۔ کشتی کا قصہ سورہ ہود میں آئے گا اور طوفان میں اہل کشتی کے علاوہ باقی سب کا

غرق ہو جانا سورہ نوح میں مذکور ہے۔

2۔ ایک قصہ کے مختلف الفاظ سے قرآن میں مذکور ہونے کی تحقیق و توجیہ اسی سورت کے دوسرے رکوع میں گزر چکی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انبیاء سے سب اقوال صادر ہوئے ہوں اور قوم میں سے کسی نے کچھ کہا ہو کسی نے کچھ کہا ہو یا مختلف مجالس میں گفتگو ہوئی ہو۔

**حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم عاد کا قصہ**

عاد اصل میں ایک شخص کا نام ہے جو نوح علیہ السلام کی پانچویں نسل اور ان کے بیٹے سام کی اولاد میں ہے۔ پھر اس شخص کی اولاد اور پوری قوم عاد کے نام سے مشہور ہو گئی۔ قرآن کریم میں عاد کی ساتھ کہیں لفظ عاد اولیٰ اور کہیں اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد کو ارم بھی کہا جاتا ہے۔ اور عاد اولیٰ کے مقابلہ میں کوئی عاد ثانیہ بھی ہے، اس کی تحقیق میں زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ عاد کے دادا کا نام اِرَم ہے اس کے ایک بیٹے یعنی عوص کا بیٹا عاد اول ہے اور ارم کے دوسرے بیٹے جثو کا بیٹا ثمود ہے یہ عاد ثانی کہلاتا ہے۔ عاد اول کی اولاد عاد اولیٰ بھی کہلاتی ہے اور ثمود یعنی عاد ثانی کی اولاد ثمود اور عاد ثانیہ کہلاتی ہے۔

قوم عاد جو یمن میں رہتی تھی اس میں بت پرستی پھیل گئی تھی۔ روزی دینے، بارش برسانے، تندرست کرنے اور مختلف حاجتوں کے لئے الگ الگ دیوتا بنا رکھے تھے جن کی پرستش کرتے تھے۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ

هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝٦٥ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ

فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٦٦ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ

بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٦٧ اُبَلِّغُكُمْ

رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝٦٨ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ

ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا

اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ

بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٦٩ قَالُوْۤا

أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ
فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ
عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ
سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ
فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿٧١﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ
مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٧٢﴾ ع

**ترجمہ**: اور (بھیجا ہم نے قوم) عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو۔ کہا (ہود نے) اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی مستحق عبادت اس کے سوا۔ کیا پس تم ڈرتے نہیں ہو۔ بولے سردار جو کافر تھے ان کی قوم سے بے شک ہم دیکھتے ہیں تجھ کو کم عقلی میں اور بلاشبہ ہم گمان کرتے ہیں تجھ کو جھوٹوں میں سے۔ کہا (ہود نے) اے میری قوم نہیں ہے مجھ میں کم عقلی ولیکن میں بھیجا ہوا ہوں رب العالمین کی طرف سے۔ میں پہنچاتا ہوں تم کو پیغامات اپنے رب کے اور میں ہوں تمہارا خیر خواہ امانتدار۔ کیا تم نے تعجب کیا (اس پر) کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی جانب سے ایک مرد پر تم میں سے تاکہ وہ ڈرائے تم کو۔ اور یاد کرو جب (اللہ نے) بنایا تم کو نائب قوم نوح کے بعد اور زیادہ کیا تم کو (بدن کی) بناوٹ میں پھیلاؤ کے طور پر۔ سو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو تاکہ تم کامیابی پاؤ۔ (سردار) بولے کیا تو آیا ہمارے پاس تاکہ ہم عبادت کریں اللہ کی اکیلے کی اور ہم چھوڑ دیں جن کو پوجتے تھے ہمارے باپ دادے۔ پس تو لے آ ہمارے پاس وہ چیز دھمکی دیتا ہے تو ہم کو (جس کی) اگر تو ہے سچوں میں سے۔ کہا (ہود نے) واقع ہو چکا ہے تم پر تمہارے رب کی جانب سے عذاب اور غضب۔ کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے ان ناموں کے بارے میں رکھ لیا ہے جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی دلیل۔ سو انتظار کرو بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ پس بچا لیا ہم نے اس کو (یعنی ہود کو) اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے رحمت کے ساتھ اپنی جانب سے اور کاٹ دی ہم نے جڑ ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور نہیں تھے وہ ماننے والے۔

**تفسیر**: (اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے) برادری یا وطن کے (بھائی) حضرت (ہود) علیہ السلام (کو) پیغمبر بنا کر (بھیجا انہوں نے) اپنی قوم سے (فرمایا اے میری قوم تم) صرف (اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود) ہونے کے قابل (نہیں) اور بت پرستی چھوڑ دو جیسا آگے ونذر ما کان یعبُدُ اباۤءُ نا سے معلوم ہوتا ہے (سو کیا تم) ایسے بڑے جرم عظیم یعنی شرک کے مرتکب ہو کر عذاب الٰہی سے (نہیں ڈرتے ان کی قوم میں جو سردار کافر تھے انہوں نے) جواب میں (کہا کہ ہم تم کو کم عقلی میں) مبتلا (دیکھتے ہیں) کہ توحید کی تعلیم کر رہے ہو اور عذاب سے ڈرا رہے ہو (اور ہم بیشک تم کو جھوٹے لوگوں میں سے سمجھتے ہیں) یعنی نعوذ باللہ نہ تو توحید کی بات صحیح ہے اور نہ عذاب کا آنا صحیح ہے (انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ میں ذرا بھی کم عقلی نہیں لیکن) چونکہ (میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں) انہوں نے مجھ کو توحید کی تعلیم دینے اور عذاب سے ڈرانے کا حکم کیا ہے اس لئے اپنا منصبی کام کرتا ہوں کہ (تم کو اپنے پروردگار کے پیغام) اور احکام (پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ امانت دار ہوں) کیونکہ توحید و ایمان میں تمہارا ہی نفع ہے (اور) تم جو میرے بشر ہونے کی وجہ سے میری نبوت کا انکار کرتے ہو جیسا سورہ ابراہیم میں قوم نوح و عاد و ثمود کے ذکر کے بعد ہے قالوۤا اِن انتُم الّا بشرٌ مّثلُنا یعنی تم تو محض ہماری طرح کے بشر ہو تو (کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا) بشر (ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی) وہ نصیحت کی بات وہی ہے جو مذکور ہوئی یعنی یٰقوم اعبُدُوا اللّٰہَ سے اَفَلا تَتَّقُوْنَ تک (تا کہ وہ شخص تم کو) عذاب الٰہی سے (ڈرائے) یعنی یہ تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ بشریت و نبوت آپس میں ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ اوپر افلا تتّقُوْنَ میں ڈراوا تھا آگے ترغیب ہے۔ (اور) اے قوم (تم یہ حالت یاد کرو) اور یاد کر کے احسان مانو اور اطاعت کرو (کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو قوم نوح کے بعد) روئے زمین پر (آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تم کو پھیلاؤ) بھی (زیادہ دیا سو خدا تعالیٰ کی) ان (نعمتوں کو یاد کرو) اور یاد کر کے احسان مانو اور اطاعت کرو (تا کہ تم کو) ہر طرح کی (فلاح ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا) خوب (آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے ہوں گے کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کیا کریں اور جن) بتوں (کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ہم ان) کی عبادت (کو چھوڑ دیں) یعنی ہم ایسا نہ کریں گے (اور ہم کو) نہ ماننے پر (جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو تو اس) عذاب (کو ہمارے پاس منگوا دو اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ) تمہاری سرکشی کی جب یہ حالت ہے تو (بس اب تم پر خدا کی طرف سے عذاب اور غضب آیا ہی چاہتا ہے) پس عذاب کے شبہ

کا جواب تو اس وقت معلوم ہو جائے گا۔ اور باقی توحید پر جو شبہ ہے کہ ان بتوں کو معبود کہتے ہو جن کا نام تو تم نے معبود رکھ لیا ہے، لیکن واقع میں ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے تو (کیا تم مجھ سے ایسے) بے حقیقت (ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو) یعنی وہ تو بس نام ہی نام ہیں (جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے) آپ ہی (ٹھہرالیا ہے) لیکن (ان کے معبود ہونے کی خدا تعالیٰ نے کوئی) نقلی یا عقلی (دلیل نہیں بھیجی)۔ یعنی جھگڑے میں مدعی کے ذمہ دلیل ہوتی ہے اور مقابل کی دلیل کا جواب بھی، سو تم نہ تو دلیل قائم کر سکتے ہو نہ میری دلیل کا جواب دے سکتے ہو پھر جھگڑے کا کیا معنی۔ (سو تم) اب جھگڑا ختم کرو اور عذاب الٰہی کے (منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ غرض) عذاب آیا اور (ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو) یعنی مومنین کو (اپنی رحمت) و کرم (سے) اس عذاب سے (بچالیا اور ان لوگوں کی جڑ تک کاٹ دی) یعنی بالکل ہلاک کر دیا (جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ) انتہائی قساوت قلبی کی وجہ سے (ایمان لانے والے نہ تھے) یعنی اگر ہلاک بھی نہ ہوتے جب بھی ایمان نہ لاتے اس لئے ہم نے اس وقت کی حکمت کے تقاضے سے ان کا خاتمہ ہی کر دیا۔

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا قصہ

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ
مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ
نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا
بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ
مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا
قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا
فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن
قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ
أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٧٥﴾

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾
فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا
بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ
لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

**ترجمہ**: اور (بھیجا ہم نے) ثمود کی طرف انکے بھائی صالح کو۔ کہا (صالح نے) اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی مستحق عبادت اس کے سوا۔ آ چکی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔ یہ اللہ کی اونٹنی ہے (ظاہر کی گئی ہے) تمہارے لئے نشانی کے طور پر سو تم چھوڑ دو اس کو کہ کھاتی رہے اللہ کی زمین میں اور مت ہاتھ لگاؤ اس کو برائی کے ساتھ کہ (کہیں) پکڑے تم کو عذاب دردناک۔ اور یاد کرو جب (اللہ نے) بنایا تم کو نائب (قوم) عاد کے بعد اور ٹھکانا دیا تم کو زمین میں تم بناتے ہو اس کے نرم حصہ میں محل اور تراش کر بناتے ہو پہاڑوں کو گھر پس یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور مت فساد کرو زمین میں فسادی ہو کر۔ کہا سرداروں نے کہ جنہوں نے تکبر کیا ان کی قوم میں سے ان لوگوں سے جو کمزور (اور غریب) ہوئے (یعنی) ان کو جو ایمان لے آئے تھے ان (کی قوم) میں سے کیا تم (یقین کے ساتھ) جانتے ہو کہ صالح بھیجا ہوا ہے اپنے رب کی طرف سے۔ انہوں نے (جواب میں) کہا بے شک ہم اس بات پر جو وہ دے کر بھیجا گیا ہے ایمان رکھنے والے ہیں۔ کہا ان لوگوں نے جنہوں نے تکبر کیا بے شک ہم اس بات کے ایمان لائے ہو تم جس پر منکر ہیں۔ پھر کاٹ ڈالا انہوں نے اونٹنی کو اور سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور کہا اے صالح لے آ تو ہمارے پاس جس کی تو دھمکی دیتا ہے ہم کو اگر تو ہے رسولوں میں سے۔ پس پکڑا ان کو زلزلہ نے اور ہو گئے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے۔ پھر پلٹا (صالح) ان سے اور کہا اے میری قوم پہنچا دیا تھا میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام اور خیر خواہی کی میں نے تمہاری ولیکن تم پسند نہیں کرتے تھے خیر خواہی کرنے والوں کو۔

**تفسیر**: (اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح) علیہ السلام (کو) پیغمبر بنا کر (بھیجا انہوں نے) اپنی قوم سے (فرمایا اے میری قوم تم) صرف (اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا

کوئی تمہارا معبود) ہونے کے قابل (نہیں)۔ انہوں نے ایک خاص معجزہ کی درخواست کی کہ اس پتھر میں سے ایک اونٹنی پیدا ہو تو ہم ایمان لائیں چنانچہ آپ کی دعا سے ایسا ہی ہوا کہ وہ پتھر پھٹا اور اس کے اندر سے ایک بڑی اونٹنی نکلی۔ آپ نے فرمایا کہ (تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے) میرے رسول ہونے کی (ایک واضح دلیل آچکی ہے) آگے اس کا بیان ہے (یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل) بنا کر ظاہر کی گئی (ہے) اور اسی لئے اللہ کی اونٹنی کہلائی کہ اللہ کی دلیل ہے (سو علاوہ اس کے کہ یہ میری رسالت پر دلیل ہے خود اس کے بھی کچھ حقوق ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ (اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں) گھاس چارہ (کھاتی پھرا کرے) اسی طرح اپنی باری کے دن پانی پیتی رہے جیسا دوسری آیت میں ہے (اور اس کو برائی) اور تکلیف دہی (کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو دردناک عذاب آ پکڑے۔ اور) اے قوم (تم یہ حالت یاد کرو) اور یاد کر کے احسان مانو اور اطاعت کرو (کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو) قوم (عاد کے بعد) روئے زمین پر (آباد کیا اور تم کو زمین پر رہنے کو) دلخواہ (ٹھکانا دیا کہ نرم زمین پر) بھی بڑے بڑے (محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں) بھی (گھر بناتے ہو سو خدا تعالیٰ کی) ان (نعمتوں کو) اور دوسری نعمتوں کو بھی (یاد کرو اور) کفر و شرک کے ذریعہ (زمین میں فساد مت پھیلاؤ) یعنی ایمان لے آؤ۔ مگر باوجود اس قدر فہمائش کے صرف کچھ غریب لوگ ایمان لائے جن سے قوم کے سرداروں نے استہزاء کے طور پر گفتگو کی یعنی (ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں سے جو کہ ان میں سے ایمان لے آئے تھے کہا کہ) بڑے بڑے لوگ تو آج تک نہ سمجھے مگر (کیا تم کو معلوم ہو گیا کہ صالح) علیہ السلام (اپنے رب کی طرف سے) پیغمبر بنا کر (بھیجے ہوئے) آئے (ہیں انہوں نے) جواب میں (کہا کہ) صرف معلوم ہونا کیا وہ تو تم کو بھی ہے بلکہ ہم تو اس بات کو دل کی گہرائیوں سے مانتے ہیں اور ساتھ ہی (بلاشبہ ہم اس) ہر حکم (پر) بھی (پورا یقین رکھتے ہیں جو وہ دے کر بھیجے گئے ہیں) ان غریب مسلمانوں کے پختہ یقین و ایمان کو دیکھ کر وہ کھسیانے ہوئے اور (متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس چیز پر یقین لائے ہوئے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں)۔

(غرض) نہ صالح علیہ السلام پر ایمان لائے اور نہ اونٹنی کے حقوق ادا کئے بلکہ اس اونٹنی سے بھی تنگ دل ہوئے کیونکہ وہ اونٹنی بہت ہی بڑے جسم والی تھی اس لئے جس جنگل میں وہ چرتی تھی دوسرے مویشی اس سے ڈر کر بھاگ جاتے اور جس کنویں میں پانی کی باری مقرر ہوتی اس کا تمام پانی پی جاتی لہٰذا اس روز دوسرے مویشیوں کو وہاں پانی نہ ملتا۔ لہٰذا انہوں نے (اس اونٹنی کو) بھی (مار ڈالا اور اپنے پروردگار) کے توحید، رسالت (کے حکم) ماننے (سے) بھی (سرکشی کی) اور) اس پر یہ بیبا کی کہ

(کہنے لگے کہ اے صالح جس) عذاب (کی آپ ہم کو دھمکی دیتے تھے اس کو منگوایئے اگر آپ پیغمبر ہیں) کیونکہ پیغمبر کا سچا ہونا ضروری ہے (پس پکڑا ان کو زلزلہ نے سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے اس وقت صالح) علیہ السلام (ان سے منہ موڑ کر چلے اور) بطور حسرت کے فرضی خطاب کر کے (فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا) جس پر عمل کرنا موجب فلاح تھا (اور میں نے تمہاری) بہت (خیر خواہی کی) کہ کس طرح شفقت سے سمجھایا (لیکن) افسوس تو یہ ہے کہ (تم لوگ) اپنے (خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے) اس لئے ایک نہ سنی اور آخر روز بد دیکھا۔

**فائدہ**: ایک دوسری آیت میں صیحہ یعنی فرشتہ کے نعرہ سے ہلاک ہونا آیا ہے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ وہ نعرہ اتنا ہیبت ناک تھا کہ اس کی وجہ سے دلوں میں زلزلہ اور لرزہ پیدا ہوا اور مر گئے۔

## حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ دونوں کا اصل وطن مغربی عراق میں بصرہ کے قریب ارض بابل کے نام سے معروف تھا اس میں بت پرستی کا عام رواج تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھرانہ خود بت پرستی میں مبتلا تھا۔ حق تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے ابراہیم علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ قوم نے مخالفت کی جس کی نوبت آتش نمرود تک پہنچی۔ خود والد نے گھر سے نکال دینے کی دھمکیاں دیں۔

ان کے گھرانہ میں سے صرف ان کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام مسلمان ہوئے۔ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ بالآخر انہیں دونوں کو ساتھ لے کر وطن سے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی۔ نہر اردن پر پہنچنے کے بعد بحکم خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام علاقہ کنعان میں جا کر مقیم ہوئے جو بیت المقدس کے قریب ہے۔

اور لوط علیہ السلام کو بھی حق تعالیٰ نے نبوت عطا فرما کر اردن اور بیت المقدس کے درمیان مقام سدوم کے لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ یہ علاقہ پانچ شہروں پر مشتمل تھا جن کے نام سدوم، عمورہ، ادمہ، صبوئیم اور بالع یا صوغر تھے۔ ان کے مجموعہ کو قرآن کریم نے مُؤتفکہ اور مُؤتفکات کے الفاظ میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ سدوم ان شہروں کا دار الحکومت اور مرکز سمجھا جاتا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے یہیں قیام فرمایا۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ

بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً
مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ
قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ
يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع

**ترجمہ**: اور (بھیجا ہم نے) لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم سے کیا تم آتے ہو ایسی بے حیائی پر کہ نہیں سبقت کی تم پر اس بے حیائی کے ساتھ کسی نے بھی جہان والوں میں سے۔ تم تو آتے ہو مردوں کے پاس شہوت کے مارے عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ ہو حد سے گزرنے والے۔ اور نہیں تھا جواب اس کی قوم کا مگر یہ کہ کہا انہوں نے نکالو ان کو اپنی بستی سے۔ یہ لوگ ہیں (جو) بہت پاک صاف بنتے ہیں۔ پس بچا لیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے، تھی وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے۔ اور برسائی ہم نے ان کے اوپر (پتھروں کی) بارش پس دیکھ کیسا ہوا انجام مجرموں کا۔

**تفسیر**: (اور ہم نے لوط) علیہ السلام (کو) چند بستیوں کی طرف پیغمبر بنا کر (بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم) یعنی اپنی امت (سے فرمایا کیا تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا) یعنی (تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر) اور اس کام کے ارتکاب میں یہ نہیں کہ تم کو کوئی دھوکہ ہو گیا ہو (بلکہ) اس بارے میں (تم حد) انسانیت (ہی سے گزر گئے ہو۔ اور) ان باتوں کا (ان کی قوم سے کوئی) معقول (جواب نہ بن پڑا سوائے اس کے کہ) آخر میں بیہودگی کے طور پر (آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو) یعنی لوط علیہ السلام کو اور ان کے ساتھی مومنین کو (تم اپنی) اس (بستی سے نکال دو) کیونکہ (یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں) اور ہم کو گندہ سمجھتے ہیں پھر گندوں میں پاک لوگوں کا کیا کام، یہ بات انہوں نے بزراہ تمسخر کہی تھی (سو) جب یہاں تک نوبت پہنچی تو (ہم نے) اس قوم پر عذاب نازل کیا اور (لوط) علیہ السلام (کو اور ان کے متعلقین کو) یعنی ان کے گھر والوں کو اور دوسرے ایمان والوں کو بھی اس عذاب سے (بچا لیا) اس طرح کہ وہاں سے نکل جانے کا پہلے ہی حکم ہو گیا (سوائے ان کی بیوی کے کہ وہ)

بوجہ ایمان نہ لانے کے (ان ہی لوگوں میں رہی جو پیچھے) عذاب میں (رہ گئے تھے اور) وہ عذاب جو ان پر نازل ہوا یہ تھا کہ (ہم نے ان پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا) کہ وہ پتھروں کی بارش تھی (سو) اے دیکھنے والے (دیکھ تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا) اگر تو غور سے دیکھے گا تو تعجب کرے گا اور سمجھے گا کہ نافرمانی کا کیا انجام ہوتا ہے۔

**فائدہ**: دوسری آیتوں میں پتھروں کی بارش اور ان بستیوں کا الٹ دینا بھی مذکور ہے جس کا بیان ان آیات کی تفسیر کے ساتھ آئے گا انشاء اللہ تعالی۔

### حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ

اس جگہ اہل مدین کی طرف ان کی بعثت مذکور ہے جب کہ قرآن میں دوسری جگہ اصحاب ایکہ کی طرف ان کا مبعوث ہونا مذکور ہے۔ ممکن ہے کہ ان دونوں سے ایک ہی قوم مراد ہو۔ ان کی قوم میں شرک کے علاوہ کم تولنے ناپنے کا مرض تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے توحید وغیرہ کی عام دعوت کے علاوہ خاص معاشرتی معاملات کی اصلاح اور حقوق العباد کی حفاظت کی طرف بڑے زور سے توجہ دلائی۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم
مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ
وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ
بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَ
لَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ
اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا
فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨٦﴾ وَإِن كَانَ
طَائِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا
فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٨٧﴾

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ
اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ
مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ
فِيْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ
عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ
اَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ
اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ
لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۛۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾
فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ
لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

**ترجمہ:** اور (بھیجا ہم نے) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو۔ کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی، نہیں ہے تمہارے لئے کوئی مستحق عبادت اس کے سوا۔ آ چکی ہے تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی جانب سے سو پورا کرو ناپ کو اور تول کو اور مت نقصان کرو لوگوں کا ان کی چیزوں میں اور مت فساد کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد۔ یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ہو ایمان والے۔ اور مت بیٹھو رستوں پر کہ دھمکی دو اور روکو اللہ کی راہ سے اس کو جو ایمان لایا اللہ پر اور یہ کہ تم تلاش کرو اس (راہ) میں کجی کو۔ اور یاد کرو جب کہ تھے تم تھوڑے پھر زیادہ کر دیا (اللہ نے) تم کو اور دیکھو کیسا ہوا انجام فساد کرنے والوں کا۔ اور اگر ایک گروہ تم میں سے ایمان لایا اس پر بھیجا گیا ہوں میں جس کے ساتھ اور ایک گروہ نہیں ایمان لایا تو صبر کرو یہاں تک کہ فیصلہ دے اللہ ہمارے درمیان اور وہ فیصلہ کرنے

والوں میں سب سے بہتر ہے۔ کہا سرداروں نے کہ جنہوں نے تکبر کیا اس کی قوم میں سے ضرور ہم نکال دیں گے تجھ کو اے شعیب اور ان کو جو ایمان لائے تیرے ساتھ اپنی بستی سے یا تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں۔ کہا (شعیب نے) کیا اگر چہ ہم ہوں (اس بات کو) ناپسند کرنے والے۔ بے شک باندھا ہم نے اللہ پر جھوٹ اگر ہم لوٹ جائیں تمہارے دین میں اس کے بعد کہ نجات دی ہم کو اللہ نے (تمہارے) اس (دین) سے۔ اور نہیں ہے ہمارے لئے کہ ہم لوٹ جائیں اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ ہمارا رب۔ گھیر لیا ہمارے رب نے ہر شے کو علم سے۔ اللہ پر ہم نے توکل کیا۔ اے ہمارے رب فیصلہ کر دے ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ اور تو بہترین ہے فیصلہ کرنے والوں میں۔ اور کہا ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا اس کی قوم میں سے اگر تم نے پیروی کی شعیب تو بے شک تم اس وقت نقصان اٹھانے والے ہو گے۔ پس پکڑا ان کو زلزلہ نے تو وہ ہو گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے۔ جن لوگوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا وہ بسے ہی نہ تھے ان میں۔ جن لوگوں نے جھٹلایا شعیب کو وہی ہوئے نقصان اٹھانے والے۔ پھر پلٹا وہ ان سے اور کہا اے میری قوم بے شک پہنچا دیئے تھے میں نے تم کو پیغامات اپنے رب کے اور خیر خواہی کی میں نے تمہاری، پس کیسے میں افسوس کروں کافر قوم پر۔

**تفسیر**: (اور ہم نے مدین) والوں (کی طرف ان کے بھائی شعیب) علیہ السلام (کو) پیغمبر بنا کر (بھیجا۔ انہوں نے) اہل مدین سے (فرمایا کہ اے میری قوم تم) صرف (اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود) بننے کے قابل (نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے) میرے نبی ہونے پر (واضح دلیل آ چکی ہے) تو جب میری نبوت ثابت ہے (تو) احکام شرعیہ میں میرا کہنا مانو چنانچہ میں کہتا ہوں کہ (تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو) جیسا کہ تمہاری عادت ہے (اور روئے زمین میں اس کے بعد کہ) تعلیم و توحید اور بعثت انبیاء اور عدل و ادائے حقوق اور ناپ تول پورا کرنے کے حکم دے کر (اس کی درستی) تجویز (کر دی گئی فساد مت پھیلاؤ) یعنی ان احکام کی مخالفت اور کفر مت کرو کہ موجب فساد ہے (یہ) جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرنا (تمہارے لئے) دنیا و آخرت دونوں میں (نافع ہے اگر تم) میری (تصدیق کرو) جس کے لئے دلائل موجود ہیں، اور تصدیق کر کے عمل کرو تو مذکورہ امور دنیا و آخرت میں نافع ہیں۔ آخرت میں تو ظاہر ہے کہ نجات ہو گی اور دنیا میں شریعت پر عمل کرنے

سے امن وانتظام قائم رہتا ہے، خاص کر پورا ناپنے تولنے سے اعتبار بڑھنے کے وجہ سے تجارت کو ترقی بھی ہوتی ہے (اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو) ایمان لانے پر (دھمکیاں دو اور) ان کو (اللہ کی راہ) یعنی ایمان (سے روکو اور اس) راہ (میں کجی) اور شبہات (کی تلاش میں لگے رہو) کہ بے جا اعتراض سوچ سوچ کر لوگوں کو بہکاؤ۔ یہ ممانعت اس لئے کی کہ یہ لوگ اپنی سابقہ گمراہی یعنی کفر کے ساتھ ساتھ گمراہ کرنے میں بھی مبتلا تھے کہ سڑکوں پر بیٹھ کر آنے والوں کو بہکاتے کہ شعیب علیہ السلام پر ایمان نہ لانا نہیں تو ہم تم کو مار ڈالیں گے۔ آگے نعمت یاد دلا کر ترغیب دیتے ہیں اور عذاب یاد دلا کر ڈراتے ہیں (اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم) تعداد میں اور مال میں (کم تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو) تعداد اور مال میں (زیادہ کر دیا) لہٰذا خدا کے ان احسانات کا شکر ادا کرو اور وہ جب ہی ادا ہوسکتا ہے کہ خدا کے اور بندوں کے حقوق پہچان کر عملی درستی اور اصلاح میں مشغول رہو اور نعمتوں پر مغرور نہ ہو، (اور دیکھو تو کیسا برا انجام ہوا فساد) یعنی کفر وتکذیب وظلم (کرنے والوں کا) جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود کے واقعات گزر چکے ہیں اسی طرح تم پر عذاب آنے کا اندیشہ ہے۔ (اور اگر) تم کو عذاب نہ آنے کا اس سے شبہ ہو کہ (تم میں سے بعضے) تو (اس حکم پر جس کو دے کر مجھ کو بھیجا گیا ہے ایمان لائے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لائے) اور پھر بھی دونوں فریق ایک ہی حالت میں ہیں یہ نہیں کہ ایمان نہ لانے والوں پر عذاب آ گیا ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا عذاب سے ڈرانا بے اصل ہے (تو) اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ فوراً عذاب نہ آنے سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ عذاب آئے گا ہی نہیں (ذرا ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ ہمارے) یعنی ہم دونوں فریق کے (درمیان میں اللہ تعالیٰ) عملی (فیصلہ کئے دیتے ہیں) یعنی عذاب نازل کر کے مومنین کو نجات دیں گے اور کفار کو ہلاک کریں گے (اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہیں) کہ ان کا فیصلہ بالکل مناسب ہی ہوتا ہے۔

(ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے) جو یہ باتیں سنیں تو انہوں نے گستاخانہ (کہا کہ اے شعیب) یاد رکھئے (ہم آپ کو اور آپ کے ہمراہ جو ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ) تو البتہ ہم کچھ نہ کہیں گے۔ یہ بات مومنین کو اس لئے کہی کہ وہ بھی ایمان قبول کرنے سے پہلے اسی طریق کفر پر تھے لیکن شعیب علیہ السلام کے حق میں باوجود اس حقیقت کے کہ انبیاء سے کبھی کفر صادر نہیں ہوتا اس لئے کہی کہ بعثت سے قبل ان کے سکوت سے وہ یہی سمجھتے تھے کہ ان کا اعتقاد بھی ہمارا جیسا ہوگا (شعیب) علیہ السلام (نے جواب دیا کہ کیا ہم تمہارے

مذہب میں آ جائیں گے گو ہم) دلیل وبصیرت سے (اس کو مکروہ) اور قابل نفرت (ہی سمجھتے ہوں) یعنی جب اس کے باطل ہونے پر دلیل قائم ہے تو ہم کیسے اس کو اختیار کر لیں (ہم تو اللہ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں اگر) خدا نہ کرے (ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں) خصوصاً (اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دی ہو) کیونکہ اول تو مطلقاً کفر کو دین حق سمجھنا یہی اللہ پر تہمت لگانا ہے کہ یہ دین معاذ اللہ اللہ کو پسند ہے پھر خاص طور سے مؤمن کا کافر ہونا چونکہ علم اور دلیل سے حق کے قبول کے بعد ہے تو اس میں اور زیادہ تہمت ہے ایک تو وہی تہمت دوسری وہ تہمت کہ اللہ نے جو مجھ کو دلیل کا علم دیا تھا جس کو میں حق سمجھتا تھا وہ علم غلط دیا تھا۔ اور شعیب علیہ السلام نے لفظ عود یعنی پلٹ آنا یا تو دوسروں مسلمانوں کے اعتبار سے یا قوم کے گمان کو فرض کر کے یا قوم کے کہے کی مماثلت میں کہا (اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آ جائیں لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے) ہمارے (مقدر) میں (کیا ہو) جس کی مصلحت انہی کے علم میں ہے تو خیر اور بات ہے۔ (ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے) اس علم سے وہ سب تقدیر میں طے کردہ باتوں کی مصلحتوں کو جانتے ہیں مگر (ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں) اور بھروسہ کر کے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ ہم کو دین حق پر ثابت رکھے۔ اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ان کو اپنے خاتمہ بالخیر کا یقین نہ تھا کیونکہ انبیاء کو یہ یقین دیا جاتا ہے بلکہ مقصود اظہار عجز اور مالک کی طرف تفویض ہے اور اگر اس بات کو دوسرے مومنین کے اعتبار سے لیا جائے تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ یہ جواب دے کر جب دیکھا کہ ان سے خطاب کرنا بالکل مؤثر نہیں اور ان کے ایمان لانے کی بالکل امید نہیں ان سے خطاب ترک کر کے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ (اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری) اس (قوم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق) اور آپ کا فیصلہ تو ہمیشہ حق کے موافق ہی ہوتا ہے۔ یعنی اب عملی طور پر حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا واضح کر دیجئے (اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ اور ان کی قوم کے) انہی مذکور (کافر سرداروں نے) شعیب علیہ السلام کی یہ بلیغ اور موثر تقریریں سن کر اندیشہ کیا کہ کہیں سامعین پر اس کا اثر نہ ہو جائے اس لئے انہوں نے بقیہ کفار سے (کہا کہ اگر تم شعیب) علیہ السلام (کی راہ چلنے لگو گے تو بیشک بڑا نقصان اٹھاؤ گے) دین کا بھی کیونکہ باپ دادا کے مذہب کو چھوڑنا خسارہ ہے اور دنیا کا بھی اس لئے کہ پورا ناپنے تولنے میں بچت کم ہو گی۔ غرض وہ سب اپنے کفر وظلم پر جمے رہے۔ اب عذاب کی آمد ہوئی (پس ان کو زلزلہ نے پکڑا سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ جنہوں نے شعیب) علیہ السلام (کی تکذیب کی تھی) اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے کو

آمادہ تھے خود (ان کی یہ حالت ہوگئی جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ جنہوں نے شعیب) علیہ السلام (کی تکذیب کی تھی) اور ان کے اتباع کرنے والے کو خسارے والے بتلاتے تھے خود (وہی خسارہ میں پڑ گئے۔ اس وقت شعیب) علیہ السلام (ان سے منہ موڑ کر چلے اور) بطور حسرت کے فرضی خطاب کر کے (فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے) جن پر عمل کرنا ہر طرح کی فلاح کا سبب تھا (اور میں نے تمہاری) بڑی (خیر خواہی کی) کہ کس کس طرح سمجھایا مگر افسوس تم نے نہ مانا اور یہ روز بد دیکھا۔ پھر ان کے عناد و کفر وغیرہ کو یاد کر کے فرمانے لگے کہ جب انہوں نے اپنے ہاتھوں یہ مصیبت خریدی تو (پھر میں ان کافر لوگوں) کے ہلاک ہونے (پر کیوں رنج کروں)۔

**ربط**: اوپر جن قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہوا ان کے بارے میں اور ان کی طرح ہلاک ہونے والی دوسری قوموں کے بارے میں عذاب سے گرفت ہونے کا ضابطہ بیان فرماتے ہیں اور اس وقت کے کافروں کو اس ضابطہ سے متنبہ ہونے کو کہتے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ

مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ
یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا
قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ
لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ
بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا
یَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ
نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّهُمْ
یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ
الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ

أَهْلِهَآ أَن لَّوْ نَشَآءُ أَصَبْنَٰهُم بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ
فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ ٱلْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآئِهَا ۚ
وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِٱلْبَيِّنَٰتِ ۚ فَمَا كَانُوا۟ لِيُؤْمِنُوا۟ بِمَا كَذَّبُوا۟
مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ ٱللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا
لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ ۖ وَإِن وَجَدْنَآ أَكْثَرَهُمْ لَفَٰسِقِينَ ﴿١٠٢﴾

**ترجمہ**: اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر پکڑا ہم نے بستی والوں کو محتاجی اور بیماری کے ساتھ تاکہ وہ گڑگڑائیں۔ پھر بدل دیا ہم نے بدحالی کی جگہ خوشحالی کو یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے پہنچی تھی ہمارے باپ دادوں کو تنگی اور راحت تو پکڑا ہم نے ان کو اچانک اور نہ وہ خبر رکھتے تھے۔ اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیز گاری کرتے تو کھول دیتے ہم ان پر برکتیں آسمان اور زمین کی ولیکن انہوں نے جھٹلایا پس پکڑا ہم نے ان کو بسبب اس کے جو وہ عمل کرتے تھے۔ کیا پس بےفکر ہو گئے بستیوں والے (اس سے) کہ آئے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات جب کہ وہ سوئے ہوئے ہوں یا بے خوف ہو گئے بستیوں والے (اس سے) کہ آئے ان کے پاس ہمارا عذاب دن چڑھے جب کہ وہ کھیلتے ہوں۔ کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے۔ تو نہیں بے ڈر ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر لوگ نقصان اٹھانے والے۔ کیا نہیں رہنمائی کی ان لوگوں کی جو وارث ہوئے زمین کے اس کے رہنے والوں کے بعد (اس بات نے) کہ اگر ہم چاہتے تو پہنچتے ہم (عذاب لے کر) ان کے پاس بسبب ان کے گناہوں کے اور ہم نے مہر لگائی ہے ان کے دلوں پر سو وہ سنتے نہیں ہیں۔ یہ بستیاں ہیں ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر ان کی کچھ خبریں۔ اور بے شک لائے ان کے پاس ان کے رسول معجزے۔ تو نہیں تھے وہ کہ ایمان لائیں اس بات پر (جس کو) جھٹلایا انہوں نے پہلے۔ اسی طرح مہر کر دیتا ہے اللہ کافروں کے دلوں پر۔ اور نہیں پایا ہم نے ان کے اکثر لوگوں میں وعدہ وفائی اور پایا ہم نے اکثر لوگوں کو نافرمان۔

**تفسیر**: (اور ہم نے) اوپر مذکور اور ان کے علاوہ اور بھی دوسری بستیوں میں سے (کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے رہنے والوں کو) اس نبی کے نہ ماننے پر اول اول تنبیہ کی غرض

سے (ہم نے محتاجی اور بیماری میں پکڑا کہ وہ گڑ گڑائیں) یعنی ڈھیلے پڑ جائیں اور اپنے کفر وتکذیب سے توبہ کریں (پھر) جب انہوں نے تنبیہات کا اثر قبول نہیں کیا تو اور خوشحالی بھیجی تا کہ یا تو احسانات سے متاثر ہو کر کچھ شرمائیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں یا عیش وثروت کے نشہ میں چور ہو کر بالکل ہی غافل ہو جائیں اور سخت گرفت کے مستحق بن جائیں۔ غرض (ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوش حالی بدل دی) یعنی سختیوں اور مصیبتوں کو ہٹا کر فراخی دی (یہاں تک کہ ان کو) غنا اور صحت کے ساتھ مال و اولاد میں (خوب ترقی ہوئی اور) اس وقت براہ کج فہمی (کہنے لگے کہ) وہ پہلی مصیبت ہم پر کفر و تکذیب کے سبب نہ تھی ورنہ پھر خوش حالی کیوں ہوتی بلکہ یہ اتفاقات زمانہ سے ہے چنانچہ (ہمارے آباؤ اجداد کو بھی) یہ دو حالتیں کبھی (تنگی اور) کبھی (راحت پیش آئی تھیں) اسی طرح ہم پر یہ حالتیں گزر گئیں۔ جب وہ اس بھول میں پڑ گئے (تو) اس وقت (ہم نے ان کو دفعۃً) مہلک عذاب میں (پکڑ لیا اور ان کو) اس عذاب کے آنے کی (خبر بھی نہ تھی) یعنی گو ان کو انبیاء نے خبر کی تھی مگر چونکہ وہ اس خبر کو غلط سمجھتے تھے اور عیش وآرام میں بھولے ہوئے تھے اس لئے ان کو گمان نہ تھا (اور) ہم نے جو ان کو مہلک عذاب میں پکڑا تو اس کا سبب صرف ان کا کفر اور مخالفت تھی ورنہ (اگر ان بستیوں کے رہنے والے) پیغمبروں پر (ایمان لے آتے اور) ان کی مخالفت سے (پرہیز کرتے تو ہم) بجائے ارضی وسماوی آفات کے (ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے) یعنی آسمان سے بارش اور زمین سے پیداوار ان کو برکت کے ساتھ عطا فرماتے اور گو اس ہلاکت سے پہلے ایک حکمت سے ان کو خوش حالی دی گئی لیکن اس خوش حالی میں اس لئے برکت نہ تھی کہ آخر وہ وبال جان ہو گئی بخلاف ان نعمتوں کے جو ایمان واطاعت کے ساتھ ملتی ہیں کہ ان میں یہ خیر وبرکت ہوتی ہے کہ وہ وبال کبھی نہیں ہوتیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں، حاصل یہ کہ اگر وہ ایمان وتقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کو بھی یہ برکتیں دیتے (لیکن انہوں نے تو) پیغمبروں کی (تکذیب کی تو ہم نے) بھی (ان کے اعمال) بد (کی وجہ سے ان کو مہلک عذاب میں پکڑ لیا) جس کو اوپر اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً سے تعبیر فرمایا ہے۔ آگے موجود کفار کو عبرت دلاتے ہیں (کیا) ان قصوں کو سن کر (پھر بھی ان) موجودہ (بستیوں کے رہنے والے) جو رسول اللہ ﷺ کے دور نبوت میں موجود ہیں (اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر) بھی (ہمارا عذاب شب کے وقت آ پڑے جس وقت وہ پڑے سوتے ہوں اور کیا ان) موجودہ (بستیوں کے رہنے والے) باوجود کفر وتکذیب کے جو کہ گذشتہ کفار کی ہلاکت کا سبب تھا (اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ) ان گذشتہ کفار کی طرح (ان پر ہمارا عذاب دن دوپہر آ پڑے جس وقت کہ وہ اپنے لہولعب

اور دنیوی کاروبار میں مشغول ہوں) ہاں (تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی اس) ناگہانی (پکڑ سے) جس کا اوپر بیان ہوا ہے (بےفکر ہو گئے سو) سمجھ رکھو کہ (خدا تعالیٰ کی پکڑ سے سوائے ان کے جن کی شامت ہی آ گئی ہو اور کوئی بےفکر نہیں ہوتا)۔

آگے اس کی علت بتلاتے ہیں کہ ان کو عذاب سے کیوں ڈرنا چاہئے اور وہ علت ان کا سابقہ امتوں کے ساتھ کفر کے جرم میں شریک ہونا ہے (اور زمین پر رہنے والے سابقہ لوگوں کے بعد جو لوگ) اب (زمین پر بجائے ان کے رہتے ہیں کیا ان مذکورہ واقعات نے ان کو یہ بات) ابھی تک (نہیں بتائی کہ اگر ہم چاہتے تو ان کو) بھی سابقہ امتوں کی طرح (ان کے جرائم) کفر و تکذیب (کے سبب ہلاک کر ڈالتے) کیونکہ سابقہ امتیں ان ہی جرائم کے سبب ہلاک کی گئیں (اور) واقعی یہ واقعات تو ایسے ہی ہیں کہ ان سے سبق لینا چاہئے تھا لیکن اصل یہ ہے کہ (ہم ان کے دلوں پر بند لگائے ہوئے ہیں اس سے وہ) حق بات کو ماننا تو در کنار دل سے (سنتے) بھی (نہیں)۔ پس اس بند لگانے سے ان کی قساوت بڑھ گئی کہ ایسے عبرت خیز واقعات سے بھی عبرت نہیں ہوتی اور اس بند لگانے کا سبب انہی کا ابتداء میں کفر کرنا ہے، طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ. آگے رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لئے سارے مذکورہ مضمون کا خلاصہ ہے کہ (ان) مذکورہ (بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب) بستیوں میں رہنے والوں (کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے تھے) مگر (پھر) بھی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی یہ کیفیت تھی کہ (جس چیز کو انہوں نے اول) وہلہ (میں) ایک بار (جھوٹا کہہ دیا یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے) اور جیسے یہ دل کے سخت تھے (اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں اور) ان میں سے بعضے لوگ مصیبتوں میں ایمان لانے کا عہد بھی کر لیتے تھے لیکن (اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا) یعنی مصیبت کے دور ہو جانے کے بعد پھر ویسے کے ویسے ہی ہو جاتے تھے (اور ہم نے اکثر لوگوں کو) رسولوں کے بھیجنے اور معجزات دکھلانے اور دلائل بیان کرنے اور پختہ عہد لینے کے باوجود (نافرمان ہی پایا) پس کفار ہمیشہ سے ایسے ہی ہوتے رہے ہیں، آپ بھی غم نہ کیجئے۔

**فائدہ**: آیت لَا يَامَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ سے یہ مسئلہ نکلا ہے کہ عذاب الٰہی سے بےخوف ہونا کفر ہے کیونکہ قرآنی محاورہ میں خاسر سے اکثر کافر مراد ہوتا ہے۔ سورہ یوسف کی آیت لَا يَيْاَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ سے اس مسئلہ کا دوسرا جزو ثابت ہوتا ہے یعنی خدا کی رحمت سے مایوسی بھی کفر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَظَلَمُوْا
بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ
اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى
اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ
كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾
وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ
فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ
اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي
الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ
فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ
وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ
اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ
النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى
مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ
الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا
صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾
رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ

اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ
اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ
مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا
مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ ۚ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاۗءَتْنَا ۭ
رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

**ترجمہ**: پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف پس حق تلفی کی انہوں نے ان نشانیوں کی۔ سو دیکھ کیسا ہوا انجام مفسدوں کا۔ اور کہا موسیٰ نے اے فرعون بے شک میں رسول ہوں رب العالمین کی جانب سے۔ لائق یہی ہے کہ نہ کہوں میں اللہ پر مگر سچی بات۔ لایا ہوں میں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی جانب سے پس بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ کہا (فرعون نے) اگر تو آیا ہے کسی نشانی کے ساتھ تو لے آ اس کو اگر تو ہے سچوں میں سے۔ تب ڈالا (موسیٰ نے) اپنا عصا تو ناگہاں وہ تھا اژدھا کھلا۔ اور نکالا اپنا ہاتھ تو اچانک وہ تھا سفید دیکھنے والوں کے لئے۔ کہا سرداروں نے فرعون کی قوم میں سے بلاشبہ یہ ہے جادوگر بڑا واقف، چاہتا ہے کہ نکالے تم کو تمہارے ملک سے پس کس بات کا تم حکم دیتے ہو۔ بولے ڈھیل دے اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج شہروں میں جمع کرنے والوں کو کہ لائیں وہ تیرے پاس ہر واقف جادوگر کو۔ اور آئے جادوگر فرعون کے پاس (اور) کہا (کیا) ہمارے لئے اجر ہوگا اگر ہوئے ہم (ہی) غالب۔ (فرعون) بولا کہ ہاں اور بے شک تم ہو گے مقرب لوگوں میں سے۔ (جادوگر) بولے اے موسیٰ یا تو تو ڈال اور یا ہم ہوں ڈالنے والے۔ (موسیٰ نے) کہا تم ڈالو۔ تو جب انہوں نے ڈالا (تو) جادو کر دیا لوگوں کی آنکھوں پر اور خوفزدہ کیا ان کو اور لائے بڑا جادو۔ اور وحی کی ہم نے موسیٰ کی طرف کہ تو ڈال اپنے عصا کو۔ تو ناگہاں وہ نگلنے لگا جو (جادوگروں نے) بنایا تھا۔ پس ظاہر ہوگیا حق اور جاتا رہا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔ (فرعون اور اس کے سردار) مغلوب ہوئے اور پلٹے ذلیل ہوکر۔ اور گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے (اور) بولے ایمان لائے ہم رب العالمین پر (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔ کہا فرعون

نے ایمان لے آئے تم اس (موسیٰ) پر پیشتر اس کے کہ میں اجازت دوں تم کو۔ بلاشبہ یہ مکر ہے، کیا ہے تم نے اس کو شہر میں تا کہ تم نکالو اس سے اس کے رہنے والوں کو۔ تو عنقریب تم جان لو گے۔ ضرور میں کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف جانب سے پھر میں ضرور سولی پر چڑھاؤں گا تم سب کو۔ (جادوگر) بولے بے شک ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ اور نہیں تو عیب پاتا ہم میں مگر یہی کہ ایمان لائے ہم اپنے رب کی نشانیوں پر جب وہ آ گئیں ہمارے پاس، اے ہمارے رب بہا دے ہم پر صبر اور موت دے ہم کو اس حال میں کہ ہم اسلام والے ہوں۔

**تفسیر**: (پھر ان) مذکورہ پیغمبروں (کے بعد ہم نے) حضرت (موسیٰ) علیہ السلام (کو اپنے دلائل) یعنی معجزات (دے کر فرعون کے اور اس کے امراء کے پاس) ان کی ہدایت و تبلیغ کے لئے (بھیجا۔ سو) جب موسیٰ علیہ السلام نے وہ دلائل ظاہر کئے تو (ان لوگوں نے ان) معجزات (کا بالکل حق ادا نہ کیا) کیونکہ ان کا حق اور تقاضا یہ تھا کہ ایمان لے آتے (سو دیکھئے ان مفسدوں کا کیا) برا (انجام ہوا) کہ غرق اور ہلاک ہوئے۔ یہ تو پورے قصہ کا اجمال تھا۔ آگے تفصیل ہے یعنی (اور موسیٰ) علیہ السلام (نے) اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون کے پاس جا کر (فرمایا کہ میں رب العالمین کی طرف سے) تم لوگوں کی ہدایت کے واسطے (پیغمبر) مقرر ہوا (ہوں)۔ جو مجھ کو جھوٹا بتلائے اس کی غلطی ہے کیونکہ (میرے لئے یہی لائق ہے کہ سوائے سچ کے خدا کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں)۔ اور میں رسالت کا خالی دعویٰ ہی نہیں کرتا بلکہ (میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل) یعنی معجزہ (بھی لایا ہوں) جو طلب کے وقت دکھلا سکتا ہوں (سو) جب میں دلیل کے ساتھ رسول ہوں تو میں جو کہوں اس کی اطاعت کرو۔ چنانچہ منجملہ ان امور کے ایک یہ کہتا ہوں کہ (تو بنی اسرائیل کو) اپنی بیگار سے خلاصی دے کر (میرے ساتھ) ملک شام کو جو ان کا اصلی وطن ہے (بھیج دے۔ فرعون نے کہا کہ اگر آپ) من جانب اللہ (کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو اب پیش کیجئے اگر آپ) اپنے اس دعوے میں (سچے ہیں۔ بس آپ نے) فوراً (اپنا عصا) زمین پر (ڈال دیا سو دفعۃً وہ کھلا ایک اژدھا بن گیا) جس کے اژدھا ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا یعنی وہ نظر بندی نہ تھی بلکہ حقیقت میں سانپ بن گیا تھا (اور) دوسرا معجزہ یہ ظاہر کیا کہ (اپنا ہاتھ) گریبان کے اندر بغل میں دبا کر (باہر نکال لیا سو وہ یکایک سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا) کہ اس کو بھی سب نے دیکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو یہ عظیم معجزے ظاہر ہوئے تو فرعون نے بات کو بدلنے کے لئے

اہل دربار سے کہا کہ یہ شخص بڑا جادوگر ہے اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو سے تم لوگوں پر غالب آ کر یہاں کا رئیس ہو جائے اور تم کو یہاں آباد نہ رہنے دے سو اس بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے چنانچہ سورہ شعراء میں یہ قول فرعون کا منقول ہے۔ اس کو سن کر جیسا کہ بادشاہوں کے مصاحبوں کی عادت ان کی ہاں میں ہاں ملانے کی ہوتی ہے فرعون کے قول کی تصدیق و موافقت کے لئے (قوم فرعون میں جو سردار) اور اہل دربار (لوگ تھے انہوں نے) ایک دوسرے سے (کہا کہ واقعی) جیسا ہمارے بادشاہ کہتے ہیں کہ (یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے) ضرور (یہ) ہی (چاہتا ہے کہ) اپنے جادو کے زور سے خود مع بنی اسرائیل کے رئیس ہو جائے اور (تم کو) اس وجہ سے کہ بنی اسرائیل کی نظر میں خار ہو (تمہاری) اس (سرزمین سے باہر کر دے سو تم لوگ) جیسا کہ بادشاہ دریافت کر رہے ہیں (کیا مشورہ دیتے ہو)۔

غرض آپس میں مشورے کر کے (انہوں نے) فرعون سے (کہا کہ آپ ان) موسیٰ علیہ السلام (کو اور ان کے بھائی) ہارون علیہ السلام (کو مہلت دیجئے اور) اپنی حدود سلطنت کے (شہروں میں چپڑاسیوں کو) حکم نامے دے کر (بھیج دیجئے کہ وہ) سب شہروں سے (سب ماہر جادوگروں کو) جمع کر کے (آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں)۔ چنانچہ ایسا ہی انتظام کیا گیا (اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے) اور (کہنے لگے کہ اگر ہم) موسیٰ علیہ السلام پر (غالب آئے تو) کیا (ہم کو کوئی بڑا صلہ اور انعام (ملے گا، فرعون نے کہا کہ ہاں) انعام بھی بڑا ملے گا (اور) مزید برآں یہ ہوگا کہ (تم) ہمارے (مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے)۔ غرض موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی جانب سے اس کی اطلاع دی گئی اور مقابلہ کے لئے تاریخ معین ہوئی اور تاریخ پر سب ایک میدان میں جمع ہوئے۔ اس وقت (ان جادوگروں نے) موسیٰ علیہ السلام سے (عرض کیا کہ اے موسیٰ) ہم آپ کو اختیار دیتے ہیں (خواہ آپ) اول اپنا عصا میدان میں (ڈالئے) جس کو آپ اپنا معجزہ بتلاتے ہیں (اور یا) آپ کہیں تو (ہم ہی) اپنی رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں (ڈالیں۔ موسیٰ) علیہ السلام (نے فرمایا کہ تم ہی) پہلے (ڈالو جب انہوں نے) اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو (ڈالا تو) جادو سے دیکھنے والے (لوگوں کی نظر بندی کر دی) جس سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ کی شکل میں لہراتی نظر آنے لگیں (اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھلایا اور) اس وقت (ہم نے موسیٰ) علیہ السلام (کو) وحی کے ذریعہ سے (حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے) جیسا ڈالا کرتے ہیں (سو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے اژدھا بن کر (ان کے سارے بنے بنائے کھیل کو نگلنا شروع کیا پس) اس وقت (حق) کا حق ہونا

( ظاہر ہو گیا اور انہوں نے ) یعنی جادوگروں نے ( جو کچھ بنایا تھا سب جاتا رہا پس وہ لوگ ) یعنی فرعون اور اس کی قوم ( اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہوئے ) اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے ( اور وہ جو جادوگر تھے وہ سجدہ میں گر گئے ) اور پکار پکار کر ( کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون ) علیہما السلام ( کا بھی رب ہے )۔

( فرعون ) بڑا گھبرایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ساری رعایا ہی مسلمان ہو جائے اس لئے ایک مضمون گھڑ کر جادوگروں سے ( کہنے لگا کہ ہاں تم موسیٰ ) علیہ السلام ( پر ایمان لائے ہو پیشتر اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں بیشک ) معلوم ہوتا ہے کہ ( یہ ) جو کچھ بظاہر مقابلہ کے طور پر ہوا ہے ( ایک کارروائی تھی جس پر تمہارا عمل درآمد ہوا ہے اس شہر میں ) یعنی تمہاری یہ باہمی خفیہ سازش تھی کہ تم یوں کرنا ہم یوں کریں گے پھر اس طرح ہار جیت ظاہر کریں گے اور ملی بھگت کی یہ کارروائی اس لئے کی ہے ( تا کہ تم سب ) مل کر ( اس شہر سے وہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو ) پھر اطمینان سے سب مل کر یہاں حکومت کرو۔ ( سو ) بہت اچھا ( اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے ) اور وہ یہ ہے کہ ( میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا ) تا کہ دوسروں کو عبرت ہو ( انہوں نے جواب دیا کہ ) کچھ پرواہ نہیں ( ہم مر کر ) کسی برے ٹھکانے تو نہ جائیں گے بلکہ ( اپنے مالک ہی کے پاس جائیں گے ) جہاں ہر طرح امن و راحت ہے سو ہمارا نقصان ہی کیا ہے ( اور تو نے ہم میں کونسا عیب دیکھا ہے ) جس پر اس قدر شور وغل ہے ( سوائے اس کے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان لے آئے ) سو یہ کوئی عیب کی بات نہیں۔ پھر اس سے اعراض کر کے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ ( اے ہمارے رب ! ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما ) کہ اگر فرعون سختی کرے تو استقامت پر رہیں ( اور ہماری جان حالت اسلام پر نکالئے ) کہ اس کی سختی سے پریشان ہو کر کوئی بات ایمان کے خلاف نہ ہو جائے۔

**فائدہ**: 1۔ یہ جو فرمایا کہ ہم نے موسیٰ ( علیہ السلام ) کو بینات یعنی دلائل و معجزات دے کر بھیجا تو ان سے مراد سانپ اور ہاتھ کے دو معجزے بھی ہیں اور دیگر اور نشانیاں بھی ہیں جن کا ذکر اس سورت کے سولہویں رکوع میں ہے۔

2۔ اس مقام پر اژدھا فرمایا اور دوسری آیتوں میں جانٌ یعنی پتلا سانپ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جثہ میں تو وہ اژدہے کی طرح تھا البتہ تیزی سے حرکت کرنے میں پتلے سانپ کی طرح تھا تو اس کو مجازاً جانٌ کہا۔

3 ۔ ساحروں نے رب العالمین کے بعد رَبِّ مُوْسٰی وَھَارُوْنَ کا اضافہ اس لئے کیا کہ فرعون
اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا تو رب العالمین کا مصداق سننے والے اس کو نہ سمجھ جائیں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ
قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَ
يَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ
وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ
اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ
الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ
بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ
وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

**ترجمہ**: اور کہا سرداروں نے فرعون کی قوم میں سے کیا تو چھوڑے (رکھے) گا موسیٰ کو اور اس کی قوم کو کہ وہ فساد مچائیں زمین میں اور چھوڑ دیں تجھے اور تیرے معبودوں کو۔ کہا (فرعون نے) ہم قتل کر ڈالیں گے ان کے بیٹوں اور زندہ رکھیں گے ان کی عورتوں کو اور بلاشبہ ہم ان پر زور آور ہیں۔ کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو بے شک زمین اللہ کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور (نیک) انجام (تو) متقیوں کے لئے ہے۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے) لوگوں نے کہا اذیت دیئے گئے ہم اس سے پہلے کہ تو آئے ہمارے پاس اور بعد اس کے کہ آیا تو ہمارے پاس۔ کہا (موسیٰ نے) قریب ہے تمہارا رب کہ ہلاک کرے تمہارے دشمن کو اور جانشین بنا دے تم کو زمین میں پھر دیکھے کیسے تم عمل کرتے ہو۔

**تفسیر**: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عظیم معجزہ منظر عام پر ظاہر ہوا اور جادوگر ایمان لے آئے اور بعضے اور لوگ بھی آپ کے تابع ہو گئے اس وقت (قوم فرعون کے سرداروں نے) جو کہ سلطنت کے سرکردہ تھے یہ دیکھ کر کہ بعضے آدمی مسلمان ہو گئے فرعون سے (کہا کہ کیا آپ موسیٰ) علیہ السلام (کو اور ان کی قوم) یعنی پیروی کرنے والوں (کو یوں ہی) آزاد (رہنے دیں گے کہ وہ ملک

میں فساد کرتے پھریں) فساد یہ کہ اپنا مجمع بڑھائیں جس کے اخیر میں بغاوت کا اندیشہ ہے (اور وہ) یعنی موسیٰ علیہ السلام (آپ کو اور آپ کے) تجویز کئے ہوئے (معبودوں کو ترک کئے رہیں) یعنی ان کے معبود ہونے کے منکر رہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم بھی ایسا ہی کرے یعنی آپ اس کا انتظام کیجئے (فرعون نے کہا کہ) سردست یہ انتظام مناسب معلوم ہوتا ہے کہ (ہم بھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں) تا کہ ان کا زور نہ بڑھنے پائے (اور) چونکہ عورتوں کے بڑھنے سے کوئی اندیشہ نہیں نیز ہم کو اپنے کام کاج کے لئے بھی ضرورت ہے اس لئے (عورتوں کو زندہ رہنے دیں اور ہم کو ہر طرح کا ان پر زور ہے) اس انتظام میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

اس مجلس کی گفتگو کی خبر جو بنی اسرائیل کو پہنچی تو بڑے گھبرائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چارہ جوئی کی تو (موسیٰ) علیہ السلام (نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو) گھبراؤ مت (یہ زمین اللہ کی ہے جس کو چاہیں مالک) اور حاکم (بنائیں اپنے بندوں میں سے) سو چند روز کے لئے فرعون کو دے دی ہے (اور اخیر کامیابی ان ہی کو ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں) سو تم ایمان و تقویٰ پر قائم رہو، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ سلطنت تم ہی کو مل جائے گی۔ تھوڑے دنوں انتظار کی ضرورت ہے (قوم کے لوگ) انتہائی حسرت و حزن سے جس کا طبعی تقاضا تکرار شکوہ ہے (کہنے لگے کہ) حضرت (ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے آپ کی تشریف آوری کے قبل بھی) کہ فرعون بیگار لیتا تھا اور مدتوں ہمارے لڑکوں کو قتل کرتا رہا (اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی) کہ طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی جارہی ہیں یہاں تک کہ اب پھر قتل اولاد کی تجویز ٹھہری ہے (موسیٰ) علیہ السلام (نے فرمایا) گھبراؤ مت (بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیں گے اور بجائے ان کے تم کو اس زمین کا حاکم بنا دیں گے پھر تمہارا طرز عمل دیکھیں گے) کہ شکر و قدر و طاعت کرتے ہو یا بے قدری اور غفلت و معصیت، اس میں ترغیب ہے طاعت کی اور ڈراوا ہے معصیت سے۔

**فائدہ**: الھتک سے یہ مراد ہے کہ فرعون نے اپنی صورت کے کچھ بت بنوا کر تقسیم کر دیئے تھے کہ ان کو ہمارا نائب سمجھ کر ان کی عبادت کیا کرو۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ

عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا
بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ
وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾
وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا
عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ
مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى
اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ
فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

**ترجمہ**: اور پکڑ لیا ہم نے فرعون والوں کو قحطوں سے اور کمی سے پھلوں میں تاکہ وہ
سمجھیں۔ پھر جب آئی ان پر خوشحالی کہنے لگے ہمارے لئے یہی (لائق) ہے۔ اور اگر پہنچے ان
کو بدحالی تو نحوست بتاتے ہیں موسیٰ کی اور (ان کی) جو اس کے ساتھ ہیں۔ آگاہ ہو ان کی
نحوست (کا سبب) تو صرف اللہ کے پاس ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے جو
کچھ تو لائے گا ہمارے پاس کوئی نشانی کہ تو جادو کر دے ہم پر اس کے ذریعہ تو نہیں ہیں ہم تجھ
پر ایمان لانے والے۔ پھر بھیجے ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور
خون، نشانیاں کھلی کھلی پھر بھی انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھے مجرم لوگ۔ اور جب واقع ہوتا ان
پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ تو دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے جس کا وعدہ کیا ہے اس
نے تجھ سے۔ اگر دور کر دیا تو نے ہم سے عذاب کو تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے تجھ پر اور
ہم ضرور بھیج دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ پھر جب دور کر دیا ہم نے ان سے عذاب
کو ایک مدت تک کہ وہ پہنچنے والے تھے اس (مدت) کو تو اچانک وہ عہد شکنی کرنے لگتے۔ پھر
بدلہ لیا ہم نے ان سے، سو غرق کر دیا ہم نے ان کو دریا میں اس وجہ سے کہ انہوں نے جھٹلایا
ہماری آیتوں کو اور وہ تھے ان سے غافل۔

**تفسیر**: (اور) جب فرعون اور اس کے پیروکاروں نے انکار و مخالفت پر کمر باندھی تو (ہم نے) فرعون کو اور (فرعون والوں کو) ان عذابوں میں (مبتلا کیا قحط سالی میں اور پھلوں کی پیداوار کی کمی میں تاکہ وہ) حق بات کو (سمجھ جائیں) اور سمجھ کر قبول کر لیں (سو) وہ پھر بھی نہ سمجھے بلکہ یہ کیفیت تھی کہ (جب ان پر خوشحالی) یعنی ارزانی و پیداواری (آجاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہئے) یعنی ہم خوش قسمت ہیں اور یہ ہماری خوش بختی کا اثر ہے، یہ نہ کیا کہ اس کو خدا کی نعمت سمجھ کر شکر بجا لاتے اور اطاعت اختیار کرتے (اور اگر ان کو کوئی بدحالی) جیسے قحط و کم پیداواری (پیش آتی تو موسیٰ) علیہ السلام (اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے) کہ یہ ان کی نحوست سے ہوا، یہ نہ کیا کہ اس کو اپنے اعمال بد یعنی کفر و تکذیب کی شامت اور سزا سمجھ کر تائب ہو جاتے حالانکہ یہ سب ان کی شامت اعمال تھی، جیسا کہ فرماتے ہیں کہ (یاد رکھو کہ ان کی) اس (نحوست) کا سبب (اللہ کے علم میں ہے) یعنی ان کے اعمال کفریہ تو اللہ کو معلوم ہیں یہ نحوست انہی اعمال کی سزا ہے (لیکن) اپنی بے عقلی سے (ان میں اکثر لوگ) اس کو (نہیں جانتے تھے اور) بلکہ اوپر سے (یوں کہتے ہیں) کہ خواہ (کیسی ہی عجیب بات ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعہ سے ہم پر جادو چلاؤ جب بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے) جب انہوں ایسی سرکشی اختیار کی تو (پھر ہم نے) قحط سالی اور پیداوار میں کمی کے علاوہ یہ بلائیں مسلط کیں کہ (ان پر) کثرت بارش کا (طوفان بھیجا) جس سے مال و جان تلف ہونے کا اندیشہ ہو گیا (اور) اس سے گھبرائے تو موسیٰ علیہ السلام سے عہد و پیمان کیا کہ ہم سے یہ بلا دور کرا دیجئے تو ہم ایمان لے آئیں گے اور آپ جو کہیں گے اطاعت کریں گے۔ پھر جب وہ بلا دور ہوئی اور مرضی کے مطابق غلہ وغیرہ نکلا پھر بے فکر ہو گئے کہ اب تو جان بھی بچ گئی مال بھی خوب ہوگا اور بدستور اپنے کفر و طغیان پر اڑے رہے تو ہم نے ان کے کھیتوں پر (ٹڈیاں) مسلط کیں (اور) جب پھر کھیتوں کو تباہ ہوتے دیکھا تو گھبرا کر پھر ویسے ہی عہد و پیمان کئے اور پھر جب آپ کی دعا سے وہ بلا دور ہوئی اور غلہ وغیرہ تیار کر کے اپنے گھر لے آئے پھر بے فکر ہو گئے کہ اب تو غلہ قابو میں آ گیا اور بدستور اپنے کفر و مخالفت پر جمے رہے تو ہم نے اس غلہ میں (گھن کا کیڑا) پیدا کر دیا (اور) جب گھبرا کر پھر اسی طرح عہد و پیمان کر کے دعا کرائی اور وہ بلا بھی دور ہوئی اور اس سے مطمئن ہو گئے کہ اب پیس کوٹ کر کھائیں پئیں گے، پھر وہی کفر اور وہی مخالفت، تو اس وقت ہم نے ان کے کھانے کو یوں بے لطف کر دیا کہ ان پر (مینڈک) ہجوم کر کے ان کے کھانے کے برتنوں میں ہنڈیوں میں گرنا شروع ہوئے جس سے سب کھانا غارت ہوا اور ویسے بھی گھر میں بیٹھنا مشکل کر دیا اور پینا یوں بے لطف کر دیا کہ ان کا

پانی (خون) ہو جاتا، منہ میں لیا اور خون بنا، غرض ان پر یہ بلائیں مسلط ہوئیں (کہ یہ سب) موسیٰ علیہ السلام کے (کھلے کھلے معجزے تھے) کہ ان کی تکذیب و مخالفت پر ان کا ظہور ہوا۔ اور یہ ساتوں، عصا اور ید بیضاء ملا کر آیات تسعہ یعنی نو نشان کہلاتے ہیں (سو) چاہئے تھا کہ ان معجزات و آیات قہر کر دیکھ کر ڈھیلے پڑ جاتے مگر (وہ) پھر بھی (تکبر) ہی (کرتے رہے اور وہ لوگ کچھ تھے ہی جرائم پیشہ) کہ اتنی سختی پر بھی باز نہ آتے تھے (اور جب ان پر) مذکورہ بلاؤں میں سے (کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے، اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے) یعنی یہ کہ اگر ہم باز آ جائیں تو ہم سے قہر دور کر دیا جائے گا، سو ہم اب وعدہ کرتے ہیں کہ (اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں) یعنی دعا کر کے ہٹوا دیں (تو ہم ضرور ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی رہا کر کے آپ کے ہمراہ کر دیں گے پھر جب) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے (ان سے اس عذاب کو ایک خاص وقت تک کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے) جیسے اوپر بیان ہوا۔ (پھر) جب ہر ہر طرح دیکھ لیا کہ وہ اپنی شرارت سے باز ہی نہیں آتے تب اس وقت (ہم نے ان سے) پورا (بدلہ لیا یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا) جیسا دوسری جگہ ہے (اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی بے توجہی کرتے تھے) اور تکذیب و غفلت بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ اصرار و عناد کے ساتھ کہ اطاعت کا وعدہ کر لیں اور توڑ دیں۔

**فائدہ**: اَجَلٍ هُمْ بَالِغُوْهُ سے مراد دوسری بلا اور آفت کی آمد سے پہلے پہلے کا وقت ہے کہ اس وقت تک وہ آفت ٹل جاتی پھر دوسری آفت جو آفت ہونے میں گویا بعینہ پہلی ہے مسلط ہو جاتی۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

**ترجمہ**: اور وارث کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے زمین کے مشرق کا اور اس کے مغرب کا وہ (مشرق و مغرب) کہ برکت رکھی ہم نے جن میں، اور پورا ہو گیا وعدہ تیرے رب کا اچھا بنی اسرائیل پر، بسبب ان کے صبر کرنے کے، اور خراب کر دیا

ہم نے جو کچھ بناتا تھا فرعون اور اس کی قوم اور جو وہ اونچا کر کے چھاتے تھے۔

**تفسیر**: (اور) فرعون اور اہل فرعون کو غرق کر کے (ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے) یعنی بنی اسرائیل کو (اس سرزمین کے مشرق ومغرب) یعنی تمام حدود (کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے) ظاہری برکت کثرت پیداوار سے اور باطنی برکت اس سے تھی کہ وہ جگہ انبیاء علیہم السلام کا مسکن ومدفن تھی (اور آپ کے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا) جس کا حکم انہیں اِصْبِرُوْا سے دیا گیا تھا (اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے بنائے ہوئے ڈھونگ کو) جو انہوں نے اپنے تکبر اور نخوت کے اظہار کے لئے بنا رکھا تھا (اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا)۔

**فائدہ**: اس سرزمین سے مراد مصر ہے۔ بعض نے شام مراد لیا ہے اور بعض نے دونوں کا مجموعہ مراد لیا ہے۔

**ربط**: اب تک ان قوموں کے قصوں کو واقعاتی شہادت کے طور پر ذکر کیا جو کفر پر تھیں اور رسولوں کی تبلیغ کے باوجود کفر وتکذیب پر بضد رہیں یہاں تک کہ ان کو عذاب نے آ پکڑا۔ آگے ایسے لوگوں کے واقعات ذکر کرتے ہیں کہ جو اہل ایمان تھے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے بڑے احسانات کئے لیکن جب انہوں نے بھی رسولوں کی ہدایت سے منہ موڑا اور کسی بھی نصیحت کو نہ مانا تو ان پر بھی طرح طرح کے عذاب نازل ہوئے۔ سب سے پہلے اس قوم پر اپنے کچھ بڑے بڑے احسانات گناتے ہیں۔

پہلا احسان

بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کے لوگوں سے نجات دی

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ
الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا
یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ
تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾
قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾
وَاِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾

**ترجمہ**: اور پار اتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو وہ آئے ایسی قوم پر جو لگے بیٹھے تھے اپنے بتوں کو، کہنے لگے اے موسیٰ بنا دے ہمارے لئے (مجسم) معبود جیسا کہ ان کے لئے معبود ہیں۔ کہا (موسیٰ نے) بلاشبہ تم لوگ ہو جو جہالت کرتے ہو۔ بے شک یہ لوگ (ہیں) تباہ کیا جانے والا ہے وہ کام جس میں یہ ہیں اور باطل ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ کہا (موسیٰ نے) کیا اللہ کے سوا کو میں ڈھونڈوں تمہارے لئے معبود حالانکہ اس نے فضیلت دی تم کو جہان والوں پر۔ اور جب نجات دی ہم نے تم کو فرعون والوں سے کہ دیتے تھے وہ تم کو برا عذاب (کہ) قتل کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو، اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی۔

**تفسیر**: (اور) جس دریا میں فرعون کو غرق کیا گیا (ہم نے بنی اسرائیل کو) اس (دریا سے پار اتار دیا) جس کا قصہ سورہ شعراء میں ہے (پھر) پار ہونے کے بعد (ان لوگوں کا ایک قوم پر گذر ہوا جو اپنے چند بتوں) کی پرستش (کو لگے بیٹھے تھے) اور ان کی پوجا پاٹ کر رہے تھے (کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک) مجسم (معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود ہیں، آپ نے فرمایا واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے، یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں) یہ من جانب اللہ بھی (تباہ کیا جائے گا) جیسا کہ اللہ کی عادت ہمیشہ سے جاری ہے کہ حق کو باطل پر غالب کر کے اس کو درہم برہم کر دیتے ہیں (اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے) کیونکہ شرک کا باطل ہونا یقینی و بدیہی ہے، اور (فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو تمہارا معبود بنا دوں حالانکہ اس نے تم کو) بعض نعمتوں میں (تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی ہے اور) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کی تائید کے لئے ارشاد فرمایا کہ (وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں) کے ظلم و ایذاء (سے بچا لیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے) کہ (تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو) اپنی بیگار اور خدمت کے لئے (زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس) واقعہ (میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی)۔ ویسے تو اور بھی بہت سے احسان ہیں لیکن اگر یہی ایک یاد رکھو تو احسان ماننے کو بہت ہے لیکن تم نے کیا اچھا احسان مانا کہ شرک پر آمادہ ہو گئے۔

**فائدہ**: ان کی بے ہودہ درخواست کی یہ وجہ نہیں تھی کہ ان کو توحید میں شک ہوا بلکہ وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے انتہائی جہل سے یہ سمجھے کہ نظر نہ آنے والے خدا کی طرف متوجہ ہونے کے لئے اگر کسی محسوس چیز کو ذریعہ بنایا جائے تو یہ چیز دیانت و دینداری کے منافی نہیں ہے بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقرب زیادہ ہے۔ چونکہ یہ خیال بھی فی نفسہ عقل و نقل کی رو سے غلط ہے اس لئے اس کو جہل کہا۔

دوسرا احسان:

بنی اسرائیل کو تورات ملی اور ان کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف بھی حاصل ہوا۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا
بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ
هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾
وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ
اِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ
مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا
وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ
وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى
النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ
الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً
وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا
بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ
الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ

اٰيٰتٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ
سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ
اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

**ترجمہ**: اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا اور تمتہ بنایا ہم نے انکا دس (راتوں) کے ساتھ پس پورا ہو گیا اس کے رب کا وقت چالیس راتیں۔ اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے تو نائب بن میرا میری قوم میں اور اصلاح کرتا رہ اور مت پیروی کر رستے کی مفسدوں کے۔ اور جب آیا موسیٰ ہمارے وقت پر اور کلام کیا اس سے اس کے رب نے تو کہا (موسیٰ نے) اے میرے رب تو دکھا مجھ کو کہ میں دیکھوں تیری طرف۔ فرمایا ہرگز نہیں تو دیکھ سکتا مجھ کو۔ لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف پس اگر وہ ٹھہرا رہے اپنی جگہ پر تو تو دیکھ لے گا مجھ کو۔ پھر جب تجلی کی اس کے رب نے پہاڑ پر کر دیا (تجلی نے) اس (پہاڑ) کو زمین کے برابر۔ اور گر گیا موسیٰ بے ہوش ہو کر۔ پھر جب افاقہ ہوا تو کہا تو پاک ہے۔ توبہ کی میں نے تیری طرف اور میں ہوں سب سے پہلا ماننے والوں میں۔ ماننے والوں میں (اللہ نے) فرمایا اے موسیٰ بے شک چن لیا میں نے تجھ کو لوگوں پر اپنے پیغاموں کے ساتھ اور اپنے کلام کے ساتھ پس لے لے جو دیا میں نے تجھ کو اور رہ شکر گزاروں میں سے۔ اور لکھ دی ہم نے موسیٰ کے لئے تختیوں پر ہر بات نصیحت کی اور تفصیل ہر چیز کی۔ پس لے ان کو مضبوطی سے اور حکم کر اپنی قوم کو کہ وہ پکڑے رہیں اس کی اچھی باتوں کو۔ عنقریب میں دکھاؤں گا تمہیں فاسقوں کا گھر۔ میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق۔ اور اگر وہ دیکھیں تمام نشانیاں نہ ایمان لائیں ان پر اور اگر دیکھیں ہدایت کا راستہ تو نہ پکڑیں اس کو رستہ اور اگر دیکھیں گمراہی کا رستہ تو پکڑیں اس کو رستہ۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تھے وہ ان سے غافل۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو ضائع ہو گئے ان کے اعمال، نہیں بدلہ دیئے جائیں گے مگر (اس کا) جو وہ عمل کرتے تھے۔

**تفسیر**: (ہم نے موسیٰ) علیہ السلام (سے تیس راتوں کا وعدہ کیا) کہ ان میں کوہ طور پر آ کر اعتکاف کریں تو آپ کو شریعت کی کتاب تورات دی جائے گی (اور) مزید (دس راتوں کو ان) تیس راتوں (کا تتمہ بنا دیا) یعنی تورات دے کر ان تیس راتوں میں دس راتیں عبادت کے لئے اور بڑھا دیں جس کی وجہ سورہ بقرہ میں ذکر ہو چکی ہے۔ (اس طرح ان کے پروردگار کا) مقرر کیا ہوا (وقت) سب مل کر (پوری چالیس راتیں ہو گیا۔ اور موسیٰ) علیہ السلام کوہ طور آنے لگے تو چلتے وقت انہوں (نے اپنے بھائی ہارون) علیہ السلام (سے کہہ دیا تھا کہ میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا اور) ان کی (اصلاح کرتے رہنا اور بد نظم لوگوں کی رائے پر عمل نہ کرنا)۔

(اور جب موسیٰ) علیہ السلام اس واقعہ میں (ہمارے وقت) موعود (پر آئے) جس کا قصہ بیان ہو رہا ہے (اور ان کے رب نے ان سے) بہت سی لطف و عنایت کی (باتیں کیں تو) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شدید خوشی ہوئی جس سے دیدار کا شوق بھی پیدا ہوا (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں، ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو) دنیا میں (ہرگز نہیں دیکھ سکتے) کیونکہ یہ دنیوی آنکھیں تاب جمال نہیں لا سکتیں، (لیکن) تمہاری تشفی کے لئے یہ تجویز کرتے ہیں کہ (تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو) ہم اس پر ایک جھلک ڈالتے ہیں (سو اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو) خیر (تم بھی دیکھ سکو گے) غرض موسیٰ علیہ السلام اس کی طرف دیکھنے لگے (پھر ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس) پہاڑ (کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ) علیہ السلام (بیہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب افاقہ میں آئے تو عرض کیا بیشک آپ کی ذات) ان آنکھوں کی برداشت سے (منزہ) اور بلند (ہے میں آپ کی جناب میں) اس مشتاقانہ درخواست سے (معذرت کرتا ہوں اور) جو کچھ حضور کا ارشاد ہے کہ لَنْ تَرٰىنِیْ (سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں، ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ) یہی بہت ہے کہ (میں نے) تم کو (اپنی) طرف سے (پیغمبری) کا عہدہ دے کر (اور اپنی ہم کلامی) کا شرف بخش کر اس (سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے تو) اب (جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے) یعنی رسالت و ہم کلامی اور توریت (اس کو لو اور شکر کرو۔ اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی) ضروری (نصیحت اور) احکام کے متعلق (ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی) یہی تختیاں تورات ہیں، پھر حکم ہوا کہ جب یہ تختیاں ہم نے دی ہیں (تو ان کو کوشش کے ساتھ) خود بھی (عمل میں لاؤ اور اپنی قوم کو) بھی (حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر) یعنی سب پر کہ سب ہی اچھے ہیں (عمل کریں) اور ایسی اچھی چیز کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اور اگر انہوں نے نافرمانی کی اور کتاب کی قدر نہ کی تو (میں اب بہت جلد

تم لوگوں کو) یعنی بنی اسرائیل کو ان میں سے (نافرمانی کرنے والوں کا گھر دکھادوں گا) یعنی آخرت میں دوزخ اور دنیا میں تباہی و رسوائی۔

آگے نافرمانوں کی اور ان کی سزا کی کچھ تفصیل بیان کرتے ہیں کہ (میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں) احکام ماننے سے (تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں) کیونکہ اپنے کو بڑا سمجھنا صرف اس کا حق ہے جو واقع میں بڑا ہو، اور وہ ایک خدا کی ذات ہے (اور) برگشتگی کا ان پر یہ اثر ہو گا کہ (اگر تمام) دنیا بھر کی (نشانیاں) بھی (دیکھ لیں تب بھی) انتہائی قساوت کی وجہ سے (ان پر ایمان نہ لائیں اور) پھر برگشتگی اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ وہ (اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنا لیں) اس درجہ کی برگشتگی یہ (اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو) تکبر کی وجہ سے (جھوٹا بتلایا اور ان) کی حقیقت میں غور کرنے (سے غافل رہے) یہ سزا تو دنیا میں ہوئی کہ ہدایت سے محروم رہے (اور) آخرت میں یہ سزا ہو گی کہ (یہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے سب اعمال) جن سے ان کو نفع کی توقع تھی (غارت گئے) اور اعمال کی اس غارتگری کا انجام جہنم ہے (ان کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ یہ کرتے تھے) یعنی ان کا کفر اسی کا تقاضا کرتا تھا۔

**فائدہ:** 1۔حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے کلام فرمایا مگر یہ کہ اس کی حقیقت کیا تھی؟ امام ابوالحسن اشعریؒ کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی کو سنا اگرچہ یہ عام عادت کے خلاف ہے۔ امام ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی آواز سنی جو اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی پر دلالت کر رہی تھی۔

2- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدار سے متعلق درخواست دنیا میں اس کے امکان عقلی کی دلیل ہے۔

3- پہاڑ پر تجلی ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نور خاص اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی وجہ سے مخلوقات سے محجوب اور پردے میں ہے اور محجوب ہونے کے جو ذرائع اور واسطے ہیں ان کا تعین کے ساتھ علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ غالباً ان میں سے صرف چند ایک حجاب اٹھائے گئے اور وہ بھی پہاڑ کے حق میں۔

4- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بے ہوشی اس وجہ سے نہ تھی کہ ان پر تجلی ہوئی کیونکہ یہ بظاہر

لِلْجَبَلِ کے خلاف ہے بلکہ پہاڑ پر تجلی سے جو اس کی حالت ہوئی اس کو دیکھ کر بے ہوش ہوئے۔

5- فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ سے استقرار ثابت ہونے پر دیدار کا وقوع اور عدم استقرار ہونے پر دیدار کا واقع نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ ان میں باہم کیا تعلق ہے؟ تو عدم استقرار اور دیدار کے عدم وقوع میں یہ تعلق معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حاسہ بصر مادی ترکیب میں پہاڑ سے بہت کمزور اور نازک ہے۔ جب بہت قوی و سخت کو تحمل نہ ہوا تو انتہائی کمزور کیونکر اس کو برداشت کر سکے گا۔ اور اگر پہاڑ برداشت کر لے تو اس سے عقلاً یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کمزور حاسہ بصر بھی اس کو برداشت کر سکے، لیکن یہاں باری تعالیٰ کی جانب سے وعدہ ہے کہ اگر پہاڑ نے برداشت کر لیا تو تمہارے حاسہ بصر کو بھی اس کی برداشت کی قوت عطا کر دی جائے گی۔

### تیسرا احسان

بنی اسرائیل کی شرک سے توبہ قبول فرمائی

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ
حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ
وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا
سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ
یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ
مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ
مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ
بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ
وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖؗ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ
رَحْمَتِكَ ۖؗ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ
سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَكَذٰلِكَ

نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ
بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا
سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِیْ نُسْخَتِهَا
هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

**ترجمہ**: اور بنا لیا موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیورات سے بچھڑا (اس کا) ایک بدن کہ اس کی (گائے کی) آواز تھی۔ کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ وہ نہ کلام کرتا ہے ان سے اور نہ دکھاتا ہے ان کو راہ۔ بنا لیا انہوں نے اس کو اور تھے وہ ظالم۔ اور جب وہ نادم ہوئے اور سمجھے کہ بے شک وہ گمراہ ہوئے تو کہنے لگے اگر نہیں رحم کیا ہم پر ہمارے رب نے اور (نہیں) بخشا ہم کو تو ہم ضرور ہو جائیں گے نقصان اٹھانے والوں میں سے۔ اور جب لوٹا موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرا ہوا رنجیدہ کہا بری ہے جو نیابت کی تم نے میری میرے پیچھے۔ کیا جلد بازی کی تم نے اپنے رب کے حکم سے۔ اور ڈال دیں تختیاں اور پکڑا اپنے بھائی (ہارون) کا سر، کھینچنے لگا اس کو اپنی طرف۔ کہا (ہارون نے) اے میری ماں کے بیٹے بے شک لوگوں نے کمزور خیال کیا مجھ کو اور قریب تھے کہ قتل کر دیتے مجھ کو۔ سو تو مت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور مت کر مجھ کو ظالم لوگوں کے ساتھ۔ کہا (موسیٰ نے) اے میرے رب بخش دے مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو زیادہ رحم کرنے والا ہے سب رحم کرنے والوں سے۔ بے شک جن لوگوں نے اختیار کیا بچھڑے کو پہنچے گا ان کو غضب ان کے رب کی طرف سے اور ذلت دنیا کی زندگی میں اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں افتراء کرنے والوں کو۔ اور جن لوگوں نے عمل کئے برے پھر توبہ کی ان کے بعد اور ایمان لائے بے شک تیرا رب اس (توبہ) کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جب تھم گیا موسیٰ سے غصہ اٹھایا اس نے تختیوں کو اور ان کے لکھے ہوئے میں ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

**تفسیر**: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تورات لینے کے لئے تشریف لے گئے تو (موسیٰ) علیہ السلام (کی قوم) یعنی بنی اسرائیل (نے ان کے) جانے کے (بعد اپنے) مقبوضہ (زیوروں کا) جو کہ مصر سے نکلتے وقت انہوں نے قبطیوں یعنی وہاں کے باشندوں سے شادی کے بہانہ

سے مانگ لئے تھے تاکہ ان کو ان کے فرار کا خیال نہ ہو (ایک بچھڑا) بنا کر جس کا قصہ سورہ طٰہٰ میں ہے، اس کو معبود (ٹھہرایا جو کہ) صرف اتنی حقیقت رکھتا تھا کہ (ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی) اور اس میں کوئی بھی کمال نہ تھا جس سے کسی کو اس کی معبودیت کا شبہ ہو سکے (کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ) اس میں خدا کی سی صفات تو کیا ہوتیں اس میں تو آدمی کے برابر بھی قدرت نہ تھی چنانچہ (وہ ان سے بات تک نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو) دنیا یا دین کی (کوئی راہ بتلاتا تھا) غرض یہ کہ (اس) بچھڑے (کو انہوں نے معبود قرار دیا اور) چونکہ اس میں سرے سے کوئی بات بھی تو ایسی نہ تھی جس سے اس کے معبود ہونے کا کسی کو شبہ ہی ہو سکے اس لئے انہوں نے (بڑا بے ڈھنگا کام کیا اور) موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے کے بعد جس کا قصہ آگے آتا ہے ان کے تنبیہ فرمانے سے (جب) متنبہ ہوئے اور اپنی اس حرکت پر (نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو) ندامت سے بطور معذرت (کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا) یہ (گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گذرے ہو جائیں گے) چنانچہ خاص طریقہ سے ان کو توبہ کی تکمیل کا حکم ہوا جس کا قصہ سورہ بقرہ آیت فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ میں گذرا ہے یعنی یہ کہ شرک نہ کرنے والے شرک کرنے والوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کریں (اور) موسیٰ علیہ السلام کے متنبہ فرمانے کی تفصیل یہ ہے کہ (جب موسیٰ) علیہ السلام (اپنی قوم کی طرف) کوہ طور سے (غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے واپس آئے) کیونکہ ان کو وحی سے یہ معلوم ہو گیا تھا جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں ہے قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ہم نے آپ کے پیچھے آپ کی قوم کی آزمائش کی اور سامری نے ان کو بہکا دیا۔ (تو) اول قوم کی طرف متوجہ ہوئے (فرمایا کہ تم نے میرے پیچھے یہ بڑی نامعقول حرکت کی، کیا اپنے رب کے حکم) آنے (سے پہلے ہی تم نے) ایسی (جلد بازی کر لی)۔ میں احکام ہی لینے تو گیا تھا ان کا انتظار تو کیا ہوتا۔ (اور) پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور دینی حمیت کے جوش میں (جلدی سے) توریت کی (تختیاں) تو (ایک طرف رکھیں) اور جلدی میں زور سے رکھیں (اور) ہاتھ خالی کر کے (اپنے بھائی) ہارون علیہ السلام (کا سر) یعنی بال (پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھسیٹنے لگے) کہ تم نے پورا انتظام کیوں نہ کیا حالانکہ حضرت ہارون علیہ السلام ان سے عمر میں تین سال بڑے تھے اور نبی بھی تھے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اول تو ان سے مرتبہ میں بڑے تھے کہ ہارون علیہ السلام کو ان کا تابع اور وزیر بنایا گیا تھا دوسرے غضب کے غلبہ میں ان کو ایک گونہ بے اختیاری ہو گئی تھی اور غضب بھی دین کے لئے تھا اس لئے اس حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام شرعاً معذور تھے مگر چونکہ حضرت ہارون

علیہ السلام اور تختیوں سے متعلق باتوں کی ظاہری صورتیں پسندیدہ نہ تھیں اس لئے جب (ہارون) علیہ السلام (نے کہا کہ اے میرے ماں جائے) بھائی میں نے اپنی کوشش بھر بہت روکا لیکن (ان لوگوں نے مجھ کو بے حقیقت سمجھا اور) بلکہ نصیحت کرنے پر (قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں تو تم مجھ پر) سختی کر کے (دشمنوں کو مت ہنسواؤ اور مجھ کو) برتاؤ سے (ان ظالم لوگوں کے ذیل میں مت شمار کرو) کہ ان سے جو غصہ ہے وہ مجھ سے بھی برتنے لگو تو (موسیٰ) علیہ السلام (نے) اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور (کہا کہ اے میرے رب میری خطا) گو وہ اجتہادی ہے اور میری نیت بھی نیک ہے لیکن تو اس کو (معاف فرما دے اور میرے بھائی کی بھی) کوتاہی جو ان مشرکین کے ساتھ ان کو ان کے حال پر چھوڑنے میں شاید ہوگئی ہو اس کو بھی معاف فرما (اور ہم دونوں کو اپنی رحمت) خاص (میں داخل فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں) اس لئے ہم کو دعا کی قبولیت کی امید ہے۔

پھر حق تعالیٰ نے ان گوسالہ پرستوں کے متعلق موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ (جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی ہے) اگر اب بھی توبہ نہ کریں گے تو (ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیاوی زندگی ہی میں پڑے گی اور) کچھ ان ہی کی تخصیص نہیں بلکہ (ہم) تو سب (افتراء پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں) کہ دنیا ہی میں مغضوب اور ذلیل ہو جاتے ہیں اگرچہ کسی عارضہ کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ اس ذلت کا ظہور نہ ہو یا دیر سے ہو، چنانچہ سامری نے جو توبہ نہ کی تو اس پر غضب اور ذلت کا نزول ہوا جس کا قصہ سورہ طٰہٰ میں ہے، قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَکَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَامِسَاسَ الآیۃ یعنی وہ اچھوت اور ذلیل بن کر رہ گیا تھا کہ خود کہتا پھرتا تھا کہ مجھے ہاتھ نہ لگاؤ مجھ سے دور رہو۔ (اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کئے) مثلاً گوسالہ پرستی ان سے سرزد ہوگئی مگر (پھر وہ ان) گناہوں (کے) کرنے کے (بعد توبہ کرلیں اور) اس کفر کو چھوڑ کر (ایمان لے آئیں، تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد) ان کے (گناہ کا معاف کردینے والا) اور ان کے حال پر (رحمت کرنے والا ہے) گو تکمیل توبہ کے لئے اُقْتُلُوْآ اَنْفُسَکُمْ یعنی اپنے مجرم لوگوں کو قتل کرنے کا بھی حکم ہوا ہو کیونکہ اصل رحمت آخرت کی ہے چنانچہ توبہ کرنے والوں کی خطا اسی طرح معاف ہوئی (اور جب) ہارون علیہ السلام کی یہ معذرت سن کر (موسیٰ) علیہ السلام (کا غصہ فرو ہوا تو ان تختیوں کو اٹھا لیا اور ان) تختیوں (کے مضامین میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ہدایت اور رحمت) احکام کی صورت میں (تھی) کیونکہ احکام پر عمل کرنے سے ہدایت اور رحمت حاصل ہوتی ہے۔

چوتھا احسان

بنی اسرائیل کے ستر حضرات کا اللہ تعالیٰ کے کلام کو براہ راست سننا اور سرکشی کے باوجود اللہ تعالیٰ کا ان کو ٹھیک ٹھاک زندہ کر دینا۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى
قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ
رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ
السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَ
تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ
الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ
اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ
وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ۚ

**ترجمہ**: اور چن لیا موسیٰ نے اپنی قوم میں ستر آدمیوں کو ہمارے وقت معین کے لئے۔ پھر جب پکڑا ان کو زلزلہ نے کہا (موسیٰ نے) اے میرے رب اگر تو چاہتا تو ہلاک کرتا تو ان کو پہلے ہی اور مجھ کو (بھی)۔ کیا تو ہلاک کر دے گا ہم کو بسبب اس کے جو کیا بے وقوفوں نے ہم میں سے۔ نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش۔ تو گمراہ کرتا ہے اس کے ذریعے جس کو چاہتا ہے اور تو ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ تو ہی ہمارا خبر گیر ہے پس بخش دے ہم کو اور رحم کر ہم پر اور تو سب سے بہتر ہے بخشنے والوں میں۔ اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں (بھلائی) ہم نے رجوع کیا تیری طرف۔ فرمایا (اللہ نے) میرا عذاب میں پہنچاتا ہوں اس کو جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت وسیع ہوئی ہر چیز پر۔ پس میں لکھ دوں گا اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں اور دیتے ہیں زکوۃ اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

**تفسیر**: (موسیٰ) علیہ السلام (نے ستر آدمی اپنی قوم سے ہمارے وقت معین) پر لانے (کے

لئے منتخب کئے) چنانچہ وہاں پہنچ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تو اس میں ایک بخ نکالی اور کہنے لگے کہ خدا جانے کون بول رہا ہوگا ہم تو جب یقین کریں کہ خدا تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھ سے دیکھ لیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں مذکور ہے انہوں نے کہا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَہۡرَۃً یعنی ہم ہرگز تیری بات نہ مانیں گے جب تک ہم اللہ کو کھلا کھلا نہ دیکھ لیں۔ خدا تعالیٰ نے اس گستاخی کی سزا دی نیچے سے شدید زلزلہ شروع ہوا اوپر سے ایسی کڑک بجلی ہوئی کہ سب کانپ کر مر گئے یا مردوں کی سی حالت کو پہنچ گئے۔ (سو جب ان کو زلزلہ) وغیرہ (نے آ پکڑا تو موسیٰ) علیہ السلام ڈرے کہ بنی اسرائیل جاہل اور بدگمان تو ہیں ہی، یوں سمجھیں گے کہ کہیں لے جا کر کسی طریق سے ان سب کا کام تمام کر دیا ہے گھبرا کر (عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار) یہ تو مجھ کو یقین ہے کہ ان لوگوں کو محض سزا دینا منظور ہے خاص ہلاک کرنا مقصود نہیں کیونکہ (اگر آپ کو ہلاک کرنا منظور ہوتا تو آپ اس سے) یعنی یہاں بلانے اور کلام سنانے سے (پہلے ہی ان کو اور) ساتھ ہی (مجھ کو) بھی (ہلاک کر دیتے) کہ میں ہی ان کو لے کر آیا۔ کس کی مجال تھی کہ آپ کی مشیت کو روک سکتا۔ جب آپ نے ایسا نہیں چاہا تو (کیا) اب (آپ ہم میں کے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دیں گے) نہیں بلکہ ہمیں آپ کی رحمت سے امید ہے کہ آپ ایسا نہ کریں گے۔ اور زلزلہ اور کڑک کا (یہ واقعہ محض آپ کی طرف سے ایک امتحان ہے، ایسے امتحانات سے جس کو آپ چاہیں گمراہی میں ڈال دیں) کہ وہ حق تعالیٰ کی شکایت اور ناشکری کرنے لگے (اور جس کو آپ چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں) کہ وہ اس کو اللہ کی حکمتوں اور مصلحتوں میں سے سمجھے۔ سو میں آپ کے فضل و کرم سے آپ کے حکیم ہونے کا علم رکھتا ہوں لہٰذا اس امتحان میں مطمئن ہوں اور (آپ ہی تو ہمارے خبر گیر ہیں ہم پر مغفرت اور رحمت فرمائیے اور آپ سب معافی دینے والوں سے زیادہ بہتر ہیں) سو ان کی گستاخی بھی معاف کر دیجئے چنانچہ وہ لوگ صحیح سالم اٹھ کھڑے ہوئے، سورہ بقرہ میں اس کی تفصیل گذری ہے (اور) اس دعا کے ساتھ آپ نے تفصیلی رحمت کے لئے یہ بھی دعا کی کہ (ہم لوگوں کے لئے دنیا میں بھی نیک حالی لکھ دیجئے اور) اسی طرح (آخرت میں بھی) کیونکہ (ہم آپ کی طرف) خلوص و اطاعت کے ساتھ (رجوع کرتے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کی اور (فرمایا کہ) اے موسیٰ اول تو مطلقاً میری رحمت میرے غضب پر سبقت رکھتی ہے چنانچہ (میں اپنا عذاب) اور غضب (تو صرف اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں) اگرچہ مستحق عذاب ہر نافرمان ہوتا ہے لیکن پھر بھی سب پر واقع نہیں کرتا بلکہ ان میں سے خاص خاص لوگوں پر واقع کرتا ہوں جو انتہا درجہ کے سرکش ہوتے ہیں (اور میری رحمت) ایسی عام ہے کہ (تمام اشیاء کو محیط ہو رہی ہے) حالانکہ ان میں سے بہت سی مخلوق مثلاً سرکش و معاند

لوگ اس کے مستحق نہیں مگر ان پر بھی ایک گونہ رحمت ہے گو دنیا ہی میں سہی، پس جب میری رحمت غیر مستحق لوگوں کے لئے بھی عام ہے (تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام تو) کامل طور پر (ضرور ہی لکھوں گا جو) ہمارے وعدہ کے مطابق اس کے مستحق بھی ہیں اس وجہ سے کہ وہ اطاعت کرتے ہیں چنانچہ وہ اعمال قلب بھی پورے کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ (خداتعالیٰ سے ڈرتے ہیں) (اور) اعمال جوارح بھی پورے طور پر بجالاتے ہیں جن کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ (زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو) عقیدہ کی تمام باتوں کو مانتے ہیں اس لئے وہ (ہماری آیتوں پر) بھی (ایمان لاتے ہیں) تو ایسے لوگ تو پہلے سے ہی رحمت کے مستحق ہیں اگرچہ آپ درخواست بھی نہ کرتے اور اب تو آپ رحم اور بھلائی کی درخواست بھی کر رہے ہیں پس ہم آپ کو قبولیت کی بشارت دیتے ہیں کیونکہ آپ تو ایسے ہیں ہی۔ اور آپ کی قوم میں بھی جو رحمت حاصل کرنا چاہے وہ ایسے ہی اوصاف اختیار کرے تاکہ اس کا مستحق ہو جائے۔

**فائدہ**: تقویٰ اور زکوۃ اور ایمان میں حصر مقصود نہیں بلکہ ہر باب کا ایک عمل نمونہ کے طور پر ذکر فرما دیا۔ مطلب یہ ہے کہ تمام احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ پھر جس درجہ کی اطاعت ہوگی اس درجہ کی رحمت ہوگی۔

## پانچواں احسان

ان کی کتابوں یعنی تورات وانجیل میں آخری رسول کی پیشینگوئیوں کا ہونا جو ان کو آسان شریعت دیں گے اور سابقہ سخت احکام دور کر دیں گے اور ان کی پیروی سے فلاح حاصل ہوں گی۔ اور لو وہ رسول تو آ ہی گئے اور تمہیں دعوت ہدایت دے رہے ہیں۔ تم میں سے جو لوگ ان کی اطاعت کر رہے ہیں وہ قابل تعریف ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ
النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ
وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ
اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ
وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ١٥٧

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَا ۨالَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ‌ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهِ النَّبِىِّ الۡاُمِّىِّ الَّذِىۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰٓى اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ وَبِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾

**ترجمہ**: وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں رسول نبی امی کی جو پاتے ہیں لکھا ہوا اس کو اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔ حکم دیتا ہے ان کو نیکی کا اور روکتا ہے ان کو برائی سے اور حلال بتاتا ہے ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو اور حرام بتاتا ہے ان پر گندی چیزوں کو اور ہٹاتا ہے ان سے ان کے بوجھ کو اور ان طوق کو جو تھے ان پر۔ پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی) پر اور حمایت کی اس کی اور مدد کی اس کی اور پیروی کی اس نور کی جو اتارا گیا اس کے ساتھ، وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔ تو کہہ دے اے لوگو بے شک میں رسول ہوں (اس) اللہ کا تم سب کی طرف، جس کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔ نہیں کوئی لائق عبادت مگر وہی۔ وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے اس رسول نبی امی پر جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور اس کے کلمات (یعنی احکام) پر اور پیروی کرو اسکی تاکہ تم راہ پاؤ۔ اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ ہے جو (ایسے افراد پر مشتمل ہے کہ) راہ بتاتے ہیں حق کی اور اس کے مطابق انصاف کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (جو لوگ ایسے رسول نبی امی) جن کے علوم و معارف براہ راست اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں کسی انسانی واسطہ کے مرہون منت نہیں ان (کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں) جن کی صفت یہ بھی ہے کہ (وہ ان کو نیک کاموں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتاتے ہیں) گو وہ پہلی شریعتوں میں حرام تھیں (اور گندی چیزوں کو) بدستور (ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو) پہلی شریعتوں میں سخت اور شدید احکام کے (بوجھ اور طوق) لدے ہوئے (تھے) یعنی جن کا ان کو پابند کیا ہوا تھا (ان کو دور کرتے ہیں) یعنی ایسے سخت احکام ان کی شریعت میں منسوخ ہو جاتے ہیں (سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور) یعنی

قرآن (کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں) کہ ابدی عذاب سے نجات پائیں گے۔

(آپ کہہ دیجئے کہ اے) دنیا جہان کے (لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا) پیغمبر (ہوں جس کی بادشاہت تمام آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے، اس لئے اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر) بھی ایمان لاؤ (جو کہ) خود بھی (اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں) یعنی جب باوجود اس عظیم رتبہ کے ان کو اللہ اور سب رسولوں اور کتابوں پر ایمان لانے سے عار نہیں تو تم کو اللہ و رسول پر ایمان لانے سے کیوں انکار ہے (اور ان) نبی (کا اتباع کرو تا کہ تم راہ) راست (پر آ جاؤ۔ اور) اگر چہ بعض لوگوں نے آپ کی مخالفت کی لیکن (موسیٰ) علیہ السلام (کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو دین حق) یعنی اسلام (کے موافق) لوگوں کو (ہدایت بھی کرتے ہیں اور اسی کے موافق) اپنے اور غیروں کے معاملات میں (انصاف بھی کرتے ہیں) اس جماعت سے مراد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی نبوت کے ثبوت میں جہاں دلائل کی شہادت موجود ہے وہاں اہل علم کی شہادت بھی موجود ہے۔

**فائدہ**: 1: یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ کا حاصل یہ ہے کہ یہود پر جو بعض اشیاء حرام تھیں اس کی وجہ ان اشیاء کا خبث نہ تھا بلکہ ان کی شرارت و سرکشی تھی۔ آپ کی شریعت میں ان کے طیب ہونے کے موافق پھر عمل درآمد ہوا۔

2: توریت و انجیل کی تخصیص اس لئے کی کہ وہ کتب شریعت سمجھی جاتی تھیں ورنہ آپ کی بشارت زبور میں بھی تھی۔

چھٹا احسان

صحرائے تیہ میں بنی اسرائیل کے لئے کھانے پینے کا اور سایہ کا انتظام کیا

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ

اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ

الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا

رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

**ترجمہ**: اور تقسیم کیا ہم نے ان کو بارہ خاندانوں جماعتوں میں اور وحی کی ہم نے موسیٰ کی طرف جب پانی طلب کیا اس سے اس کی قوم نے کہ مارو اپنے عصا کو پتھر پر، تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے۔ پہچان لیا ہر شخص نے اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے ان پر بادل کا اور اتارا ہم نے ان پر من اور سلوی۔ کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو عطا کیں ہم نے تم کو۔ اور نہیں نقصان کیا انہوں نے ہمارا لیکن وہ خود اپنی جانوں کا نقصان کرتے تھے۔

**تفسیر**: اور ہم نے ایک انعام بنی اسرائیل پر کیا کہ ان کی اصلاح وانتظام کے لئے (انکو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعت مقرر کر دی) اور ہر ایک پر ایک سردار نگرانی کے لئے مقرر کر دیا، جن کا ذکر سورہ مائدہ کے تیسرے رکوع میں ہے کہ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا (اور) ایک انعام یہ کیا کہ (ہم نے موسیٰ) علیہ السلام (کو حکم دیا جب کہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا) اور انہوں نے حق تعالیٰ سے دعا کی، اس وقت یہ حکم ہوا (کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو) اس سے پانی نکل آئیگا (بس) مارنے کی دیر تھی (فوراً اس سے بارہ چشمے) بارہ خاندانوں کے عدد کے موافق (پھوٹ نکلے) چنانچہ (ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کر لیا۔ اور) ایک انعام یہ کیا کہ (ہم نے ان کے اوپر ابر کو سایہ افگن کیا اور) ایک انعام یہ کیا کہ (ان کو) خزانہ غیب سے (ترنجبین اور بٹیریں پہنچائیں) اور اجازت دی کہ (کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں) لیکن ان لوگوں نے نہ تو ہماری نعمتوں کی قدر کی اور نہ ہی ہمارے احکام بجا لائے (اور) اس سے (انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا، لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے) یہ واقعات وادی تیہ کے ہیں جن کی تفصیل سورہ بقرہ میں گذر چکی۔

**ربط**: احسانات گنانے کے بعد اب بتاتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل نے نافرمانی پر ہی کمر باندھی تو ان پر سزا بھی نازل ہوئی۔

نافرمانی اور عذاب کی پہلی مثال

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

**ترجمہ**: اور جب کہا گیا ان سے کہ (جاکر) رہو اس بستی میں اور کھاؤ اس میں سے جہاں چاہو اور کہو توبہ ہے اور داخل ہو دروازہ میں جھکے ہوئے تو ہم بخش دیں گے تمہارے لئے تمہاری خطائیں (اور) ہم زیادہ دیں گے نیکی کرنے والوں کو۔ تو بدل ڈالا ان لوگوں نے، جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے، لفظ کو علاوہ اس کے جو کہا گیا تھا ان سے پھر بھیجا ہم نے ان پر عذاب آسمان سے بسبب اس کے جو وہ ظلم کرتے تھے۔

**تفسیر**: اور جب بنی اسرائیل سے کہا گیا (کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ اس) کی چیزوں میں (سے جس جگہ تم رغبت کرو اور) یہ بھی حکم دیا گیا کہ جب اندر جانے لگو تو (زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے) توبہ ہے (اور) عاجزی سے (جھکے جھکے دروازے میں داخل ہونا ہم تمہاری) پچھلی (خطائیں معاف کر دیں گے) یہ تو سب کے لئے ہوگا اور (جو لوگ نیک کام کریں گے ان کو مزید اور دیں گے، سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ) سے (جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس) کے کہنے (کی ان سے فرمائش کی گئی تھی، تو ہم نے ان پر ایک، آفت سماوی بھیجی، اس وجہ سے کہ وہ حکم کو ضائع کرتے تھے)۔

نافرمانی اور عذاب کی دوسری مثال: اہل سبت کے مسخ کا قصہ

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۔ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا

يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ

**ترجمہ**: اور پوچھ ان سے اس بستی کے بارے میں جو تھی دریا کے کنارے پر۔ جب وہ حد سے بڑھنے لگے ہفتہ (کے دن کے حکم کے بارے) میں جب آتیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں انکے ہفتہ کے دن ظاہر ہو ہو کر اور جس دن وہ ہفتہ نہ پاتے نہ آتیں ان کے پاس۔ اسی طرح ہم آزماتے تھے ان کو بسبب اس کے جو وہ نافرمانی کرتے تھے۔ اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کیوں تم نصیحت کرتے ہو ایسے لوگوں کو کہ اللہ ہلاک کرنے والا ہے ان کو یا عذاب دینے والا ہے ان کو سخت عذاب۔ (جواب میں) انہوں نے کہا عذر کرنے کے لئے تمہارے رب کی طرف اور شاید کہ یہ ڈر (ہی) جائیں۔ پھر جب انہوں نے بھلا دیا اس کو نصیحت کئے گئے وہ جس کی نجات دی ہم نے ان لوگوں کو جو روکتے تھے برائی سے اور پکڑا ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے زیادتی کی سخت عذاب کے ساتھ بسبب اس کے جو وہ نافرمانی کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے تجاوز کیا اس سے روکے گئے تھے جس سے تو کہا ہم نے ان کو ہو جاؤ بندر ذلیل۔

**تفسیر**: (اور آپ ان) اپنے ہمعصر یہودی (لوگوں سے) بطور تنبیہ کے (اس بستی) والوں (کا جو کہ دریا کے قریب آباد تھے) اور اس میں یہودی رہتے تھے جن کو ہفتہ کے روز شکار کرنا ممنوع تھا (اس وقت کا حال پوچھئے جب کہ وہ) یعنی وہاں کے بسنے والے (ہفتہ) کے متعلق جو حکم تھا اس (کے بارے میں حد) شرعی (سے نکل رہے تھے جب کہ ان کے ہفتہ کے روز تو ان) کے دریا (کی مچھلیاں) پانی سے سر نکال نکال (ظاہر ہو ہو کر) سطح دریا پر (ان کے سامنے آتی تھیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں) بلکہ وہاں سے دور کہیں چلی جاتی تھیں اور وجہ اس کی یہ تھی کہ (ہم ان کی اس طرح پر) شدید (آزمائش کرتے تھے) کہ کون حکم پر ثابت رہتا ہے کون نہیں رہتا۔ اور یہ آزمائش (اس سبب سے) تھی (کہ وہ) پہلے سے (نافرمانی کیا کرتے تھے) اسی لئے ایسے سخت حکم سے ان کی آزمائش کی جب کہ اہل طاعت کی آزمائش لطف اور توفیق اور تائید کے ساتھ ہوا کرتی ہے (اور) اس وقت کا حال پوچھئے (جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے) جو کہ ان کو نصیحت کرتے کرتے ان پر اثر و نفع ہونے سے مایوس ہو گئے تھے ایسے لوگوں سے جو اب بھی نصیحت کئے چلے جا رہے تھے اور اس قدر مایوس بھی نہ ہوئے تھے جیسا کہ ان کے قول لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ یعنی شاید کہ یہ ڈر جائیں سے معلوم ہوتا ہے (یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو جن) سے قبول کی کچھ امید نہیں اور ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ ان ( کو اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک کرنے والے ہیں یا) ہلاک نہ کیا تو (ان کو) کوئی اور طرح کی ( سخت سزا دینے والے ہیں ) یعنی ایسوں کے ساتھ کیوں دماغ خالی کرتے ہو۔ (انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے ) اور اپنے (رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے ) ان کو نصیحت کرتے ہیں کہ اللہ کے روبرو کہہ سکیں کہ اے اللہ ہم نے تو کہا تھا مگر انہوں نے نہ سُنا ہم معذور ہیں (اور ) نیز (اس لئے کہ شاید ڈر جائیں ) اور حکم خداوندی پر عمل کرنے لگیں۔ مگر وہ کب عمل کرتے تھے (سو) آخر (جب وہ اس امر کے تارک ہی رہے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا) یعنی نہ مانا (تو ہم نے ان لوگوں کو تو ) عذاب سے (بچا لیا جو اس بری بات سے منع کیا کرتے تھے ) خواہ برابر منع کرتے رہے اور خواہ مایوس ہو جانے کی وجہ سے بیٹھ رہے (اور ان لوگوں کو جو کہ ) مذکور حکم میں (زیادتی کرتے تھے ان کو) اس نافرمانی کی وجہ سے (ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا) یعنی (جب وہ جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا اس میں حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو) عذاب کے طور پر براہ قہر ( کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ)۔

**فائدہ: 1-**: جب نصیحت کے اثر ہونے کی بالکل امید نہ ہو تو نصیحت کرنا واجب نہیں رہتا گو عالی ہمتی ہے لہٰذا لِمَ تَعِظُوْنَ کے قائلین نے ناامیدی کی وجہ سے عدم وجوب پر عمل کیا اور مَعْذِرَةً اِلٰی رَبِّكُمْ کے قائلین کو یا تو ناامیدی نہیں ہوئی یا عالی ہمتی کی شق کو اختیار کیا۔ غرض دونوں ہی درستگی پر تھے اور دونوں کی نجات سمجھ میں آتی ہے۔

2- وہ بندر تین دن کے بعد سب مر گئے آگے ان کی نسل نہیں چلی۔

## نافرمانی اور عذاب کی تیسری مثال

نافرمانوں پر قیامت تک عذاب نازل ہوتا رہے گا۔ البتہ جو نافرمانی کے مرتکب نہ تھے مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ سے ان کا استثناء کیا۔ آخر میں فرمایا کہ یہ لوگ کیونکر نافرمانی کرتے ہیں حالانکہ یہ تو ہم سے عہد و پیمان کر چکے ہیں۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚۖ وَ
اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ
الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ

يَأْخُذُونَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُولُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ
يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۗ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ
الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۗ وَ
الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ
يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۗ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

**ترجمہ**: اور جب خبر دی تیرے رب نے کہ ضرور وہ بھیجتا رہے گا ان (یہود) پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو جو تکلیف دیا کرے گا ان کو برے عذاب کی۔ بے شک تیرا رب جلد عذاب والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان (بھی) ہے۔ اور تقسیم کر دیا ہم نے ان کو زمین میں گروہ گروہ (بعض) ان میں سے نیک ہیں اور (بعض) ان میں سے اس کے علاوہ ہیں۔ اور آزمائش کی ہم نے ان کی خوشحالیوں اور بدحالیوں کے ساتھ تاکہ وہ پلٹ آئیں۔ پھر پیچھے آئے ان کے بعد ایسے جانشین جو وارث ہوئے کتاب کے لے لیتے ہیں سامان اس ادنیٰ زندگی کا اور کہتے ہیں معاف کر دیا جائے گا ہم کو۔ اور اگر آئے ان کے پاس سامان اسی طرح کا تو لے لیں اس کو بھی۔ کیا نہیں لیا گیا ان پر عہد کتاب کا کہ نہ کہیں اللہ پر مگر حق بات اور پڑھ لیا انہوں نے جو کچھ اس (کتاب) میں تھا۔ اور دار آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو پرہیز گاری کرتے ہیں۔ کیا پھر (بھی) تم سمجھتے نہیں ہو۔ اور جو لوگ خوب پکڑتے ہیں کتاب کو اور قائم کرتے ہیں نماز بے شک ہم نہیں ضائع کرتے اجر اصلاح کرنے والوں کا۔

**تفسیر**: (اور) وہ وقت یاد کرنا چاہئے کہ (جب آپ کے رب نے) بنی اسرائیل کے انبیاء کی معرفت (یہ بات بتلا دی کہ وہ ان یہود پر) ان کی گستاخیوں اور نافرمانیوں کی سزا میں (قیامت) کے قریب (تک ایسے) کسی نہ کسی (شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو) ذلت وخواری اور محکومیت کے (سخت عذاب کی تکلیف پہنچاتا رہے گا) چنانچہ مدت سے یہودی کسی نہ کسی سلطنت کے محکوم ومقہور ہی چلے آئے ہیں اور اب جو یہود کی ظاہری حکومت قائم ہے اور عیسائی حکومتیں اس کی مدد کر رہی ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب قرب قیامت کا زمانہ ہے (بلاشبہ آپ کا رب واقعی) جب چاہے (جلدی

ہی سزا دے دیتا ہے اور بلاشبہ) نافرمان اگر باز آ جائے تو (وہ واقعی بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا) بھی (ہے۔ اور ہم نے دنیا میں ان کی متفرق جماعتیں کر دیں) چنانچہ (بعضے ان میں نیک) بھی (تھے اور بعضے ان میں اور طرح کے تھے) یعنی برے تھے (اور ہم) نے ان بروں کو بھی اپنی عنایت اور تربیت و اصلاح کے اسباب جمع کرنے سے کبھی نہیں روکا بلکہ ہمیشہ (ان کو خوش حالیوں) یعنی صحت وغنا (اور بدحالیوں) یعنی بیماری وفقر (سے آزماتے رہے کہ شاید) اسی سے (باز آ جائیں) کیونکہ کبھی خوشحالی سے ترغیب ہو جاتی ہے اور کبھی بدحالی سے ڈر پیدا ہو جاتا ہے، یہ حال تو ان کے سلف یعنی اگلے لوگوں کا ہوا (پھر ان) سلف (کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ کتاب) یعنی تورات (کو) تو (ان سے حاصل کیا) لیکن اس کے ساتھ ہی حرام خور ایسے ہیں کہ احکام کتاب کے عوض میں (اس دنیائے دنی کا مال متاع) اگر ملے تو بے تکلف اس کو (لے لیتے ہیں اور) بیباک ایسے ہیں کہ اس گناہ کو حقیر سمجھ کر (کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی) کیونکہ ہم اللہ کے محبوب ہیں، ایسے گناہ ہماری مقبولیت کے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں (حالانکہ) اپنی بیباکی پر اور اپنے گناہوں کو ہلکا سمجھنے پر مصر ہیں حتی کہ (اگر ان کے پاس) پھر (ویسا ہی) دین فروشی کے عوض (مال متاع آنے لگے تو) اسی بے باکی کے ساتھ پھر (اس کو لے لیتے ہیں) اور معصیت کو ہلکا سمجھنا تو خود کفر ہے جس پر مغفرت کا امکان نہیں، چنانچہ آگے یہی ارشاد ہے کہ (کیا ان سے اس کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا کہ خدا کی طرف سوائے حق) اور واقعی (بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں) مطلب یہ ہے کہ جب کسی آسمانی کتاب کو مانا جاتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم اس کے سب مضامین مانیں گے۔ (اور) ان سے عہد بھی کوئی مبہم عہد نہیں لیا گیا جس میں احتمال ہو کہ شاید عہد کے مضمون کا اس کتاب میں ہونا ان کو معلوم نہ ہوگا بلکہ تفصیلی عہد لیا گیا چنانچہ (انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ) لکھا (تھا اس کو پڑھ) بھی (لیا) جس سے وہ احتمال بھی جاتا رہا پھر بھی یہ ایسی بڑی بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ باوجود گناہوں کو ہلکا سمجھنے کے مغفرت کا اعتقاد کئے ہوئے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ پر محض تہمت ہے (اور) انہوں نے یہ سب کچھ دنیا کے لئے کیا، باقی (آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے) اس دنیا سے (بہتر ہے جو) ان برے عقائد و اعمال سے (پرہیز رکھتے ہیں۔ پھر کیا) اے یہود (تم) اس بات کو (نہیں سمجھتے اور) ان میں سے (جو لوگ کتاب) یعنی تورات (کے پابند ہیں) جس میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا بھی حکم ہے اور پابندی یہی ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے (اور) عقائد کے ساتھ اعمال صالحہ کے بھی پابند ہیں چنانچہ (نماز کی پابندی کرتے ہیں، ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی) اس طرح (اصلاح

کریں ثواب ضائع نہ کریں گے )۔

**ربط**: اوپر ذکر ہوا کہ بنی اسرائیل سے کھلا کھلا عہد لیا گیا تھا اس میں کچھ ابہام نہ تھا۔ آگے بتاتے ہیں کہ وہ عہد انتہائی اہتمام اور تاکید کے ساتھ لیا گیا تھا کہ پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا تھا۔

وَاِذۡ نَتَقۡنَا الۡجَبَلَ فَوۡقَهُمۡ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوۡۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ ۚ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاذۡكُرُوۡا مَا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۱﴾

**ترجمہ**: اور جب اٹھایا ہم نے پہاڑ ان کے اوپر گویا کہ وہ سائبان ہے اور یقین کیا انہوں نے کہ وہ گرنے والا ہے ان پر (تو ہم نے کہا) لے لو جو دیا ہم نے تم کو مضبوطی سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

**تفسیر**: (اور) وہ وقت بھی قابل ذکر ہے (جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر چھت کی طرح ان) بنی اسرائیل (کے اوپر) محاذات میں (معلق کر دیا اور ان کو یقین ہوا کہ اب ان پر گرا) اور ہم نے اس وقت کہا کہ جلدی (قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے) یعنی تورات اور (مضبوطی کے ساتھ) قبول کرو (اور جو احکام اس) کتاب (میں ہیں، ان کو یاد رکھو جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ)۔

**ربط**: بنی اسرائیل سے لئے گئے عہد کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے عالم ارواح میں ہم تمام انسانوں سے اپنی ربوبیت کا عہد لے چکے ہیں۔ لوگوں کو اپنے اس عہد کا پاس کرنا لازم تھا۔ انبیاء علیہم السلام تو اس عہد کو یاد دلاتے ہی ہیں لیکن اس کے علاوہ اس عہد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کے تمام افراد کے قلوب و فطرت میں اپنی ربوبیت اور توحید کا بیج ڈال دیا تاکہ اس کے ہوتے ہوئے آدمی ذرا انصاف سے غور کرے تو توحید کو آسانی سے سمجھ لے اور ہر آدمی عقل و فہم اور وحی والہام کی مدد سے ایمان و توحید کے درخت کو پروان چڑھا سکے۔ یہ اسی عہد کا اثر ہے کہ اولاد آدم ہر زمانے میں اور ہر علاقے میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے۔ جو شخص اپنے الحاد و شرک کو حق بجانب قرار دینے کے لئے غفلت، بے خبری یا آباؤ اجداد کی کورانہ تقلید کا عذر کرتا ہے اس کے مقابلہ پر خدا کی یہی حجت قاطعہ، جس میں اصل فطرت انسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، فیصلہ کن جواب کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔

وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

**ترجمہ**: اور جب (نکال) لیا تیرے رب نے بنی آدم سے (یعنی) ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور گواہ بنایا ان کو ان کی جانوں پر (کہ) کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب (وہ سب) بولے کیوں نہیں۔ گواہ بنے ہم کہ کہیں تم کہنے لگو قیامت کے دن ہم تھے اس سے بے خبر یا تم کہنے لگو محض شرک کیا ہمارے باپ دادوں نے اس سے پہلے اور ہم ہوئے اولاد انکے بعد۔ کیا پس تو ہلاک کرتا ہے ہم کو بسبب اس کے جو کیا گمراہوں نے۔ اور اس طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیتوں کو اور تاکہ وہ پلٹ آئیں۔

**تفسیر**: (اور) ان سے اس وقت کا واقعہ ذکر کیجئے (جب کہ آپ کے رب نے) عالم ارواح میں آدم علیہ السلام کی پشت سے تو خود ان کی اولاد کو اور (اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور) ان کو سمجھ عطا کر کے (ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے) اس عقل خداداد سے حقیقت امر کو سمجھ کر (جواب دیا کہ کیوں نہیں) واقعی آپ ہمارے رب ہیں۔ حق تعالیٰ نے وہاں جتنے ملائکہ اور مخلوقات حاضر تھے سب کو گواہ کر کے سب کی طرف سے فرمایا (ہم سب) اس واقعہ کے (گواہ بنتے ہیں) اور یہ اقرار اور شہادت سب اس لئے ہوا کہ (تاکہ تم لوگ) یعنی جو تم میں توحید کے ترک کرنے پر اور شرک اختیار کرنے پر سزا پائیں (قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس) توحید (سے محض بے خبر تھے یا یوں کہنے لگو کہ) اصل (شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے) اور عام طور سے اصل عقائد و خیالات میں اولاد بڑوں کے تابع ہوتی ہے اس لئے ہم بے خطا ہیں پس اپنے فعل پر تو ہم سزا کے مستحق نہیں اگر سزا ہوگی تو لازم آتا ہے کہ ان بڑوں کی خطا میں ہم پکڑے جائیں (سو کیا ان غلط راہ) نکالنے (والوں کے فعل پر آپ ہم کو ہلاکت میں ڈالے دیتے ہیں)۔ سو اب اس اقرار و گواہی کے بعد تم یہ عذر نہیں پیش کر سکتے۔ پھر اس کے بعد ان سب سے وعدہ کیا گیا کہ یہ عہد تم کو دنیا میں پیغمبروں کے ذریعہ سے یاد دلایا جائے گا

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اس امت کی یاد دہانی کے لئے قرآن پاک کے اس مقام میں اِذْ اَخَذَ کے
ترجمہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو اس واقعہ کے ذکر کا حکم ہوا (اور) آخر میں بھی اس یاد دہانی کو
جتلاتے ہیں کہ (ہم اسی طرح) اپنی (آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں) تاکہ ان کو اس عہد کا
ہونا معلوم ہو جائے (اور تاکہ) معلوم ہونے کے بعد شرک وغیرہ سے (وہ باز آجائیں)۔

**فائدہ**: 1 حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کی اولاد کی پشت سے ان کی اولاد اسی طرح آخر تک سلسلہ چلا۔ اسی لئے اکثر کا اعتبار کرتے ہوئے منْ بنی آدم کہا صرف من آدم نہیں کہا۔

2۔ اگرچہ ہمیں یہ عہد یاد نہیں رہا لیکن انبیاء علیہم السلام ہمیشہ توحید کی دعوت دیتے رہے اور یہ عہد یاد دلاتے رہے۔ ان کا اس کا تذکرہ کرنا ہمارے لئے بطور حجت کافی ہے۔

**ربط**: شیطان کی دشمنی اور انجام بد کی واقعاتی شہادتیں اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر عہد ان سب کے ذکر سے حق کو سمجھنا کچھ دشوار نہیں۔ حق کو پوری طرح سمجھ لینے کے باوجود جو لوگ محض دنیوی طمع اور سفلی خواہشات کی پیروی کریں اور حق کو چھوڑ دیں آگے ان کی مثال ذکر کرتے ہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ
اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾
وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ
هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ
تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ
فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

**ترجمہ**: اور پڑھ ان پر حال اس شخص کا دیں ہم نے جس کو اپنی آیتیں پھر وہ نکل گیا ان سے اور پیچھے لگ گیا اس کے شیطان تو ہو گیا وہ گمراہوں میں سے۔ اور اگر ہم چاہتے تو بلند کرتے اس کو ان (آیتوں) کے سبب ولیکن وہ مائل ہوا زمین کی طرف اور اس نے پیروی کی اپنی خواہش کی تو اس کی مثال مانند ہے کتے کی مثال کے۔ اگر تو حملہ کرے اس پر تو ہانپے

اور اگر تو چھوڑ دے اس کو تو (تب بھی) ہانپے۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ سو بیان کر (یہ) احوال شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔ بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور اپنی جانوں پر وہ ظلم کرتے تھے۔

**تفسیر**: (اور ان لوگوں کو) عبرت کے واسطے (اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں) اور حقائق سے آگاہ کیا لیکن (پھر وہ ان) آیتوں (سے بالکل ہی نکل گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا، سو وہ گمراہ لوگوں میں داخل ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو) وہ آیتوں اور ان کے حکموں پر عمل کرتا اور ہم (اس کو ان آیتوں) کے مقتضا پر عمل کرنے (کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور) اس میلان کے سبب (اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا) اور آیات واحکام پر عمل چھوڑ دیا (سو) آیات کو چھوڑ کر جو پریشانی اور دائمی ذلت اس کو نصیب ہوئی اس کے اعتبار سے (اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے) اور مار کر نکال دے (تب بھی ہانپے یا اس کو) اس کی حالت پر (چھوڑ دے تب بھی ہانپے) کسی حال میں اس کو راحت نہیں، کیونکہ طبعی طور پر دل کی کمزوری کی وجہ سے اچھی طرح لمبا سانس لینے پر قادر نہیں۔ اسی طرح اس شخص کے حق میں اس کی اخلاقی کمزوری کی وجہ سے آیات واحکام کا دیا جانا اور نہ دیا جانا یا تنبیہ کرنا اور نہ کرنا دونوں حالتیں برابر ہو گئیں اور دنیا کی حرص کی وجہ سے اس کی زبان باہر لٹک پڑی اور ترک آیات کی نحوست سے بدحواسی اور پریشانی خاطر کا نقشہ برابر ہانپتے رہنے کی مثال میں ظاہر ہوا۔ غرض یہ شخص ذلت میں تو کتے کے مشابہ ہو گیا اور پریشانی میں کتے کی مذکورہ صفت میں شریک ہوا پس جیسی اس شخص کی حالت ہوئی (یہی حالت) عام طور پر (ان لوگوں کی ہے جنہوں نے) توحید و رسالت پر دلالت کرنے والی (ہماری آیتوں کو جھٹلایا) کہ حق کے واضح ہونے کے بعد محض ہُوی پرستی کے سبب حق کو ترک کرتے ہیں (سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ) اس کو سن کر کچھ غیرتمند ہوں اور غیرتمند آدمی چونکہ اتنی بری مثال کے اپنے اوپر چسپاں ہونے کو پسند نہیں کریں گے اس لئے شاید اس کو سن کر حق کے بارے میں وہ (کچھ سوچیں)۔ حقیقت میں (ان لوگوں کی حالت بھی بری حالت ہے جو) توحید و رسالت پر دلالت کرنے والی (ہماری) آیات (کو جھٹلاتے ہیں اور) اس تکذیب سے (وہ اپنا) ہی (نقصان کرتے ہیں)۔

**فائدہ**: بظاہر ترتیب کا تقاضا یہ ہے کہ اَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ مقدم ہو فانسلخ پر کیونکہ پہلے شیطان پیچھے لگتا ہے پھر اس سے غوایت و گمراہی شروع ہوتی ہے پھر وہ بڑھ کر

انسلاخ یعنی راہ حق سے نکل جانا بن جاتا ہے مگر یہاں اَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ سے شیطان کا مسلسل پیچھا کرنا مراد ہے محض پیچھا کرنا مراد نہیں ہے، اور مسلسل پیچھا کرنا انسلاخ کے بعد ہی ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں غوایت و گمراہی سے بھی اس کا دوام اور کفر پر خاتمہ مراد ہے اور یہ بھی انسلاخ کے بعد ہوتا ہے۔ انسلاخ کے بعد اتبعہ الشیطان کو ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ مطلق معصیت سے شیطان کا کامل تسلط نہیں ہو جاتا۔ البتہ جب انسان اس کے نامکمل تسلط کے باوجود راہ حق کی مکمل تابعداری کو چھوڑ کر مکمل انسلاخ اور راہ حق سے مکمل انحراف اختیار کر لیتا ہے کہ عملی مخالفت کے ساتھ ساتھ انکار اعتقادی بھی ہو جائے تب شیطان کا تسلط مکمل ہوتا ہے۔ پس آدمی اپنے ہاتھوں بگڑتا ہے۔

**ربط**: آگے اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ تمام آیتوں اور نشانیوں سے آگاہ ہونے کے باوجود بہت سے لوگ ہدایت کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ وہ حقیقت یہ ہے کہ علم بھی انسان کو جب ہی کام دیتا ہے جب خدا کی ہدایت اور دستگیری سے علم صحیح کے موافق چلنے کی توفیق ہو۔ جسے خدا ہی سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق نہ دے وہ راہ ہدایت پر نہیں آ سکتا۔ اور ایسا اس لئے ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی جہنم کے لئے کیا ہے البتہ یہ لوگ جہنم میں جاتے ہیں تو اپنے اختیار اور ارادے کو استعمال کر کے ہی جاتے ہیں۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾
وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ
لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ
لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

**ترجمہ**: جس کو ہدایت دے اللہ تو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو گمراہ کرے (اللہ) تو وہی لوگ نقصان والے ہیں۔ اور پیدا کئے ہیں ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان۔ ان کے دل ہیں (لیکن) نہیں سمجھتے ان سے اور ان کی آنکھیں ہیں (لیکن) نہیں دیکھتے ان سے اور ان کے کان ہیں (لیکن) نہیں سنتے ان سے۔ وہ مانند چوپایوں کے ہیں بلکہ وہ زیادہ بے راہ ہیں۔ وہی لوگ ہیں غافل۔

**تفسیر**: (جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے سو ہدایت پانے والا وہی ہوتا ہے اور جس کو گمراہ کر دے سو ایسے ہی لوگ) ابدی (خسارہ میں پڑ جاتے ہیں) پھر ان سے ہدایت کی توقع کرنا بیکار ہے

(اور) جب وہ لوگ اپنی قوتوں سے کام ہی نہیں لیتے تو ہدایت کہاں سے ہو، سو ان کے نصیب میں تو دوزخ ہی ہے چنانچہ (ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ) ہی میں رہنے (کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے) نام کو تو (دل) ہیں مگر (ایسے ہیں جن سے) حق بات کو (نہیں سمجھتے) کیونکہ اس کا ارادہ ہی نہیں کرتے (اور جن کی) نام کو تو (آنکھیں) ہیں مگر (ایسی ہیں جن سے) نظر استدلال کے طور پر کسی چیز کو (نہیں دیکھتے اور جن کے) نام کو تو (کان) ہیں مگر (ایسے ہیں جن سے) متوجہ ہو کر حق بات کو (نہیں سنتے)۔ غرض (یہ لوگ) آخرت کی طرف سے بے توجہ ہونے میں (چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ) اس حیثیت سے کہ چوپایوں کو آخرت کی طرف متوجہ ہونے کا مکلّف تو نہیں بنایا گیا لہٰذا ان کا متوجہ نہ ہونا مذموم نہیں جب کہ ان کو تو اس کا حکم ہے پھر بھی بے توجہی کرتے ہیں سو اس اعتبار سے (یہ لوگ) ان چوپایوں سے بھی (زیادہ بے راہ ہیں) کیونکہ (یہ لوگ) باوجود توجہ دلانے کے آخرت سے (غافل ہیں)۔

**ربط**: غافلوں کا حال ذکر کر کے مومنوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ تم غفلت اختیار نہ کرنا۔ غفلت دور کرنے والی چیز خدا کی یاد ہے سو تم ہمیشہ اس کو اچھے ناموں سے پکارو اور اچھی صفات سے یاد کرو۔ اور غفلت کرنے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں کیونکہ نہ تو تنبیہ کرنے والے رسول کوئی دیوانے ہیں اور نہ ہی آفاقی دلائل رسول کی بات کے خلاف پر دلالت کرتے ہیں اور نہ ہی آدمی اپنی زندگی کی ڈھیل پر مطمئن ہو سکتا ہے کیونکہ کوئی پتہ نہیں کب موت آ جائے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا
الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾
وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ
لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ
مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى
اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

**ترجمہ**: اور اللہ کے لئے ہیں اچھے نام سو پکارو اس کو ان کے ساتھ اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو کج روی کرتے ہیں اس کے ناموں میں۔ وہ بدلہ دیئے جائیں گے اس کا جو وہ کرتے ہیں۔ اور ان میں سے جن کو پیدا کیا ہم نے ایک جماعت ہے جو راہ بتاتے ہیں حق کے مطابق اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ہم بتدریج لئے جا رہے ہیں (جہنم کی طرف) ان کو اس طور پر کہ وہ جانتے نہیں ہیں۔ اور میں مہلت دیتا ہوں ان کو بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔ کیا نہیں غور کیا انہوں نے۔ نہیں ہے ان کے ساتھی کو کچھ جنون۔ نہیں ہے وہ مگر ڈرانے والا کھلا۔ کیا نہیں دیکھا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور (اس میں) جو پیدا کیا اللہ نے ہر چیز سے اور (اس میں) کہ شاید قریب ہوگئی ہو ان کی اجل۔ سو کس بات پر اس (قرآن) کے بعد ایمان لائیں گے۔ جس کو گمراہ کرے اللہ سو نہیں کوئی راہ پر لانے والا اس کے لئے اور (اللہ) چھوڑتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہیں۔

**تفسیر**: (اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے) خاص (ہیں سو تم) ہمیشہ (اللہ کو ان) اچھے ناموں (سے پکارو) اور اچھی صفات سے یاد کرو (اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں) اور خدا کے ناموں اور صفتوں میں کجروی یہ ہے کہ خدا پر ایسے نام یا صفت کا اطلاق کرے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی مثلاً خدا کو عاقل کہنا یا جو حق تعالیٰ کی تعظیم کے لائق نہیں مثلاً اس کو گندگی کا خالق کہنا یا اس کے مخصوص نام اور صفت مثلاً رحمٰن اور الٰہ کا اطلاق غیر اللہ پر کرے یا ان کے معانی بیان کرنے میں بے اصول تاویل اور کھینچ تان کرے یا ان کو معصیت مثلاً سحر وغیرہ کرنے کے مواقع میں استعمال کرے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں اور ان کی صفات میں کجروی کرنے والے (ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی)۔

(اور ہماری مخلوق جن وانس میں) سب گمراہ ہی نہیں بلکہ (ایک جماعت) ان میں (ایسی بھی ہے) جو دین (حق) یعنی اسلام (کے موافق) لوگوں کو (ہدایت) بھی (کرتے ہیں اور اسی کے موافق) اپنے اور غیروں کے معاملات میں (انصاف بھی کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج) جہنم کی طرف (لئے جا رہے ہیں اس طور سے کہ ان کو خبر بھی نہیں)

کیونکہ وہ اپنی حماقت سے سمجھتے ہیں کہ ہم پر مہربانی ہو رہی ہے (اور میں) دنیا میں عذاب نازل کرنے میں (ان کو مہلت دیتا ہوں، بیشک میری تدبیر) جو ظاہر میں رحمت اور حقیقت میں قہر و عذاب ہے (بہت مضبوط ہے) جس کی کسی حیلہ اور تدبیر سے مدافعت نہیں ہوسکتی۔ ان حقائق کے باوجود آیات الٰہی کو جھٹلانے اور اس کے انجام بد سے غافل ہو جانے کا کیا سبب ہے؟ اگر ان آیات کے لانے والے کے بارے میں کچھ شبہ ہے تو (کیا ان لوگوں نے اس بات میں غور نہ کیا کہ ان کا جن) پیغمبر (سے سابقہ ہے ان کو ذرا بھی جنون نہیں) ان کی عقل و دانش اور امانت و دیانت تو تمہارے نزدیک پہلے سے مسلم و معروف ہے (وہ تو صرف ایک صاف صاف) عذاب سے (ڈرانے والے ہیں) جو کہ پیغمبر کا اصلی کام ہوتا ہے۔ اور اگر جس کے پاس سے وہ آیات لائے ہیں اس کے یعنی خدا کے بارے میں کچھ شبہ ہے تو (کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور) نیز (دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں) کہ ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ آفاقی آیات ان کی نازل کردہ آیات کی تائید کرتی ہیں اور اس طرح وہ خدا تعالیٰ کی توحید پر استدلال کرتے (اور اس بات میں) بھی غور نہیں کیا (کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو) تا کہ عذاب کے اندیشے ہی سے ڈرتے اور اس سے بچنے کی فکر کرتے جس سے دین حق مل جاتا۔ اور جب قرآن جیسے مؤثر کلام کو سن کر بھی یہ غور و فکر پر آمادہ نہیں ہوتے تو (پھر قرآن کے بعد کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے) کہ یہ مقدر کر دے کہ وہ اپنے کسب و اختیار سے گمراہی کا عزم کرے (اس کو کوئی راہ پر نہیں لاسکتا اور اللہ تعالیٰ ان کو) جو گمراہی کا عزم کر لیتے ہیں (ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے) تا کہ ایک دفعہ ہی پوری سزا دے۔

**فائدہ**: یہ جو فرمایا میں ان کو مہلت دیتا ہوں اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی شرارتوں پر شدید سزا دینا منظور ہے اس لئے اس کی یہ تدبیر کی گئی کہ دنیا میں ان کو فوراً سزا نہیں دی جاتی بلکہ دنیوی عیش اور فراخی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں حتیٰ کہ خدائی سزا سے بے فکر ہو کر جرائم اور گناہوں کے ارتکاب پر اور زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں۔ اس طرح جو انتہائی سزا ان پر جاری کرنی ہے وہ رفتہ رفتہ اعلانیہ اور کامل طور پر اپنے کو اس کا مستحق ثابت کر دیتے ہیں۔ یہ ہی خدا کی ڈھیل اور استدراج ہے۔ اور لا یَعْلَمُونَ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی حماقت اور بے حیائی سے سمجھتے ہیں کہ ہم پر مہربانی ہو رہی ہے اور حقیقت میں انتہائی عذاب کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔

**ربط**: پیچھے یہ ذکر ہوا کہ کسی بھی شخص کو اپنی موت کا علم نہیں نہ جانے کب آ جائے۔ آگے

فرماتے ہیں کہ اسی طرح تمام دنیا کی اجل یعنی قیامت کا کسی کو کچھ پتہ نہیں وہ بھی اچانک آ جائے گی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کے ہونے کے وقت کا علم نہیں دیا گیا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۂ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

**ترجمہ:** وہ سوال کرتے ہیں تجھ سے قیامت کے بارے میں کہ کب ہے اسکا وقوع، تو کہہ اس کا علم تو محض میرے رب کے پاس ہے۔ نہیں ظاہر کرے گا اس کو اس کے وقت پر مگر وہی (اللہ)۔ بھاری ہو گئی (قیامت) آسمانوں اور زمین میں۔ نہیں آئے گی تمہارے پاس مگر اچانک۔ وہ سوال کرتے ہیں تجھ سے گویا کہ تو تحقیق کرنے والا ہے اس کے بارے میں۔ کہہ محض اس کا علم اللہ کے پاس ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

**تفسیر:** (لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا، آپ فرما دیجئے کہ اس کا) یہ (علم) کہ کب واقع ہوگی (صرف میرے رب ہی کے پاس ہے) دوسرے کسی کو اس کی اطلاع نہیں (اس کے وقت پر اس کو سوائے اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا) اور وہ ظاہر کرنا یہ ہوگا کہ اس کو واقع کر دے گا۔ اس وقت سب کو پوری خبر ہو جائے گی۔ اس سے پہلے محض کسی کو بتانے کے طور پر بھی اس کو ظاہر نہ کیا جائے گا کیونکہ (وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا) اس لئے (وہ تم پر محض اچانک) بے خبری میں (آ پڑے گی) تا کہ وہ جس طرح اشیاء واجسام برباد اور فنا کرنے کے اعتبار سے بھاری ہے اسی طرح دلوں پر بھی اس کا بھاری اثر ہو۔ اور کسی بڑے حادثہ کے وقوع کے وقت کا پہلے سے علم ہو تو دلوں پر وہ بوجھ نہیں ہوتا کیونکہ اس وقت میں وقوع کے لئے دل پہلے سے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا پوچھنا بھی تو معمولی طور پر نہیں بلکہ (وہ آپ سے اس طرح) اصرار و مبالغہ سے (پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں) اور تحقیقات کے بعد آپ کو اس کا پورا علم ہو گیا ہے۔ (آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم) مذکور (خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ) اس بات کو (نہیں جانتے) کہ بعض علوم حق تعالیٰ نے اپنے خزانہ علم میں چھپا رکھے ہیں انبیاء کو بھی ان کی اطلاع نہیں دی لہٰذا ان کے نہ جاننے کو عدم نبوت پر دلیل نہیں بنا سکتے۔

**ربط**: اوپر یہ بتا کر کہ قیامت کے وقت کا علم رسول اللہ ﷺ کو بھی نہیں آگے اس لاعلمی کی وجہ بیان کرنے کا حکم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مجھ کو غیب کا علم نہیں اس معنی میں کہ مجھ میں یہ صلاحیت ہو کہ میں بلا کسی واسطے کے پوشیدہ چیزوں کو جب چاہے اور جتنی چاہے معلوم کرلوں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

**ترجمہ**: تو کہہ دے نہیں میں اختیار رکھتا اپنی ذات کے لئے کسی نفع کا اور نہ کسی نقصان کا مگر جو چاہے اللہ۔ اور اگر میں جانتا ہوتا غیب (کی باتیں) تو میں بہت کچھ حاصل کر لیتا بھلائی سے اور نہ چھوتی مجھ کو برائی۔ نہیں ہوں میں مگر ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

**تفسیر**: (آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے) بھی چہ جائیکہ دوسرے کے لئے (کسی) تکوینی (نفع) کے حاصل کرنے (کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی) تکوینی (ضرر) کے دفع کرنے (کا) اختیار رکھتا ہوں (مگر اتنا ہی کہ جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا ہو) کہ مجھ کو اختیار دے دیں۔ اور جس امر میں اختیار نہیں دیا اس میں بعض اوقات اپنے متوقع منافع فوت ہو جاتے ہیں اور نقصان واقع ہو جاتے ہیں۔ دلیل کا ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ (اور) دلیل کا دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ (اگر میں غیب کی تمام باتیں) اپنے اختیاری امور سے متعلق (جانتا ہوتا تو میں) اپنے لئے (بہت سے منافع حاصل کر لیا کرتا اور کوئی مضرت مجھ پر واقع ہی نہ ہوتی) کیونکہ علم غیب کے سبب معلوم ہو جاتا کہ فلاں کام میرے لئے یقیناً نفع بخش ہوگا لہٰذا اس کو اختیار کر لیا کرتا اور فلاں کام میرے لئے یقیناً مضر ہوگا لہٰذا اس سے پرہیز کرتا۔ اور اب چونکہ علم غیب نہیں اس لئے بعض اوقات نفع والے کام کا علم نہیں ہوتا کہ اس کو اختیار کروں اور اسی طرح مضر کا علم نہیں ہوتا کہ اس سے بچوں بلکہ کبھی الٹا نافع کو مضر اور مضر کو نافع سمجھ لیا جاتا ہے۔ استدلال کا حاصل یہ ہوا کہ جس کو علم غیب ہو اس کے لئے نفع و ضرر کا مالک ہونا لازم تھا لیکن چونکہ لازم موجود نہیں ہے۔ اس لئے ملزوم یعنی علم غیب بھی موجود نہیں ہے اور یہی مطلوب ہے۔ غرض میں ایسے امور کا علم نہیں رکھتا۔ (میں تو محض) احکام شرعیہ بتا کر ثواب کی (بشارت دینے والا اور) عذاب سے (ڈرانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں)۔ خلاصہ یہ کہ نبوت کا

اصلی مقصود امور تکوینیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے کاموں کا احاطہ نہیں ۔اس لئے ان امور کا علم نبی کو ملنا ضروری نہیں اور ان ہی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ قیامت کب ہوگی۔البتہ نبوت کا اصل مقصود امور دینیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کا علم ہے سو وہ مجھ کو حاصل ہے۔

**فائدہ**: 1۔ایمان رکھنے والوں کی تخصیص اس لئے کی کہ نفع ان ہی لوگوں نے اٹھایا ورنہ آپ کا بشیر ونذیر ہونا تمام مکلفین کے لئے عام ہے۔

2- نفع وضرر میں جو تکوینی کی قید لگائی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کسی امر میں بھی اختیار حاصل نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام پر تکوینی امور ہی کے علم کی نفی کا حکم کیا ہے۔

**ربط**: یہ بتا کر کہ علم غیب خاص اللہ کو حاصل ہے اور اس میں کوئی اس کا شریک نہیں آگے شرک کا مزید ابطال کرتے ہیں۔

## هُوَ الَّذِىْ

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ
اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ
اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ
الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ
فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ
يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ
يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ
سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا
لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ
لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ
اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ

فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ ۖ وَھُوَ
یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ
نَصْرَکُمْ وَلَآ اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْھُمْ اِلَی الْھُدٰی
لَا یَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

**ترجمہ**: وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور بنایا اس سے اس کا جوڑا تاکہ سکون حاصل کرے (اپنے) اس (جوڑے) سے۔ پھر جب ڈھانپ لیا مرد نے عورت کو تو اٹھایا (عورت نے) بوجھ ہلکا اور چلتی رہی اس کے ساتھ۔ پھر جب وہ بوجھل ہوئی تو دعا کی دونوں (میاں بیوی) نے اپنے رب سے کہ اگر دیا تو نے ہمیں صحیح سالم (بچہ) تو ضرور ہم ہوں گے شکر گزاروں میں سے۔ پھر جب دیا (اللہ نے) ان کو صحیح سالم (بچہ) تو بنانے لگے دونوں اس (اللہ) کے لئے شریک اس میں جو دیا (اللہ نے) ان کو۔ سو بلند ہے اللہ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ کیا وہ شریک ٹھہراتے ہیں ایسے کو جو نہیں پیدا کرتا کچھ بھی اور (بلکہ) وہی پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور نہیں طاقت رکھتے ان کے لئے مدد کی اور نہ ہی اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تم پکارو ان کو ہدایت کی طرف تو نہیں پیروی کریں تمہاری۔ برابر ہے تم پر یا تو پکارو تم ان کو یا تم خاموش رہو۔ بے شک جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے علاوہ سے وہ بندے ہیں تم جیسے سو تم پکارو ان کو پس چاہئے کہ وہ قبول کریں تمہارے لئے (دعا کو) اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کے پاؤں ہیں چلتے ہیں جن سے، یا ان کے ہاتھ ہیں پکڑتے ہیں جن سے، یا ان کی آنکھیں ہیں دیکھتے ہیں جن سے، یا ان کے کان ہیں سنتے ہیں جن سے۔ تو کہہ دے پکارو اپنے شریکوں کو پھر تدبیر کرو میرے ساتھ (میرے نقصان کی) اور مت ڈھیل دو مجھ کو۔ بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے نازل کی کتاب اور وہ مدد کرتا ہے نیک لوگوں کی۔ اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے علاوہ سے نہیں طاقت رکھتے وہ تمہاری مدد کی اور نہ اپنی جانوں کی مدد کر سکیں۔ اور اگر تم پکارو ان کو ہدایت کی طرف تو نہ سنیں (کچھ)۔ اور تو دیکھتا ہے ان کو کہ وہ دیکھ رہے ہیں تیری طرف اور وہ (کچھ) نہیں دیکھتے۔

**تفسیر**: (وہ اللہ ایسا) قادر اور منعم (ہے جس نے تم کو ایک تن واحد) یعنی آدم علیہ السلام (سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا) جس سے مراد حوا علیہا السلام ہیں۔ بنانے کی کیفیت سورہ

نساء کی تفسیر کے شروع میں گذر چکی۔ اور جوڑا اس لئے بنایا (تاکہ وہ اس اپنے جوڑے سے انس حاصل کرے) پس جب وہ خالق بھی ہے اور محسن بھی تو عبادت اسی کا حق ہے۔ (پھر) آگے ان کی اولاد بڑھی اور ان میں بھی میاں بیوی ہوئے لیکن ان میں بعض کی یہ حالت ہوئی کہ (جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اس کو حمل رہ گیا) جو اول اول (ہلکا سا) رہا (سو وہ اس کو) پیٹ میں (لئے ہوئے) بے تکلف (چلتی پھرتی رہی پھر جب وہ) حاملہ اس حمل کے بڑھ جانے سے (بوجھل ہوگئی) اور دونوں میاں بیوی کو یقین ہوگیا کہ حمل ہے (تو) اس وقت ان کو طرح طرح کے اندیشے اور توہمات ہونے لگے جیسا کہ بعضے حمل میں خطرات پیش آتے ہیں اس لئے (دونوں میاں بیوی اللہ، اپنے رب سے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے) جیسا عام عادت ہے کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے بڑے بڑے عہد و پیمان ہوا کرتے ہیں۔ (سو جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں) جدا جدا طریقوں سے (اللہ کے شریک قرار دینے لگے) کسی نے اعتقاد سے کہ یہ اولاد فلاں زندہ یا مردہ بزرگ نے دی ہے، کسی نے عمل سے کہ اس کے نام کی نذر و نیاز کرنے لگے یا بچہ کو لے جا کر اس کے سامنے اس کا ماتھا ٹیک دیا، کسی نے قول سے کہ اس کی بندگی پہ نام رکھ دیا جیسے نبی بخش یا بندہ علی وغیرہ، یعنی یہ حق تو تھا خدا کا جو کہ منعم اور خالق اور قادر و محسن ہے لیکن دیا دوسروں کو (سو اللہ تعالیٰ پاک ہے ان کے شرک سے)۔ یہاں تک تو حق تعالیٰ کی صفات مذکور تھیں جو مقتضی ہیں کہ وہی معبود ہونے کا مستحق ہے۔ آگے معبودان باطل کے نقائص کا ذکر ہے جو مقتضی ہیں کہ وہ معبود ہونے کے مستحق نہ ہوں لہٰذا فرماتے ہیں کہ (کیا) اللہ تعالیٰ کے ساتھ (ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بنا نہ سکیں اور) بلکہ (وہ خود ہی بنائے جاتے ہوں) چنانچہ ظاہر ہے کہ بتوں کو بت پرست خود تراشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ (اور) کسی چیز کا بنانا تو بڑی بات ہے (وہ) تو ایسے عاجز ہیں کہ اس سے آسان کام بھی نہیں کر سکتے مثلاً (ان کو کسی قسم کی مدد) بھی (نہیں دے سکتے اور) اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اگر کوئی حادثہ ان کو پیش آجائے مثلاً ان بزرگوں کو کوئی تکلیف پہنچ جائے یا کوئی شخص بتوں کو توڑنے پھوڑنے ہی لگے تو (وہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔ اور) اس سے بھی بڑھ کر سنو کہ (اگر تم ان کو کوئی بات بتانے کے لئے پکارو تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں) اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ تم ان کو پکارو کہ وہ تم کو کوئی بات بتائیں تو تمہارا کہنا نہ کریں یعنی نہ بتائیں اور دوسرے اس سے زیادہ یہ کہ تم ان کو پکارو کہ آؤ ہم تم کو کچھ بتائیں تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں یعنی تمہاری بتائی ہوئی بات

پر عمل نہ کر سکیں۔ بہر حال (تمہارے اعتبار سے دونوں باتیں برابر ہیں خواہ تم ان کو پکارو) وہ جب بھی نہیں سنتے (اور یا تم خاموش رہو) جب تو نہ سننا ظاہر ہی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جو کام سب سے سہل تر ہے کہ کوئی بات بتانے کے لئے پکارے تو سن لینا وہ اسی سے عاجز ہیں تو جو اس سے بھی مشکل ہے کہ اپنی حفاظت کرنا اور پھر جو اس سے مشکل ہے کہ دوسروں کی مدد کرنا اور پھر جو ان سب سے دشوار تر ہے کہ کسی شے کو پیدا کرنا ان سے تو اور بھی زیادہ عاجز ہوں گے پھر ایسے عاجز محتاج معبودیت کے لائق کب ہو سکتے ہیں۔

غرض (واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے) اللہ کے مملوک (بندے ہیں سو اگر تم) ان کی الوہیت کے اعتقاد میں (سچے ہو) نے کے دعویدار ہو تو ہم تو تمہیں سچا تب جانیں جب (تم ان کو پکارو اور یہ تمہارا کہنا کر دیں) اور وہ بیچارے تمہارا کہنا تو کیا کریں گے کہنا ماننے کے آلات تک ان کو نصیب نہیں، دیکھ لو (کیا ان) بتوں (کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے کسی چیز کو تھام سکیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں) جب ان میں یہ قویٰ ہی نہیں تو کوئی فعل ان سے کیا صادر ہوگا اور (آپ) یہ بھی (کہہ دیجئے کہ) جس طرح وہ اپنے معتقدین کو نفع پہنچانے سے عاجز ہیں اسی طرح اپنے مخالفین کو ضرر بھی نہیں پہنچا سکتے، جیسا تم کہا کرتے ہو کہ ہمارے بتوں کی بے ادبی نہ کیا کرو ورنہ وہ تم پر کوئی آفت نازل کر دیں گے۔ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ مجھ کو ضرر پہنچا سکتے ہیں تو (تم) اپنا ارمان نکال لو اور (اپنے سب شرکاء کو بلا لو پھر) سب مل کر (میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر) جب تدبیر بن جائے تو (مجھ کو ذرا مہلت مت دو) بلکہ فو اس کو نافذ کر دو میں بھی دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ اور کچھ بھی نہ ہوگا کیونکہ شرکاء تو محض بے کار ہیں رہ گئے تم تو جو کچھ ہاتھ پاؤں ہلا سکتے ہو ہلا لو لیکن تم میرا اس لئے کچھ نہیں کر سکتے کہ یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے، جس) کے مددگار اور رفیق ہونے کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ اس (نے) مجھ پر مبارک کتاب (نازل فرمائی) اگر وہ میرا رفیق و معین نہ ہوتا تو اتنی بڑی نعمت کیوں عطا فرماتا (اور) اس خاص دلیل کے علاوہ ایک عام قاعدہ سے بھی اس کا مددگار ہونا معلوم ہے۔ وہ قاعدہ یہ ہے کہ (وہ) عموماً (نیک بندوں کی مدد کیا کرتا ہے) تو انبیاء تو ان نیک بندوں میں اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ اور چونکہ میں بھی نبی ہوں تو میرا بھی ضرور مددگار ہوگا۔ غرض یہ کہ تم جن سے ڈراتے ہو وہ تو عاجز ہیں اور جو مجھ کو ضرر سے بچاتا ہے وہ قادر ہے۔ پھر اندیشہ کس بات کا ہے (اور) گو ان کا عاجز ہونا اوپر کامل طریقے سے بیان ہو چکا لیکن چونکہ وہاں مقصود بالذات عجز کا بیان نہ تھا بلکہ ان کے لئے معبودیت کے استحقاق کی نفی تھی اس لئے آگے ان کے عجز کے بیان کو مقصود بالذات بنا کر فرماتے ہیں

کہ (خدا کو چھوڑ کر تم جن لوگوں کی عبادت کرتے ہو وہ) مجھ سمیت تمہارے کسی دشمن کے مقابلہ میں (تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ) اپنے دشمن کے مقابلہ میں جیسا میں ہوں (وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور) مدد کرنا تو بڑی بات ہے (ان کو) تو (اگر کوئی بات بتانے کو پکارو تو اس کو) بھی تو (نہ سنیں اور) جیسے ان کے پاس سننے کا آلہ نہیں اسی طرح دیکھنے کا آلہ بھی نہیں اور ان کی مورتی میں جو آنکھیں بنا دی جاتی ہیں وہ محض نام ہی کی ہوتی ہیں کام کی نہیں چنانچہ (ان) بتوں (کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں) کیونکہ شکل تو آنکھوں کی سی بنی ہوئی ہے (اور وہ) واقع میں (کچھ بھی نہیں دیکھتے) کیونکہ حقیقت میں تو وہ آنکھیں نہیں۔ اسی پر دوسرے اعضاء و جوارح کی نفی سمجھ لینی چاہئے۔ تو ایسے عاجز کا تم مجھے کیا ڈراوا دیتے ہو۔

**فائدہ**: 1- بتوں میں یہ نقائص بہت واضح ہیں اس کے باوجود بیان میں اتنا اہتمام اس لئے کیا گیا کہ مشرکین کی پوری حماقت ظاہر ہو۔

2- مشرکین بتوں کو خدا کے برابر نہ کہتے تھے لیکن جب وہ ان کی عبادت کے قائل تھے تو ضروری ہوا کہ ان کے اندر صفات کمال ہوں کیونکہ عبادت یعنی انتہائی درجے کی تعظیم تو ایسے ہی کی جا سکتی ہے جس کے اندر صفات کمال ہوں۔ جب یہ بت کسی بھی صفت کمال سے خالی ہیں اور عاجز محض ہیں تو عبادت کے مستحق کہاں ٹھہرے۔

**ربط**: گذشتہ آیات میں بت پرستوں کی جو حماقتیں اور جہالتیں کھولی گئیں تو بہت ممکن تھا کہ جاہل مشرکین اس پر برہم ہو کر کوئی ناشائستہ حرکت یا برا لفظ زبان سے نکالتے اس لئے رسول اللہ ﷺ کو بھی اور مومنین کو بھی ہدایت فرما دی کہ عفو و درگزر سے کام لیں اور شیطان کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَىِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

**ترجمہ**: قبول کر معافی کو اور حکم کر نیک کام کا اور اعراض کر جاہلوں سے۔ اور اگر

ابھارے تجھ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ تو پناہ مانگ اللہ سے بلاشبہ وہی سننے والا جاننے والا ہے۔ بے شک جو ڈرتے ہیں جب پہنچتا ہے ان کو کوئی خیال شیطان کی طرف سے تو یاد کرتے ہیں (خدا کو) سو اچانک وہ دیکھنے والے ہوتے ہیں اور (رہے) شیطانوں کے بھائی تو وہ (شیطان) کھینچتے ہیں ان کو گمراہی میں پھر وہ (شیطانوں کے تابعدار) باز نہیں آتے۔

**تفسیر**: لوگوں سے یہ برتاؤ رکھئے کہ ان کے اعمال و اخلاق میں سے (سرسری) نظر میں جو (برتاؤ) معقول و مناسب معلوم ہوں ان (کو قبول کرلیا کیجئے) ان کی تہہ اور حقیقت کی تلاش نہ کیجئے بلکہ ظاہری نظر میں سرسری طور پر جو کام کسی نے اچھا کیا ہو اس کو بھلائی پر محمول کیجئے، باطن کا حال اللہ کے سپرد کیجئے کیونکہ کام میں پورے اخلاص کا اور معانی میں اس کی قبولیت کی تمام شرائط کا پورے طور پر پایا جانا خاص خاص لوگوں ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا معاشرت میں سہولت رکھئے، تشدد نہ کیجئے، یہ برتاؤ تو اچھے کاموں میں ہے۔ (اور) جو کام ظاہر نظر میں بھی برا ہو اس میں یہ برتاؤ رکھئے کہ اس کی جگہ میں (نیک کام کی تعلیم کردیا کیجئے) اور ان کے بہت درپے نہ ہوں۔ (اور) اے نبی (اگر) اتفاقاً ان کی جہالت پر (آپ کو کوئی وسوسہ شیطان) یعنی ابلیس (کی طرف سے) غصہ کا (آنے لگے) جس میں احتمال ہو کہ کوئی بات مصلحت کے خلاف صادر ہو جائے (تو) ایسی حالت میں فوراً (اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے) آپ کے استعاذہ کو سنتا ہے، آپ کے مقصود کو جانتا ہے وہ آپ کو اس سے پناہ دے گا۔ اور جس طرح استعاذہ و توجہ الی اللہ آپ کے لئے نافع ہے اسی طرح تمام خدا ترس لوگوں کے لئے بھی نافع ہے چنانچہ (یقیناً) یہ بات ہے کہ (جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خیال شیطان کی طرف سے) غصہ کا یا اور کسی بات کا (آجاتا ہے تو وہ) فوراً خدا کی (یاد میں لگ جاتے ہیں) جیسے استعاذہ و دعا کرنا اور خدا تعالیٰ کی عظمت و عذاب و ثواب کو یاد کرنا (سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں) اور حقیقت حال ان پر واضح ہو جاتی ہے جس سے وہ خیال اثر نہیں کرتا (اور) اس کے برخلاف (جو شیطانوں کے تابعدار ہیں وہ) شیطان (ان کو گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں پس وہ) تابعدار گمراہی سے (باز نہیں آتے) نہ وہ استعاذہ کریں نہ گمراہی سے محفوظ رہیں، اور یہ مشرکین بھی شیطان کے تابعدار ہیں تو یہ کب باز آئیں گے اس لئے ان کے غم و غصہ میں پڑنا بے کار ہے۔

**فائدہ**: نزغ شیطان کا مضمون عصمت انبیاء علیہم السلام کے منافی نہیں کیونکہ عصمت کا حاصل یہ ہے کہ وہ گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے یہ نہیں کہ شیطان ان کو گناہ کی رائے نہیں دے سکتا کیونکہ جس

طرح کسی کافر انسان کا کسی نبی کے سامنے آ کر کوئی کفر کی بات کہنا جب کہ اس کا نبی پر کوئی اثر نہ ہو نبوت کی شان میں مخل نہیں اسی طرح کافر جن کا معاملہ ہے۔ البتہ چونکہ صحیح مسلم کی حدیث میں تصریح ہے کہ ہر شخص کے ساتھ رہنے والے شیطان کے برعکس آپ کے ساتھ رہنے والا جن آپ کو بری رائے بھی نہ دیتا تھا بلکہ غالباً وہ خود مسلمان ہو گیا تھا اور اس لئے آپ کو بھلی بات ہی کی رائے دیتا تھا اس لئے آیت میں شیطان سے ابلیس مراد ہے، جس کا کسی وقت آپ ﷺ کے پاس آ جانا محال نہیں۔

**ربط**: ان مشرکین کی ناشائستہ باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنے خدا سے کہہ کر ہماری مانگی ہوئی نشانی چھانٹ کر کیوں نہیں لے آتے تو ایسے موقع پر آپ ان کو اس قسم کا شائستہ جواب دیجئے کہ نشانی کے طور پر تو قرآن موجود ہے جو بذات خود نشانیوں کا مجموعہ ہے لہٰذا اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

وَاِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡلَا اجۡتَبَيۡتَهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ مِنۡ رَّبِّىۡ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

**ترجمہ**: اور جب تو نہ لے کر آئے ان کے پاس کوئی نشانی تو کہتے ہیں کیوں نہیں چھانٹ لایا تو اس کو۔ تو کہہ دے محض میں اتباع کرتا ہوں اس کی جو وحی کی گئی میری طرف میرے رب کی جانب سے۔ یہ دلیلیں ہیں تمہارے رب کی جانب سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

**تفسیر**: (اور جب آپ) ان کے فرمائشی معجزات میں سے جن کی فرمائش وہ براہ عناد کرتے تھے (کوئی معجزہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے) اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ کی حکمت اس معجزہ کے ظہور کا تقاضا نہیں کرتی (تو وہ لوگ) رسالت کی نفی کرنے کی غرض سے آپ سے (کہتے ہیں کہ آپ) اگر نبی ہیں تو (یہ معجزہ کیوں نہ) ظہور میں (لائے، آپ فرما دیجئے کہ) یہ میرا کام نہیں کہ میں اپنے اختیار سے معجزے لے آؤں بلکہ میرا اصلی کام یہ ہے کہ (میں اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے حکم بھیجا گیا ہے) جس کا ایک اہم شعبہ تبلیغ بھی ہے۔ ہاں نبوت کے اثبات کے لئے نفس معجزہ ضروری ہے سو ان کا وقوع ہو چکا ہے چنانچہ ان میں سب سے بڑا معجزہ ایک یہی قرآن ہے، جس کی شان یہ ہے کہ (یہ) بجائے خود (گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے) کیونکہ اس

کی ہر سورت مثلاً ایک معجزہ ہے تو اس حساب سے مجموعہ قرآن بہت سی دلیلیں ہوا اور اس کا یہ دلیل ہونا تو عام ہے۔ (اور) رہا اس کا نفع بالفعل تو وہ خاص ہے ماننے والوں کے ساتھ چنانچہ وہ (ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو) اس پر (ایمان رکھتے ہیں)۔

**فائدہ**: جواب کا حاصل یہ ہے کہ نبوت کی اصلی غرض اصلاح ہے جب کہ معجزہ نبوت کو ثابت کرنے والا ہے اور ثابت کرنے میں سب معجزے برابر ہیں تو ان میں تعیین کے ساتھ مطالبہ اور فرمائش فضول بات ہے۔ علاوہ ازیں معجزوں کی فرمائش میں مشرکین کو طلب حق بھی مقصود نہیں۔

**ربط**: لیکن قرآن جیسی نشانی سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تم خاموشی سے اس کے سننے کی طرف کان لگاؤ۔

## وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

**ترجمہ**: اور جب پڑھا جائے قرآن تو کان لگاؤ اس کے لئے اور خاموش رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

**تفسیر**: (اور) آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ (جب قرآن پڑھا جایا کرے) مثلاً جب کہ رسول اللہ ﷺ اس کی تبلیغ فرمائیں (تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو) تاکہ اس کا معجزہ ہونا اور اس کی تعلیم کی خوبی سمجھ میں آئے جس سے (امید ہے کہ تم پر رحمت ہو) اور تم جدید یا مزید فائدہ حاصل کرسکو۔ جدید یہ کہ ہدایت کی وجہ سے جو رحمت ہوتی ہے وہ پہلے کفر کی بنا پر نہ تھی۔ اب جب حق کو قبول کرلیا تو وہ رحمت متوجہ ہوگئی۔ اور مزید یہ کہ پہلے مومن ہونے کی وجہ سے رحمت کے تو مستحق تھے اب مزید تابعداری کی وجہ سے اس رحمت میں اور ترقی ہوگئی۔

**فائدہ**: امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ مفسرین کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور مراد یہ ہے کہ جب نماز میں امام قرآن پڑھے تو مقتدی اس کی طرف کان لگائیں اور خاموش رہیں۔ امام احمد بن حنبل کے قول کا یہ مطلب ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور ہی سے امام کے پیچھے مقتدی کی قراءت کرنے کے عدم جواز پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے اور سب کے نزدیک یہی آیت اس کی دلیل ہے۔

**ربط**: آگے مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ مشرکین قرآن کو اہتمام سے سنیں یا نہ سنیں تم اپنے رب کی یاد سے غافل نہ رہو کیونکہ یاد الٰہی تو مقرب فرشتوں کا بھی کام ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدۃ

**ترجمہ**: اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور (ایسی آواز سے جو) کمتر (ہو) پکار کر بولنے سے صبح کے وقت اور شام کے وقت اور مت ہو غافلوں میں سے۔ بیشک جو ہیں تیرے رب کے نزدیک (مقدس) نہیں تکبر کرتے وہ اس کی بندگی سے اور پاکی بیان کرتے ہیں اس کی اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (اور) آپ ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ (اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر) قرآن سے یا تسبیح وغیرہ سے خواہ (اپنے دل میں) یعنی آہستہ آواز سے (عاجزی اور خوف کے ساتھ اور) خواہ زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ) اسی عاجزی اور خوف کے ساتھ (صبح اور شام) یعنی مداومت کرو (اور) مداومت کا مطلب یہ ہے کہ (اہل غفلت میں شمار مت ہونا) کہ جن عبادات و اذکار کا حکم ہوا ہے ان کو بھی ترک کر دو کیونکہ (یقیناً جو) ملائکہ (تیرے رب کے نزدیک) مقرب (ہیں ان کو اس کی بندگی سے عار نہیں اور (وہ اس کی عبادت سے) جس میں اصلی عقائد کو ماننا بھی شامل ہے (تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں) جو کہ طاعت لسانی ہے (اور اس کو سجدہ کرتے ہیں) جو کہ اعمال جوارح سے ہے۔ تو انسان کو اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ اللہ کے ذکر و عبادت و سجود سے غافل نہ رہے چنانچہ اس آیت پر بھی سجدہ کرنا چاہئے۔

**فائدہ**: ذکر الٰہی کے ادب کا حاصل یہ ہے کہ دل میں بھی تذلل اور خوف ہو اور انداز میں بھی عاجزی ہو اور آواز کے اعتبار سے جہر زیادہ نہ ہو، یا تو زبان کی حرکت کے ساتھ بالکل آہستہ ہو یا معتدل جہر ہو۔ اور جہر فی نفسہ ممنوع نہیں۔ جن حدیثوں میں اس کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد زائد یعنی مفرط جہر ہے۔ البتہ اگر دل کے خیالات کو دفع کرنا ہو یا دل کی قساوت کو دور کرنا ہو اور رقت پیدا کرنی ہو تو اس وقت زائد جہر بھی جائز ہے بشرطیکہ کسی محقق شیخ نے تجویز کیا ہو اور اس کو ثواب نہ سمجھتا ہو بلکہ علاج سمجھتا ہو، پھر کسی سونے والے کی یا کسی نمازی وغیرہ کی تشویش کا باعث نہ ہو۔

# سورۃ انفال

یہ سورت مدنی ہے، جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں مشرکین نے مسلمانوں پر ہر قسم کا ظلم وستم روا رکھا لیکن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ صبر وتحمل کے امتحان کی آخری حد یہ تھی کہ مسلمانوں نے مکہ مکرمہ جیسا مقدس وطن، عزیز و اقارب، اہل وعیال، مال دولت سب چیزوں کو خالص خدا و رسول کی خوشنودی کی خاطر خیر باد کہا۔ جب مشرکین کا ظلم وتکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت و بے کسی حد سے گذر گئی، ادھر اہل ایمان کے قلوب وطن وقوم، بیوی بچوں، مال و دولت غرض ہر ایک ماسوی اللہ کے تعلق سے خالی اور پاک ہو کر محض خدا و رسول کی محبت اور توحید و اخلاص کی دولت سے بھر گئے تب ان مظلوموں کو ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت دی گئی۔ مکہ مکرمہ کا ادب اس سے مانع تھا کہ مسلمان وہاں ابتداءً حملہ آور ہوں اس لئے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک یہ لائحہ عمل رہا کہ مشرکین مکہ کے تجارتی سلسلوں کو جو شام اور یمن وغیرہ سے قائم تھے ان سے تعرض کر کے ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جائے۔ 2 ھ میں ابوسفیان کی سرکردگی میں ایک بھاری تجارتی مہم شام کو گئی ہے۔ ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار سونے کے دینار کا مال تھا جب شام سے مکہ کو واپس ہونے لگا تو آپ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی۔ آپ نے صحابہ سے ذکر کیا کہ اس جماعت سے تعرض کیا جائے۔ صحابہ کو قافلہ کی نفری کی قلت اور مال کی کثرت کا حال معلوم ہونے سے مال غنیمت کا خیال ہوا اور تین سو سے کچھ زائد آدمی تجارتی قافلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ کسی بڑے معرکہ کی توقع نہ تھی اس لئے افراد اور سامان اسلحہ وغیرہ کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا۔ فی الوقت جو لوگ اکٹھے ہو گئے سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرما دی۔ وہ اس طرح کہ ابوسفیان کو آپ کے ارادہ کا پتہ چل گیا۔ اس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا۔ وہاں سے تقریباً ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے پورے ساز وسامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ نبی ﷺ مقام صفراء میں تھے جب آپ کو اطلاع ملی کہ یہ لشکر چلا آ رہا ہے۔ اس غیر متوقع صورت کے پیش آ جانے پر آپ نے صحابہ کو اطلاع کی کہ اس وقت دو جماعتیں

تمہارے سامنے ہیں۔ تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر۔ خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلط کرے گا۔ تم بتاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو؟ چونکہ اس لشکر کے مقابلہ کی تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لئے اپنی تعداد اور سامان جنگ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض حضرات کی یہ رائے ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے۔ مگر نبی ﷺ اس رائے سے خوش نظر نہ آئے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت مقداد بن اسود نے دوسری رائے دی اور آخر میں حضرت سعد بن معاذ کی تقریر کے بعد یہ ہی فیصلہ ہوا کہ فوجی لشکر کے مقابلہ پر نکلیں۔ چنانچہ مقام بدر میں دونوں فوجیں بھڑ گئیں اور حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم فتح عنایت کی۔ بڑی وجہ مسلمانوں کا خلوص اور للہیت اور ان کا باہمی اتفاق تھا اور یہ اخلاص و اتفاق خود نتیجہ ہے اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت کا۔ اس لئے سورت کے شروع میں ہی جب کہ جنگ بدر کے مال غنیمت کے بارے میں کچھ لوگوں کا اختلاف ہوا اس بات کی تعلیم دی گئی کہ باہمی اختلاف سے بچیں اور تقویٰ اور اطاعت حق اور ذکر الٰہی اور توکل پر قائم رہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل رہے۔

| سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۷۵ رُكُوْعَاتُهَا ۱۰ |
|---|---|---|

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ
قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ
مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴

**ترجمہ**: یہ لوگ پوچھتے ہیں تجھ سے اموال غنیمت کے (حکم کے) بارے میں۔ کہہ دے اموال غنیمت ہیں واسطے اللہ کے اور رسول کے۔ تو تم ڈرو اللہ سے اور اصلاح کرو آپس میں اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اگر ہو تم ایمان والے۔ بس ایمان والے تو وہ

لوگ ہیں جب ذکر کیا جائے اللہ کا (نام تو) ڈر جاتے ہیں ان کے دل، اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں تو وہ بڑھا دیتی ہیں ان کو ایمان میں اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ وہ لوگ (جو) قائم کرتے ہیں نماز کو اور اس میں سے جو دیا ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں۔ وہی ہیں ایمان والے سچے۔ ان کے لئے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت ہے اور روزی ہے عزت والی۔

**تفسیر**: (یہ لوگ آپ سے اموال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ یہ اموال غنیمت اللہ کے ہیں) یعنی وہ اللہ کی مِلک ہیں۔ ان کو ہی حق ہے کہ ان کے متعلق جو چاہیں حکم دیں (اور رسول کے ہیں) بایں معنیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حکم پا کر اموال غنیمت میں اس کو نافذ کرتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اموال غنیمت کے بارے میں تمہاری رائے اور تجویز کو کوئی دخل نہیں بلکہ اس کا فیصلہ حکم شرعی پر ہوگا (تو تم) دنیا کی حرص مت کرو آخرت کے طالب رہو اس طرح پر کہ (اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو) کہ آپس میں حسد اور بغض نہ رہے (اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو) کیونکہ (بس ایمان والے تو وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جب) ان کے سامنے (اللہ کا ذکر آتا ہے تو) اس کی عظمت کے استحضار سے (ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ) مضبوط (کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں) اور (جو کہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں) بس (سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں۔ ان کے لئے بڑے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور) ان کے لئے (مغفرت ہے اور عزت کی روزی) ہے۔

**فائدہ**: 1۔ اللہ و رسول کی اطاعت میں سب احکام آ گئے اس طرح سے کہ احکام کی دو قسمیں ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ میں یعنی باہمی تعلقات کی اصلاح کرو۔ اور حقوق اللہ کی دو قسمیں ہیں ظاہری و باطنی۔ پھر ظاہری یا تو بدنی ہوتے ہیں يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ میں انکا ذکر ہوا یا مالی ہوتے ہیں تو يُنْفِقُوْنَ میں انکا بیان ہوا۔ اور باطنی کی بھی دو قسمیں ہیں یا تو عقائد ہیں زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا میں ان کی طرف اشارہ ہے یا اخلاق ہیں تو يَتَوَكَّلُوْنَ میں انکا بیان ہوا۔ اور سب کی بنیاد خوف الٰہی ہے۔ تو اس کا ذکر اتَّقُوا اللّٰهَ اور وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ میں ہوا۔

2۔ جزا کا بیان بھی اس کی تمام قسموں کو جامع ہے کیونکہ جزا کا حاصل دو چیزیں ہیں۔ ایک جہنم

کی آگ کی مضرت سے بچنا تو مغفرت میں اس کی طرف اشارہ ہوا اور دوسرے جنت کی منفعت حاصل ہونا پھر یہ منفعت یا تو روحانی ہے جس کا ذکر دَرَجَاتٌ کے لفظ میں ہوا یا جسمانی ہے جس کا بیان رِزْقٌ کے لفظ میں ہوا۔

**ربط**: مال غنیمت کا لوگوں کی مرضی کے موافق تقسیم نہ ہونا اگر چہ بعض لوگوں کو طبعاً گراں محسوس ہو مگر بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے یہی خیر اور بہتر ہے اور طبعاً گراں ہونے لیکن مصلحتوں کو متضمن ہونے میں اس کی مثال ایسی ہے جیسی آگے مذکور جنگ بدر کے قصہ میں پیش آئی۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ﴿۵﴾ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ

بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۶﴾

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ

اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ

الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾

**ترجمہ**: جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کام میں اور بے شک ایک جماعت ایمان والوں میں سے ناگوار سمجھتی ہے۔ وہ جھگڑتے ہیں تجھ سے حق کے بارے میں بعد (اس کے) ظاہر ہونے کے گویا کہ وہ ہنکائے جاتے ہیں موت کی طرف اور وہ دیکھ رہے ہیں۔ اور جس وقت وعدہ کر رہا تھا تم سے اللہ دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے واسطے ہے اور تم چاہتے تھے کہ بغیر کانٹے والی (جماعت) ہو تمہارے لئے اور ارادہ کرتا تھا اللہ کہ سچا کر دے حق کو اپنے کلمات سے اور کاٹ دے جڑ کافروں کی تا کہ ثابت کرے سچ کو اور ابطال کرے باطل کا اگر چہ ناپسند کریں مجرم لوگ۔

**تفسیر**: (جیسا آپ کے رب نے آپ کو آپ کے گھر) اور بستی (سے مصلحت کے ساتھ) بدر کی طرف (نکالا اور مسلمانوں کی ایک جماعت) اپنی تعداد اور سامان جنگ کی قلت کی وجہ سے طبعاً (اس کو گراں سمجھتی تھی) اور (وہ اس مصلحت) کے کام (میں) یعنی جہاد اور لشکر سے مقابلہ کے معاملے میں (اس کے بعد کہ وہ) مصلحت (ظاہر ہو چکی تھی) مشورہ میں اپنے بچاؤ کے لئے (آپ سے اس

طرح جھگڑ رہے تھے ) یعنی اپنی رائے کو اہتمام سے پیش کر رہے تھے ( کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ ) موت کو گویا ( دیکھ رہے ہیں ) مگر آخر کار انجام اس کا بھی بہت اچھا ہوا کہ اسلام غالب اور کفر مغلوب ہوا یہ بات تجارتی قافلہ سے تعرض کرنے سے کہاں حاصل ہوتی۔

( اور ) اس بات کو ذہن نشین کرنے کے لئے تم لوگ اس وقت کو یاد کرو ( جب کہ اللہ تعالیٰ تم سے ) بذریعہ وحی اپنے رسول کے واسطہ سے ان ( دو جماعتوں ) یعنی تجارتی قافلہ اور لشکر ( میں سے ایک ) جماعت ( کا وعدہ کر رہے تھے کہ وہ ) جماعت ( تمہارے ہاتھ آجائے گی ) اور تم سے مغلوب ہو جائے گی۔ ( اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت ) یعنی تجارتی قافلہ ( تمہارے ہاتھ آجائے ) کہ کانٹا بھی نہ چبھے اور بہت سامان ہاتھ آجائے ( اور ) تمہارے چاہنے کے برعکس ( اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنی باتوں سے حق ) کو عملاً غلبہ دے کر اس کا حق ہونا ( ثابت کر دے اور ) یہ منظور تھا کہ ( ان کافروں کی جڑ کو کاٹ دے تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ) عملاً ( ثابت کر دے اگرچہ یہ مجرم لوگ ) یعنی مغلوب ہونے والے کفار اس کو کتنا ہی ( ناپسند کریں )۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا اور ستر ہی قید ہوئے۔ اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں۔

**فائدہ**: طبعاً گراں سمجھنے کا موقع اگرچہ گھروں سے نکلنے کے بعد پیش آیا تھا لیکن یہاں پورے قصے کو ایک مجموعہ تصور کر کے اس کے ابتدائی حصہ کو ذکر کیا۔

**ربط**: اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدد اور کامیابی کا مدار مسلمانوں کے اتفاق اور اخلاص اور کامل اطاعت پر ہے۔ جنگ بدر میں جب وہ مدار موجود تھا تو اللہ تعالیٰ کی بہت سی مددیں حاصل ہوئیں۔

پہلی مدد

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝٩ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝١٠

**ترجمہ**: جب تم فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو قبول کی اس نے ( تمہاری فریاد ) تمہارے لئے کہ میں مدد دینے والا ہوں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے سلسلہ وار آنے

والے اور نہیں کی یہ امداد اللہ نے مگر بشارت (ہو تم کو) اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل۔ اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے۔ بلاشبہ اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے۔

**تفسیر**: اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے) اپنی قلت اور ان کی کثرت دیکھ کر (فریاد کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری) فریاد (سن لی) اور وعدہ فرمایا (کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد صرف اس) حکمت کے (لئے کی کہ) تم کو غلبہ پانے کی (بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو قرار آ جائے) یعنی انسان کی تسلی طبعی طور پر اسباب اور سامان سے ہوتی ہے اس لئے وہ بھی جمع کر دیا گیا (اور) حقیقت میں تو (نصرت) اور غلبہ (صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست حکمت والے ہیں)۔

دوسری مدد

مشرکین مقام بدر میں پہلے جا پہنچے تھے اور پانی پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسلمان بعد میں پہنچے اور ایک خشک ریگستان میں اترے جہاں پانی نہ ہونے سے پیاس کی بھی شدت ہوئی اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے بھی عاجز ہوئے اور تیمّم کا حکم اس وقت تک نازل نہ ہوا تھا۔ ادھر ریگستان میں چلنا پھرنا مصیبت کہ اس میں پاؤں دھنستے تھے۔ ان وجوہات سے دل سخت پریشان ہوئے۔ اوپر سے شیطان نے وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ اگر تم اللہ کے نزدیک مقبول و منصور ہوتے تو اس پریشانی میں کیوں پھنستے۔ اگرچہ یہ وسوسہ محض بے بنیاد تھا مگر پریشانی بڑھانے کے لئے کافی تھا۔ حق تعالیٰ نے پہلے تو باران رحمت نازل فرمائی جس سے پانی کی افراط ہوگئی پیا بھی اور وضو وغسل بھی کیا اور اس سے ریت بھی جم گئی اور چلنا آسان ہو گیا۔ اس کے برخلاف کفار نرم زمین میں تھے وہاں کیچڑ ہو گئی جس سے چلنے پھرنے میں تکلیف ہونے لگی۔ غرض سب تشویش دور ہوگئی۔ اس کے بعد ان پر اونگھ کا غلبہ ہوا جس سے پوری راحت ہوگئی اور سب بے چینی جاتی رہی۔ اس آیت میں ان انعامات کی طرف اشارہ ہے۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾

**ترجمہ**: جب ڈھانپ دی (اللہ نے) تم پر اونگھ (تمہارے) امن (چین) کے واسطے اپنی طرف سے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی تاکہ پاک کرے تم کو اس کے ذریعے اور

(تاکہ) لے جائے تم سے گندگی شیطان کی اور تاکہ مضبوطی کرے تمہارے دلوں پر اور (تاکہ) جمادے اس (بارش) کے ذریعہ تمہارے قدم۔

**تفسیر**: (اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ کو طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لئے اور) اس سے پہلے (تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ اس پانی کے ذریعہ تم کو) بے وضو یا بے غسل ہونے کی حالت سے (پاک کر دے اور) تاکہ اس کے ذریعہ تمہاری پریشانی دور کر دے اور (تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور) تاکہ اس طرح (تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور) تاکہ بارش کی وجہ سے ریت کے دب جانے سے ظاہری طور پر (تمہارے پاؤں جما دے) اور تم ریت میں نہ دھنسو۔

تیسری مدد

جنگ بدر کے معرکہ میں خود ابلیس قبیلہ کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک مدلجی کی صورت اختیار کر کے ابوجہل کے پاس آیا اور مشرکین کے دل بڑھائے کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، میں اور میرا سارا قبیلہ تمہارے ساتھ ہے۔ ابلیس کے جھنڈے تلے شیاطین کا بہت بڑا لشکر تھا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کے دستے جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کی سرکردگی میں یہ کہہ کر بھیجے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

اِذْ يُوْحِىْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ ﴿۱۲﴾

**ترجمہ**: جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم ثابت رکھو مسلمانوں کو، میں ڈال دوں گا دلوں میں کافروں کے دہشت۔ سو مارو گردنوں پر اور مارو ان کے ہر پور پور کو۔

**تفسیر**: (اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب) ان (فرشتوں کو) جو امداد کے لئے نازل ہوئے تھے (حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی) اور مددگار (ہوں تو) مجھ کو مددگار سمجھ کر (تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم کفار کی گردنوں پر) حربہ (مارو اور ان کے پور پور کو مارو)۔

**فائدہ**: ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بذات خود لڑائی کی۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کو حکم ہوا کہ تم اہل ایمان کی اس طرح تثبیت کرو کہ ان کے دلوں میں یہ بات ڈالو کہ میں (یعنی اللہ تعالیٰ) ابھی کفار کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں جس سے ان کے دل میں یہ عزم پیدا ہو جائے کہ وہ کافروں کی گردنوں کو ماریں اور ان کے پور پور کو کاٹیں۔ اور خود فرشتوں کا لڑائی میں شریک ہونا حدیثوں سے ثابت ہے۔

**ربط**: کافروں کے مقتول ہونے کو مومنین کے حق میں بطور مدد کے ذکر کیا آگے اس کو کافروں

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

سے انتقام بتاتے ہیں اور اس کی اصل وجہ کو ذکر کرتے ہیں۔

**ترجمہ**: یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ اور جو کوئی مخالفت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔ یہ (سزا ہے) سو چکھو تم اس کو اور (جان رکھو) کہ کافروں کے لئے ہے عذاب آگ کا۔

**تفسیر**: (یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ) اس کو (سخت سزا دیتے ہیں) خواہ کسی حکمت سے صرف دنیا میں یا صرف آخرت میں یا دونوں میں (سو) اس مخالفت کی وجہ سے سر دست تو (یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب مقرر رہی ہے) دنیوی سزا سے وہ ختم نہیں ہو گیا بلکہ اصلی وہی ہے۔

**ربط**: اوپر فرشتوں کو حکم تھا کہ مومنین کی تثبیت کریں آگے مومنین کو حکم ہے کہ وہ خود بھی عزم کر کے ثابت قدمی اختیار کریں اور چونکہ اس کی ضرورت ہر جہاد میں ہوتی ہے اس لئے عام عنوان سے اس کا ذکر فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ

يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو جب مقابل ہو تم کافروں کے آمنے سامنے تو مت پھیر وان سے (اپنی) پیٹھیں۔ اور جو کوئی پھیرے ان سے اس دن اپنی پیٹھ مگر (یہ کہ) پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لئے یا جا ملنے والا ہو (اپنی) فوج اور جماعت کی طرف تو وہ پلٹا اللہ کے غضب کے ساتھ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو جب تم کافروں سے) جہاد میں (آمنے سامنے مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا) یعنی جہاد سے محض جان بچانے کے لئے مت بھاگنا (اور جو شخص ان سے اس موقع پر) یعنی مقابلہ کے وقت (پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہو) یعنی دھوکہ دینے کے لئے سامنے سے بھاگے تاکہ حریف غافل ہو جائے اور یہ اچانک لوٹ کر اس پر حملہ کرے (یا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو) یعنی بے سروسامانی کی وجہ سے اپنی مرکزی فوج میں اس غرض سے آملا ہو کہ اس سے قوت اور مدد حاصل کر کے پھر جا کر مقابلہ کرے گا تو (وہ مستثنیٰ ہے باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے)۔

**فائدہ**: جنگ بدر کے بعد ایک اور صورت کو مستثنیٰ کیا یعنی جب کافر مسلمانوں کے مقابلے میں دوگنے سے زیادہ ہوں تو اس وقت بھی جہاد سے بھاگ سکتے ہیں۔

**ربط**: اوپر جس غیبی امداد کا ذکر ہوا اس کے بارے میں آگے فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں غلبہ درحقیقت ہماری قدرت و مشیت کا اثر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے بدر کے روز ایک مٹھی کنکریوں کی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی جس کے ریزے سب کی آنکھوں میں جا گرے۔ وہ سب آنکھیں ملنے لگے ادھر سے مسلمانوں نے فوراً دھاوا بول دیا جس سے کفار کو شکست ہوئی۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ اگرچہ بظاہر کنکریاں تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھیں لیکن کسی بشر کا یہ فعل عادۃً ایسا نہیں ہو سکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی شکست کا سبب بن جائیں۔ یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوج کا منہ پھیر دیا۔ اسی طرح تم بے سروسامان قلیل التعداد مسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمہارے زور بازو سے کافروں کے ایسے بڑے بڑے سردار مارے جاتے، یہ تو خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ایسے متکبر سرکشوں کو فنا کے

گھاٹ اتارا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بظاہر کام تمہارے ہاتھوں سے لیا گیا اور تمہارے ہاتھوں میں عام قوت سے زائد وہ قوت پیدا کر دی جسے تم اپنے کسب و اختیار سے حاصل نہ کر سکتے تھے اور ایسا ایک خاص حکمت کی وجہ سے کیا گیا جو یہ ہے کہ خدا کی قدرت ظاہر ہو اور مسلمانوں پر پوری مہربانی اور بھر پور احسان کیا جائے۔ فرماتے ہیں۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۷ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۸

**ترجمہ**: سو نہیں قتل کیا تم نے ان کو ولیکن اللہ نے قتل کیا ان کو اور نہیں پھینکی تو نے (مٹھی کنکریوں کی) جب تو نے پھینکی ولیکن اللہ نے (وہ) پھینکی اور تاکہ اجر دے مسلمانوں کو اپنی طرف سے اجر اچھا۔ بے شک اللہ ہے سننے والا جاننے والا۔ (ایک تو) یہ ہے اور (دوسری یہ) کہ اللہ کمزور کرنے والا ہے تدبیر کافروں کی۔

**تفسیر**: جب ایسے عجیب واقعات ہوئے جو کہ بالکل تمہارے اختیار سے باہر تھے (تو) اس سے معلوم ہوا کہ تاثیر حقیقی کے مرتبہ میں (تم نے ان) کافروں (کو قتل نہیں کیا لیکن) ہاں اس مرتبہ میں (اللہ تعالیٰ نے) بیشک (ان کو قتل کیا) کیونکہ مؤثر حقیقی اس کی قدرت ہے (اور) اسی طرح تاثیر حقیقی کے مرتبہ میں (آپ نے خاک کی مٹھی) ان کی طرف (نہیں پھینکی لیکن) ہاں اس مرتبہ میں (اللہ تعالیٰ نے) واقعی (وہ پھینکی اور) اس کے باوجود کہ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے پھر جو قتل وغیرہ کو بندے کی قدرت کا اثر کہا جاتا ہے تو اس میں یہ حکمت ہے کہ (تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے) ان کے عمل کا (خوب اجر دے) جو کہ اللہ کی سنت کے مطابق اس فعل پر ملتا ہے جو بندوں کے اپنے عزم و اختیار سے صادر ہو (بلاشبہ اللہ تعالیٰ) ان مومنوں کے اقوال کے (خوب سننے والے) اور ان کے افعال و احوال کے (خوب جاننے والے ہیں۔ لہٰذا ان کی دعا اور فریاد کے اقوال اور جنگ کے افعال اور تشویش کے حالات میں ان کو جو محنت پیش آئی ہم کو ان سب کی اطلاع ہے ان کو اس پر جزا دیں گے (ایک بات تو یہ ہوئی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کا کمزور کرنا تھا) اور زیادہ کمزوری اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب اپنے برابر والے کے بلکہ اپنے سے کمزور کے ہاتھ سے مغلوب ہو جائے اور یہ بھی موقوف ہے اس پر کہ وہ آثار مؤمنین کے ہاتھ سے ظاہر ہوں ورنہ کہہ سکتے

تھے کہ تدابیر تو ہماری قوی تھیں لیکن تدبیر الٰہی جو کہ زیادہ قوی ہے اس کے سامنے نہ چل سکیں اس سے آئندہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کا حوصلہ پست نہ ہوتا کیونکہ ان کو تو ضعیف ہی سمجھتے۔

**ربط**: اوپر بدر کے واقعات میں امداد کے ذکر میں مومنین کو خطاب ہوا۔ آگے تقابل کے طور پر کفار مکہ سے خطاب ہے جس کا قصہ یہ ہوا کہ کفار قریش یعنی ابوجہل وغیرہ نے مقابلہ کے وقت یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ آج ہمارا اور محمد (ﷺ) کا فیصلہ کر دے اور جو حق پر ہو اس کو آج غالب کر دے۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾

**ترجمہ**: اگر تم چاہتے ہو فیصلہ تو آ چکا تمہارے پاس فیصلہ، اور اگر تم باز آؤ تو یہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم دوبارہ یہی کرو گے تو ہم پھر یہی کریں گے اور ہرگز کام نہ آئے گی تم کو تمہاری جمعیت کچھ بھی اگرچہ کثیر ہو اور (جان لو) کہ اللہ ہے ساتھ ایمان والوں کے۔

**تفسیر**: اے کفار قریش (اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے پاس آ موجود ہوا) کہ جو حق پر تھا اس کو غلبہ ہو گیا اور تم نے دیکھ لیا کہ کیسے خارق عادت طریقے سے تم کو کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں سزا ملی (اور اگر) اب حق اور زیادہ واضح ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے (باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے) دنیا و آخرت میں (نہایت خوب ہے اور اگر) اب بھی باز نہ آئے بلکہ (تم پھر وہی) مخالفت (کرو گے) اور پھر اسی طرح مسلمانوں سے لڑائی کرو گے (تو ہم بھی پھر یہی کام کریں گے) یعنی تم کو مغلوب اور مسلمانوں کو غالب کر دیں گے (اور) اگر تم کو اپنی جمعیت کا گھمنڈ ہو کہ اب کی بار اس سے زیادہ جمع کر لیں گے تو یاد رکھو کہ (تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آئے گی گو کتنی زیادہ ہو اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ) اصل میں (ایمان والوں کے ساتھ ہے) یعنی ان کا مددگار ہے اگرچہ کسی عارض کی وجہ سے کسی وقت ان کے غلبہ کا ظہور نہ ہو لیکن چونکہ غلبہ کے اصل حقدار یہی ہیں اس لئے ان سے مقابلہ کرنا اپنا نقصان کرنا ہے کیونکہ بالآخر غلبہ انہی کو حاصل ہونا ہے۔

**ربط**: اوپر جو یہ فرمایا کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے تو اب مسلمانوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ خدا اور رسول کے ساتھ کیسا رہنا چاہئے جس سے وہ خدا کی نصرت و حمایت کے مستحق رہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا
كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ
الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ
لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا
وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ
لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ
بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً
لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ
فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ
اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا
اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ
اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ
سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَ
اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ
وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مت پھرو اس سے اور تم سنتے (تو) ہو۔ اور تم مت ہو مانند ان کے جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ بلاشبہ جانداروں میں بدترین اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے ہیں جو سمجھتے نہیں۔ اور اگر جانتا اللہ ان میں کوئی خوبی تو سنا دیتا ان کو اور اگر (اب) سنا دے ان کو تو ضرور وہ روگردانی کریں گے اس حال میں کہ وہ بے رخی کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جب بلائے تم کو واسطے اس کام کے جو زندگی بخشتا ہے تم کو اور جان لو کہ اللہ حائل ہو جاتا ہے درمیان آدمی کے اور اس کے دل کے اور یہ (بھی جان لو) کہ اسی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔ اور بچو وبال سے جو نہیں پڑے گا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے خاص اور جان لو کہ اللہ سخت سزا والا ہے۔ اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، کمزور سمجھے جاتے تھے سرزمین (مکہ) میں، ڈرتے تھے کہ کہیں اچک لیں تم کو لوگ تو اس (اللہ) نے ٹھکانا دیا تم کو اور تائید کی تمہاری اپنی مدد کے ساتھ اور دیں تم کو پاکیزہ چیزیں تاکہ تم شکر کرو۔ اے ایمان والو مت خیانت کرو اپنی امانتوں میں اور تم جانتے ہو۔ اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد امتحان کی چیز ہے اور یہ کہ اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے۔ اے ایمان والو اگر تم ڈرتے رہو اللہ سے تو وہ بنا دے گا تمہارے لئے فیصلہ کن چیز اور دور کر دے گا تم سے تمہاری برائیاں اور بخش دے گا تم کو اور اللہ فضل عظیم والا ہے۔ اور (ذکر کر) جب تدبیر کرتے تھے تیرے بارے میں کافر تا کہ قید کریں تجھ کو یا قتل کریں تجھ کو یا نکال دیں (وطن سے) تجھ کو۔ اور وہ تدبیر کرتے تھے اور تدبیر کرتا تھا اللہ (بھی) اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو اللہ کا کہنا مانو اور اس کے رسول کا) کہنا مانو (اور اس کہنا ماننے سے روگردانی مت کرو اور تم) اعتقاد سے (سن تو لیتے ہی ہو) یعنی جیسے اعتقاد سے سن لیتے ہو ایسے ہی عمل بھی کیا کرو (اور تم) ترک اطاعت میں (ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا) جیسے کفار کہ محض سننے کا دعوی کرتے تھے اور جیسے منافقین کہ اعتقاد کے ساتھ سننے کا دعوی کرتے تھے (حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں) کیونکہ سن کر سمجھنا اور ماننا دونوں میں مفقود ہے۔ اور اعتقاد کے ساتھ سننے کا نتیجہ عمل ہوتا ہے، جب عمل نہ ہوا تو اس اعتبار سے اعتقاد کے بغیر سننے کے مشابہ ہو گیا جس کو تم بھی سخت مذموم جانتے ہو (البتہ) یہ بات ضرور ہے کہ اعتقاد سے سن کر مان لینے کے بعد عمل

نہ کرنے والے اور ایک اعتقاد کے بغیر سننے والے جو نہ سننے والوں کے برابر ہیں برے ہونے میں متفاوت ضرور ہیں کیونکہ کافر اور عاصی برابر نہیں چنانچہ (بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو) حق بات کو اعتقاد کے ساتھ سننے سے (بہرے ہیں) اور حق بات کے کہنے سے (گونگے ہیں) اور (جو کہ) حق بات کو (ذرا نہیں سمجھتے)۔ اور مان لینے کے باوجود جن سے عمل میں کوتاہی ہو جاتی ہے وہ بدتر نہیں ہیں اگرچہ بد ہیں لیکن بد بھی نہ ہونا چاہئے (اور) جن کا حال مذکور ہوا کہ وہ اعتقاد سے نہیں سنتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ایک بڑی خوبی کی کمی ہے اور وہ خوبی طلب حق ہے کیونکہ اعتقاد کا مبدا بھی طلب اور تلاش ہے اور آدمی جب حق کی طلب و تلاش میں رہتا ہے تو اس کی برکت سے حق واضح ہو جاتا ہے اور صحیح اعتقاد حاصل ہو جاتا ہے۔ غرض سننے کا نافع ہونا موقوف ہے طلب حق کی موجودگی پر اور ان میں طلب حق ہی مفقود ہے چنانچہ (اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے) مراد یہ کہ اگر ان میں وہ مذکورہ خوبی یعنی طلب حق ہوتی تو وہ اللہ کے علم میں بھی ہوتی، تو خوبی کے وجود اور علم الٰہی میں تعلق لازم اور ملزوم کا ہوا۔ یہاں مجازاً ملزوم یعنی خوبی کا ذکر کیا لیکن مراد لازم یعنی علم الٰہی ہے۔ اور کوئی بھی خوبی اس لئے کہا کہ جب ایسی خوبی نہیں جس پر نجات کا مدار ہے تو گویا کوئی خوبی بھی نہیں۔ یعنی اگر ان میں طلب حق ہوتی (تو) اللہ تعالیٰ (ان کو) اعتقاد کے ساتھ (سننے کی توفیق دیتے) جیسا ذکر ہوا کہ طلب سے اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے (اور اگر) اللہ تعالیٰ (ان کو اب) موجودہ حالت میں کہ ان میں طلب حق نہیں ہے (سنا دیں) جیسا کہ کبھی کبھی ظاہری اسباب سے سن ہی لیتے ہیں (تو ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے) یعنی یہ نہیں کہ غور و فکر کے بعد بات کے غلط ثابت ہونے کی وجہ سے روگردانی کی ہو کیونکہ یہاں غلطی کا نام و نشان ہی نہیں بلکہ غضب تو یہ ہے کہ ادھر توجہ ہی نہیں کرتے۔ اور (اے ایمان والو) ہم نے جو اوپر تم کو اطاعت کا حکم کیا ہے تو یاد رکھو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے کہ وہ حیات ابدی ہے۔ جب یہ بات ہے تو (تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجا لایا کرو جب کہ رسول) جن کا ارشاد خدا ہی کا ارشاد ہے (تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف) یعنی دین کی طرف جس سے ابدی زندگی میسر ہوتی ہے (بلاتے ہوں) تو اس حالت میں جب کہ ہر طرح تمہارا ہی فائدہ ہے کوئی وجہ نہیں کہ تم عمل نہ کرو (اور) اس کے متعلق دو باتیں اور (جان رکھو)۔ ایک بات یہ (کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی اور اس کے قلب کے درمیان میں) دو طریقوں سے، ایک طریقہ یہ کہ مومن کے قلب میں طاعت کی برکت سے کفر و معصیت کو نہیں آنے دیتا دوسرا طریقہ یہ کہ کافر کے قلب میں مخالفت کی نحوست سے ایمان و طاعت کو نہیں آنے دیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ طاعت کی

مداومت و ہمیشگی بڑی نافع چیز ہے اور مخالفت کی ہمیشگی بڑی مضر چیز ہے (اور) دوسری بات یہ جان رکھو کہ (بلاشبہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے) اس وقت طاعت پر جزا اور مخالفت پر سزا ہوگی اس سے بھی طاعت کا نافع ہونا اور مخالفت کا مضر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(اور) جس طرح تم پر اپنی اصلاح کے لئے طاعت واجب ہے اسی طرح یہ بھی طاعت واجبہ میں شامل ہے کہ بقدر طاقت دوسروں کی اصلاح کے لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرو خواہ قوت بازو سے یا زبان سے یا میل جول ترک کر کے یا کم از کم دل میں نفرت رکھ کر ورنہ تم مداہنت کے مرتکب ہو گے اور ان منکرات کا وبال جیسے ان کے ارتکاب کرنے والوں پر واقع ہوگا ایسے ہی کسی درجہ میں ان مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا۔ جب یہ بات ہے تو (تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں) بلکہ ان گناہوں کو دیکھ کر جنہوں نے مداہنت کی ہے وہ بھی اس میں شریک ہوں گے اور اس سے بچنا یہی ہے کہ مداہنت مت کرو (اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں) ان کی سزا سے خوف کر کے مداہنت سے بچو (اور) اس غرض سے کہ نعمتوں کے یاد کرنے سے نعمتیں دینے والے کی اطاعت کا شوق ہوتا ہے خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو اور خاص کر (اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم) ایک وقت میں یعنی ہجرت سے پہلے تعداد میں بھی (قلیل تھے) اور قوت کے اعتبار سے بھی (سرزمین) مکہ (میں کمزور شمار کئے جاتے تھے) اور انتہائی کمزوری کی وجہ سے (اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو) مخالف (لوگ کہیں اچک نہ لیں سو) ایسی حالت میں (اللہ تعالیٰ نے تم کو) مدینہ میں اطمینان سے (رہنے کو جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی) سامان سے بھی اور تمہاری تعداد میں اضافہ کر کے بھی جس سے تمہاری قلت اور تمہیں کمزور سمجھنا اور اچک لئے جانے کا خوف سب زائل ہو گیا (اور) صرف یہی نہیں کہ تمہاری مصیبت کو دور کر دیا بلکہ تمہیں اعلیٰ درجہ کی خوشحالی بھی عطا فرمائی کہ دشمنوں پر تم کو غلبہ دے کر کثرت فتوحات سے (تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تا کہ تم) ان نعمتوں کا (شکر کرو) اور بڑا شکر یہ ہے کہ اطاعت کرو۔ (اے ایمان والو) ہم مخالفت اور معصیت سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ اللہ اور رسول کے تم پر کچھ حقوق ہیں جن کا نفع تمہاری ہی طرف لوٹتا ہے اور معصیت سے ان حقوق میں خلل پڑتا ہے جس سے واقع میں تمہارے ہی نفع میں خلل پڑتا ہے جب یہ بات ہے تو (تم اللہ اور رسول کے حقوق میں خلل مت ڈالو اور) انجام کے اعتبار سے اس مضمون کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ تم (اپنی قابل حفاظت چیزوں میں) کہ وہ تمہارے منافع ہیں جو اعمال پر مرتب ہوتے ہیں (خلل مت

ڈالو اور تم تو) اس کا مضر ہونا (جانتے ہو۔ اور) اکثر اوقات مال و اولاد کی محبت اطاعت میں مخل ہوتی ہے اس لئے تم کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ (تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے) کہ دیکھیں کون ان کی محبت کو ترجیح دیتا ہے اور کون اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے۔ سو تم ان کی محبت کو ترجیح مت دینا (اور) اگر ان کے منافع کی طرف نظر جائے تو تم (اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس) ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی محبت کو ترجیح دیتے ہیں (بڑا بھاری اجر) موجود (ہے) کہ اس کے سامنے یہ فانی منفعتیں محض ہیچ ہیں۔

اور (اے ایمان والو) اطاعت کی مزید برکات سنو۔ وہ یہ کہ (اگر تم اللہ سے ڈر) کر اطاعت کرتے (رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو فرقان یعنی ایک فیصلہ کی چیز دے گا) اس فرقان میں ہدایت اور نور قلب جس سے حق و باطل میں علمی فیصلہ ہوتا ہے، اور دشمنوں پر غلبہ، اور آخرت کی نجات جس سے حق و باطل میں عملی فیصلہ ہوتا ہے سب آ گئے (اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے) خدا جانے اپنے فضل سے اور کیا کیا دے دے جو قیاس و گمان میں بھی نہ آتا ہو۔ (اور) اے محمد ﷺ مسلمانوں کے سامنے نعمت کی یاد دہانی کے لئے اپنی ہجرت کے (اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے) کیونکہ آپ کے بچ رہنے میں مسلمانوں کے لئے بڑی سعادتیں ہیں (جب کہ کافر لوگ آپ کی نسبت) بری بری (تدبیریں سوچ رہے تھے کہ) آیا (آپ کو قید کر لیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ) ان تدبیروں کے دفع کرنے کے لئے (اپنی تدبیر کر رہے تھے اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے) جس کے سامنے ان کی ساری تدبیریں بے کار ہو گئیں اور آپ بال بال محفوظ رہے اور صحیح سالم مدینہ آ پہنچے۔

**فائدہ**: واتقوا فتنۃ الخ یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ دوسرے کے گناہ میں پکڑا جانا آیت لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰى (کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) کے خلاف ہے کیونکہ ایک ہے زید کا مثلاً خیانت کرنا اور ایک ہے خالد کا زید کی خیانت دیکھ کر مداہنت کرنا۔ خیانت کرنے کا گناہ تو صرف زید کو ہوگا خالد کو نہیں ہوگا لیکن زید کی خیانت کو دیکھنے کے باوجود اس پر مداہنت کرنا خالد کا خود اپنا فعل بھی ہے جس کا اس کو گناہ ہوگا لیکن بہرحال یہ زید کے خیانت کرنے پر پایا گیا ہے۔

**ربط**: مسلمانوں کو اطاعت کی مزید ترغیب دینے کے لئے کافروں کی چند کفریات اور ان کا انجام بد ذکر کرتے ہیں۔ درمیان میں فوری عذاب نازل نہ ہونے کے مواقع بھی ذکر کرتے ہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ لا
اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ
هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ
اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ
فِيْهِمْ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ
اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ط اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ
تَصْدِيَةً ط فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط
فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۵ ط
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ
مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ
جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

**ترجمہ**: اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں تو کہتے ہیں ہم نے سن لیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی کہہ لائیں مانند اس کے۔ نہیں ہیں یہ مگر بے سند باتیں پہلوں کی۔ اور (یاد کرو) جب انہوں نے کہا اے اللہ اگر ہے یہ ہی حق تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے یا لے آ ہم پر عذاب دردناک۔ اور نہیں ہے اللہ کہ عذاب دے ان کو اس حال میں کہ تو ہے ان میں اور نہیں ہے اللہ عذاب دینے والا ان کو جب کہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں اور کیا ہے ان کے لئے کہ نہ عذاب دے ان کو اللہ حالانکہ وہ روکتے ہیں مسجد حرام سے

جب کہ نہیں ہیں وہ اس کے متولی۔ نہیں ہیں اس کے متولی مگر متقی لوگ ولیکن ان میں اکثر علم نہیں رکھتے۔ اور نہیں ہے ان کی نماز بیت اللہ کے پاس مگر سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا تو چکھو عذاب کو بسبب اس کے جو تم کفر کرتے تھے۔ بے شک کافر لوگ خرچ کر رہے ہیں اپنے اموال تا کہ روکیں اللہ کے رستے سے۔ تو یہ خرچ کرتے رہیں گے ان (اموال) کو پھر وہ (اموال) ہو جائیں گے ان پر باعث حسرت پھر وہ (خود) مغلوب ہو جائیں گے۔ اور جنہوں نے کفر کیا جہنم کی طرف وہ جمع کئے جائیں گے تا کہ جدا کر دے اللہ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے اور کر دے ناپاک کو ایک دوسرے کے اوپر پھر ڈھیر کر دے اس کو اکٹھا پھر کر دے اس کو جہنم میں۔ یہی لوگ ہیں خسارہ والے۔

**تفسیر**: (اور) ان کفار کی یہ حالت ہے کہ (جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن) کر دیکھ (لیا) یہ تو کوئی معجزہ نہیں کیونکہ (اگر ہم ارادہ کریں تو اس کی مانند ہم بھی کہہ لائیں) پس (یہ) قرآن (تو) کلام الٰہی اور معجزہ وغیرہ (کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آ رہی ہیں) کہ پہلی قومیں بھی توحید و بعثت وغیرہ کے ایسے ہی دعوے کرتی آئی ہیں انہی کے مضامین آپ نقل کر رہے ہیں (اور) اس سے بڑھ کر قابل ذکر وہ حالت ہے (جب کہ ان لوگوں نے) اپنے اس جہل مرکب میں خوب پختگی سے مبتلا ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے یہ بھی (کہا کہ اے اللہ اگر یہ قرآن واقعی آپ کی طرف سے ہے تو ہم پر) اس کے نہ ماننے کی وجہ سے (آسمان سے پتھر برسایئے یا ہم پر کوئی) اور (دردناک عذاب واقع کر دیجئے) جو کہ خارق عادت ہونے میں پتھروں کی بارش کی مثل ہو۔ اور جب ایسے عذاب واقع نہ ہوئے تو اپنی حقانیت پر ناز کرتے ہیں (اور) یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے باطل پر ہونے کے باوجود خاص موانع کی وجہ سے مذکورہ و مطلوبہ عذاب نازل نہیں ہوا۔ ان موانع کا بیان یہ ہے (اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو) ایسا (عذاب دیں اور) نیز (اللہ تعالیٰ ان کو) ایسا (عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں) گو صحیح اور مکمل ایمان نہ ہونے کی وجہ سے وہ آخرت میں نافع نہ ہو لیکن دنیا میں تو کفار کو نافع ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ مذکورہ عذاب سے دو امر مانع ہیں ایک حضور ﷺ کی موجودگی خواہ مکہ میں یا دنیا میں۔ اور دوسرا ان کافر لوگوں کا اپنے طواف وغیرہ میں یہ کہنا غُفْرَانَکَ (ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں) جو کہ ہجرت کے بعد بھی باقی تھا۔

(اور) ان موانع کے سبب مطلوبہ عذاب نازل نہ ہونے سے بالکل ہی عذاب سے مطمئن نہ ہو

جائیں کیونکہ جس طرح مذکورہ امور مطلوب عذاب سے مانع ہیں اسی طرح ان کی حرکتیں عذاب کا تقاضا بھی کرتی ہیں لہٰذا یہ ہوسکتا ہے کہ مطلوبہ خارق عادت عذاب نازل نہ ہولیکن نفس عذاب جو عادت کے موافق ہو نازل ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اس مقتضی کا بیان فرماتے ہیں کہ (ان کا کیا استحقاق ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ ) بالکل ہی معمولی (سزا) بھی (نہ دے حالانکہ ) ان کی یہ حرکتیں سزا کی مقتضی ہیں مثلاً (وہ لوگ) پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کو (مسجد حرام) میں جانے اور اس میں نماز پڑھنے اور اس میں طواف کرنے (سے روکتے ہیں) جیسا حدیبیہ میں حقیقۃً روکا جس کا قصہ سورہ بقرہ میں گزر چکا اور ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران اس قدر تنگ کیا کہ مکہ مکرمہ اور مسجد حرام کو چھوڑنے اور ہجرت کرنے کی ضرورت ہوئی لہٰذا یہ بھی مسجد حرام میں جانے سے روکنا ہوا، (حالانکہ اور عبادت کرنے والوں کو روکنا تو ایک طرف رہا جس کا اختیار خود متولی کو بھی نہیں ہوتا، وہ لوگ اس مسجد کے متولی) بننے کے بھی لائق (نہیں) (اس کے متولی) بننے کے لائق (تو سوا متقیوں کے) کہ وہ اہل ایمان ہیں (اور کوئی بھی اشخاص نہیں لیکن ان میں اکثر لوگ) اپنی نالائقی کا (علم نہیں رکھتے) یا تو اس طرح سے کہ ان کو اس کا علم ہی نہ ہو یا یہ کہ جب اس علم پر عمل نہ کیا تو وہ مثل عدم علم کے ہوا۔ غرض جو سچ مچ نمازی تھے ان کو تو مسجد سے اس طرح روکا (اور) خود مسجد کا کیسا حق ادا کیا اور اس میں کیسی اچھی نماز پڑھی جس کا بیان یہ ہے کہ (ان کی نماز خانہ کعبہ) یعنی مسجد حرام (کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا) یعنی بجائے نماز کے ان کی یہ نامعقول حرکتیں ہوتی تھیں (سو) ان حرکات کا ضروری تقاضا یہ ہے کہ ان پر کوئی نہ کوئی عذاب گو وہ معمولی اور عام عادت کے مطابق ہو نازل کر کے ان کو خطاب کیا جائے کہ لو (اس عذاب کا مزہ چکھو اپنے کفر کے سبب)۔ متعدد غزووں میں یہ سزا واقع ہوئی۔ یہاں تک تو ان لوگوں کے اقوال اور بدنی اعمال کا ذکر تھا آگے ان کے مالی اعمال کا بیان ہے کہ (بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے) یعنی دین سے لوگوں کو (روکیں) کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ اور مخالفت کے سامان جمع کرنے میں ظاہر ہے کہ جو خرچ ہوتا تھا اس میں یہی غرض تھی (سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو) اسی غرض کے لئے (خرچ کرتے ہی رہیں گے) مگر (پھر) آخر میں جب ناکامی کے اثرات محسوس ہوں گے (وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے) کہ خواہ مخواہ خرچ کیا اور (پھر) آخر (مغلوب) ہی (ہو جائیں گے) جس سے اموال کے ضائع ہونے کی حسرت کے ساتھ یہ دوسری حسرت مغلوبیت کی جمع ہو جائے گی (اور) یہ سزا اور حسرت اور مغلوبیت تو ان کی دنیا میں ہے، باقی آخرت کی سزا وہ الگ ہے جس کا بیان

یہ ہے کہ (کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف) لے جانے کے لئے قیامت میں (جمع کیا جائے گا تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک) لوگوں (کو پاک) لوگوں (سے الگ کر دے) کیونکہ جب دوزخیوں کو دوزخ کی طرف لائیں گے ظاہر ہے کہ اہل جنت ان سے علیحدہ رہ جائیں گے (اور) ان سے الگ کر کے (ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے یعنی ان سب کو متصل کر دے پھر) ان کی ڈھیری بنا کر (ان سب کو جہنم میں ڈال دے۔ ایسے ہی لوگ پورے خسارہ میں ہیں) جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

**ربط**: کفار کے کفریہ اقوال واعمال اور ان کے انجام بد کا ذکر ہوا تو کافروں کو اصلاح احوال کا آخری موقع دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ اگر یہ اس آخری موقع سے فائدہ نہ اٹھائیں تو تم ان کفار سے لڑو ہم اس طریقہ سے ان کو سزا دیں گے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ
وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ
حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ
انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

**ترجمہ**: تو کہہ دے کافروں کو (کہ) اگر وہ باز آ جائیں معاف کر دیئے جائیں گے ان کو جو (گناہ) پہلے ہو چکے۔ اور اگر وہی عادت رکھیں گے تو پڑ چکا ہے طریقہ پہلوں کا۔ اور (اے مسلمانو) تم لڑو ان (کافروں) سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد اور ہو جائے دین سارا کا سارا اللہ کے لئے۔ پھر اگر یہ (کافر کفر سے) باز آ جائیں تو اللہ اس کو جو یہ عمل کرتے ہیں خوب دیکھنے والا ہے اور اگر یہ (اسلام سے) روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ تمہارا رفیق ہے اور کیا ہی اچھا رفیق ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

**تفسیر**: اے محمد ﷺ (آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ) اپنے کفر سے (باز آ جائیں گے) اور اسلام قبول کر لیں گے (تو ان کے سارے گناہ جو) اسلام سے (پہلے ہو چکے ہیں سب معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر اپنی وہی) کفر کی (عادت رکھیں گے تو) ان کو سنا دیجئے کہ (اگلے کفار کے حق میں) ہمارا (قانون نافذ ہو چکا ہے) کہ دنیا میں ہلاکت ہے اور آخرت میں عذاب

ہے۔ وہی تمہارے لئے ہوگا۔ چنانچہ مکہ کے کافر قتل سے ہلاک بھی ہوئے اور آخرت کا عذاب الگ ہوگا۔

(اور) پھر ان کے کفر پر اصرار کرنے کی صورت میں اے مسلمانو (تم ان) کفار عرب (سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد) یعنی ان کا زور (نہ رہے) کہ ایمان سے روک سکیں یا دین حق کو ختم کرنے کی دھمکی دے سکیں۔ غرض جہاد وقتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ کافروں کی دست برد سے اہل اسلام کے ایمان بھی محفوظ رہیں اور وہ امن واطمینان سے خدا کی عبادت بھی کرسکیں اور) جہاد کا آخری مقصد یہ ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے اکیلے خدا کا حکم چلے اور سرزمین عرب میں اس کی یہ صورت تھی کہ مشرکین کو اگر وہاں رہنا ہے تو وہ اسلام اختیار کرلیں تاکہ (دین) خالص (اللہ ہی کا ہو جائے) کفار عرب کے لئے اس وجہ سے کہ نبی ﷺ ان ہی میں مبعوث ہوئے تھے صرف یہ اختیار تھا کہ یا تو مسلمان ہو جائیں یا میدان میں مقابلہ کریں۔ جزیہ دے کر اور ذمی بن کر رہنے کا اختیار ان کے لئے نہیں تھا۔ (پھر اگر یہ) کفر سے (باز آجائیں تو) ان کے ظاہری اسلام کو قبول کرو دل کا حال مت ٹٹولو کیونکہ اگر یہ دل سے ایمان نہ لائیں گے تو (اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں) وہ آپ سمجھ لیں گے تم کو کیا (اور اگر) اسلام سے (روگردانی کریں تو) اللہ کا نام لے کر ان کے مقابلہ سے مت ہٹو اور (یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ) ان کے مقابلہ میں (تمہارا رفیق ہے وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے) سو وہ تمہاری رفاقت اور نصرت کرے گا۔

**ربط**: جہاد کی بات شروع ہوئی تو آگے جہاد و جنگ کے مختلف احکام بیان کرتے ہیں۔

**پہلا حکم: مال غنیمت میں استحقاق**

شروع سورت میں مسلمانوں کے سوال کرنے پر بتایا تھا کہ اموال غنیمت تو اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور وہ جس طرح چاہیں ان کے بارے میں حکم دیں۔ یہاں اس حکم الٰہی کو تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

**ترجمہ**: اور جان لو کہ جو غنیمت تم پاؤ کسی چیز سے تو اللہ کے لئے ہے اس کا پانچواں حصہ اور رسول کے لئے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس (غیبی امداد) پر جو نازل کی ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن (یعنی) جس دن مقابل ہوئیں دونوں فوجیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

**تفسیر**: (اور اس بات کو جان لو کہ جو شے) کفار سے (بطور غنیمت کے تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ) اس کے کل پانچ حصے کئے جائیں جن میں سے چار حصے تو مجاہدین کا حق ہے اور ایک حصہ یعنی (اس کا پانچواں حصہ) پھر مزید پانچ حصوں پر تقسیم ہوگا جن میں سے ایک تو (اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے) یعنی رسول اللہ ﷺ کو ملے گا جن کو دینا ایسے ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کر دیا (اور) ایک حصہ (آپ کے قرابت داروں کا ہے اور) ایک حصہ (یتیموں کا ہے اور) ایک حصہ (غریبوں کا ہے اور) ایک حصہ (مسافروں کا ہے اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو اور اس چیز پر) یقین رکھتے ہو (جس کو ہم نے اپنے بندے) محمد ﷺ (پر فیصلہ کے دن) یعنی (جس دن کہ) بدر میں مسلمانوں اور کافروں کی (دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئی تھیں نازل فرمایا تھا) اس سے مراد غیبی امداد ہے جو فرشتوں کے واسطے سے ہوئی۔ یعنی اگر ہم پر اور ہماری غیبی امداد پر یقین رکھتے ہو تو اس حکم کو جان رکھو اور عمل کرو۔ ایمان کی بات کو اس لئے بڑھا دیا کہ خمس یعنی پانچواں حصہ نکالنا شاق نہ ہو اور یہ سمجھ لیں کہ یہ ساری غنیمت اللہ ہی کی امداد سے تو ہاتھ آئی پھر اگر ہم کو ایک خمس نہ ملا تو کیا ہوا وہ چار

خمس بھی تو ہماری قدرت سے خارج تھے اور محض قدرت الٰہیہ سے حاصل ہوئے (اور اللہ) ہی (ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں)۔

**فائدہ**: 1۔ یوم الفرقان (فیصلہ کے دن) سے مراد یوم بدر ہے کیونکہ اس میں عملاً حق و باطل کا فیصلہ واضح ہو گیا۔

2۔ چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ وفات فرما چکے ہیں اس لئے آپ کا حصہ ساقط ہو گیا اور چونکہ آپ کے اہل قرابت کا حصہ اس وجہ سے تھا کہ شروع سے آپ کو ان کی مدد حاصل تھی اور وفات کے بعد نصرت باقی نہیں رہی لہٰذا یہ حصہ بھی ساقط ہو گیا۔ اب یہ خمس تین حصوں پر تقسیم ہو کر ایک حصہ یتیموں کو ایک مسکینوں کو اور ایک مسافروں کو ملے گا۔ مساکین میں مقدم وہ ہوں گے جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی قرابت داری ہے۔

3۔ یہ مذکورہ بالا تین قسم کے لوگ خمس کے مصرف ہیں مستحق نہیں لہٰذا اگر ایک ہی صنف میں صرف کر دیا جائے تو جائز ہے۔

**ربط**: پیچھے آخر میں یہ فرمایا تھا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ آگے اس کی مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے آثار ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں اس کو اپنی قدرت کاملہ سے کر لیتے ہیں اور تمام حالات کو اس کے موافق کر دیتے ہیں۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۗ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

**ترجمہ**: جس وقت تم تھے ورلے کنارہ پر اور وہ تھے پرلے کنارہ پر اور قافلہ نیچے تھا تم سے۔ اور اگر (جنگ کے لئے) تم وقت ٹھہراتے آپس میں تو ضرور اختلاف کرتے تم وقت (کی تعیین کے بارے) میں ولیکن (اللہ نے یہ حالات بنائے) تاکہ کرڈالے اللہ اس کام کو جو تھا کیا جانے والا۔ تاکہ ہلاک ہو جس کو ہلاک ہونا ہے حجت کے بعد اور جئے جس کو جینا ہے حجت کے بعد۔ اور بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ جب دکھائے تجھ کو وہ لوگ اللہ نے تیرے خواب میں تھوڑے۔ اور اگر دکھاتا (اللہ) تجھ کو وہ لوگ کثیر تو ہمت ہار دیتے تم اور جھگڑا کرتے تم (جنگ کے) معاملہ میں ولیکن اللہ نے بچالیا (تم کو کم ہمتی سے اور اختلاف سے)۔ بلاشبہ وہ خوب جاننے والا ہے سینوں کی باتوں کو۔ اور جب دکھائے تم (مسلمانوں) کو وہ لوگ جب تم مقابل ہوئے تمہاری آنکھوں میں تھوڑے اور تھوڑا کردیا تم کو ان کی آنکھوں میں تاکہ کرڈالے اللہ اس کام کو جو تھا کیا جانے والا اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سارے کام۔

**تفسیر**: (یہ وہ وقت تھا کہ جب تم اس میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے اور وہ لوگ) یعنی کفار (اس میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے) ادھر والے سے مراد مدینہ سے نزدیک کی جگہ اور ادھر والے سے مراد مدینہ سے دور کی جگہ (اور وہ قافلہ) قریش کا (تم سے نیچے کی طرف کو) بچا ہوا (تھا) یعنی سمندر کے کنارے کنارے جارہا تھا۔ حاصل یہ کہ پورے جوش کا سامان جمع ہورہا تھا کہ دونوں آپس میں آمنے سامنے تھے کہ ہر ایک دوسرے کو دیکھ کر جوش میں آئے۔ ادھر قافلہ ابھی رستہ ہی میں تھا اور اس کی حمایت کے خیال سے کفار کے لشکر میں مزید جوش بھڑکتا تھا غرض وہ بہت سخت وقت تھا۔ پھر جب خدا تعالیٰ نے تم پر غیبی امداد نازل کی جیسے اوپر ارشاد ہوا کہ ہم نے اپنے بندے پر غیبی امداد نازل کی۔ (اور) وہ تو مصلحت یہ ہوئی کہ اتفاقاً مقابلہ ہو ورنہ (اگر) پہلے سے حسب معمول و عادت (تم اور وہ) لڑائی کے لئے (کوئی بات ٹھہراتے) کہ فلاں وقت لڑیں گے (تو) موجودہ حالت کا تقاضا یہ تھا کہ (ضرور اس تقرر کے بارے میں تم میں اختلاف ہوتا) یعنی خواہ صرف باہم مسلمانوں میں کہ بے سروسامانی کی وجہ سے کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ کہتا اور خواہ کفار کے ساتھ اختلاف ہوتا جس کی وجہ مسلمانوں کی طرف کی بے سروسامانی اور کافروں کی طرف مسلمانوں کا رعب۔ بہر حال دونوں طرح اس جنگ کی نوبت نہ آتی اور اس میں جو فائدے ہوئے وہ ظہور میں نہ آتے جن کا بیان لیھلک میں آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا سامان کردیا کہ اس کی نوبت نہیں آئی بلاقصد لڑائی ٹھن گئی (تاکہ جو کام

اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے یعنی تا کہ ) حق کی دلیل ظاہر ہو جائے اور ( جس کو برباد ) یعنی گمراہ ( ہونا ہے وہ دلیل آنے کے بعد برباد ہو اور جس کو زندہ ) یعنی ہدایت یافتہ ( ہونا ہے وہ ) بھی ( دلیل آنے کے بعد زندہ ہو ) مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا لڑائی ہو تا کہ ایک خاص طریق سے اسلام کا حق ہونا ظاہر ہو جائے اور وہ یہ کہ تعداد کی قلت اور کم سامانی کے باوجود مسلمان غالب آئیں جو کہ خارق عادت ہے جس سے معلوم ہوا کہ اسلام حق ہے۔ پس اس سے حجت الٰہیہ تام ہوگئی اس کے بعد جو گمراہ ہوگا وہ حق کے واضح ہونے کے بعد ہوگا اور اس میں عذاب کا پورا استحقاق ہو گیا اور عذر کی گنجائش ہی نہ رہی۔ اسی طرح جس کو ہدایت یافتہ ہونا ہوگا وہ حق کو قبول کر لے گا۔ غرض حکمت یہ تھی کہ حق واضح ہو جائے ( اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں ) کہ حق کے واضح ہونے کے بعد زبان اور دل سے کون کفر کرتا ہے اور کون ایمان لاتا ہے۔ اور ( وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے خواب میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے ) چنانچہ آپ نے صحابہ کو اس خواب کی خبر دی جس سے ان کے دل خوب قوی ہو گئے ( اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو وہ لوگ زیادہ کر کے دکھا دیتے ) اور آپ اسی کے مطابق صحابہ سے فرما دیتے ( تو ) اے ہمارے رسول کے صحابہؓ ( تمہاری ہمتیں ہار جاتیں اور ) لڑائی کے ( اس معاملہ میں تم میں باہم نزاع ) اور اختلاف ( ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ) اس کم ہمتی اور اختلاف سے تم کو ( بچا لیا بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے ) اس کو معلوم تھا کہ اس طرح ضعف پیدا ہوگا اور اس طرح قوت، اس لئے ایسی تدبیر کی۔ ( اور ) صرف خواب ہی میں آپ کو کم دکھلانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حکمت کی تکمیل کے لئے بیداری میں مقابلہ کے وقت مسلمانوں کی نظر میں بھی کفار کم دکھائے جیسا کہ کفار کی نظر میں مسلمان کم دکھائے جو کہ واقع کے مطابق بھی تھا چنانچہ فرماتے ہیں کہ ( اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تمہیں جب کہ تم مقابل ہوئے ان لوگوں کو تمہاری نظر میں کم کر کے دکھلا رہے تھے اور ) اسی طرح ( ان کی نگاہ میں تم کو کم کر کے دکھلا رہے تھے تا کہ جو کام اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے ) جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لیھلک من ھلک الخ ( اور سب مقدمے خدا ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے ) وہ مرنے والے یعنی گمراہ کو اور جینے والے یعنی ہدایت یافتہ کو سزا و جزا دیں گے۔

دوسرا حکم: مواقع قتال کے ظاہری و باطنی آداب

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً

فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۴۵ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ
دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو جب مقابل ہو تم کسی جماعت کے تو ثابت قدم رہو اور یاد کرو اللہ کو بہت تا کہ تم کامیابی پاؤ۔ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ جھگڑو آپس میں کہ کہیں ہمت ہار بیٹھو اور جاتی رہے تمہاری ہوا اور صبر کرو، بیشک اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے۔ اور نہ ہو جاؤ مانند ان کے جو نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور دکھانے کو لوگوں کے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے، اور اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں (اس کا) احاطہ کرنے والا ہے۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو جب تم کو) کفار کی (کسی جماعت سے) جہاد میں (مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو) ان آداب کا لحاظ رکھو۔ ایک یہ کہ (ثابت قدم رہو) بھاگو مت۔ (اور) دوسرے یہ کہ (اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو) کہ ذکر سے قلب میں قوت بھی پیدا ہوتی ہے اس طرح سے (امید ہے کہ تم) مقابلہ میں (کامیاب ہو) کیونکہ ثبات قدم اور ثبات قلب جب جمع ہوں تو کامیابی غالب ہے (اور) تیسرے یہ کہ جنگ سے متعلق تمام امور میں (اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت) کا لحاظ (کیا کرو) کہ کوئی کارروائی خلاف شرع نہ ہو (اور) چوتھے یہ کہ اپنے امام سے بھی اور باہم بھی (نزاع مت کرو ورنہ) باہمی نا اتفاقی سے (کم ہمت ہو جاؤ گے) کیونکہ اس سے قوتیں منتشر ہو جائیں گی ایک کو دوسرے پر اعتماد نہ ہوگا اور اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے (اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی) یعنی تمہارا رعب جاتا رہے گا کیونکہ دوسروں کو تمہاری نا اتفاقی کی اطلاع ہونے سے یہ بات لازمی ہے (اور) پانچویں یہ کہ اگر کوئی امر ناگواری کا پیش آئے تو اس پر (صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں) اور معیت الٰہی موجب نصرت ہے (اور) چھٹے یہ کہ جہاد عظیم عبادت ہے اور عبادت میں دکھلاوا یا اترانا ہو تو وہ قبول نہیں ہوتی لہٰذا تم اپنی نیت خالص رکھو تفاخر اور نمائش میں (ان) کافر (لوگوں کے مشابہ مت ہونا کہ جو) اسی واقعہ بدر میں (اپنے گھروں سے) بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ (اتراتے ہوئے اور لوگوں کو) اپنی شان و سامان دکھلاتے ہوئے نکلے اور) اس فخر وریا کے ساتھ

یہ بھی نیت تھی کہ (لوگوں کو اللہ کے رستہ ) یعنی دین ( سے روکتے تھے ) کیونکہ مسلمانوں کو زک دینے چلے تھے جس کا اثر عام لوگوں پر یہ پڑتا کہ وہ دین سے دور ہوتے ( اور اللہ تعالیٰ ) ان لوگوں کو پوری سزا دے گا چنانچہ وہ (ان کے اعمال کو) اپنے علم کے (احاطہ میں لئے ہوئے ہے)۔

**ربط**: ابھی تو کفار کے تکبر و ریاء کا ذکر ہوا تو آگے اس کی علت اور اس کا ضعف ذکر کرتے ہیں۔ وہ علت یہ تھی کہ شیطان نے کفر کے اعمال اور حق کے ساتھ عداوت کو خوشنما کر کے دکھلایا۔ یہ قصہ اس طرح ہوا تھا کہ قریش اور بنی کنانہ میں کچھ رنجش چلی آتی تھی۔ جب کفار قریش مکہ سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے چلنے لگے تو بنی کنانہ کی طرف سے کچھ اندیشہ ہوا اور جانے میں پس و پیش کرنے لگے۔ اس وقت ابلیس بنی کنانہ کے سردار سراقہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور کہا کہ تم اندیشہ نہ کرو میں بنی کنانہ کی طرف سے ذمہ دار ہوں۔ سب یہی سمجھے کہ یہ سراقہ ہے لہٰذا سب اطمینان کے ساتھ بدر میں پہنچے۔ جب لڑائی کا وقت آیا اور فرشتے نازل ہونے شروع ہوئے اس وقت اس کا ہاتھ حارث یعنی ابوجہل کے ہاتھ میں تھا چھڑا کر بھاگا۔ حارث نے پوچھا تو جواب دیا اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ الخ. لوگوں میں سراقہ کی بدنامی کا چرچا ہوا تو اصل سراقہ نے سن کر قسم کھائی کہ مجھ کو کچھ خبر نہیں۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

**ترجمہ**: اور جس وقت خوشنما کر دیا ان ( کافروں ) کے لئے شیطان نے ان کے اعمال کو اور کہا نہیں کوئی غالب آنے والا تم پر آج لوگوں میں سے اور بے شک میں حمایتی ہوں تمہارا۔ پھر جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں جماعتیں تو وہ شیطان الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر اور بولا بلاشبہ میں بری ہوں تم سے۔ بے شک میں دیکھتا ہوں جو نہیں تم دیکھتے۔ بے شک میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔

**تفسیر**: (اور اس وقت کا ان سے ذکر کیجئے جب کہ شیطان نے ان ) کفار ( کو ) بذریعہ وسوسہ (ان کے ) کفریہ (اعمال ) یعنی رسول اللہ ﷺ کی عداوت و مخالفت ( خوشنما کر کے دکھلائے )

کہ انہوں نے ان باتوں کو اچھا سمجھا (اور) وسوسہ سے بڑھ کر یہ کیا کہ سراقہ کی انسانی صورت میں آ کر بالمشافہ ان سے (کہا کہ) تم کو وہ قوت وشوکت حاصل ہے کہ تمہارے مخالف (لوگوں میں سے آج کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور میں تمہارا حامی ہوں) نہ بیرونی دشمنوں سے ڈرو اور نہ اندرونی دشمنوں یعنی کنانہ سے اندیشہ کرو (پھر جب دونوں جماعتیں) کفار اور مسلمانوں کی (ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئیں) اور اس نے فرشتوں کو اترتے دیکھا (تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور) جب ابوجہل نے کہا سراقہ عین وقت پر دغا دے کر کہاں جاتے ہو تو (یہ کہا کہ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں) میں حامی وغیرہ کچھ نہیں بنتا کیونکہ (میں ان چیزوں) یعنی فرشتوں (کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتیں میں تو خدا سے ڈرتا ہوں) کہ کہیں کسی فرشتہ سے دنیا ہی میں تکلیف نہ دلوا دے (اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں)۔

**فائدہ**: شیطان کا یہ ڈرنا محض اس وجہ سے تھا کہ کہیں فرشتوں کے ہاتھوں کسی مصیبت و تکلیف میں نہ پڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ سے وہ ڈر جو نجات کا ذریعہ ہے اس وقت معتبر ہوتا ہے جب اس کے ساتھ صحیح ایمان بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تکبر نہ ہو۔

**ربط**: شیطان کے وسوسہ کی وجہ سے کفار تکبر میں مبتلا تھے جس کو لازم تھا کہ وہ مسلمانوں کو حماقت پر سمجھتے تھے لیکن ان کی دونوں ہی باتیں غلط ثابت ہوئیں۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۹﴾

**ترجمہ**: جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے، دھوکہ میں ڈالا ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے۔ اور جو کوئی بھروسہ کرے اللہ پر تو بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

**تفسیر**: (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب) مدینہ کے (منافقین اور) مکہ کے وہ لوگ (جن کے دلوں میں) شک کی (بیماری تھی) مسلمانوں کا بے سروسامانی کے ساتھ کفار کے مقابلہ میں آنے کو دیکھ کر (یوں کہتے تھے کہ ان) مسلمان (لوگوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے) کہ اپنے دین کے حق ہونے کے بھروسے ایسے خطرہ میں آ پڑے اور حماقت کا ارتکاب کرنے لگے۔ اللہ

جواب دیتے ہیں کہ یہ حماقت اور دھوکہ نہیں بلکہ اللہ پر توکل اور بھروسہ ہے (اور جو شخص اللہ) کی زبردست قدرت پر اعتماد اور یقین رکھتے ہوئے اس (پر بھروسہ کرتا ہے تو) وہ بے جگر اور دلیر ہو جاتا ہے اور اکثر غالب ہی آتا ہے کیونکہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں) اس لئے اپنے اوپر بھروسہ کرنے والے کو غالب کر دیتے ہیں اور کبھی ایسا شخص مغلوب ہو جائے تو اس میں کچھ مصلحت ہوتی ہے کیونکہ وہ (حکمت والے) بھی (ہیں)۔ غرض ظاہری سامان و بے سامانی پر غلبہ کا مدار نہیں بلکہ اس کا مدار تو اللہ تعالیٰ پر ہے جو ہر طرح کی قدرت والے ہیں۔

**ربط**: کفار کی مذکورہ بالا دونوں باتیں غلط ثابت ہوئیں اور غالب ہونے کے بجائے دنیا میں مغلوب ہوئے۔ اس سزا پر بس نہیں بلکہ برزخی اور اخروی عذاب میں بھی مبتلا ہوں گے۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ
كَفَرُوا الْمَلٰۤئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا
عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ
بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً
اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ
وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝

**ترجمہ**: اور اگر تو دیکھے جس وقت جان قبض کرتے ہیں کافروں کی فرشتے، مارتے ہیں ان کے چہروں کو اور ان کی پشتوں کو اور (کہتے ہیں) چکھو عذاب جلانے والا۔ یہ (عذاب) بوجہ اس کے ہے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر۔ (ان کی حالت) مانند حالت آل فرعون کی (ہے) اور ان لوگوں کی (ہے) جو ان

سے پہلے تھے (کہ) انکار کیا اللہ کی آیتوں کا تو پکڑا ان کو اللہ نے بسبب انکے گناہوں کے۔ بے شک اللہ زور آور ہے سخت عذاب والا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ اللہ نہیں ہے بدلنے والا نعمت کو انعام کی اس نے جو کسی قوم پر یہاں تک کہ وہ بدل ڈالیں (وہ اعمال) جو ان کے اپنے ساتھ ہیں۔ اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ (ان کی حالت) مانند حالت آل فرعون کی (ہے) اور ان لوگوں کی (ہے) جو ان سے پہلے ہوئے کہ جھٹلائیں انہوں نے اپنے رب کی آیتیں تو ہلاک کیا ہم نے ان کو بوجہ ان کے گناہوں کے اور غرق کیا ہم نے آل فرعون کو اور (وہ) سارے تھے ظالم۔

**تفسیر**: (اور اگر آپ) اس وقت کا واقعہ (دیکھیں) تو عجیب واقعہ نظر آئے (جب کہ فرشتے ان) موجودہ (کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہیں) اور (ان کے چہروں پر اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ) ابھی کیا ہے آگے چل کر (آگ کی سزا بھگتنا) اور (یہ عذاب ان اعمال) کفریہ (کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں) سو اللہ تعالیٰ نے بلا جرم سزا نہیں دی پس (ان کی حالت) اس بارے میں کہ کفر پر سزایاب ہوئے (ایسی ہے جیسی فرعون والوں کی اور ان سے پہلے) کافر (لوگوں کی حالت تھی کہ انہوں نے آیات الٰہیہ کا انکار کیا سو خدا تعالیٰ نے ان کے) ان (گناہوں پر ان کو) عذاب میں (پکڑ لیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے سخت سزا دینے والے ہیں) کہ ان کے مقابلہ میں کوئی ایسی قوت نہیں کہ ان کے عذاب کو ہٹا سکے اور (یہ بات) کہ بلا جرم ہم سزا نہیں دیتے (اس سبب سے ہے) کہ ہمارا ایک ضابطہ مقرر ہے اور بلا جرم سزا نہ دینا اسی ضابطہ کی ایک فرع ہے۔ اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے جاننے والے ہیں) پس وہ تغیر قولی کو سنتے ہیں تغیر فعلی کو جانتے ہیں۔ سو ان موجودہ کفار نے اپنی یہ حالت بدلی کہ ان میں کفر کے باوجود شروع میں ایمان لانے کی استعداد قوی تھی لیکن انکار و مخالفت کر کر کے اس کو کمزور کر ڈالا اور ہماری دی ہوئی داخلی اور خارجی نعمتوں کو ہمارے بتائے ہوئے مواقع میں خرچ کرنے کے بجائے ہماری مخالفت میں صرف کیا لہٰذا ہم نے ان کو مہلت اور اس کے علاوہ جو نعمتیں دے رکھی تھیں ان کو گرفت اور عذاب سے بدل دیا۔ اور اس تبدیلی میں بھی (ان کی حالت فرعون والوں اور ان سے پہلے والوں کی سی حالت ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا اس پر ہم نے ان کو ان کے) ان (گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور) ان میں (فرعون والوں کو) خاص طور

پر ہلاک کیا کہ ان کو (غرق کر دیا اور وہ) فرعون والے اور پہلے والے (سب ظالم تھے) کہ ہم سے بغاوت اور شرارت کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کئے۔

## تیسرا حکم: دوسری قوم کے ساتھ عہد کیا ہو تو اس کے احکام

اس کا سبب نزول یہود کے بنو قریظہ کی عہد شکنی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عہد کیا تھا کہ ہم آپ کے مخالفین کو مدد نہ دیں گے اور پھر غزوہ احزاب میں مشرکین کو مدد دی۔ اور بھی چند مرتبہ ایسا ہو چکا تھا ہر مرتبہ کہہ دیتے تھے کہ ہم بھول گئے پھر دوبارہ عہد کرتے اور پھر عہد شکنی کرتے اس پر ان آیتوں میں آپ کو ان سے قتال کا حکم ہوا۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ
كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ
عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ
فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾
وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ
سَوَآءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِينَ ﴿٥٨﴾

**ترجمہ**: بے شک بدتر سب جانداروں میں اللہ کے نزدیک وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا پھر وہ نہیں ایمان لاتے۔ وہ لوگ معاہدہ کیا تو نے جن سے پھر وہ توڑتے ہیں اپنے عہد کو ہر مرتبہ میں اور وہ نہیں ڈرتے۔ سو اگر تو قابو پائے ان پر لڑائی میں تو (ان کو ایسی سزا دے کہ) منتشر کر دے ان کے ذریعہ سے ان کو جو ان کے پیچھے ہیں تا کہ وہ سمجھ جائیں۔ اور اگر تو خوف کرے کسی قوم سے خیانت کا تو پھینک دے ان کی طرف (ان کا عہد اس طرح سے کہ تم اور وہ ہو جائیں) برابری پر۔ بلا شبہ اللہ نہیں پسند کرتا خیانت کرنے والوں کو۔

**تفسیر**: (بلاشبہ بدترین خلائق اللہ کے نزدیک یہ کافر لوگ ہیں) جو انجام سے بالکل بے خوف ہو کر غداری اور بدعہدی کے خوگر ہو رہے ہیں۔ جب یہ علم الٰہی میں ایسے ہیں (تو یہ ایمان نہ لائیں گے جن کی یہ کیفیت ہے کہ آپ ان سے) کئی بار (عہد لے چکے ہیں) مگر (پھر) بھی (وہ ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ) عہد شکنی سے (ڈرتے نہیں سو اگر آپ لڑائی میں ان لوگوں پر قابو

پائیں) اور یہ آپ کے ہاتھ آئیں (تو ان) پر حملہ کر کے اس (کے ذریعہ سے اور لوگوں کو جو کہ ان کے علاوہ ہیں منتشر کر دیجئے تاکہ وہ لوگ سمجھ جائیں) کہ عہد توڑنے کا یہ وبال ہوا اور ہم ایسا نہ کریں۔ یہ حکم تو اس وقت ہے کہ جب ان لوگوں نے عہد اعلانیہ توڑ دیا ہو (اور اگر) ابھی تک اعلانیہ تو نہیں توڑا لیکن (آپ کو کسی قوم سے خیانت) یعنی عہد شکنی (کا اندیشہ ہو تو) اجازت ہے کہ (آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے) یعنی اس طرح اس عہد کے باقی نہ رہنے کی اطلاع کر دیجئے (کہ آپ اور وہ) اس اطلاع میں (برابر ہو جائیں) اور ایسی صاف اطلاع کے بغیر لڑنا خیانت ہے اور (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے)۔

**فائدہ**: یہاں لَا يُؤْمِنُونَ فرمانا ان لوگوں کے اعتبار سے ہے جو علم الٰہی میں عمر بھر کافر رہنے والے تھے۔

**ربط**: مسلمانوں کی طرف سے عہد واپس کرنے کا جو حکم اوپر ذکر ہوا ممکن تھا کہ کفار اس کو مسلمانوں کی سادہ لوحی خیال کر کے خوش ہوتے کہ جب ان کے یہاں خیانت اور عہد شکنی جائز نہیں تو ہم کو خبردار اور بیدار ہونے کے بعد اپنے بچاؤ کا اور مسلمانوں کے خلاف تیاری کرنے کا پورا موقع ملے گا۔ اس کا جواب دیا کہ کتنی ہی تیاری اور انتظامات کر لو جب خدا چاہے گا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں تم کو دنیا میں مغلوب و رسوا کرے اور دنیا و آخرت میں سزا دے تو تم کسی بھی تدبیر سے اس کو عاجز نہ کر سکو گے اور نہ ہی اس کی قدرت و تسلط کے احاطہ سے بھاگ سکو گے۔ اس مضمون سے مسلمانوں کو بھی تسلی دی کہ تم خدا پر بھروسہ کر کے اس کے احکام کو پورا کرو تو سب پر غالب رہو گے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾

**ترجمہ**: اور نہ سمجھیں کافر لوگ کہ وہ بھاگ نکلے، یقیناً وہ عاجز نہیں کر سکتے (اللہ کو)۔

**تفسیر**: (اور کافر لوگ اپنے کو یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے یقیناً وہ لوگ) خدا تعالیٰ کو (عاجز نہیں کر سکتے) کہ اس کے ہاتھ نہ آئیں۔ یا تو دنیا ہی میں مبتلائے عقوبت کر دے گا ورنہ آخرت میں تو یقینی ہے۔

## چوتھا حکم: سامان جنگ کی تیاری

پیچھے جو بار بار اللہ پر بھروسہ کا ذکر ہوا تو آگے بتاتے ہیں کہ خدا پر بھروسہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ضروری اسباب کو ترک کر دیں بلکہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

**ترجمہ**: اور تیار رکھو کافروں (سے مقابلہ) کے لئے جو تم کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے۔ تم رعب جمائے رکھو اس کے ذریعہ اللہ کے دشمن پر اور اپنے دشمن پر اور دوسروں پر ان کے علاوہ۔ نہیں جانتے تم ان کو (بلکہ) اللہ جانتا ہے ان کو۔ اور جو خرچ کرو تم کچھ بھی اللہ کے رستے میں پورا دیا جائے گا تم کو اور تم نہ کئے جاؤ گے ظلم۔

**تفسیر**: (اور ان کافروں سے) مقابلہ کرنے (کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے قوت سے) یعنی اپنے اپنے زمانے کے ہتھیار سے اور ان کے استعمال کی مشق سے اور جسمانی ورزش سے (اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس) سامان (کے ذریعہ سے تم) اپنا (رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ) کفر کی وجہ سے (اللہ کے دشمن ہیں اور) تمہاری فکر میں رہنے کی وجہ سے (تمہارے دشمن ہیں) جن سے شب و روز تم کو سابقہ پڑتا رہتا ہے (اور ان کے علاوہ دوسرے کافر (وں پر بھی) رعب جمائے رکھو (جن کو تم) تعین کے ساتھ (نہیں جانتے) بلکہ (ان کو اللہ ہی جانتا ہے) جیسے روم اور ایران کے کفار وغیرہ جن سے اس وقت سابقہ نہیں پڑا مگر صحابہ کا ساز و سامان و فن سپہ گری اپنے وقت میں ان کے مقابلہ میں بھی کام آیا اور ان پر بھی رعب جما، بعض مقابل ہو کر مغلوب ہوئے بعض نے جزیہ قبول کیا کہ یہ بھی رعب کا اثر ہے (اور اللہ کی راہ میں) یعنی جہاد کے لئے (جو کچھ بھی خرچ کرو گے) جس میں وہ خرچ بھی آ گیا جو جنگی سامان درست کرنے میں کیا جائے (وہ) یعنی اس کا ثواب (تم کو) آخرت میں (پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارے لئے) اس میں (کچھ کمی نہ ہوگی)

**فائدہ**: حدیثوں میں تیر اندازی کی مشق اور گھوڑوں کے رکھنے اور سواری سیکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ باقی گھوڑے کی نسبت بھی نبی ﷺ نے خود فرمایا ہے **اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ** کہ قیامت کے دن تک کے لئے خدا نے اس کی پیشانی میں خیر رکھ دی ہے

## پانچواں حکم: جنگ کی تیاری کے باوجود اگر کبھی کافروں کی طرف سے صلح کی درخواست ہو تو اس کے احکام

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾

**ترجمہ**: اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو (بھی) جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر، بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا۔ اور اگر وہ چاہیں کہ دھوکہ دیں تجھ کو تو بے شک کافی ہے تجھ کو اللہ، اسی نے تائید کی تیری اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے اور الفت ڈالی درمیان ان کے دلوں کے، اگر خرچ کرتا تو جو کچھ زمین میں ہے سارا نہ الفت ڈال سکتا درمیان ان کے دلوں کے ولیکن اللہ نے الفت ڈالی ان کے درمیان، بیشک وہ زور آور ہے حکمت والا۔ اے نبی کافی ہے تجھ کو اللہ اور جنہوں نے پیروی کی تیری مسلمانوں میں سے۔

**تفسیر**: (اور اگر وہ) کفار (صلح کی طرف جھکیں تو آپ) کو (بھی) اجازت ہے کہ اگر اس میں مصلحت دیکھیں تو (اس طرف جھک جائیے کیونکہ جہاد سے خونریزی نہیں اعلائے کلمۃ اللہ اور رفع فساد اور کفر کی شوکت کا توڑ مقصود ہے۔ اگر خونریزی کے بغیر یہ مقصد حاصل ہو سکے تو خون بہانے کی کیا حاجت ہے (اور) اگر باوجود مصلحت کے یہ احتمال ہو کہ یہ کہیں ان کی چال نہ ہو تو (اللہ پر بھروسہ رکھئے) ایسے احتمالوں سے اندیشہ نہ کیجئے (بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے) ان کے اقوال اور احوال کو سنتا جانتا ہے ان کا خود انتظام کر دے گا (اور اگر) واقع میں وہ احتمال صحیح ہو اور (وہ لوگ) سچ مچ صلح سے (آپ کو دھوکا دینا چاہیں) اور بظاہر صلح کر کے دغا بازی کرنا چاہیں (تو اللہ تعالیٰ آپ) کی مدد اور حفاظت کرنے (کے لئے کافی ہیں) جیسا کہ اس کے قبل بھی آپ کی کفایت فرماتے تھے چنانچہ (وہی ہے جس نے آپ کو اپنی) غیبی (امداد) یعنی فرشتوں (سے اور) ظاہری امداد یعنی (مسلمانوں سے قوت دی)۔

(اور) مسلمانوں کو ذریعہ امداد بنانے کے لئے (ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا) کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر باہم اتفاق نہ ہو تو کوئی بھی کام خواہ وہ دین کی نصرت ہی ہو مل کر نہیں کر سکتے۔ : ب ا۔

اسلام سے پہلے ان میں خصوصاً مدینہ کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں حب تفوق اور باہمی بغض و عداوت کی وجہ سے اتفاق ایسا دشوار تھا کہ (اگر آپ) باوجودیکہ عقل و تدبیر بھی کامل رکھتے ہیں اور سامان بھی اس کے لئے آپ کے پاس کافی ہوتا یہاں تک کہ (دنیا بھر کا مال) اس کام کے لئے (خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے لیکن) یہ (اللہ ہی) کا کام تھا کہ اس (نے) ان میں سے ہر ایک میں معرفت الٰہی اور حب نبوی کی روح پھونک کر اور توحید و سنت کی شیفتگی پیدا کر کے (ان میں باہم اتفاق پیدا کر دیا بیشک وہ زبردست ہیں) کہ جو چاہیں اپنی قدرت سے کر دیں اور (حکمت والے ہیں) کہ جس طریقے سے مناسب جانیں اس کام کو کر دیں اور جب اللہ تعالیٰ کا اپنی غیبی امداد اور مؤمنین سے آپ کی نصرت فرمانا معلوم ہو گیا تو (اے نبی) اس سے ثابت ہو گیا کہ (آپ کے لئے) حقیقت میں (اللہ کافی ہے اور جن مؤمنین نے آپ کا اتباع کیا ہے) ظاہراً (وہ کافی ہیں)۔

چھٹا حکم: کافر اگر مسلمانوں سے دوگنے تک ہوں تو مسلمانوں کو مقابلہ سے بھاگنا جائز نہیں۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

**ترجمہ**: اے نبی ابھار مسلمانوں کو لڑائی پر۔ اگر ہوں تم میں سے بیس شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں گے دو سو پر، اور اگر ہوں تم میں سے سو شخص تو غالب ہوں گے ہزار پر کافروں میں سے اس وجہ سے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اب ہلکا کر دیا (بوجھ) اللہ نے تم سے اور جانا کہ تم میں کمزوری ہے، سو اگر ہوں تم میں سے سو شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں گے دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سے ہزار تو غالب ہوں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے، اور اللہ ساتھ ہے ثابت قدم رہنے والوں کے۔

**تفسیر**: (اے پیغمبر) ﷺ (آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے) اور اس کے متعلق یہ

قانون سنا دیجئے کہ (اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو) اپنے سے دس گنا عدد پر یعنی (دو سو پر غالب آ جائیں گے اور) اسی طرح (اگر تم میں سو آدمی ہوں گے تو ہزار کفار پر غالب آ جائیں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو) دین کو (کچھ نہیں سمجھتے) اور اس وجہ سے کفر پر مصر ہیں اور اس سبب سے ان کو غیبی امداد نہیں پہنچتی اور یوں وہ مغلوب ہو جاتے ہیں پس تم پر واجب ہے کہ اپنے سے دس گنا کے مقابلہ سے بھی پسپانہ ہو۔ پہلے یہ حکم نازل ہوا تھا جب صحابہؓ پر شاق ہوا تو نبی ﷺ سے عرض کیا۔ ایک مدت کے بعد یہ دوسری آیت جس سے وہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا نازل ہوئی یعنی (اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے سو) یہ حکم دیا جاتا ہے کہ (اگر تم میں سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو) اپنے سے دو گنا عدد پر یعنی (دو سو پر غالب آ جائیں گے اور) اسی طرح (اگر تم میں ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آ جائیں گے اور) ہم نے جو صابر کی قید لگائی تو اس لئے کہ (اللہ تعالیٰ صابرین) یعنی جو دل اور قدم سے ثابت رہیں ان (کے ساتھ ہیں) یعنی ان کی مدد کرتے ہیں۔

**فائدہ: 1**- اگر چہ یہاں الفاظ خبر کے ہیں کہ اتنے آدمیوں پر اتنے غالب آ جائیں گے لیکن مقصود خبر نہیں بلکہ انشاء اور امر ہے یعنی ثابت قدم رہو غرض ثابت قدمی واجب ہے اور فرار حرام ہے اور خبر سے تعبیر کرنے میں مبالغہ و تاکید مراد ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جیسے غلبہ کی خبر یقینی ہونے پر ثابت قدمی واجب ہے اسی طرح اب جب کہ ایک اور دو کی نسبت ہے ثابت قدمی واجب ہے۔

2- ضعف کی وجہ یہ ہے کہ یہ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب کام کرنے والے کم ہوتے ہیں اور کام ضروری سمجھا جاتا ہے تو اس وقت زیادہ ہمت ہوتی ہے ہر شخص جانتا ہے کہ میرے کرنے سے ہی ہوگا اور جب کام کرنے والے بڑھ جاتے ہیں تو بہت سے لوگوں کو خیال ہوتا ہے کہ صرف مجھ پر تو منحصر نہیں اور بھی تو کام کرنے والے ہیں اس لئے جوش میں کمی آ جاتی ہے۔ اسی لئے ابتدائے اسلام میں مثلاً بدر میں ہمت کی حالت اور تھی اور جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو طبیعت اور ہمت کا رنگ بدل گیا۔ یہ ایک امر طبعی ہے لہٰذا صحابہ پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ ان کے باطنی اوصاف و کمالات تو روزانہ روبہ ترقی تھے جب کہ اس حکم سے انحطاط کا شبہ ہوتا ہے۔

2- مسلمان اگر کبھی دو گنے سے زیادہ پر حملہ کر دیں تو یہ منع نہیں بلکہ اس میں اور زیادہ اجر ہے۔ غزوہ موتہ میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔

ساتواں حکم: جنگی قیدیوں کا جنگ بدر کے قیدیوں کے ضمن میں حکم بیان فرماتے

ہیں اور ان سے فدیہ لینے کی حیثیت بھی بیان فرماتے ہیں۔

اس کا قصہ یوں پیش آیا کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں کے سامنے دو صورتیں تھیں (1) قتل کر دینا (2) فدیہ لے کر چھوڑ دینا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس معاملہ میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ سب قیدی اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں بہتر ہے کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس نرم سلوک اور احسان کے بعد ممکن ہے کچھ لوگ مسلمان ہو کر وہ خود اور ان کی اولاد ہمارے دست و بازو بنیں اور جو مال فدیہ میں ہاتھ آئے اس سے جہاد وغیرہ دینی کاموں میں سہارا ہو۔ نبی ﷺ کا میلان بھی فطری رحم دلی اور شفقت وصلہ رحمی کی وجہ سے اسی رائے کی طرف تھا۔ بلکہ صحابہ کی عام رائے اسی جانب تھی۔ بہت سے تو ان وجوہ کی بنا پر جو حضرت ابوبکر نے بیان فرمائیں اور بعض لوگ محض مالی فائدہ کو دیکھتے ہوئے اس رائے سے متفق تھے۔ حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ یہ قیدی کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں ان کو ختم کر دیا جائے تو کفر وشرک کا سر ٹوٹ جائے گا، تمام مشرکین پر ہیبت طاری ہو جائے گی، آئندہ مسلمانوں کو ستانے اور خدا کے راستہ سے روکنے کا حوصلہ نہ رہے گا، اور خدا کے سامنے مشرکین سے ہماری انتہائی نفرت وبغض اور کامل بیزاری کا اظہار ہو جائے گا کہ ہم نے خدا کے معاملہ میں اپنی قرابتوں اور مالی فوائد کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان قیدیوں میں جو کوئی ہم میں سے کسی کا عزیز وقریب ہو وہ اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ غرض بحث کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل ہوا کیونکہ اسی طرف کثرت رائے بھی تھی اور خود نبی ﷺ طبعی نرمی کی وجہ سے اسی طرح مائل تھے اور ویسے بھی اخلاقی اور کلی حیثیت سے عام حالات میں وہی رائے درست معلوم ہوتی تھی۔

لیکن اسلام اس وقت جن حالات میں سے گزر رہا تھا ان پر نظر کرتے ہوئے وقتی مصلحتوں کا تقاضا یہ تھا کہ کفار کے ساتھ کمر توڑ کارروائی کی جائے تاکہ یہ دوبارہ کھڑے ہی نہ ہو سکیں۔ ظالم مشرکوں پر ایک مرتبہ رعب اور ہیبت بٹھا دینے کے بعد نرم خوئی اور صلہ رحمی کے استعمال کے لئے آئندہ بہت مواقع مل جاتے۔ غرض نرمی اختیار کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ مشرکین اپنی قوت اکٹھی کر کے اگلے ہی سال جنگ احد کے لئے آ دھمکے اور مسلمانوں کا اس میں بڑا نقصان ہوا۔

جس رائے پر عمل ہوا اگرچہ وہ فی نفسہ غلط نہیں تھی لیکن وقت کے اصل تقاضوں کے مطابق بھی نہ تھی۔ اس لئے اگرچہ مسلمانوں کو وہ رائے ترک کرنے کا حکم تو نہیں دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے غیر اولیٰ رائے اختیار کرنے پر عتاب فرمایا۔ لیکن ایک تو اس وجہ سے کہ اہل بدر کی سب اگلی وپچھلی خطائیں و

معاف کیا جا چکا تھا اور دوسرے یہ خطا بھی اجتہادی تھی اس لئے سزا نہیں دی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص دکاندار ہو۔ اس کا لڑکا بھی دکان پر بیٹھتا ہو۔ باپ دیکھتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے گاہک بھی ہیں اور ایک گاہک ایسا بھی ہے جو شکل وصورت سے بڑی اسامی نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں کا سودا لے گا۔ لڑکا چھوٹے گاہکوں پر زیادہ وقت دیتا ہے اور بڑے گاہک کی طرف التفات ہی نہیں کرتا جس کی وجہ سے بڑا گاہک وہاں سے چلا جاتا ہے۔ باپ کو لڑکے کی اس حرکت پر سخت غصہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ اگرچہ چھوٹے گاہکوں کو دیکھنا غلط نہیں ہے لیکن وقت کی مصلحت کو نظر انداز کرنے پر تمہیں یہ سخت سزا ہونی چاہئے۔ البتہ تمہاری وفاداری اور محنت وقربانی کو دیکھ کر سزا چھوڑتا ہوں۔

اور جن لوگوں نے زیادہ تر مالی فوائد پر نظر کر کے اس رائے سے اتفاق کیا تھا ان کو صاف طور پر تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا سے خطاب کیا گیا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾

**ترجمہ**: نہیں ہے (لائق) نبی کے لئے کہ ہوں اس کے قیدی یہاں تک کہ خوب خونریزی کر لے زمین میں۔ تم چاہتے ہو اسباب دنیا کا اور اللہ چاہتا ہے آخرت کو۔ اور اللہ زور آور حکمت والا ہے۔ اگر نہ ہوتی لکھی ہوئی بات اللہ کی جانب سے جو پہلے ہو چکی تو ضرور پہنچتا تم کو اس میں جو تم نے اختیار کیا عذاب بڑا۔

**تفسیر**: اے مسلمانو! تم نے نبی ﷺ کو جو ان قیدیوں سے کچھ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا یہ بے جا تھا کیونکہ (نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں) بلکہ وہ تو قتل کر دیئے جائیں (جب تک کہ وہ) نبی (زمین میں اچھی طرح) کفار کی (خونریزی نہ کر لیں) کیونکہ جہاد کی مشروعیت سے اصلی غرض دفع فساد ہے اور اس حد تک خونریزی کے بغیر کہ جس میں کفار کی شوکت بالکل ٹوٹ جائے دفع فساد ممکن نہیں لہٰذا اس مرحلہ سے پہلے قیدیوں کو زندہ چھوڑ دینا آپ کی شان اصلاح کے مناسب نہیں۔ البتہ جب ایسا مرحلہ حاصل ہو جائے پھر قتل ضروری نہیں بلکہ اور صورتیں بھی مشروع ہیں۔ پس اے مسلمانو تم نے اس موقع پر ایسی نامناسب رائے نبی ﷺ کو کیوں دی (تم تو

دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو) اس لئے فدیہ کی رائے دی (اور اللہ تعالیٰ آخرت) کی مصلحت (کو چاہتے ہیں) اور وہ اس میں ہے کہ کفار مغلوب ہو جائیں اور آزادی سے اسلام کا نور و ہدایت پھیلے اور بے روک ٹوک لوگ بکثرت مسلمان ہوں اور نجات پائیں (اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست ہیں) اور وہ تم کو فوراً کفار پر غالب کر سکتے تھے اور فتوحات کی کثرت سے تم کو مالدار کر سکتے تھے لیکن (وہ بڑی حکمت والے ہیں) اور ان کی حکمت ہی کے تقاضے سے اس میں دیر ہوتی ہے۔ لیکن جو فعل تم سے واقع ہوا ہے وہ ایسا ناپسندیدہ ہے کہ (اگر خدا تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکتا) وہ یہ کہ مجتہد کو اس کی اجتہادی خطا پر عذاب نہیں ہوگا (تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارے میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی)۔

آٹھواں حکم: پچھلے عتاب اور تہدید سے مسلمان ڈر گئے کہ قیدیوں کے فدیہ میں جو مال لیا ہے اسے اب ہاتھ نہیں لگانا چاہئے۔ آگے تسلی فرما دی کہ وہ اللہ کی عطا ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہے خوشی سے کھاؤ ہاں مال وغیرہ کو اتنی اہمیت دینا نہیں چاہئے کہ بلند مقاصد اور مصالح کلیہ نظر انداز ہو جائیں۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾

**ترجمہ**: سو کھاؤ اس میں سے جو غنیمت میں حاصل کیا تم نے حلال پاک اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

**تفسیر**: (سو جو کچھ تم نے) ان سے فدیہ میں (لیا ہے اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) کہ آئندہ ہر طرح کی احتیاط رکھو (بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں) کہ تمہارا گناہ بھی معاف کر دیا یہ مغفرت ہے اور فدیہ بھی حلال کر دیا یہ رحمت ہے۔

**ربط**: بعض قیدی فدیہ دینے کے بعد مسلمان ہو گئے تھے جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ انہوں نے آپ سے فدیہ دینے کی وجہ سے مفلس ہو جانے کی شکایت کی اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

**ترجمہ:** اے نبی کہہ دے ان سے جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں قیدی اگر جانے گا اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو لیا گیا تم سے اور بخش دے گا تم کو اور اللہ ہے بخشنے والا رحم کرنے والا۔ اور اگر وہ چاہیں گے خیانت کرنا تجھ سے سو وہ خیانت کر چکے ہیں اللہ سے اس سے پہلے پھر اس نے پکڑوا دیا ان کو اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

**تفسیر:** (اے پیغمبر آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں) ان میں جو مسلمان ہو گئے ہیں (آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلب میں ایمان معلوم ہو گا) یعنی اگر تم دل سے مسلمان ہوئے ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو واقع کے مطابق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمان اسی کو جانیں گے جو واقع میں مسلمان ہو گا اور جو شخص غیر مسلم ہو گا اس کو غیر مسلم ہی جانیں گے۔ پس اگر تم دل سے مسلمان ہو گے (تو جو کچھ تم سے) فدیہ میں (لیا گیا ہے) دنیا میں (اس سے بہتر تم کو دے دے گا اور) آخرت میں (تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں) اس لئے تم کو بخش دیں گے اور (بڑی رحمت والے ہیں) اس لئے تم کو نعم البدل دیں گے (اور اگر) بالفرض (یہ لوگ) صدق دل سے مسلمان نہ ہوئے ہوں بلکہ اپنے اظہار اسلام سے محض آپ کو دھوکا ہی دینا چاہیں اور دل میں (آپ کے ساتھ خیانت کرنے کا) یعنی عہد توڑ کے مخالفت و مقابلہ کا (ارادہ رکھتے ہوں تو) کچھ فکر نہ کیجئے اللہ تعالیٰ ان کو پھر آپ کے ہاتھوں میں گرفتار کرا دے گا جیسا (اس سے پہلے انہوں نے اللہ کے ساتھ خیانت کی تھی) کہ فطری عہد الست کے خلاف کفر و شرک کو اختیار کیا اور آپ کی مخالفت کی اور آپ سے مقابلہ کیا (پھر اللہ نے ان کو) آپ کے ہاتھوں میں (گرفتار کرا دیا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں) کہ کون خیانت کرنے والا ہے اور (بڑی حکمت والے ہیں) اس لئے ایسی صورتیں پیدا کر دیتے ہیں جن سے خیانت کرنے والا مغلوب ہو جائے۔

**فائدہ:** اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَکَ (اگر وہ آپ کے ساتھ خیانت کا ارادہ کریں) سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ مسلمان ہونے والے قیدیوں کا ایمان مشکوک تھا بلکہ یہاں جملہ شرطیہ سے مقصود خیانت پر اَمْکَنَ مِنْھُمْ یعنی گرفتار کرا دینے کو بطور نتیجہ بتانا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو ان پر خوب قدرت ہے۔ یہ اس لئے بتایا تا کہ آپ کو تسلی ہو جائے۔

نواں حکم: جنگ بدر کے قیدیوں میں بعض ایسے تھے جو دل سے مسلمان تھے مگر نبی ﷺ کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے اور مجبوری سے کفار کے ساتھ ہو کر بدر میں آئے۔ یہاں یہ بتلانا ہے کہ ان مسلمانوں کا کیا حکم ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جتنے مسلمان نبی ﷺ کے ساتھ حاضر ہیں خواہ وہ مہاجرین ہوں یا انصار ہوں ان سب کی صلح و جنگ ایک ہے ان میں سے کسی ایک کا موافق سب کا موافق اور کسی ایک کا مخالف سب کا مخالف ہے اور آغاز ہجرت میں مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ مواخات قائم کیا تھا اس کے لحاظ سے کچھ عرصہ تک ایک دوسرے کے ترکہ کا وارث بھی ہوتا تھا۔

ان کے برخلاف جو مسلمان اپنے ملک میں رہے جہاں کافروں کا زور اور تسلط ہو یعنی دارالحرب میں رہے وہاں سے ہجرت نہ کی ان کے احکام یہ ہیں کہ:

**(1)** ان کی صلح و جنگ میں دارالاسلام کے رہنے والے مسلمان شریک نہیں۔ اگر دارالحرب لے مسلمانوں نے کافروں کی کسی جماعت سے صلح کا معاہدہ کیا تو دارالاسلام کے آزاد مسلمان اس معاہدہ کے پابند نہیں ہو سکتے بلکہ ان سے اگر مصلحت ہو تو جنگ کر سکتے ہیں۔

**(2)** ہاں اگر دارالحرب کے مسلمان کسی دینی معاملہ میں آزاد مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کو جہاں تک ہو سکے مدد کرنا ضروری ہے۔

**(3)** مگر کافروں کی جس جماعت سے آزاد یعنی دارالاسلام کے مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہو اس کے مقابلہ میں معاہدہ کی مدت تک دارالحرب کے مسلمانوں کی امداد نہیں کی جا سکتی۔

**(4)** مہاجرین و انصار کے درمیان باہمی وراثت کا جو سلسلہ قائم کیا گیا ہے اس میں بھی دارالحرب کے مسلمان شامل نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ

اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ

شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ

النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا

تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ؕ اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ تَكُنۡ فِتۡنَةٌ فِى الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ كَبِيۡرٌ ﴿۷۳﴾ؕ

**ترجمہ**: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے رستے میں اور جن لوگوں نے ٹھکانا دیا اور مدد کی وہ لوگ ان کے بعض رفیق ہیں (دوسرے) بعض کے۔ اور جو ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی نہیں تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام یہاں تک کہ وہ ہجرت کر لیں۔ اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین میں تو لازم ہے تم پر (ان کی) مدد کرنا مگر بمقابلہ اس قوم کے کہ تمہارے درمیان اور اس کے درمیان معاہدہ ہے اور اللہ جو کچھ تم عمل کرتے ہو (اس کو) دیکھنے والا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے بعض رفیق ہیں (دوسرے) بعض کے۔ اگر نہ تم عمل کرو گے اس (حکم) پر ہوگا (بڑا) فتنہ زمین میں اور بڑا فساد (ہوگا)۔

**تفسیر**: (بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت بھی کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے راستہ میں جہاد بھی کیا) یہ لوگ وہ ہیں جو مہاجرین کہلائے (اور جن لوگوں نے) ان مہاجرین کو (رہنے کو جگہ دی اور) ان کی (مدد کی) اور یہ انصار کہلاتے تھے (یہ) دونوں قسم کے (لوگ باہم ایک دوسرے کے رفیق ہوں گے) یعنی ان سب کی صلح و جنگ ایک ہے ایک کا موافق سب کا موافق ہے اور ایک کا مخالف سب کا مخالف ہے بلکہ آغاز ہجرت میں بھائی چارہ کے رشتہ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ترکہ کا وارث بھی ہوتا تھا۔

(اور جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا) یعنی دارالاسلام کے مسلمانوں کا (ان سے رفاقت کا کوئی تعلق نہیں) یعنی ان کی صلح و جنگ میں دارالاسلام کے رہنے والے مسلمان شریک نہیں (جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں) اور جب ہجرت کر لیں پھر وہ بھی دارالاسلام کے مسلمانوں کے حکم میں داخل ہو جائیں گے (اور) جب تک یہ دارالحرب میں ہیں گو ان سے تمہاری رفاقت نہ ہو لیکن (اگر وہ تم سے دین کے کام) یعنی کافروں سے لڑائی (میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمے) ان کی (مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں) صلح کا (باہمی معاہدہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں) پس ان کے مقررہ احکام میں خلل ڈال کر ان کی ناراضگی کے مستحق نہ ہونا (اور) جس طرح باہم تم میں رفاقت کا تعلق ہے اسی طرح (جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے رفیق ہیں) نہ تم ان کے رفیق نہ وہ تمہارے رفیق۔ (اگر اس) مذکورہ حکم (پر عمل نہ کرو

گے ) یعنی اگر مسلمان ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار نہ بنیں گے یا کمزور مسلمان ہجرت کر کے اپنے آپ کو دوسرے آزاد مسلمانوں کی رفاقت اور معیت میں لانے کی کوشش نہ کریں گے۔ ( تو دنیا میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا ) جس کی صورت یہ ہوگی کہ کمزور مسلمان امن سے نہ رہ سکیں گے اور ان کا ایمان تک خطرہ میں ہوگا۔

**ربط**: اوپر یہ بتا کر کہ مسلمان اور کافر علیحدہ علیحدہ ہیں اور یہ واضح کر کے کہ کافر سب ایک ہیں اور مسلمان بھی سب ایک ہیں اور ان کو ایک ہونا چاہئے اب یہ بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کے ایک ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ درجہ اور مرتبہ میں بھی ایک ہیں اور میراث جیسے شرعی حکم میں بھی سب یکساں ہیں بلکہ اس اعتبار سے تفاوت ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝٧٤ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٧٥

**ترجمہ**: اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ( مہاجرین کو ) ٹھکانا دیا اور ( ان کی ) مدد کی وہی ہیں مومن سچے۔ ان کے لئے مغفرت اور رزق ہے عزت والا۔ اور جو ایمان لائے اس کے بعد اور ہجرت کی اور جہاد کیا تمہارے ساتھ تو وہ لوگ ( بھی ) تم ( ہی ) میں سے ہیں اور رشتہ دار ( آپس میں ) بعض زیادہ حقدار ہیں دوسرے بعض کے اللہ کے حکم میں۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز سے خوب باخبر ہے۔

**تفسیر**: ( جو لوگ ) اول ( مسلمان ہوئے اور انہوں نے ) ہجرت نبویہ کے زمانہ میں ( ہجرت کی اور ) اول ہی سے ( اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور جن لوگوں نے ) ان مہاجرین کو ( اپنے یہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی یہ لوگ ہی مومن ہیں سچے ) کہ ایمان و اسلام کے تقاضوں پر پورا پورا عمل کرتے ہیں ( ان کے لئے ) آخرت میں ( بڑی مغفرت اور ) جنت میں ( بڑی معزز روزی ) مقرر ( ہے۔ اور جو لوگ ) ہجرت نبویہ کے ( بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا ) یعنی کام تو سب کئے مگر بعد میں ( سو یہ لوگ ) گو فضیلت میں تمہارے برابر نہیں لیکن تاہم احکام کے اعتبار سے ( تمہارے ہی شمار میں ہیں اور ) ان احکام میں سے ایک یہ ہے کہ بعد

والے مہاجرین میں (جو لوگ) پہلے والے مہاجرین کے (رشتہ دار ہیں) گوفضل و رتبہ میں کم ہوں لیکن میراث کے اعتبار سے (کتاب اللہ) یعنی حکم شرعی (میں ایک دوسرے) کی میراث (کے) بہ نسبت غیر رشتہ داروں کے (زیادہ حقدار ہیں) گو غیر رشتہ دار فضل و رتبہ میں زیادہ ہوں (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں) اس لئے وہی جانتے ہیں کہ کس کا کس قدر حق ہونا چاہئے۔

# سورۃ توبہ

**ربط**: سورہ انفال پوری کی پوری غزوہ بدر اور اس سے متعلقہ مضامین پر مشتمل تھی۔ یوم بدر کو قرآن نے یوم الفرقان کہا کیونکہ اس نے حق و باطل، اسلام و کفر اور مومنین و کافرین کی پوزیشن کو بالکل جدا جدا کر دیا۔ بدر کا معرکہ اسلام کی عالمگیر برادری کی تعمیر کا سنگ بنیاد اور اسلام کی بین الاقوامی حکومت کا دیباچہ تھا۔ اوپر مذکور وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف سورہ انفال کے خاتمہ پر اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ کہہ کر توجہ دلائی اس کا صریح تقاضا ہے کہ اس عالمگیر برادری کا کوئی طاقتور مرکز حسی طور پر بھی دنیا میں قائم ہو جو ظاہر ہے کہ جزیرۃ العرب کے علاوہ نہیں ہوسکتا۔ سورہ انفال کے اخیر میں یہ بھی جتلا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر سایہ رہ رہے ہیں دارالاسلام کے مسلمانوں پر ان کی ولایت و رفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہاں حسب استطاعت ان کے لئے دینی مدد بہم پہنچانی چاہئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اخوت اسلامی کی کڑیوں کو مضبوطی سے جوڑنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک ضرور ہونی چاہئے۔ یا تو تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آ جائیں اور اسلامی برادری میں بلا روک ٹوک شامل ہوں یا دارالاسلام کے مسلمان مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر پورے جزیرۃ العرب کو خالص اسلامی مرکز بنا دیں تا کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت ہی نہ رہے۔ یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز روز کے فتنہ وفساد کی بیخ کنی ہوسکتی تھی اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک و صاف ہوسکتا تھا۔ اس مقصد کے لئے 2ھ میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھا جو متعدد غزوات کے مراحل طے کر کے آخر کار 8ھ میں

مستقر یعنی جزیرہ عرب کو فتنوں سے بالکل صاف کر دیا جائے تا کہ وہاں سے تمام دنیا کو اسلامی دیانت اور حقیقی تہذیب کی دعوت دیتے وقت پورا جزیرہ عرب یک جان و یک زبان ہو اور کوئی اندرونی خلفشار بیرونی مزاحمتوں کے ساتھ مل اس مقدس مشن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس لئے لازم ہوا کہ جزیرہ عرب میں خالص اسلامیت ہو اور کفار کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ اس کے لئے اعلان کیا گیا کہ ایک خاص مدت تک کافر یا تو مسلمان ہو جائیں یا جزیرہ عرب کو چھوڑ دیں۔

اس سورت میں جزیرہ عرب کو خالص اسلامی رنگ دینے کی تاریخ کے چند واقعات ذکر ہیں جن کی ابتدا اس سے ہے کہ 6 ھ میں نبی ﷺ نے عمرہ کا قصد کیا۔ قریش نے مکہ میں داخل نہ ہونے دیا اور حدیبیہ میں ان سے صلح ہوئی۔ اس صلح کی مدت دس سال کی تھی۔ مکہ میں اور قبائل بھی تھے۔ تکمیل صلح کے وقت یہ بات قرار پائی کہ جس کا جی چاہے اس صلح میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو جائے اور جس کا جی چاہے قریش کے ساتھ ہو جائے چنانچہ بنی خزاعہ تو آپ کے ساتھ ہو گئے اور بنی بکر قریش کے ساتھ ہو گئے۔ سال بھر تک کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور 7 ھ میں صلح کی قرار داد کے مطابق رسول اللہ ﷺ مکہ تشریف لائے اور اس فوت شدہ عمرہ کی قضا کر کے واپس تشریف لے گئے۔ اس کے بعد پانچ چھ ماہ گذرے تھے یعنی صلح کے وقت سے سترہ اٹھارہ مہینے ہوئے تھے کہ بنی بکر نے رات کے وقت اچانک خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے یہ سمجھ کر کہ اول تو رسول اللہ ﷺ بہت دور ہیں آپ کو کیا خبر ہو گی پھر رات کے وقت کون دیکھتا ہے یہ خیال کر کے بنی بکر کو ہتھیار وغیرہ بھی دیئے اور ان کے ہمراہ ہو کر خزاعہ سے لڑے بھی جس سے قاعدہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو ان کی صلح تھی وہ ٹوٹ گئی۔ خزاعہ نے آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے ایسے طور پر کہ قریش کو اطلاع نہ ہو لشکر کی تیاری کر کے 8 ھ میں ان پر چڑھائی کی اور مکہ فتح کر لیا اور قریش کے بہت سے سردار اس میں مسلمان بھی ہو گئے۔

جن جماعتوں کا اس سورت کے شروع میں ذکر ہے وہ چار تھیں۔

پہلی جماعت: قریش کی تھی جنہوں نے خود عہد شکنی کی۔

فتح مکہ سے پہلے اس جماعت کے بارے میں یہ حکم دیا کہ جب تک یہ عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو جب یہ عہد توڑ دیں تم بھی لڑائی کرو۔ چونکہ انہوں نے خود عہد شکنی کی تھی اور اس لئے وہ کسی مہلت کے مستحق نہیں رہے تھے اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ ان سے فوراً اعلان جنگ کر دیا جاتا لیکن وہ زمانہ چونکہ حرمت والے مہینوں کا تھا اس لئے نزول براءت کے بعد ان کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا کہ جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان سے لڑائی کی اجازت ہے۔

دوسری جماعت: یہ بنی کنانہ کے دو قبیلے بنی ضمرہ اور بنی مدلج تھے جنہوں نے آپ سے معاہدہ کیا تھا اور نزول براءت کے وقت معاہدہ کی مدت ختم ہونے میں نو ماہ باقی تھے۔ چونکہ انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی اس لئے ان کے بارے میں حکم نازل ہوا کہ ان کی مدت پوری کرو۔

تیسری جماعت: بعض دیگر قبائل جن سے بلا تعیین مدت معاہدہ ہوا تھا۔

چوتھی جماعت: بعض دیگر قبائل جن سے کچھ معاہدہ نہ ہوا تھا۔

تیسری اور چوتھی جماعت کا حکم ایک ہی ہے یعنی اعلان کے وقت سے چار ماہ کی مہلت ہے جہاں چاہیں چلے جائیں اس کے بعد قتل کے مستحق ہوں گے۔

دوسری جماعت کا حکم بھی نو ماہ گزرنے کے بعد اس تیسری چوتھی کا سا ہو جائے گا کہ ان کے لئے امان ختم ہو جائے گا۔

یہ سب احکام اس غرض سے تھے کہ سال بھر کے اندر یہ علاقہ کفار سے بالکل پاک ہو جائے۔ آپ ﷺ نے 9 ھ میں حج کی تاریخوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معرفت مکہ اور عرفات اور منیٰ میں اس کا اعلان کرا دیا کیونکہ وہاں قبائل عرب کا عام اجتماع تھا اور ان کے ذریعے سے تمام عرب میں اس کی شہرت ہو جانا لازمی تھا۔

**تنبیہ**: سورت انفال ہجرت نبوی کے بعد مدنی دور کے شروع کے زمانہ میں اور یہ سورت براءت مدنی دور کے آخری زمانہ میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ جو آیات قرآنی نازل ہوتیں فرما دیتے کہ ان کو فلاں سورت میں فلاں موقع پر رکھو۔ ان آیات کے متعلق جنہیں اب سورت توبہ یا سورت براءت کہا جاتا ہے آپ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں درج کی جائیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مستقل سورت ہے کسی دوسری سورت کا جزء نہیں لیکن عام قاعدہ یہ تھا کہ جب نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جدا کرنے کے لئے بسم اللہ لکھواتے۔ سورت توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھوائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جدا سورت نہیں۔ ان وجوہ پر نظر کر کے مصاحف عثمانیہ میں اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی لیکن کتابت میں اس کے اور سورت انفال کے درمیان فصل کر دیا گیا تا کہ نہ تو اس کا مستقل سورت ہونا ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جزء ہونا۔

باقی سورت انفال کے بعد متصل لانے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کے مضامین باہم اس قدر مربوط ہیں گویا سورہ توبہ کو سورت انفال کا تتمہ و تکملہ کہا جا سکتا ہے۔

| آیاتھا ۱۲۹ | سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتھا ۱۶ |
|---|---|---|

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ ١
فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ
مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۞ ٢ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ
مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ
تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞ ٣ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا
اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۞ ٤
فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ
وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ
تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ ٥ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ
فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۞ ٦ ع

**ترجمہ:** دست برداری ہے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ان لوگوں کی طرف
جن سے عہد کیا تم نے مشرکین میں سے۔ سو چلو پھرو اس سرزمین میں چار مہینے اور جان لو یہ
کہ تم نہیں ہو عاجز کرنے والے اللہ کو اور یہ کہ اللہ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو۔ اور اعلان
ہے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے لوگوں کی طرف بڑے حج کے دن کہ اللہ دست بردار
ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول (بھی)۔ سو اگر تم توبہ کرو تو یہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم

منہ موڑو تو جان لو کہ تم نہیں ہو عاجز کرنے والے اللہ کو اور خوشخبری دیدے کافروں کو دردناک عذاب کی۔ مگر وہ جن سے عہد کیا تم نے مشرکین میں سے پھر نہیں کمی کی انہوں نے (عہد پورا کرنے میں) تمہارے ساتھ کچھ بھی اور نہ مدد کی تمہارے مقابلہ میں کسی کی تو پورا کرو تم ان کی طرف ان کے عہد کو ان کی مدت تک۔ بلاشبہ اللہ پسند کرتا ہے احتیاط والوں کو۔ پھر جب گذر جائیں مہینے حرمت والے تو قتل کرو مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ تم ان کو اور پکڑو ان کو اور گھیرو ان کو اور بیٹھو ان کی تاک میں ہر گھات میں۔ پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم کریں نماز کو اور ادا کریں زکوۃ کو تو چھوڑ دو ان کا راستہ۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اور اگر کوئی مشرکوں میں سے پناہ مانگے تجھ سے تو پناہ دے اس کو یہاں تک کہ وہ سن لے اللہ کا کلام پھر پہنچا دے اس کو اس کی امن کی جگہ پر۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔

**تفسیر**: (اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے) مذکورہ بالا تیسری جماعت یعنی (ان مشرکین) کے عہد (سے دست برداری ہے جن سے تم نے) بلا تعیین مدت (عہد کر رکھا تھا) اور چوتھی جماعت یعنی جن سے کچھ بھی عہد نہ تھا ان کا بھی حکم اس سے بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا کیونکہ جب ان لوگوں سے امن کو ختم کیا جا رہا ہے جن سے معاہدہ تھا تو جن لوگوں سے کوئی معاہدہ ہی نہیں ان کے لئے امن کیوں رہے گا۔ (سو) ان دونوں جماعتوں کو اطلاع کر دو کہ تمہیں مہلت دی جاتی ہے کہ (تم لوگ اس سرزمین) عرب (میں چار مہینے چل پھر لو) اور اس مدت کے اندر یا تو مسلمان ہو جاؤ یا وطن چھوڑ کر ایمان و توحید کے مرکز کو اپنے وجود سے خالی کر دو یا جنگی مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ (اور) اس کے ساتھ (یہ) بھی (جان رکھو کہ) اگر تم اسلام نہ لائے تو (تم خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے) کہ اس کے قبضہ سے نکل سکو (اور یہ) بھی جان رکھو (کہ بے شک اللہ تعالیٰ) آخرت میں (کافروں کو رسوا کریں گے) یعنی عذاب دیں گے۔ اور دنیا میں قتل کئے جانے کا احتمال الگ رہا۔ لہٰذا توبہ کر کے اسلام قبول کر لو کہ اسی میں دنیا و آخرت کا بچاؤ ہے۔ (اور) مذکورہ بالا پہلی جماعت یعنی قریش جنھوں نے عہد شکنی کی تھی ان کا حکم یہ ہے کہ (اللہ اور رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں) کسی مہلت کے بغیر ابھی (دست بردار ہوتے ہیں ان مشرکین) کو امن دینے (سے) جنھوں نے خود عہد شکنی کی۔ مگر (پھر) بھی ان سے کہا جاتا ہے کہ (اگر تم) کفر سے (توبہ کر لو تو تمہارے لئے) یہ دونوں جہان میں (بہتر ہے) دنیا میں تو اس لئے کہ تمہاری عہد شکنی معاف ہو جائے گی اور قتل سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں ظاہر ہے کہ نجات ہو گی۔ (اور اگر تم نے) اسلام سے (اعراض کیا تو یہ سمجھ رکھو کہ تم خدا کو عاجز نہیں کر سکو گے) کہ کہیں

نکل کر بھاگ جاؤ (اور) آگے خدا کو عاجز نہ کر سکنے کی تفسیر ہے کہ (ان کافروں کو ایک دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے) جو آخرت میں واقع ہو گی یہ تو یقینی ہے اور دنیا کی سزا کا احتمال الگ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر اعراض کرو گے تو سزا بھگتو گے (ہاں مگر وہ مشرکین) یعنی بنو کنانہ کے دو قبیلے اس دست برداری سے (مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر انہوں نے) عہد پورا کرنے میں (تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں) تمہارے (کسی) دشمن (کی مدد کی) اس سے مراد اوپر ذکر کی ہوئی دوسری جماعت ہے (سو ان کے معاہدہ کو ان کی مدت) مقررہ (تک پورا کر دو) اور بدعہدی نہ کرو کیونکہ (واقعی اللہ تعالیٰ) بدعہدی سے (احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں) پس اگر تم احتیاط رکھو گے تو تم بھی حق تعالیٰ کے پسندیدہ ہو جاؤ گے۔ آگے پہلی جماعت کے حکم کا تتمہ ہے کہ جب ان کو کوئی مہلت نہیں تو گو ان سے ابھی فوری طور پر لڑائی کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن چونکہ ابھی محرم کے ختم تک حرمت والے مہینے لڑائی سے مانع ہیں (سو) ان کے گذرنے کا انتظار کر لو اور (جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو) اس وقت (ان مشرکین) کی پہلی جماعت (کو جہاں پاؤ مارو، پکڑو، باندھو اور داؤ گھات کے موقعوں میں ان کی تاک میں بیٹھو) یعنی لڑائی میں جو جو ہوتا ہے سب کی اجازت ہے۔ (پھر اگر) کفر سے (توبہ کر لیں اور) اسلام کے کام کرنے لگیں یعنی مثلاً (نماز پڑھنے لگیں اور زکوۃ دینے لگیں تو ان کا رستہ چھوڑ دو) یعنی قتل و قید مت کرو کیونکہ (واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں) اس واسطے ایسے شخص کا کفر بخش دیا اور اس کی جان بچالی اور یہی حکم باقی جماعتوں کا ان کی میعادیں گذرنے کے بعد ہو گا۔

(اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص) امن کی میعاد کے ختم ہونے کے بعد جب کہ قتل مباح ہو جائے تو یہ اور اسلام کے فوائد و برکات سن کر اس طرف راغب ہو اور اسلام کی حقیقت و حقیت کی تلاش کی غرض سے آپ کے پاس آ کر (آپ سے پناہ کا طالب ہو) تا کہ اطمینان سے سن سکے اور سمجھ سکے (تو) ایسی حالت میں (آپ اس کو پناہ دیجئے تا کہ وہ کلام الٰہی) یعنی دین کے دلائل (سن لے پھر) اس کے بعد (اس کو اس کی امن کی جگہ میں پہنچا دیجئے) یعنی پہنچنے دیجئے تا کہ وہ سوچ سمجھ کر اپنی رائے قائم کر لے۔ اتنی پناہ دینے کا (یہ حکم اس سبب سے) دیا جاتا (ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ پوری خبر نہیں رکھتے) اس لئے قدرے مہلت دینا ضروری ہے۔

**فوائد**: 1- یہاں اسلام واعراض کے حکم پر اکتفا کرنا اور جزیہ کا ذکر نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ کفار عرب کے لئے جزیہ کا اختیار (Option) نہیں ہے۔

2- اگرچہ اقامت صلوٰۃ وغیرہ قبول اسلام میں شرط نہیں لیکن یہ کنایہ ہے اظہار اسلام سے جس پر بندوں کے نزدیک احکام کا دارومدار ہے اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے کو بطور مثال ذکر کیا۔

3- براءت کی نسبت اللہ و رسول کی طرف کی حالانکہ عہد کی پاسداری اور اس کو ختم کرنے کا تعلق مسلمانوں سے ہے۔ یہ اس بناء پر ہے کہ عہد ختم کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول کی زبانی فرض کر دیا گیا تھا اور صحابہ کے لئے اس میں اختیار نہ رہا تھا۔

4- حج اکبر کے مقابلہ میں حج اصغر ہوتا ہے جو عمرہ کو کہتے ہیں۔

**ربط**: پچھلی آیتوں میں جو دست برداری کا اعلان کیا گیا تھا آگے اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ ان مشرکین عرب سے نہ تو معاہدہ قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی ان سے صلح ہو سکتی ہے کیونکہ ان کا حال تم مسلمانوں کے ساتھ یہ ہے کہ اگر کسی وقت ذرا بھی تم پر قابو پالیں تو ستانے اور نقصان پہنچانے میں نہ قرابت کا بالکل لحاظ کریں اور نہ قول وقرار کا۔ تم سے زبانی عہد و پیمان کرنے کے باوجود وہ دل سے ایک منٹ کے لئے بھی اس عہد پر راضی نہیں اور ہر وقت عہد شکنی کے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔

پھر بھی ان کے لئے اسلام کی دعوت موجود ہے۔ اگر یہ اسلام قبول کرلیں تو فبہا اور اگر کفر پر مصر رہیں اور عہد شکنی بھی کریں تو اے مسلمانو تم بھی کفر کے ان سرداروں سے لڑو تاکہ یہ سرکشی سے باز آئیں۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ
اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ
اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ
اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ
فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ
تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ
وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

مِّنۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡكُفۡرِ ۙ
اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ ﴿۱۲﴾

**ترجمہ**: کیسے (قابل رعایت) ہوگا مشرکین کے لئے عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک مگر جن لوگوں سے عہد کیا تھا تم نے مسجد حرام کے پاس۔ سو جب تک وہ سیدھے رہیں تم سے تم (بھی) سیدھے رہو ان سے۔ بے شک اللہ پسند کرتا ہے احتیاط والوں کو۔ کیسے (رہے گا صلح کا معاہدہ) اس حال میں کہ اگر وہ قابو پائیں تم پر تو نہ لحاظ کریں تمہارے بارے میں قرابت کا اور نہ عہد کا۔ یہ (عہد کر کے) خوش کرتے ہیں تم کو اپنے منہ (کی باتوں) سے اور انکار کرتے ہیں (عہد سے) ان کے دل۔ اور ان کے اکثر فاسق ہیں۔ لے لی انہوں نے بعوض اللہ کے احکام کے تھوڑی قیمت سو ہٹ گئے اس کے رستے سے۔ بے شک یہ لوگ برا ہے جو یہ کام کرتے ہیں۔ یہ نہیں لحاظ کرتے کسی (بھی) مسلمان کے حق میں قرابت کا اور نہ عہد کا اور یہی لوگ زیادتی کرنے والے ہیں۔ پھر اگر توبہ کریں اور قائم کریں نماز کو اور ادا کریں زکوۃ کو تو (یہ) تمہارے بھائی ہیں دین میں۔ اور ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں (اپنے) احکام ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں۔ اور اگر وہ (اسلام سے صرف اعراض ہی نہ کریں بلکہ) توڑ دیں اپنی قسمیں اپنے عہد کرنے کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین میں تو تم لڑو کفر کے سرداروں سے۔ بے شک نہیں (باقی رہیں) قسمیں ان کے لئے (غرض لڑو) شاید کہ یہ باز آجائیں۔

**تفسیر**: (ان مشرکین) قریش یعنی پہلی جماعت (کا عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے) قابل رعایت (رہے گا) کیونکہ رعایت تو اس عہد کی ہوتی ہے جس کو دوسرا شخص خود نہ توڑے ورنہ رعایت باقی نہیں رہتی۔ مطلب یہ کہ یہ لوگ عہد کو توڑنے کے درپے ہیں۔ اگر توڑیں تو پھر تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے۔ (مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام) یعنی حرم (کے نزدیک عہد لیا ہے) مراد دوسری جماعت ہے جن کا استثناء اوپر بھی اِلَّا الَّذِيۡنَ عَاهَدۡتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ثُمَّ لَمۡ يَنۡقُصُوۡكُمۡ الخ میں آچکا ہے یعنی ان سے امید ہے کہ یہ عہد کو قائم رکھیں گے (سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں) یعنی عہد نہ توڑیں (تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو) اور عہد کی مدت ان سے پوری کرو چنانچہ سورت براءت کے نزول کے وقت اس مدت میں نو ماہ باقی تھے اور ان کے عہد شکنی نہ کرنے کی وجہ سے ان کی یہ مدت پوری کی گئی (بلاشبہ اللہ تعالیٰ) بدعہدی سے

(احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں) پس تم بھی احتیاط رکھنے سے حق تعالیٰ کے پسندیدہ ہو جاؤ گے۔ یہ استثناء کر کے پھر پہلی جماعت سے متعلق فرماتے ہیں (کیسے) ان کا عہد قابل رعایت رہے گا یعنی وہ لوگ عہد پر کب قائم رہیں گے (حالانکہ ان کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول و قرار کا) کیونکہ ان کی یہ صلح مجبوری اور خوف جہاد سے ہے دل سے نہیں۔ پس (یہ لوگ تم کو) صرف (اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں اور ان کے دل) ان باتوں کو (نہیں مانتے)۔ پس جب دل سے اس عہد کے پورا کرنے کا عزم نہیں ہے تو پھر یہ کیسے پورا ہوگا (اور ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں) کہ عہد پورا کرنا نہیں چاہتے اور اگر ایک آدھ پورا کرنا بھی چاہتا ہو تو زیادہ کے سامنے ایک دو کی کب چلتی ہے۔ اور ان کے شریر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ (انہوں نے احکام الٰہیہ کے عوض) دنیا کی (متاع ناپائدار کو اختیار کر رکھا ہے) جیسا کہ کفار کی حالت ہوتی ہے کہ دین کو چھوڑ کر دنیا کو اس پر ترجیح دیتے ہیں۔ جب دنیا زیادہ محبوب ہوگی تو اگر عہد شکنی میں دنیوی غرض حاصل ہوتی نظر آئے گی اس میں کچھ باک نہ ہوگا بخلاف اس شخص کے جو دین کو ترجیح دیتا ہے کہ وہ احکام الٰہیہ اور وفائے عہد وغیرہ کا پابند ہوگا۔ (سو) دنیا کو دین پر ترجیح دینے کی وجہ سے (یہ لوگ اللہ کے) سیدھے (رستہ سے) جس میں وفائے عہد بھی شامل ہے (ہٹے ہوئے ہیں) اور (یقیناً یہ ان کا عمل بہت ہی برا ہے) اور ہم نے جو اوپر کہا ہے لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ الخ یعنی یہ لحاظ نہیں کرتے تمہارے بارے میں قرابت کا اور نہ قول و قرار کا سو اس میں تمہاری کچھ تخصیص نہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ (یہ لوگ کسی مسلمان کے بارے میں) بھی (نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول و قرار کا اور یہ لوگ) بالخصوص اس بارے میں (بہت ہی زیادتی کر رہے ہیں سو) جب ان کے عہد پر اعتماد و اطمینان نہیں اور ان سے عہد شکنی کا بھی خطرہ ہے تو ہم ان کے بارے میں مفصل حکم سناتے ہیں کہ (اگر یہ لوگ) کفر سے (توبہ کر لیں) یعنی مسلمان ہو جائیں (اور) اپنے اسلام کو ظاہر بھی کر دیں مثلاً (نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو) پھر ان کی عہد شکنی وغیرہ نظر انداز کر دی جائے گی اور اسلام لانے سے (وہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے) اور پچھلا کیا ہوا سب معاف ہو جائے گا (اور ہم سمجھدار لوگوں) کو بتلانے (کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں) لہٰذا اس مقام پر بھی ایسا ہی کیا گیا ہے۔

(اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں) یعنی عہدوں (کو توڑ ڈالیں) جیسا کہ ان کی حالت سے قوی اندیشہ ہے (اور) عہد توڑ کر ایمان بھی نہ لائیں بلکہ اپنے کفر پر قائم رہیں جسکا ایک اثر

یہ ہے کہ (تمہارے دین) اسلام (پر طعن) واعتراض (کریں تو) اس حالت میں (تم لوگ اس قصد سے کہ یہ) اپنے کفر سے (باز آ جائیں، ان پیشوایان کفر سے) خوب (لڑو) کیونکہ اس صورت میں (ان کی قسمیں) باقی (نہیں رہیں)۔

**ربط**: پچھلی آیتوں سے یہ واضح ہوا کہ مشرکین عرب مسلمانوں کے بارے میں انتہائی بدلحاظ ہیں اور عام طور سے بدعہد ہیں لہٰذا اگر یہ عہد کو توڑیں تو مسلمانوں کو بھی ان سے جنگ کرنی چاہئے۔ آگے اس لڑائی پر مزید ترغیب دیتے ہیں اور اس کے کچھ فوائد شمار کراتے ہیں۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا
نَّكَثُوٓا أَيْمَٰنَهُمْ وَهَمُّوا۟ بِإِخْرَاجِ ٱلرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ
مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَٱللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾
قَٰتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ ٱللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ
يَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ
وَيَتُوبُ ٱللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾ أَمْ
حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا۟ وَلَمَّا يَعْلَمِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ جَٰهَدُوا۟ مِنكُمْ
وَلَمْ يَتَّخِذُوا۟ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَلَا رَسُولِهِۦ وَلَا ٱلْمُؤْمِنِينَ
وَلِيجَةً ۚ وَٱللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

**ترجمہ**: کیا نہیں تم لڑتے ایسے لوگوں سے جنہوں نے توڑا اپنی قسموں کو اور فکر کی رسول کے نکالنے (یعنی جلاوطن کرنے) کی اور انہوں نے ہی ابتداء کی تم سے (چھیڑ چھاڑ کی) پہلی مرتبہ۔ کیا تم ڈرتے ہو ان سے سو اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم ڈرو اس سے اگر تم ہو ایمان والے۔ لڑو ان سے سزا دے گا ان کو اللہ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کرے گا ان کو اور مدد کرے گا تمہاری ان کے مقابلہ میں اور شفا دے گا دلوں کو مسلمان لوگوں کے اور دور کرے گا غیظ ان کے دلوں کا اور توجہ کرے گا اللہ جس پر چاہے گا۔ اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔ کیا گمان کیا تم نے کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی تک نہیں جانا اللہ نے ان لوگوں

کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور نہیں بنایا سوا اللہ کے اور نہ (سوا) اس کے رسول کے اور نہ (سوا) مومنین کے کوئی خصوصی دوست۔ اور اللہ باخبر ہے اس سے جو تم عمل کرتے ہو۔

**تفسیر**: (تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا) اور خزاعہ کے مقابلہ میں بنو بکر کی مدد کی (اور رسول) ﷺ (کے جلا وطن کر دینے کی تجویز کی، اور انہوں نے تم سے خود پہلے چھیڑ نکالی) کہ تمہاری طرف سے وفائے عہد میں کوئی کمی نہیں ہوئی، انہوں نے بیٹھے بٹھائے خود ایک شوشہ چھوڑا، پس ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو، (کیا ان سے) لڑنے میں (ڈرتے ہو) کہ ان کے پاس ہتھیار اور جمعیت زیادہ ہے (سو) اگر یہ بات ہے تو ہرگز ان سے مت ڈرو، کیونکہ (اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو) اور ان سے ڈرنے کا یہ تقاضا ہے کہ ان کے حکم کے خلاف مت کرو اور وہ چونکہ حکم دیتے ہیں لڑائی کا لہٰذا (ان سے لڑو، اللہ تعالیٰ) کا وعدہ ہے کہ (ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور ان کو ذلیل) وخوار (کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور) اس طرح سے (بہت سے) ایسے (مسلمانوں کے قلوب کو شفاء دے گا اور ان کے قلوب کے غیظ) وغضب (دور کر دے گا) جو خود مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے اور ان کی حرکات کو دیکھ کر دل ہی دل میں گھٹتے ہیں (اور) ان ہی کفار میں سے (جس پر) توجہ وفضل کرنا (منظور ہوگا اللہ تعالیٰ توجہ) بھی (فرمائے گا) یعنی مسلمان ہونے کی توفیق دے گا، چنانچہ فتح مکہ میں بعضے لڑے اور ذلیل ومقتول ہوئے اور بعضے مسلمان ہو گئے (اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں) کہ علم سے ہر ایک کا انجام کہ اسلام ہے یا کفر جانتے ہیں، اور اسی لئے اپنی حکمت سے مناسب احکام مقرر فرماتے ہیں۔ اور تم جو لڑنے سے جی چراتے ہو گو بعضے ہی سہی تو (کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی) اسی حالت پر (چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے) ظاہری طور پر تم میں سے (ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے) ایسے موقع پر (جہاد کیا ہو اور اللہ و رسول اور مؤمنین کے سوا کسی کو خصوصیت کا دوست نہ بنایا ہو) اور اس بات کے ظاہر ہونے کا اچھا ذریعہ ایسا جہاد ہے جس میں مقابلہ اعزہ واقارب سے ہو کہ کیونکہ اس میں پورا امتحان ہو جاتا ہے کہ کون اللہ کو چاہتا ہے اور کون برادری کو (اور اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے تمہارے سب کاموں کی) پس اگر جہاد میں چستی کرو گے یا سستی کرو گے اسی کے موافق تم کو جزا دے گا۔

**ربط**: مشرکین مکہ کی قباحتیں اوپر ذکر ہوئیں۔ ان کے باوجود ان کو اس پر بڑا فخر و ناز تھا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے، انہیں پانی پلاتے، کھانا کپڑا دیتے اور مسجد حرام کی مرمت یا کعبہ کے غلاف

یا روشنی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں۔ اگر مسلمان اپنے جہاد و ہجرت وغیرہ پر نازاں ہیں تو ہمارے پاس بھی عبادات کا یہ ذخیرہ موجود ہے۔ آگے مشرکین کے اس فخر و ناز کو رد کرتے ہیں کہ **اصل تو اللہ پر ایمان اور اس کے احکام پر عمل ہے۔** جب تمہارا اللہ پر ایمان ہی صحیح نہیں تو تمہارے ان بے روح اعمال کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں بلکہ تم تو اللہ کی مسجدوں کے انتظام کے بھی لائق نہیں۔ **درحقیقت قابل تعریف اور کامیاب تو وہ لوگ ہیں** جو اللہ تعالیٰ پر صحیح صحیح ایمان لائیں اور اس کی مکمل تابعداری کریں اور اپنے جان و مال کو بھی اس کی راہ میں لٹانے سے دریغ نہ کریں۔

## مَاكَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ

اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ
اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۱۷ اِنَّمَا
يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ
الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ
اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۸ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹ م اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ
اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۲۰ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ
مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝۲۱ ۙ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲

**ترجمہ:** نہیں ہے (لائق) مشرکوں کے لئے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو اس حال میں کہ وہ خود گواہ ہیں اپنے اوپر کفر کے۔ یہ لوگ ہیں ضائع ہو گئے ان کے عمل اور آگ

میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ محض آباد کرتے ہیں اللہ کی مسجدوں کو وہ جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور قائم کی نماز اور ادا کی زکوۃ اور نہیں ڈرے مگر اللہ سے۔ سو امید ہے کہ یہ لوگ ہوں ہدایت والوں میں سے۔ (اے مشرکو) کیا تم نے کر دیا حاجیوں کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے (ظاہری) بسانے کو مانند اس شخص کے (عمل کے) جو ایمان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور (جس نے) جہاد کیا اللہ کی راہ میں۔ یہ (تو) برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک اور اللہ سمجھ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ (یہ لوگ) بہت بڑے ہیں درجہ کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک اور یہی لوگ ہیں کامیاب۔ خوشخبری دیتا ہے ان کو ان کا رب رحمت کی اپنی طرف سے اور رضامندی کی اور باغوں کی کہ ان کے لئے ہے ان میں نعمت دائمی۔ رہنے والے ہیں ان میں ہمیشہ ہمیش۔ بلاشبہ اللہ کے پاس ہے بڑا اجر۔

**تفسیر**: (مشرکین کی یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ) مسجد حرام سمیت (اللہ کی مسجدوں کو) (آباد کریں جس حالت میں وہ خود اپنے کفر) کی باتوں (کا اقرار کر رہے ہیں) چنانچہ وہ خود اپنا دین و مذہب بتلانے کے وقت ایسے عقائد کا اقرار کرتے تھے جو واقع میں کفر ہیں، مطلب یہ ہے کہ مساجد کو آباد کرنا اگرچہ قابل تعریف عمل ہے لیکن جب شرک موجود ہے جو کہ ہر نیک عمل کے منافی ہے تو اس عمل کی اہلیت ہی مفقود ہے اور اس لئے وہ محض بے قیمت ہے، پھر اس پر فخر کی کیا گنجائش ہے۔ (ان) مشرک (لوگوں کے سب اعمال) نیک مثلاً مسجد کو آباد کرنا اور اس کا انتظام کرنا اور حاجیوں کو پانی پلانا وغیرہ (اکارت) اور ضائع (ہیں) کیونکہ ان کی قبولیت کی شرط یعنی شرک سے بیزاری موجود نہیں تو ضائع عمل پر فخر ہی کیا۔ (اور دوزخ میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے) کیونکہ سبب نجات یعنی اللہ پر صحیح صحیح ایمان موجود نہیں اور جو عمل کئے وہ محض ضائع ہوئے (ہاں اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے) یعنی علیٰ وجہ الکمال ان سے قبول کیا جاتا ہے (جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر) دل سے (ایمان لائیں) اور اعضاء و جوارح سے اس کا اظہار بھی کریں مثلاً اس طرح کہ (نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں اور) اللہ پر ایسا توکل رکھتے ہوں کہ (سوائے اللہ کے کسی سے نہ ڈریں سو ایسے لوگوں کے بارے میں توقع) یعنی وعدہ (ہے کہ اپنے مقصود) یعنی جنت و نجات (تک پہنچ جائیں گے) کیونکہ ایمان ہونے کی وجہ سے ان کے اعمال مقبول ہوں گے، اس لئے آخرت میں نفع ہوگا۔

اے مشرکو (کیا تم لوگوں نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص) کے

عمل (کے برابر قرار دے لیا جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو، اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو) یعنی یہ عمل برابر نہیں اور جب اعمال برابر نہیں تو (یہ) عمل کرنے والے (لوگ) بھی باہم (برابر نہیں اللہ کے نزدیک۔ اور) یہ جو بات ذکر ہوئی بہت ہی ظاہر ہے لیکن (جو لوگ بے انصاف ہیں) یعنی مشرک ہیں (اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ نہیں دیتا) اس لئے وہ نہیں مانتے۔ آگے اس مضمون کی تصریح ہے جو اوپر لَا یَسْتَوٗنَ سے مقصود تھا یعنی (جو لوگ ایمان لائے اور) اللہ کی واسطے (انہوں نے ترک وطن کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا وہ درجہ میں اللہ کے نزدیک) محض حاجیوں کو پانی پلانے والوں سے اور مسجد حرام کو آباد کرنے والوں سے (بہت بڑے ہیں) کیونکہ ان لوگوں میں جب ایمان ہی نہیں تو اللہ کے ہاں ان کا کچھ درجہ بھی نہیں۔ (اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں) آگے اس درجہ اور کامیابی کا بیان ہے کہ (ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضا مندی اور) جنت کے (ایسے باغوں کی کہ ان کے لئے ان) باغوں (میں دائمی نعمت ہوگی) اور (ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے، بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے) اس میں سے ان کو دیا جائے گا۔

**فائدہ**: آخری آیت سے پہلے والی آیت میں تین چیزوں کا ذکر ہوا ایمان، جہاد اور ہجرت ان تین پر آخری آیت میں بشارت بھی تین چیزوں کی دی رحمت، رضوان اور جنت میں ہمیشہ کی زندگی۔ ابوحیان نے لکھا ہے کہ رحمت ایمان پر مرتب ہے۔ ایمان نہ ہو تو آخرت میں خدا کی رحمت و مہربانی میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ اور رضوان جو بہت ہی اعلیٰ مقام ہے جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا تمام نفسانی خواہشات اور تعلقات ترک کر کے خدا کے راستہ میں جان و مال نثار کرتا ہے اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انتہائی قربانی پیش کرتا ہے لہٰذا اس کا صلہ بھی انتہائی ہونا چاہئے۔ رہی ہجرت تو وہ خدا کے لئے اپنا وطن اور اپنا گھر بار چھوڑنے کا نام ہے۔ اس لئے مہاجر کو خوشخبری دی گئی کہ تیرے وطن سے بہتر وطن اور تیرے گھر سے بہتر گھر تجھ کو ملے گا جس میں ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی آسائش و راحت سے رہنا ہوگا جس سے نکلنے کی کبھی نوبت نہ آئے گی۔

**ربط**: پچھلی آیات میں بتایا تھا کہ جہاد اور ہجرت اعظم اور افضل ترین اعمال ہیں۔ بسا اوقات ان دونوں اعمال میں عزیز و اقارب، کنبہ و برادری کے تعلقات خلل انداز ہوتے ہیں اس لئے فرما دیا کہ جن لوگوں کو ایمان سے زیادہ کفر پسند ہے کوئی مومن انہیں کیسے عزیز رکھ سکتا ہے۔ اس لئے ان کے ساتھ تعلقات تمہارے ان عظیم اعمال میں قطعاً رکاوٹ نہیں بننے چاہئیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا
الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ
اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۣاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والوں مت بناؤ اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو رفیق اگر وہ عزیز رکھیں کفر کو ایمان پر اور جو رفاقت رکھے ان سے تم میں سے تو وہی لوگ ہیں گنہگار۔ تو کہہ دے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور اموال کمایا تم نے جن کو اور تجارت ڈرتے ہو تم جس کے بند ہونے کا اور مکان تم پسند کرتے ہو جن کو زیادہ پیارے ہوں تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور لڑنے سے اس کی راہ میں تو انتظار کرو یہاں تک کہ لائے اللہ اپنا حکم، اور اللہ نہیں پہنچاتا مقصود تک نافرمان لوگوں کو۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو) اپنا (رفیق مت بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں) ایسا (عزیز رکھیں) کہ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہے (اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں) مطلب یہ ہے کہ جہاد و ہجرت سے بڑا مانع ان لوگوں کا تعلق ہے اور خود وہی جائز نہیں پھر جہاد و ہجرت میں کیا دشواری ہے۔ آگے اسی مضمون کی زیادہ تفصیل ہے کہ اے محمد ﷺ (آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بند ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن میں) رہنے (کو تم پسند کرتے ہو) اگر یہ چیزیں (تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم

منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ) ہجرت و جہاد ترک کرنے پر سزا کا (اپنا حکم بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ نا فرمانی کرنے والے لوگوں کو) اصل (مقصود) یعنی حقیقی کامیابی (تک نہیں پہنچاتا)۔

**ربط**: پچھلی آیت میں تنبیہ تھی کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے وقت مسلمانوں کو کنبہ، برادری اور اموال واملاک پر نظر نہ کرنی چاہئے۔ یہاں آگاہ کرتے ہیں کہ مجاہدین کو خود اپنی فوجی جمعیت اور کثرت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہئے۔ کامیابی تنہا خدا کی مدد سے ہوتی ہے جس کا تجربہ تم بدر وغیرہ میں پہلے کر چکے ہو۔ اور اب اخیر میں غزوہ حنین میں خاص آسمانی نصرت وامداد کا ہونا تو بالکل صریح ہے اور تم میں سے بعض کو جو یہ غرہ ہوا کہ آج ہم بڑی فوج ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر یہ فوج کچھ بھی نہ کرسکی۔

قصہ یہ ہوا کہ فتح مکہ کے فوراً بعد آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ہوازن اور ثقیف قبیلوں نے ایک بڑا لشکر تیار کر کے بڑے سازوسامان سے مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ کیا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی آپ نے فتح مکہ کے لئے آئے ہوئے مہاجرین وانصار کی دس ہزار کی فوج کے ساتھ طائف کا رخ کیا۔ فتح مکہ کے وقت نئے مسلمان ہونے والے دو ہزار طُلَقاء اس کے علاوہ تھے۔ بارہ ہزار کی عظیم الشان فوج کو دیکھ کر بعض صحابہ سے نہ رہا گیا اور بے ساختہ بول اٹھے کہ جب ہم بہت تھوڑے تھے اس وقت ہمیشہ غالب رہے تو آج ہماری اتنی بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہونے والی نہیں۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوا۔ مکہ سے کچھ فاصلہ پر دونوں لشکر مقابل ہوئے۔ کافروں کی جمعیت چار ہزار تھی جو سر کو کفن باندھ کر اور سب عورتوں بچوں کے ساتھ لے کر ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے پوری تیاری سے نکلے تھے۔ اونٹ، گھوڑے مویشی اور گھروں کا سارا سامان اپنے ہمراہ لے آئے تھے تاکہ پیچھے کا خیال بھی نہ آئے۔ قبیلہ ہوازن کے بڑے ماہر تیر اندازوں کا دستہ وادی حنین کی پہاڑیوں میں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ پہلے معرکہ میں کفار کو شکست ہوئی۔ وہ بہت سامان چھوڑ کر پسپا ہوئے۔ یہ دیکھ کر مسلمان سپاہی مال غنیمت کی طرف جھک پڑے۔ اس وقت ہوازن کے تیر اندازوں نے گھات سے نکل کر ایک دم دھاوا بول دیا۔ آن واحد میں چاروں طرف سے اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ صرف نبی ﷺ اور کچھ صحابہ ثابت قدم رہے۔ آپ نے خود بھی مسلمانوں کو آواز دی اور حضرت عباس نے بھی پکارا جس پر مسلمان سنبھلے اور واپس پلٹے اسی اثناء میں نبی ﷺ نے تھوڑی سی مٹی اور کنکریاں اٹھا کر کافروں پر پھینکیں جو خدا کی قدرت سے ہر کافر کے چہرے اور آنکھوں پر پڑیں۔ ادھر آسمان سے فرشتے اترے جن سے کافروں پر رعب کی کیفیت طاری ہوئی۔ غرض اس طرح اللہ تعالیٰ نے حنین میں کامیابی عطا فرمائی۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ
مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ
تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ
وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

**ترجمہ**: مدد کر چکا ہے تمہاری اللہ بہت جگہوں میں اور حنین کے دن، جب خوش کیا تم کو تمہارے کثرت نے پھر اس نے کام نہ دیا تم کو کچھ اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے پھر پلٹ گئے تم پیٹھ پھیرتے ہوئے، پھر اتاری اللہ نے اپنی (طرف سے) تسکین اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور اتاریں فوجیں کہ نہیں دیکھا تم نے ان کو اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کافروں کی۔ پھر توبہ نصیب کرے اللہ اس کے بعد جس کو چاہے، اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

**تفسیر**: (تم کو خدا تعالیٰ نے) لڑائی کے (بہت موقعوں میں) کفار پر (غلبہ دیا) جیسے بدر وغیرہ (اور) عجیب وغریب قصہ والے (حنین کے دن بھی) تم کو غلبہ دیا (جب کہ) یہ واقعہ ہوا تھا کہ (تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہوگیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور) کفار کے تیر برسانے سے ایسی پریشانی ہوئی کہ (تم پر زمین باوجود اپنی) اس (فراخی کے تنگ ہونے لگی پھر) آخر (تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول) کے قلب (پر اور دوسرے مومنین) کے قلوب (پر اپنی) طرف سے (تسلی نازل فرمائی، اور) مدد کے لئے فرشتوں کے (ایسے لشکر) آسمان سے (نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا) جس کے بعد تم پھر لڑائی کے لئے مستعد ہوئے اور غالب آئے (اور) اللہ تعالیٰ نے (کافروں کو سزا دی) کہ ان پر ہزیمت اور قتل وقید واقع ہوئی (اور یہ کافروں کی) دنیا میں (سزا ہے، پھر اللہ تعالیٰ) ان کافروں میں سے (جس کو چاہیں توبہ نصیب کر دیں) چنانچہ ان میں سے بہت سے مسلمان ہوگئے (اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے

والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں) کہ جو شخص ان میں مسلمان ہوا اس کے سب پچھلے گناہ معاف کر کے اس کو جنت کا مستحق بنا دیا۔

**فائدہ**: قتل و قید کو جو کافروں کی سزا بتایا اسکا مطلب یہ ہے کہ جہاں یہ واقع ہو وہ بطور سزا کے ہوتا ہے۔

**ربط**: جب اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ اور جنگ حنین سے شرک کی قوت کو بالکل توڑ دیا اور جزیرہ عرب کا صدر مقام مکہ معظمہ فتح کرا دیا اور قبائل عرب جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تب اس غرض سے کہ صدر مقام میں خالص اسلامیت کا رنگ ہو 9 ھ میں یہ اعلان کرایا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک (یا کافر) مسجد حرام میں داخل نہ ہو بلکہ اس کے نزدیک یعنی حدود حرم میں بھی نہ آنے پائے اور اس اعلان سے مسلمانوں کو جو تردد ہوا کہ اس سے تجارتی سامان کی آمد بند ہو جائے گی اس کے بارے میں تسلی فرما دی۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا۟ ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦٓ إِن شَآءَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو مشرک تو نرے ناپاک ہیں سو قریب نہ ہوں مسجد حرام کے اپنے اس سال کے بعد۔ اور اگر تم اندیشہ کرو فقر کا تو آئندہ غنی کر دے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو مشرک لوگ) اپنے گندے عقیدوں کی وجہ سے (نرے ناپاک ہیں سو) اس ناپاکی پر جو احکام متفرع ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ (یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام) یعنی حرم (کے پاس) بھی (نہ آنے پائیں) یعنی حرم کے اندر داخل نہ ہوں (اور اگر تم کو) اس حکم کے جاری کرنے سے اس وجہ سے (مفلسی کا اندیشہ ہو) کہ لین دین انہی سے زیادہ ہے جب یہ نہ رہیں گے تو کام کیسے چلے گا (تو) تم خدا پر توکل رکھو تم کو غنا عطا فرمانا محض اس کی مشیت پر موقوف ہے لہٰذا (اگر خدا چاہے گا تو اپنے فضل سے تم کو) ان کا (محتاج نہ رکھے گا، بیشک اللہ تعالیٰ) احکام کی مصلحتوں کو (خوب جاننے والا ہے) اور ان مصلحتوں کی تکمیل کے بارے میں (بڑا حکمت والا ہے) اس لئے یہ حکم مقرر کیا اور تمہارے افلاس کے انسداد کا سامان بھی کر دے گا۔

**فائدہ**: 1- اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حرم اور مسجد حرام کے بارے میں اہل کتاب کا حکم بھی مشرکین کے حکم کی مانند ہے۔

2- مسجد حرام سے تمام حرم مراد ہونا حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اور صحیح حدیثوں میں نبی ﷺ کی طرف سے تمام جزیرہ عرب کو مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے خالی کرنے کا حکم ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام جزیزہ عرب میں اس قانون کا نفاذ ہو گیا تھا۔

3- قرب و داخلہ سے مراد وطن بنانا یا غلبہ کے طور پر آنا مراد ہے۔ اگر اسلامی حکومت دین اور قوم کا اندیشہ نہ دیکھ کر کسی کافر کو اجازت دیدے اور وہ صرف مسافرانہ حرم یا مسجد حرام میں آئے تو جائز ہے۔

4- اس آیت میں جو اغناء یعنی بے نیاز کرنے کا وعدہ ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح پورا کر دیا کہ سارا ملک مسلمان کر دیا، مختلف علاقوں سے لوگ سب طرح کا تجارتی مال و سامان مکہ میں لانے لگے، فتوحات اور غنائم کے دروازے کھل گئے۔ اور اِنْ شَاءَ غیر یقین اور وعدہ کے بعید ہونے کے لئے نہیں ہے بلکہ وعدہ کے قریب ہونے کے لئے ہے کہ اس وعدہ کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو کچھ لمبا چوڑا سامان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف مشیت کافی ہے۔

**ربط**: جب مشرکین کا قصہ پاک ہو گیا اور ملکی سطح پر مسلمانوں کو کچھ استحکام نصیب ہوا تو حکم ہوا کہ اب اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی قوت وشوکت کو توڑو کیونکہ یہ بھی ایمان و توحید کے مخالف ہیں اور دین حق کے دشمن ہیں۔ لیکن شروع میں ان کے لئے یہ رعایت رکھی کہ جزیہ دے کر جزیرہ عرب میں رہ سکتے ہیں۔ البتہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمان جاری کر دیا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو بھی جزیرہ عرب سے بالآخر نکالنا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾ ع

**ترجمہ**: لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں دین سچا ان لوگوں میں سے جو دیئے گئے کتاب یہاں تک کہ وہ دیں جزیہ (اپنے) ہاتھ سے اس

حال میں کہ وہ ماتحت ہوں۔

**تفسیر**: (اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر) پورا پورا (ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر) پورا ایمان رکھتے ہیں (اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اور اس کے رسول) محمد ﷺ (نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین) اسلام (کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر) اور رعیت بن کر (جزیہ دینا منظور کریں)۔

**فائدہ**: 1- یہاں جزیہ میں جو اہل کتاب کی تخصیص کی ہے یہ تمام کفار کے مقابلہ میں نہیں ہے بلکہ صرف مشرکین عرب کے مقابلہ میں ہے جن کا ذکر اوپر گذرا ہے کیونکہ ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا بلکہ یا تو وہ اسلام قبول کر لیں یا پھر ان سے جنگ ہے۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجوس سے بھی جزیہ لیا ہے۔

2- جزیہ نہ تو اسلام کا بدل ہے کہ یہ اعتراض کیا جا سکے کہ کچھ رقم کے بدلہ میں کفر پر اصرار اور اسلام سے اعراض کی اجازت ہو گئی اور نہ ہی یہ دفاع اور جان کی حفاظت کا بدل ہے کیونکہ اسلامی حکومت حفاظت تو سب ذمیوں کی کرتی ہے لیکن جزیہ سب سے نہیں لیا جاتا مثلاً عورتوں، بچوں، اپاہجوں اور راہبوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا بلکہ یہ بدل ہے قتل کا یعنی اس کی وجہ سے جان بچ گئی ورنہ تو لڑائی کے قابل لوگوں کو قتل کر دیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ جنگ میں قتل نہیں کئے جاتے مثلاً عورتیں، بچے، بہت بوڑھے اور اپاہج وغیرہ ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔

3- عَنْ يَدٍ کا حاصل یہ ہے کہ ان کی شوکت نہ رہے اور صَاغِرُوْنَ کا حاصل یہ ہے کہ وہ سیاست اور معاملات سے متعلق شریعت کے قوانین کی پابندی کی ذمہ داری لیں۔

4- اس طور پر جزیہ کے التزام کو جنگ و جہاد کی غرض و غایت فرمانے سے یہ ثابت ہوا کہ اس کے بغیر قتال و جہاد کا وجوب ساقط نہیں ہوگا۔

**ربط**: پچھلی آیت میں اہل کتاب کے جو عقائد اور عمل اجمالی طور سے ذکر ہوئے آگے ان کی تفصیل ذکر کرتے ہیں۔

یہود و نصاری کے مشرکانہ عقیدے

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْٓا

اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَالۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ‌ۚ وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا‌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ؕ سُبۡحٰنَهٗ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۱﴾

**ترجمہ**: اور کہا یہود نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصاری نے مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ انکا کہنا ہے اپنے منہ سے۔ مشابہت کرتے ہیں قول کی ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے۔ ہلاک کرے ان کو اللہ۔ کدھر یہ پھرے جاتے ہیں۔ بنالیا انہوں نے اپنے عالموں کو اور اپنے درویشوں کو رب سوا اللہ کے اور مسیح بن مریم کو حالانکہ وہ نہیں حکم دیئے گئے مگر یہ کہ بندگی کریں ایک معبود کی۔ نہیں کوئی مستحق بندگی مگر وہی۔ پاک ہے وہ اس سے جو یہ شریک کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (اور یہود) میں سے بعض (نے کہا کہ) نعوذ باللہ (عزیر) علیہ السلام (خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ) میں سے اکثر (نے کہا کہ مسیح) علیہ السلام (خدا کے بیٹے ہیں، یہ ان کا قول ہے ان کے مُنہ سے کہنے کا) جس کا واقع میں کہیں نام ونشان نہیں (یہ بھی ان) مشرکین عرب (کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں) اور جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو تو یہ بھی کافر سمجھتے ہیں پھر انہی کی سی کفریات بکتے ہیں، اور پہلے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کی گمراہی قدیم تھی (خدا ان کو غارت کرے یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں) کہ خدا پر ایسے افتراء باندھتے ہیں اور (انہوں نے) یعنی یہود و نصاریٰ نے (خدا) کی توحید اور اطاعت (کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو) اطاعت میں (رب بنا رکھا ہے) کہ وہ جو کچھ اپنی طرف سے مسئلہ بنا دیتے خواہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہہ دیتے وہ لوگ اسی کو سند سمجھتے ہیں کہ بس خدا کے ہاں ہم کو چھٹکارا ہو گیا، کتب سماویہ سے ان کو کچھ سروکار نہیں ہے۔ پس حلال و حرام قرار دینے کا جو منصب خدا کا تھا وہ اپنے علماء و مشائخ کو دے دیا۔ (اور مسیح بن مریم) علیہ السلام (کو بھی) ایک اعتبار سے رب بنا رکھا ہے کہ ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں جس کے لئے خدائی کا ہونا لازم ہے (حالانکہ ان کو) کتب الٰہیہ میں (صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ فقط ایک معبود) برحق (کی عبادت کریں) اور فقط اسی کو شرعی احکام دینے والا مانیں (جس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ ان کے شرک سے پاک ہے) خواہ وہ شرک ذات میں ہو یا صفات میں، عبادت کے کاموں میں ہو یا عادت کے کاموں میں اور خواہ حکم میں ہو)۔

**فائدہ**: عالم کا قول عوام کے لئے سند و دلیل ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہتا ہے۔ جب معلوم ہو کہ خود اپنی طرف سے کہتا ہے یا طمع وغیرہ سے کہتا ہے تو حجت و دلیل نہیں ہے۔

یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾

**ترجمہ**: چاہتے ہیں کہ بجھا دیں روشنی اللہ کی اپنے منہ سے اور انکار کرتا ہے اللہ مگر یہ کہ پورا کرے اپنی روشنی کو اگرچہ ناپسند کریں کافر۔ وہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ساتھ ہدایت اور دین حق کے تاکہ غلبہ دے اس (دین حق) کو ہر دین پر اگرچہ ناپسند کریں مشرک لوگ۔

**تفسیر**: (وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور) یعنی دین اسلام (کو اپنے مُنہ سے) پھونک مار مار کر (بجھا دیں) یعنی مُنہ سے رد و اعتراض کی باتیں اس غرض سے کرتے ہیں کہ دینِ حق کو فروغ نہ ہو (حالانکہ اللہ تعالیٰ بدون اس کے کہ اپنے) مذکورہ (نور کو کمال تک پہنچا دے مانے گا نہیں، گو کافر لوگ) جن میں یہ یہود و نصاریٰ بھی شامل ہیں (کیسے ہی ناخوش ہوں) چنانچہ (وہ اللہ ایسا ہے کہ) اپنے نور کی تکمیل کے لئے (اس نے اپنے رسول ﷺ (کو ہدایت) کا سامان یعنی قرآن (اور سچا دین) یعنی اسلام (دے کر) دنیا میں (بھیجا ہے تاکہ) اللہ (اس) دین (کو) کہ وہ وہی نور مذکور ہے (تمام) بقیہ (دینوں پر غالب کر دے) کہ یہی اتمام ہے (گو مشرک) یعنی یہود و نصاریٰ اور دیگر مشرکین (کیسے ہی ناپسند کریں)۔

**فائدہ**: اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے، یہ تو ہر زمانہ میں بحمد اللہ نمایاں طور پر حاصل رہا ہے۔ باقی حکومت و سلطنت کے اعتبار سے حاصل ہو بھی چکا ہے اور ہوگا جب کہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان و تقویٰ میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے۔ اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے صفحۂ ہستی سے بالکل ختم کر دے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد قیامت کے قریب ہونے والا ہے۔

یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ کا حرام کھانا اور مال جمع کرنا اور راہ حق سے روکنا

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا
اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ
بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ
الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى
بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ
فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو بیشک (اہل کتاب کے) بہت سے عالم اور درویش کھاتے ہیں مال لوگوں کے باطل (طریقے) سے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے۔ اور جو لوگ خزانہ کرتے ہیں سونے اور چاندی کو اور نہیں خرچ کرتے اس کو اللہ کی راہ میں تو خوشخبری دے دے ان کو عذاب دردناک کی جس دن کہ دہکائی جائے گی (آگ) ان (اموال) پر جہنم کی آگ میں پھر داغ دی جائیں گی ان سے ان (لوگوں) کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں (کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے خزانہ کیا تھا اپنے لئے تو چکھو جو تم خزانہ کرتے تھے۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو! اکثر احبار و رہبان) یعنی یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ عام (لوگوں کے مال غیر مشروع طریقہ سے کھاتے) اڑاتے (ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پوشیدہ رکھ کر عوام کی مرضی کے موافق فتوے دے کر ان سے نذرانے لیتے ہیں (اور) اس کی وجہ سے وہ (اللہ کی راہ) یعنی دین اسلام (سے) لوگوں کو (باز رکھتے ہیں) کیونکہ عوام ان کے جھوٹے فتووں کے دھوکہ میں آ کر گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں اور حق کو قبول بلکہ طلب بھی نہیں کرتے (اور) اپنی انتہائی حرص کی وجہ سے مال بھی جمع کرتے ہیں جس کی نسبت یہ وعید ہے کہ (جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے) یعنی ان کی زکوٰۃ بھی نہیں نکالتے (سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ) جس میں (ان) کے اموال (کو دوزخ کی آگ میں) اول خوب (تپایا جائے گا، پھر ان سے لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا) اور یہ جتلایا جائے گا کہ (یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کر کے

رکھا تھا، سو اب اپنے جمع کئے ہوئے کا مزہ چکھو)۔

**ربط:** آگے بتایا کہ اہل کتاب میں احبار و رہبان رشوتیں لے کر اور حرام مال کھا کر جس چیز کو اپنے پاس سے حلال یا حرام کر دیتے ہیں اصل احکام الٰہیہ کی جگہ ان ہی کو قبول کر لیا جاتا ہے۔ ان کا یہ طریقہ ٹھیک ٹھیک مشرکین کے طریقہ کے مشابہ ہے۔ مشرک سردار بھی جس چیز کو چاہتے تھے حرام و حلال ٹھہرا کر خدا کی طرف نسبت کر دیتے تھے جس کی ایک مثال یہاں بیان کی جاتی ہے۔ عرب میں ملت ابراہیمی کی اتباع میں شروع سے یہ معمول چلا آتا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے اَشْھُر حُرم خاص ادب و احترام کے تھے یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب میں خونریزی اور جدال وقتال قطعاً بند کر دیا جاتا تھا۔ حج وعمرہ اور تجارتی کاروبار کے لئے امن و امان کے ساتھ آزادی سے سفر کر سکتے تھے۔ کوئی شخص ان ایام اپنے باپ کے قاتل سے بھی تعرض نہ کرتا تھا۔ اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت و جہالت بڑھ گئی تو نسیئ کی رسم نکالی یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا محرم کے مہینے میں جنگ کرنے کا ارادہ ہوتا تو ایک سردار اعلان کر دیتا کہ اس سال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن ان کی تعیین میں حسب خواہش ردو بدل کرتے رہتے تھے۔

پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی بنو کنانہ کا قلمس تھا۔ پھر اس کی اولاد در اولاد میں یوں ہی ہوتا چلا آیا۔ آخر میں اس کی نسل میں سے ابوثمامہ جنادہ بن عوف کنانی کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا تھا کہ اس سال محرم اشہر حرم میں داخل رہے گا یا نہیں۔ اس طرح سے مشرکین نے خدا کے حلال یا حرام کئے ہوئے مہینے کو بدل ڈالنے کا حق کنانہ کے ایک سردار کو سونپ دیا تھا۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا
عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ
اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ
اَنْفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي

الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهٗ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

**ترجمہ**: بے شک شمار مہینوں کا اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کے حکم میں جس دن اس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو۔ ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ یہی ہے دین سیدھا۔ سو مت نقصان کرو ان کے بارے میں اپنی جانوں کا اور لڑائی کرو سب مشرکوں سے جیسے وہ لڑتے ہیں تم سب سے۔ اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے ڈرنے والوں کے۔ نسئ (مہینہ مؤخر کرنا) ترقی ہے کفر میں، گمراہ کیا جاتا ہے اس سے کافروں کو، حلال کرتے ہیں وہ اس مہینہ کو کسی سال اور حرام کرتے ہیں اس کو کسی برس تاکہ موافقت کریں گنتی کی ان مہینوں کی جن کو حرام کیا اللہ نے پھر حلال کریں اس مہینہ کو جو حرام کیا اللہ نے۔ مزین کر دیئے گئے ان کے لئے ان کے برے اعمال اور اللہ راہ نہیں دیتا کافر لوگوں کو۔

**تفسیر**: (یقیناً شمار مہینوں کا) جو کہ (کتاب الٰہی) یعنی شرعی احکام (میں اللہ کے نزدیک) معتبر ہیں چاند کے (بارہ مہینے ہیں) اور یہ کوئی آج سے نہیں بلکہ (جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے تھے) اسی روز سے اور (ان میں چار خاص مہینے ادب کے ہیں) ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب (یہی) امر مذکور یعنی سال کے مہینوں کا بارہ ہونا اور ان میں سے چار کا حرمت والے ہونا (دین مستقیم ہے) اس کے برخلاف جاہلیت کی یہ عادت کہ اشہر حرم کی تخصیص چھوڑ دیتے ہیں یہ بددینی ہے (سو تم ان سب مہینوں کے بارے میں) دین کے خلاف کر کے جو کہ گناہ کا سبب ہے (اپنا نقصان مت کرنا) یعنی جاہلیت کی اس عادت کے موافق مت کرنا (اور ان مشرکین سے) جب کہ یہ نسئ سمیت اپنی کفریات کو نہ چھوڑیں (سب سے لڑنا جیسا کہ وہ تم سب) مسلمانوں (سے لڑ) نے کو ہر وقت تیار رہا کر (تے ہیں، اور) اگر ان کی جمعیت اور سامان سے اندیشہ ہو تو (یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کا ساتھی ہے) پس ایمان و تقویٰ کو اپنا شعار رکھو اور کسی سے مت ڈرو، آگے اُن کی جاہلیت کی عادت نسئ کا بیان ہے کہ (یہ) مہینوں کا یا اُن کی حرمت کا آگے کو (ہٹا دینا کفر میں مزید ترقی ہے۔ جس سے) دوسرے عام (کفار گمراہ کئے جاتے ہیں) اس طور پر (کہ وہ اس حرام مہینہ کو کسی سال) نفسانی غرض سے (حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال) جب کوئی غرض نہ ہو (حرام سمجھتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو

مہینے حرام کئے ہیں) صرف (ان کی گنتی) تخصیص و تعیین کا لحاظ کئے بغیر (پوری کر لیں پھر) جب تخصیص و تعیین نہ رہی تو (اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں ان کی بداعمالیاں ان کو مستحسن معلوم ہوتی ہیں اور) ان کے کفر پر اصرار کرنے پر غم کرنا بے سود ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو ہدایت) کی توفیق (نہیں دیتا) کیونکہ یہ خود راہ پر آنا نہیں چاہتے۔

**ربط**: آیت 29 قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الخ سے اہل کتاب کے مقابلہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ درمیان میں ان کے مشرکانہ عقیدوں اور برے اعمال کے ذکر کے بعد اب اہل کتاب میں سے نصاریٰ کے ساتھ غزوہ تبوک کے لئے مسلمانوں کو ابھارا گیا ہے۔ فتح مکہ اور غزوہ حنین کے بعد 9 ہجری میں نبی ﷺ کو معلوم ہوا کہ شام کا نصرانی بادشاہ غسان قیصر روم کی مدد سے مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے والا ہے۔ آپ نے مناسب سمجھا کہ ہم خود شام کی سرحدوں پر اقدام کر کے اس کا جواب دیں۔ اس کے لئے آپ نے عام طور پر مسلمانوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لئے تیار ہو جائیں۔ گرمی سخت تھی۔ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ کھجور کی فصل پک رہی تھی، پھر اس قدر بعید مسافت طے کر کے جانا اور باقاعدہ فوج سے لڑنا یہ مومن جانبازوں کا کام تھا۔ چنانچہ منافقین حیلے بہانے تراش کر جان چھڑانے لگے۔ بعض مسلمان بھی ایسے سخت وقت میں اس طویل اور مشکل سفر سے کترا رہے تھے جن میں سے بہت سے تو آخر کار ساتھ ہو لئے اور گنے چنے چند رہ گئے جو ساتھ نہ ہوئے۔ آپ ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے اور تبوک کے مقام پر ڈیرے ڈال دئے۔ شام والوں نے اطاعت قبول کی مگر اسلام نہ لائے جب نبی ﷺ تبوک سے غالب ہو کر واپس تشریف لائے اور بڑی سلطنتوں پر بھی اسلام کی دھاک بیٹھ گئی تو منافیقن بڑے رسوا ہوئے، چند مسلمان جو محض سستی کی وجہ سے نہ گئے تھے وہ بھی بہت نادم ہوئے۔ یہاں سے آخر سورت تک آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ سے متعلق لوگوں کی نوعیتیں مختلف تھیں۔ اول جو بلا تردد ساتھ ہو لئے، دوم جو تردد کے بعد ساتھ ہو گئے، سوم جو عذر کی وجہ سے نہ جا سکے، چہارم وہ مومنین جو عذر نہ ہونے کے باوجود کاہلی کے سبب سے نہ جا سکے، پنجم اکثر منافقین جو عذر نہ ہونے کے باوجود محض نفاق کے سبب سے نہیں گئے، ششم بعض منافقین جو جاسوسی اور شرارت کی غرض سے ساتھ ہو لئے۔

یہاں سے آگے ان مختلف لوگوں کے واقعات کا ذکر ہے۔ سب سے پہلے اگلی آیت میں دوسری قسم کے لوگوں سے خطاب کر کے ان کو بڑی شدت سے جہاد پر ابھارا ہے۔

### تردد کرنے والے مسلمانوں سے خطاب

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۳۸﴾ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والو کیا ہے تم کو۔ جب کہا جاتا ہے تم سے کوچ کرو اللہ کی راہ میں تو لگے جاتے ہو تم زمین کی طرف۔ کیا راضی ہو گئے تم حیات دنیوی پر آخرت کے مقابلہ میں۔ تو نہیں ہے نفع اٹھانا حیات دنیوی کا آخرت کے مقابلہ میں مگر (بہت) تھوڑا۔ اگر نہ نکلو گے تم تو عذاب دے گا تم کو عذاب دردناک اور بدل کر لائے گا قوم تمہارے علاوہ اور نہ ضرر پہنچا سکو گے تم اللہ کو کچھ بھی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو) جو نکلنے میں تردد کر رہے ہو (تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں) یعنی جہاد کے لئے (نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو) یعنی اٹھتے اور چلتے نہیں (کیا تم نے آخرت کے عوض دنیوی زندگی پر قناعت کر لی سو دنیوی زندگی کا نفع اٹھانا تو کچھ بھی نہیں بہت قلیل ہے، اگر تم) اس ۔ہاد کے لئے (نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت سزا دے گا) یعنی تم کو ہلاک کر دے گا (اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کر دے گا) اور ان سے اپنا کام لے گا (اور تم اللہ) کے دین (کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے، اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے)۔

**ربط**: مسلمانوں کو جہاد کے لئے ابھارنے میں مزید ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم نے تو دین حق کے غلبہ کے لئے رسول کو بھیجا ہے۔ اگر تم ان کا ساتھ نہیں دو گے تو جان لو کہ رسول کا غالب ہونا کسی آدمی کے مدد کرنے پر موقوف نہیں۔ اس کے لئے ہم ہی کافی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی کیسے مدد فرماتے ہیں اس بارے میں غار ثور والے قصہ کی یاد دہانی کر لو۔ یہ غار مکہ معظمہ کے قریب ہے۔ اس میں آپ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تین روز تک رہے۔ کفار آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک نشان شناس کے بتلانے پر اس غار تک پہنچے۔ اس وقت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ کی وجہ سے فکر ہوئی آپ نے تسلی دی کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ کہ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۔ چونکہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بنا رکھا تھا اس لئے کفار کو شبہ نہیں ہوا اور سب واپس لوٹ

گئے۔ پھر آپ وہاں سے نکل کر مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور صحیح و سالم وہاں پہنچ گئے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۰

**ترجمہ**: اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کی تو مدد کی ہے اس کی اللہ نے جب نکالا اس کو (وطن سے) کافروں نے جب کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ (رسول) کہہ رہا تھا اپنے ساتھی سے تو غم نہ کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ سو اتاری اللہ نے اپنی تسکین اس پر اور مدد کی اس کی ان لشکروں سے نہیں دیکھا تم نے جن کو اور کر دی (اللہ نے) بات کافروں کی نیچے اور بات اللہ ہی کی بلند ہے، اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

**تفسیر**: (اگر تم لوگ رسول) اللہ ﷺ (کی مدد نہ کرو گے تو) اللہ آپ کی مدد کرے گا، جیسا کہ (اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب) اس نے زیادہ مصیبت و پریشانی کا وقت تھا کہ (آپ کو کافروں نے) تنگ کر کر کے مکہ سے (جلا وطن کر دیا تھا اس حال میں کہ دو آدمیوں میں ایک آپؐ تھے) اور دوسرے حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے ہمراہ تھے (جس وقت کہ دونوں) صاحب (غار) ثور (میں) موجود (تھے جب کہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم) کچھ (غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ) کی مدد (ہمارے ہمراہ ہے سو) وہ مدد یہ ہوئی کہ (اللہ تعالیٰ نے آپ) کے قلب (پر اپنی طرف سے (تسلی نازل فرمائی اور آپ کو) ملائکہ کے (ایسے لشکروں سے قوت دی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا)۔ اس قوت سے مراد قلبی قوت ہے جو غیبی تسکین اور سکینہ لانے والے فرشتوں کا اثر تھا (اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات) اور تدبیر (نیچی کر دی) کہ وہ ناکام رہے (اور اللہ ہی کا بول بالا رہا) کہ ان کی تدبیر اور حفاظت غالب رہی (اللہ زبردست حکمت والا ہے) اسی لئے اسی کی بات اور حکمت غالب رہی۔

**ربط**: جب دین حق کا غلبہ تمہاری مدد پر موقوف نہیں بلکہ جہاد کے لئے نکلنے میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے تو نکلنے میں سستی نہ کرو اور ہر حال میں نکلو۔

اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾

**ترجمہ**: نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم یقین رکھتے ہو۔

**تفسیر**: جہاد کے لئے (نکل پڑو) خواہ (تھوڑے سامان سے) ہو (اور) خواہ (زیادہ سامان سے) ہو (اور اللہ ہی کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) کہ آخرت کا ثواب تو یقینی ہے اور دنیا میں بھی فتح، غنیمت اور عزت اکثر حاصل ہوتی ہیں (اگر تم یقین رکھتے ہو) تو دیر مت کرو۔

**ربط**: اگلی آیت میں پانچویں قسم یعنی محض نفاق کے سبب سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کے اقوال واحوال ذکر کرتے ہیں۔

پیچھے رہ جانے والے منافقین کے اقوال واحوال

پہلی حالت: مال کی محبت اور کذب بیانی

لَوۡ كَانَ عَرَضًا قَرِيۡبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡكَ وَلٰـكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَيۡهِمُ الشُّقَّةُ‌ ؕ وَسَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَـرَجۡنَا مَعَكُمۡ‌ ۚ يُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ‌ ۚ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ ﴿۴۲﴾

**ترجمہ**: اگر ہوتا مال نزدیکی اور سفر ہلکا تو ضرور پیچھے ہو لیتے تیرے ولیکن دور (معلوم) ہوئی ان پر مسافت۔ اور اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی اگر ہم طاقت رکھتے تو ضرور نکلتے ہم تمہارے ساتھ۔ تباہ کر رہے اپنی جانوں کو اور اللہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔

**تفسیر**: (اگر کچھ مال جلد ملنے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی ہوتا تو یہ) منافق (لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو تو مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی) اس لئے پیچھے مدینہ ہی میں رہ گئے (اور ابھی) جب تم لوگ واپس آؤ گے تو (خدا کی قسمیں کھا جائیں گے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ) جھوٹ بول بول کر (اپنے آپ کو تباہ) یعنی مستحق عذاب (کر رہے

ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں) کیونکہ بلاشبہ انکو استطاعت تھی اور پھر یہ نہیں گئے۔

**ربط**: اوپر جن منافقین کا ذکر ہے انہوں نے آپ کی روانگی کے وقت جھوٹے جھوٹے عذر تراش کر سفر میں ساتھ نہ جانے کی اجازت مانگی۔ آپ ان کے مکر و نفاق سے چشم پوشی کر کے اور یہ سمجھ کر کہ ان کے ساتھ چلنے میں فساد کے سوا کوئی بہتری نہیں اجازت دے دی۔ اس کو فرماتے ہیں کہ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ انہوں نے تو نکلنا ہی نہ تھا۔ آپ کے اجازت نہ دینے پر نہ نکلنے سے ان کی خباثت کھل جاتی جب کہ آپ کی اجازت کو انہوں نے اپنے لئے سہارا بنا لیا ہے کہ ہم تو آپ کے اجازت دینے کی وجہ سے نہیں نکلے۔ پس اجازت دینا کوئی گناہ نہ تھا البتہ وقت کی مصلحتوں کے اعتبار سے اجازت نہ دینا زیادہ موزوں تھا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ
يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

**ترجمہ**: درگذر کیا اللہ نے تجھ سے۔ کیوں اجازت دی تو نے ان کو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے تیرے لئے وہ جنہوں نے سچ کہا اور جان لیتا تو جھوٹوں کو۔ نہیں اجازت مانگیں گے تجھ سے جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر (اس سے) کہ نہ جہاد کریں اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ اور اللہ خوب جاننے والا ہے متقیوں کو۔ محض اجازت طلب کرتے ہیں تجھ سے وہ جو نہیں رکھتے ایمان اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور شک میں پڑے ان کے دل سو وہ اپنے شک میں بھٹک رہے ہیں۔

**تفسیر**: (اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف) تو (کر دیا) لیکن (آپ نے ان کو) ایسی جلدی (اجازت کیوں دیدی تھی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے، اور) جب تک کہ (آپ جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے) تا کہ وہ خوش تو نہ ہو پاتے کہ ہم نے آپ کو دھوکہ دیدیا۔ اور (جو

لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں) اس میں شریک نہ ہونے کی کبھی (آپ سے رخصت نہ مانگیں گے) بلکہ وہ حکم ملنے کے ساتھ ہی دوڑ پڑیں گے (اور اللہ تعالیٰ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے) ان کو اجر وثواب دے گا۔ (البتہ وہ لوگ) جہاد میں نہ جانے کی (آپ سے رخصت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل) اسلام سے (شک میں پڑے ہیں۔ سو وہ اپنے شکوک میں پڑے ہوئے متردد وحیران ہیں) کبھی موافقت کا خیال ہوتا ہے کبھی مخالفت کا۔

**فائدہ**: معافی جیسے گناہ کی ہوتی ہے کبھی خلاف اولیٰ کی بھی ہوتی ہے اس لئے نبی ﷺ کے حق میں گناہ کا شبہ نہ ہونا چاہئے۔

**ربط**: کوئی یہ خیال کرے کہ اگر یہ ساتھ نکلتے تو بہتر ہوتا کیونکہ خواہی نخواہی جہاد جیسے نیک کام میں شریک ہو جاتے۔ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ نکلتے بھی تو انہوں نے فساد ہی کرنا تھا۔

دوسری حالت: مسلمانوں میں فتنہ انگیزی کی کوشش

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

**ترجمہ**: اور اگر وہ چاہتے نکلنا تو ضرور تیار کرتے اس کے لئے کچھ سامان ولیکن ناپسند کیا اللہ نے ان کا اٹھنا سو روک دیا ان کو اور کہا گیا کہ بیٹھے رہو ساتھ (عذر کی وجہ سے) بیٹھنے والوں کے، اگر وہ نکلتے تم میں تو نہ بڑھاتے تمہارے لئے مگر خرابی اور دوڑتے پھرتے تمہارے درمیان تلاش کرتے ہوئے تمہارے لئے فتنہ کو اور تم میں (بعضے) جاسوس ہیں ان کے اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو۔ وہ تلاش کرتے رہے ہیں فتنہ کو اس سے پہلے اور الٹتے رہے ہیں تیرے لئے کارروائیوں کو یہاں تک کہ آپہنچا سچا وعدہ اور غالب ہوا حکم اللہ کا

اور وہ ناخوش ہی رہے۔

**تفسیر**: (اور اگر وہ لوگ) غزوہ میں (چلنے کا ارادہ کرتے) جیسا کہ وہ اپنے عذر کے وقت ظاہر کرتے ہیں کہ چلنے کا تو ارادہ تھا، لیکن کیا کیا جائے فلاں ضرورت پیش آ گئی سو اگر ایسا ہوتا (تو اس) چلنے کی کچھ تو تیاری کرتے اور اس (کا کچھ سامان تو درست کرتے) جیسا کہ سفر کی ضروریات میں سے ہے (لیکن) انہوں نے تو شروع سے ارادہ ہی نہیں کیا اور اس کو مؤخر کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے (اللہ تعالیٰ نے ان کے جانے کو پسند نہیں کیا اس لئے ان کو توفیق نہیں دی اور) تکوینی طور پر (یوں کہہ دیا گیا کہ معذور لوگوں کے ساتھ تم بھی یہاں ہی دھرے رہو)۔ اور ان کے جانے میں خیر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ (اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ شامل ہو جاتے تو سوائے اس کے کہ اور دوگنا فساد کرتے اور کیا ہوتا اور) وہ دوگنا فساد یہ ہوتا کہ (تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے) یعنی لگائی بجھائی کر کے آپس میں تفریق ڈلواتے، اور جھوٹی خبریں اڑا کر پریشان کرتے، دشمن کا رعب تمہارے قلوب میں ڈالنے کی کوشش کرتے، اس لئے ان کا نہ جانا ہی اچھا ہوا (اور) اب بھی (تم میں ان کے کچھ جاسوس موجود ہیں) جن کو اس سے زیادہ فساد کی تدبیر میں مہارت نہیں (اور ان ظالموں کو اللہ خوب سمجھے گا) اور ان لوگوں کی مفسدہ سازی و فتنہ پردازی کچھ آج نئی نہیں (انہوں نے تو پہلے) جنگ اُحد وغیرہ میں (بھی فتنہ پردازی کی فکر کی تھی) کہ ساتھ ہو کر ہٹ گئے کہ مسلمان دل شکستہ ہو جائیں (اور) اس کے علاوہ بھی (آپ کی) ضرر رسانی کے (لئے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے، یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا اور) اس کا آنا یہ ہوا کہ (اللہ کا حکم غالب رہا اور ان کو ناگوار ہی گذرتا رہا) اسی طرح آئندہ بھی بالکل تسلی رکھئے کچھ فکر نہ کیجئے۔

**فائدہ**: ان جاسوسوں کے جانے میں مسلمانوں کے لئے یہ مصلحت تھی کہ مسلمانوں کا استقلال اور غلبہ اور کفار کا عجز دیکھ کر اپنے سرداروں کو خبر دیں گے تو ان کے حوصلے ہمیشہ کے لئے پست ہو جائیں گے۔

## تیسری حالت: بہانہ بازیاں

جد بن قیس نے یہ بہانہ تراشا کہ میں عورتوں پر مفتون ہو جاتا ہوں اور رومیوں کی عورتیں بہت حسین ہیں۔ جانے میں میرا دینی نقصان ہے اس لئے مجھے رخصت دی جائے البتہ میں مالی مدد کروں گا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

**ترجمہ**: اور ان میں سے بعضے کہتے ہیں اجازت دے مجھ کو اور مت ڈال فتنہ میں مجھ کو۔ آگاہ ہو فتنہ تو وہ پڑ چکے ہیں اور بیشک دوزخ گھیرنے والی ہے کافروں کو۔

**تفسیر**: (اور ان) پیچھے رہنے والے منافقوں میں (بعض شخص وہ ہے جو) آپ سے (کہتا ہے کہ مجھ) کو غزوہ میں نہ جانے کی اور گھر رہنے کی (اجازت دیدیجئے اور) کیونکہ یہ لشکر رومی سلطنت کی طرف جارہا ہے اور وہاں کی عورتیں حسین ہوتی ہیں، میں انہیں دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکوں گا۔ تو وہاں لے جاکر (مجھ کو خرابی میں نہ ڈالئے۔ خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ) اپنے کفر اور اپنی بزدلی پر جھوٹی پرہیزگاری کا پردہ ڈال کر خرابی میں تو پڑ ہی چکے ہیں) کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور کفر سے بڑھ کر اور کونسی خرابی ہوگی (اور یقیناً دوزخ) آخرت میں ان کافروں کو گھیرے گی۔

چوتھی حالت: مسلمانوں سے ہمدردی نہ ہونا

إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ
وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ
وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ
لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ
تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ
أَنْ يُّصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوا
إِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾

**ترجمہ**: اگر پہنچے تجھ کو کوئی اچھی حالت تو وہ غمزدہ کرتی ہے ان کو اور اگر پہنچے تجھ کو کوئی مصیبت تو کہتے ہیں لے لیا تھا ہم نے اپنا (احتیاطی) معاملہ پہلے سے اور پلٹتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں۔ تو کہہ دے ہرگز نہیں پہنچے گا ہم کو مگر جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لئے۔ وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ پر چاہئے کہ توکل کریں ایمان والے۔ تو کہہ دے نہیں تم انتظار کرتے ہو ہمارے حق میں مگر دو خوبیوں میں سے ایک کی اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے حق میں کہ پہنچائے تم کو اللہ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے۔ تو تم منتظر رہو ہم (بھی) تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

**تفسیر**: (اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو وہ ان کے لئے موجب غم ہوتی ہے، اور اگر آپ پر کوئی حادثہ آ پڑتا ہے تو) خوش ہو کر (کہتے ہیں کہ ہم نے تو) اسی واسطے (پہلے سے اپنا) احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا) کہ ان کے ساتھ لڑائی وغیرہ میں نہیں گئے تھے (اور) یہ کہہ کر (وہ خوش ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ آپ) جواب میں ان سے دو باتیں (فرما دیجئے) ایک تو یہ کہ اے منافقو (ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے کیونکہ وہی ہمارا مالک ہے) اور صرف اسی کو ہم پر ہر تصرف کا اختیار حاصل ہے اور مالک حقیقی جو تجویز کرے مملوک کو اس پر راضی رہنا واجب ہے لہٰذا ہم اس پر راضی ہیں (اور) ہماری کیا تخصیص ہے (سب مسلمانوں کو اپنے سب کام اللہ ہی کے سپرد رکھنے چاہئیں)۔ دوسری بات یہ (فرما دیجئے کہ) ہمارے لئے جیسے اچھی حالت بہتر ہے ویسے ہی انجام کے اعتبار سے حوادث بھی بہتر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں وہ حوادث و مصائب میں بھی ہمارے فائدہ کی رعایت کرتے ہیں کہ ان میں ہمارے لئے درجات کی بلندی اور گناہوں کا خاتمہ رکھ دیا ہے جو بہتر ہے، پس اے منافقو (تم تو ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے ایک بہتری کے منتظر رہتے ہو) یعنی تم جو ہماری حالت کے منتظر رہتے ہو کہ دیکھئے کیا ہو تو خواہ وہ بھلائی ہو یا مصیبت ہمارے لئے دونوں ہی میں بہتری ہے (اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر رہا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا) خواہ (اپنی طرف سے) دنیا میں یا آخرت میں (یا ہمارے ہاتھوں سے) کہ جب تم اپنے کفر کو ظاہر کر دو تو مثل دوسرے کفار کے قتل کئے جاؤ (سو تم) اپنے طور پر (انتظار کرو) اور (ہم تمہارے ساتھ) اپنے طور پر (انتظار کرتے ہیں)۔

پانچویں حالت: عبادت الٰہی سے ناگواری اور کفر

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ
مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ
مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ
الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾
فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ
لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

**ترجمہ**: تو کہہ دے تم خرچ کرو (مال) خوشی سے یا مجبوری سے ہرگز نہ قبول کیا جائے گا تم سے۔ بے شک تم ہو نافرمان لوگ۔ اور نہیں روکا ان کو کہ قبول کئے جائیں ان سے ان کے خرچ مگر اس بات نے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور نہیں آتے نماز کو مگر اس حال میں کہ وہ سست ہیں اور نہیں خرچ کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناپسند کرنے والے ہیں۔ سو تعجب میں نہ ڈالیں تجھ کو ان کے اموال اور نہ ان کی اولاد۔ محض چاہتا ہے اللہ کہ عذاب دے ان کو ان (چیزوں) کے ذریعہ دنیوی زندگی میں اور نکلیں ان کی جانیں اس حال میں کہ وہ کافر ہوں۔

**تفسیر**: (آپ) ان منافقین سے (فرما دیجئے کہ تم) جہاد وغیرہ میں (خواہ خوشی سے خرچ کرو یا مجبوری سے تم کسی طرح) خدا کے نزدیک (مقبول نہیں) کیونکہ (بلاشبہ تم) کفر جیسی (نافرمانی کرنے والے لوگ ہو۔ اور ان کی خیرات قبول ہونے سے اس کے سوا کوئی مانع نہیں کہ انہوں نے) دل میں (اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا) اور کافر کا کوئی عمل مقبول نہیں (اور) دل میں چھپے اس کفر کی ظاہری علامت یہ ہے کہ (وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی سے اور) نیک کام میں (خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ) کیونکہ دل میں ایمان تو ہے نہیں جس سے ثواب کی امید ہو اور اس امید سے رغبت ہو بلکہ محض بدنامی سے بچنے کے لئے کرتے ہیں جو (کچھ کرتے) ہیں۔ اور جب وہ ایسے مردود ہیں (تو ان کے اموال اور اولاد آپ کو) اس (تعجب میں نہ ڈالیں) کہ ایسے غیر مقبول مردود لوگوں کو اتنے انعامات کس طرح عطا ہوئے، کیونکہ واقع میں یہ ان کے لئے نعمت نہیں ایک قسم کا عذاب ہی ہے کیونکہ (اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیوی زندگی میں) بھی (ان کو عذاب میں گرفتار رکھے اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکلے) جس سے آخرت میں بھی عذاب میں گرفتار ہوں۔ تو جس مال و اولاد کا یہ انجام ہو اس کو انعام سمجھنا ہی غلطی ہے۔

**فائدہ**: دنیا میں مال و اولاد کا عذاب ہونا حب دنیا کے لئے لازم ہے۔ اول تو عام طور سے اس کی تحصیل و تمنا میں کیسی کیسی جسمانی و روحانی کوفت اٹھانی پڑتی ہے پھر حصول کے بعد ذرا نقصان ہو گیا ذرا مرض ہو گیا تو بس غم کا ایک پہاڑ سر پر سوار ہے۔ سب حالتیں طبیعت کے موافق بھی ہوں تو اس کا اندیشہ رہتا ہے کہ کوئی ناگوار حادثہ پیش نہ آ جائے۔ پھر جدائی کے وقت بڑے درجہ کی حسرت اور صدمہ ہوتا ہے اور آخرت میں دنیوی نعمتوں کے بقدر کافر کو عذاب زیادہ ہوگا۔

چھٹی حالت: مجبوری کی وجہ سے ایمان کا اظہار

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

**ترجمہ:** اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ بیشک وہ تم میں سے ہیں حالانکہ نہیں ہیں وہ تم میں سے لیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں (تم سے)۔ اگر وہ پائیں کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا سر گھسانے کو جگہ تو اُلٹے بھاگیں اسی طرف اس حال میں کہ وہ خودسری کرتے ہوں۔

**تفسیر:** (اور یہ) منافق (لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں) یعنی مسلمان ہیں (حالانکہ) واقع میں (وہ تم میں سے نہیں، لیکن) بات یہ ہے کہ (وہ ڈرپوک لوگ ہیں) ڈر کے مارے جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے کفر کو چھپاتے ہیں کہ ہمارے ساتھ بھی کہیں دوسرے کفار کا سا معاملہ مسلمانوں کی طرف سے نہ ہونے لگے، اور کسی دوسری جگہ ان کا ٹھکانا نہیں جہاں آزادی سے جا رہیں ورنہ (ان لوگوں کو اگر کوئی پناہ کی جگہ مل جاتی یا) کہیں پہاڑ وغیرہ میں (غار) مل جاتے (یا کوئی گھس بیٹھنے کی ذرا جگہ) مل جاتی جہاں اسلامی حکومت کا خوف نہ رہے اور ایمان کے اظہار کی مجبوری نہ رہے (تو یہ ضرور منہ اٹھا کر ادھر ہی چل دیتے) مگر یہ صورت ہے نہیں، اس لئے جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو مسلمان بتاتے ہیں۔

ساتویں حالت: ناحق کی طعنہ زنی

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

**ترجمہ:** اور ان میں سے بعضے وہ ہیں کہ طعن کرتے ہیں تجھ پر خیرات (بانٹنے) میں۔ سو اگر وہ دیئے جائیں ان میں سے تو راضی ہوں اور اگر نہ دیئے جائیں ان میں سے

تب وہ ناراض ہو جاتے ہیں، اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہو جاتے اسی پر جو دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہم کو اللہ (اور) دے گا ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول، ہم تو اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

**تفسیر**: (اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو صدقات) تقسیم کرنے (کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں) کہ اس تقسیم میں نعوذ باللہ انصاف نہیں کیا گیا (تو اگر صدقات میں سے ان کو) ان کی خواہش کے مطابق (مل جاتا ہے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان صدقات میں سے ان کو) اپنی خواہش کے مطابق (نہیں ملتا تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں) جس سے معلوم ہوا کہ ان کے اعتراض کا منشاء دراصل کوئی اصول نہیں بلکہ حرصِ دنیا اور خود غرضی ہے (اور ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے جو کچھ اللہ نے ان کو) دلوایا تھا (اور اس کے رسولؐ نے دیا تھا اور) اس کے متعلق (یوں کہتے کہ ہم کو اللہ) کا دیا (کافی ہے) ہم کو اتنا ہی قاعدہ سے مل سکتا تھا اسی میں خیر و برکت ہوگی، اور پھر اگر حاجت پیش آئے گی اور مصلحت ہوگی تو آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو اور دے گا، اور اس کے رسول) ﷺ (دیں گے ہم) دل سے (اللہ ہی کی طرف راغب ہیں) اسی سے سب امیدیں رکھتے ہیں۔

**فائدہ**: صدقہ کے مال میں سے منافقین کو حصہ ملنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں **(1)** نفلی صدقہ ہو تو وہ کسی کافر کو بھی دیا جا سکتا ہے **(2)** زکوۃ وغیرہ ہو تو اس وجہ سے کہ ظاہر میں مسلمانوں کے احکام ان پر بھی جاری ہوتے تھے۔

**ربط**: اوپر صدقات کے بارے میں اعتراض کرنے والوں کے اعتراض کا جواب دیا تھا آگے اسی جواب کی تائید کے لئے زکوۃ وصدقات کے مصارف و مستحقین کا بیان فرماتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ زکوۃ وصدقات کی تقسیم کا طریقہ ہمارا مقرر کیا ہوا ہے ہم نے صدقات وغیرہ کے مصارف متعین کر کے فہرست اپنے رسول کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ وہ اسی کے موافق تقسیم کرتے ہیں اور کریں گے۔ کسی کی خواہش کے تابع نہیں ہو سکتے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾

**ترجمہ:** محض (فرض) صدقات ہیں واسطے غریبوں کے اور محتاجوں کے اور ان لوگوں کے لئے جو عمل کرنے والے ہیں زکوۃ (کی وصولی) پر اور مؤلف قلوب کے لئے اور (صرف کئے جائیں) گردنوں (کے چھڑانے) میں اور قرضداروں میں اور اللہ کے رستے میں اور مسافر میں۔ (یہ) مقرر ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

**تفسیر:** فرض (صدقات تو صرف حق ہے فقراء کا) جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو (اور مساکین کا) جن کے پاس حاجت کے بقدر نہ ہو (اور عاملین کا) جن کو اسلامی حکومت کی طرف سے زکوۃ کی وصولی پر مقرر کیا گیا ہو (اور مؤلفۃ القلوب کا) جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں اور مالی امداد کے ذریعہ سے ان کے اسلام کے ساتھ تعلق کو تقویت دی جائے۔ نبی ﷺ کے بعد صحابہ کے زمانہ میں ان کے مستحق نہ رہنے پر اتفاق و اجماع ہو گیا تھا (اور گردنوں کے چھڑانے میں) یعنی غلام خرید کر آزاد کئے جائیں یا قیدیوں کا فدیہ دے کر رہا کرائے جائیں (اور قرضداروں) کے قرضہ (میں) کہ ان پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی کی ضمانت کے بوجھ تلے دب گئے (اور سبیل اللہ میں) یعنی جہاد وغیرہ میں جانے والوں کی اعانت کی جائے جب کہ ان کے پاس اپنا مال نہ رہا ہو (اور مسافروں میں) جب کہ حالت سفر میں مالک نصاب نہ رہے اگر چہ گھر میں دولت ہو لیکن فوری طور پر منگوانے کا ذریعہ نہ ہو۔ (یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں) مناسب نامناسب کو جانتے ہیں اور مناسب احکام مقرر کرتے ہیں۔

## آٹھویں حالت: نبی ﷺ کو ایذاء رسانی

بعض منافقین نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں کوئی نازیبا بات کہی۔ کسی دوسرے منافق نے کہا ایسا مت کرو کہیں آپ کو خبر نہ ہو جائے پھر ہماری پکڑ ہو۔ وہ شخص بولا کہ کچھ فکر کی بات نہیں آپ تو کان ہیں کہ ہر ایک کی بات سن کر مان لیتے ہیں اور ہر ایک کے دھوکہ میں آ جاتے ہیں کچھ تحقیق نہیں کرتے۔ اگر آپ کو خبر ہو بھی گئی تو ہم جا کر کوئی بات بنا دیں گے اور آپ کو دھوکہ دے کر بری ہو جائیں گے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ
يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ

رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾

**ترجمہ**: اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ایذاء دیتے ہیں نبی کو اور کہتے ہیں وہ تو کان ہے۔ تو کہہ کان ہے تمہارے لئے بھلائی کا۔ ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مسلمانوں (کی بات) کا اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے تم میں سے۔ اور جو لوگ ایذاء دیتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے ہے عذاب دردناک۔

**تفسیر**: (ان) منافقین (میں بعضے ایسے ہیں کہ نبی) ﷺ (کو ایذائیں پہنچاتے ہیں) یعنی آپ کی شان میں ایسی باتیں کہتے ہیں کہ سُن کر آپ کو ایذاء ہو (اور) جب کوئی روکتا ہے تو (کہتے ہیں کہ آپ ہر بات کان دے کر سُن لیتے ہیں) آپ کو جھوٹ بول کر دھوکہ دینا آسان ہے، اس لئے کچھ فکر نہیں (آپ) جواب میں (فرما دیجئے کہ) تم کو خود دھوکہ ہوا رسول اللہ ﷺ کا کسی بات کو سُن لینا دو طور پر ہے، ایک تصدیق کے طور پر کہ دل سے بھی اس کو صحیح سمجھیں، دوسرا خوش خلقی اور کریم النفسی کے طور پر کہ یہ جان لینے کے باوجود کہ یہ بات محض غلط ہے شرافتِ نفس اور حسن خلق کی بناء پر اس کو ٹال دیں اور کہنے والے پر داروگیر یا اس کی صریح تکذیب نہ کریں سو (وہ نبی کان دے کر تو وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں خیر) ہی خیر (ہے) جس کا حاصل اور نتیجہ یہ ہے (کہ وہ اللہ) کی باتیں وحی سے معلوم کر کے ان (پر ایمان لاتے ہیں) جن کی تصدیق کا خیر ہونا تمام عالم کے لئے ظاہر ہے، کیونکہ تعلیم اور عدل اسی تصدیق پر موقوف ہے (اور مؤمنین) مخلصین کی باتوں (کا) جو ایمان و اخلاص سے ہوں (یقین کرتے ہیں)۔ اس کا خیر ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ عدلِ عام موقوف ہے احوال کی صحیح اطلاع پر اور اس کا ذریعہ یہی مؤمنین مخلصین ہیں، غرض کان دے کر اور سچا سمجھ کر تو صرف سچے اور مخلص مسلمانوں کی باتیں سنتے ہیں (اور) باقی تمہاری شرارت آمیز باتیں جو سُن لیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ (آپ ان لوگوں کے حال پر مہربانی فرماتے ہیں جو تم میں ایمان کا اظہار کرتے ہیں) گو دل میں ایمان نہ ہو، پس اس مہربانی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے تمہاری باتیں سن لیتے ہیں اور ان کی حقیقت سمجھ جانے کے باوجود درگزر اور خاموشی برتتے ہیں۔ غرض ان باتوں کا سننا دوسرے طور کا ہے، تم نے اپنی حماقت سے اس کو بھی پہلے طور کا سمجھ لیا۔ خلاصہ یہ کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ حقیقت کو حضرت نہیں سمجھتے حالانکہ واقع میں حقیقت کو تم ہی نہیں سمجھتے (اور جو لوگ رسول اللہ) ﷺ (کو ایذائیں پہنچاتے ہیں) خواہ ان باتوں سے جن کے کہنے کے بعد آپ کو اُذُنٌ کہا تھا یا خود اسی هُوَ اُذُنٌ کے کہنے سے

کیونکہ ان کا آپ کو اُذُن کہنا آپ کی تنقیص کے لئے تھا کہ معاذ اللہ آپ کو سمجھ نہیں جو کچھ سن لیتے ہیں اس کو مان لیتے ہیں (ان لوگوں کے لئے دردناک سزا ہوگی۔)

**فائدہ**: (1) اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ سے کبھی منافقین کی سخن سازی مخفی نہیں رہی بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کے سکوت کی ہمیشہ یہ علت نہیں۔

(2) مومنین میں جو ایمان و اخلاص سے ہونے کی قید لگائی گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مومن کی ہر بات کی تصدیق کرنا تو واجب نہیں بلکہ جو بات شرعی قواعد کے مطابق ہو اور ایمان و اخلاص کی بنا پر کہی گئی ہو اس کی تصدیق واجب ہوتی ہے۔

نویں حالت: غرض فاسد سے جھوٹی قسمیں کھانا

جب کبھی منافقین کی دغا بازی پکڑی جاتی تو مسلمانوں کے روبرو قسمیں کھاتے کہ ہمارے دل میں بری نیت نہ تھی تاکہ اس طرح سے مسلمانوں کو راضی کر لیں۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ

لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾

**ترجمہ**: قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے سامنے تاکہ راضی کریں تم کو حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہیں کہ یہ راضی کریں اس کو اگر وہ ہیں ایمان والے۔ کیا نہیں جانا انہوں نے کہ جو مخالفت کرے اللہ اور اس کے رسول کی تو اس کے لئے ہے آگ جہنم کی سدا رہے اس میں۔ یہ ہے رسوائی بڑی۔

**تفسیر**: (یہ لوگ تمہارے) یعنی مسلمانوں کے (سامنے) جھوٹی (قسمیں کھاتے ہیں) کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی، یا ہم غزوہ میں فلاں عذر سے نہ جا سکے (تاکہ تم کو راضی کر لیں) جس سے ان کا جان و مال محفوظ رہے (حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ سچے مسلمان ہیں تو اس کو) اپنے ایمان اور اخلاص سے (راضی کریں۔ کیا ان کو خبر نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا) جیسا یہ لوگ کر رہے ہیں (تو یہ بات طے ہو چکی ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کی آگ اس طور پر نصیب ہوگی کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا) اور (یہ بڑی رسوائی) کی بات

(ہے)

دسویں حالت: اللہ اور رسول کے ساتھ استہزاء اور اس پر جھوٹے عذر

منافقین اپنی مجلسوں میں اسلام و پیغمبر اسلام کی بدگوئی کرتے اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے اور چونکہ بسا اوقات وحی الٰہی کے ذریعہ سے ان کے نفاق اور بد باطنی کو کھول دیا جاتا تھا اس لئے یہ ڈر بھی لگا رہتا تھا کہ قرآن میں کہیں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے راز فاش کر دے۔ اس وجہ سے اپنے بچاؤ کے لئے بودے عذر بھی گھڑتے تھے۔

يَحْذَرُ
الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ
قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ
اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ
كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ
نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾

**ترجمہ**: ڈرتے ہیں منافق کہ کہیں نازل کر دی جائے مسلمانوں پر کوئی سورت جو خبر دے ان (مسلمانوں) کو اس بات کی جو ان (منافقوں) کے دلوں میں ہے۔ تو کہہ دے تم استہزاء کرتے رہو بلاشبہ اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس کا تم ڈر کرتے ہو۔ اور اگر تو پوچھے ان سے تو یہ ضرور کہیں گے ہم تو محض ہنسی کرتے ہیں اور دل لگی کرتے ہیں۔ تو کہہ دے کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے۔ (اب) تم عذر مت کرو تم کافر ہو گئے اپنے (اظہار) ایمان کے بعد اگر ہم درگزر کریں تم میں سے بعض سے تو ہم عذاب دیں گے بعض کو بسبب اس کے کہ وہ تھے مجرم۔

**تفسیر**: (منافق لوگ) طبعاً (اس سے اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں) کے رسول (پر) وحی کے ذریعہ (کوئی ایسی سورت) مثلاً یا آیت (نازل نہ ہو جائے جو مسلمانوں کو ان منافقین کے مافی الضمیر پر اطلاع دیدے) یعنی انہوں نے جو استہزاء کی باتیں خفیہ کی ہیں اور مسلمان چونکہ ان سے لاعلم

ہیں اس لئے وہ باتیں ان رازوں کی مانند ہیں جو دلوں میں پوشیدہ ہوں۔ اب ڈرتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں کو ان کی خبر نہ دے دی جائے (آپ فرما دیجئے کہ اچھا تم استہزاء کرتے رہو) اس میں ان کے استہزاء پر مسلمانوں کے مطلع ہو جانے کو جتلا دیا، چنانچہ آگے خود ارشاد ہے کہ (بیشک اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس) کے اظہار (سے تم اندیشہ کرتے تھے) چنانچہ ظاہر کر دیا کہ تم استہزاء کر رہے تھے (اور) ظاہر ہو جانے کے بعد (اگر آپ ان سے) اس استہزاء کی وجہ (پوچھیں تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض ہنسی اور خوش طبعی کر رہے تھے) اس کلام کے حقیقی معنی مقصود نہ تھے، محض جی خوش کرنے کو جس سے وقت آسانی سے گذرے ایسی باتیں زبانی کر رہے تھے (آپ) ان سے (کہہ دیجئے کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے) یعنی خواہ غرض کچھ بھی ہو مگر یہ تو دیکھو کہ تم استہزاء کس کا کر رہے ہو؟ جن کے ساتھ استہزاء کسی غرض سے بھی درست نہیں (تم اب) یہ بیہودہ (عذر مت کرو) مطلب یہ ہے کہ یہ عذر مقبول نہیں، اور اس عذر سے استہزاء جائز نہیں ہو جاتا (تم تو اپنے کو مؤمن کہہ کر کفر کرنے لگے) کیونکہ دین کے ساتھ استہزاء مطلقاً کفر ہے، گو تمہارے دل میں تو پہلے بھی ایمان نہ تھا، البتہ اگر کوئی دل سے توبہ کر لے اور مؤمن مخلص بن جائے تو البتہ کفر اور عذاب کفر سے چھوٹ جائے، لیکن اس کی بھی سب کو توفیق نہ ہو گی، ہاں البتہ بعض مسلمان ہو جائیں گے اور وہ معاف کر دیئے جائیں گے، پس حاصل یہ ٹھہرا کہ (اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں) اس لئے کہ وہ مسلمان ہو گئے (تو ہم بعض کو) ضرور ہی (سزا دیں گے بسبب اس کے کہ وہ) ہمارے علم ازلی میں ہمیشہ (مجرم تھے) یعنی وہ مسلمان نہیں ہوئے۔

**فائدہ**: دین کے ساتھ قصداً استہزاء خواہ بداعتقادی سے ہو یا اس کے بغیر ہو کفر ہے اور اللہ کے ساتھ استہزاء اس کی آیات کے ساتھ استہزاء اور اس کے رسول کے ساتھ استہزاء آپس میں لازم و ملزوم ہیں کہ ایک کے ساتھ استہزاء دوسروں کے ساتھ بھی استہزاء ہے۔

گیارہویں حالت: دوسرے کفار کے ساتھ عمل و انجام میں مشابہت

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ

الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ

يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ

فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ
وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا
بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ
وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ
وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

**ترجمہ:** منافق مرد اور منافق عورتیں بعض ان کے بعض سے ہیں حکم کرتے ہیں برائی کا اور منع کرتے ہیں بھلی بات سے اور بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھ۔ بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو۔ بے شک منافق وہی ہیں سرکش۔ وعدہ دیا اللہ نے منافق مردوں کو اور منافق عورتوں کو اور کافروں کو جہنم کی آگ کا، سدا رہیں گے اس میں۔ وہ کافی ہے ان کو۔ اور لعنت کی ان پر اللہ نے اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے۔ مثل ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے۔ وہ تھے زیادہ تم سے زور میں اور زیادہ تھے (تم سے) مال اور اولاد میں۔ فائدہ اٹھایا انہوں نے اپنے حصہ سے سو فائدہ اٹھایا تم نے (بھی) اپنے حصہ سے جیسے فائدہ اٹھایا انہوں نے جو تھے تم سے پہلے اپنے حصہ سے اور گھستے ہو تم (بری باتوں میں) مثل اس کے جو گھسے وہ۔ وہ لوگ (ہیں کہ) ضائع ہو گئے ان کے عمل دنیا میں اور آخرت میں اور وہی لوگ ہیں خسارے والے۔ کیا نہیں آئی ان کے پاس خبر ان لوگوں کی جو تھے ان سے پہلے (جیسے) قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور مدین والے اور الٹی ہوئی بستیاں۔ لائے ان کے پاس ان کے رسول صاف نشانیاں۔ سو نہیں تھا اللہ کہ ظلم کرے ان پر ولیکن وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

**تفسیر**: (منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں کہ بری بات کی) یعنی کفر کی اور اسلام کی مخالفت کی (تعلیم دیتے ہیں اور اچھی بات سے) یعنی ایمان اور اتباع نبوی سے (منع کرتے ہیں اور) خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے (اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا) یعنی اطاعت نہ کی (پس خدا نے ان کا خیال نہ کیا) یعنی ان پر اپنی خاص رحمت نہ کی (بلاشبہ یہ منافق بڑے ہی سرکش ہیں، اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں، منافق عورتوں اور) اعلانیہ (کفر کرنے والوں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ ان کے لئے کافی) سزا (ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور ان کو) مذکورہ وعدہ کے مطابق (دائمی عذاب ہوگا)۔ اے منافقو! (تمہاری حالت) کفر میں اور کفر کی سزا کے استحقاق میں (ان لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے) زمانہ میں (ہو چکے ہیں جو شدت قوت میں اور کثرت اولاد و اموال میں تم سے بھی زیادہ تھے تو انہوں نے اپنے) دنیوی (حصے سے خوب فائدہ حاصل کیا سو تم نے بھی اپنے) دنیوی (حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا جیسا تم سے پہلے لوگوں نے اپنے) دنیوی (حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا، اور تم بھی) بری باتوں میں (ایسے ہی گھسے جیسے وہ لوگ) بری باتوں میں (گھسے تھے۔ ان لوگوں کے) نیک (اعمال دنیا اور آخرت) دونوں جگہوں (میں ضائع ہو گئے) کہ دنیا میں ان اعمال پر ثواب کی بشارت نہیں، اور آخرت میں ثواب نہیں (اور) اعمال کے یوں ضائع ہو جانے کی وجہ سے (وہ لوگ بڑے نقصان میں ہیں) کہ دارین میں مسرت اور راحت سے محروم ہیں، پس جب تم بھی ان کی طرح کفر کرتے ہو تو انہی کی طرح خائب و خاسر ہو گے، اور جیسا ان کے اموال و اولاد زیادہ ہونے کے باوجود ان کے کام نہ آئے تو تمہارے اموال و اولاد کیسے تمہارے کام آسکیں گے جب کہ تمہاری یہ چیزیں ان کے مقابلہ میں کہیں کم ہیں۔ یہ تو ضرر آخرت کی وعید ہوئی، آگے ضرر دنیا کے احتمال کو ذکر کر کے اس سے متنبہ فرماتے ہیں کہ (کیا ان کو ان) لوگوں کے عذاب و ہلاک (کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں، جیسے قوم نوحؑ اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیمؑ اور اہل مدین اور) قوم لوط کی (الٹی ہوئی بستیاں کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر) حق کی (صاف نشانیاں لے کر آئے) لیکن نہ ماننے سے برباد ہوئے (سو) اس بربادی میں (اللہ تعالیٰ نے تو ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) اسی طرح ان منافقین کو بھی ڈرنا چاہئے۔

**ربط**: اوپر منافقین کی قباحتوں کا ذکر ہوا آگے بطور موازنہ اور مقابلہ مومنین کی صفات ذکر کیں کیونکہ ضابطہ ہے کہ اشیاء کا جب ان کی ضد سے موازنہ کیا جائے تو بات خوب کھل جاتی ہے۔ یہ موازنہ

اس طرح سے ہے کہ منافقین لوگوں کو بھلائی سے روک کر برائی کی ترغیب دیتے ہیں جب کہ مومنین بدی کو چھوڑنے کی طرف آمادہ کرتے ہیں۔ منافقین کی مٹھی بند ہے جب کہ مومنین کا ہاتھ کھلا ہے۔ وہ بخل کی وجہ سے خرچ کرنا نہیں جانتے یہ اموال میں سے باقاعدہ حقوق (زکوۃ وغیرہ) ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے خدا کو بالکل بھلا دیا جب کہ یہ پانچ وقت خدا کو یاد کرتے ہیں اور خدا و رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ اسی لئے منافقین لعنت کے مستحق ہوئے، جب کہ مومنین رحمت خصوصی کے امیدوار ہوئے۔

## وَالْمُؤْمِنُوْنَ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

**ترجمہ**: اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ان کے بعض مددگار ہیں دوسروں کے حکم دیتے ہیں نیک بات کا اور منع کرتے ہیں بری بات سے اور قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ وہی لوگ (ہیں) رحم کرے گا جن پر اللہ، بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا، وعدہ دیا ہے اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور (وعدہ دیا ہے) مکانوں کا ہمیشگی کے باغوں میں، اور رضامندی اللہ کی طرف سے ان سب سے بڑی ہے، یہی ہے کامیابی بڑی۔

**تفسیر**: (اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے) دینی (رفیق ہیں، نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوۃ

دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا) جس کی اگلی آیت میں تفصیل آتی ہے (بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر) مطلق (ہے) پوری جزا دے سکتا ہے (حکمت والا ہے) مناسب جزا دیتا ہے، اب اس رحمت کا بیان ہوتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس مکانوں کا) وعدہ کر رکھا ہے (جو کہ ان ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گے اور) ان سب نعمتوں کے ساتھ (اللہ تعالیٰ کی رضا مندی) جو اہل جنت سے ہمیشہ ہمیشہ رہے گی، ان (سب) نعمتوں (سے بڑی چیز ہے یہ) جزائے مذکور (بڑی کامیابی ہے)۔

**فائدہ**: سب سے بڑی نعمت محبوب حقیقی کی دائمی رضا ہو گی۔ صحیح حدیث میں ہے حق تعالیٰ اہل جنت کو پکارے گا۔ جنتی لبیک کہیں گے۔ دریافت فرمائے گا ھل رضیتم یعنی اب تم خوش ہو گئے۔ جواب دیں گے کہ پروردگار خوش نہ ہونے کی کیا وجہ؟ جب کہ آپ نے ہم پر انتہائی انعام فرمایا ہے۔ ارشاد ہو گا هَلْ أُعْطِيْكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ یعنی جو کچھ اب تک دیا گیا ہے کیا اس سے بڑھ کر ایک چیز لینا چاہتے ہو۔ جنتی سوال کریں گے کہ اے پروردگار اس سے افضل اور کیا چیز ہو گی؟ اس وقت فرمائیں گے أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ أَبَدًا اپنی دائمی رضا اور خوشنودی تم پر اتارتا ہوں جس کے بعد کبھی خفگی نہ ہو گی۔

**ربط**: منافقین کی ساری خرابیاں ذکر کرنے کے بعد اب فرماتے ہیں کہ یہ اس قابل ہیں کہ دنیا میں بھی ان سے جہاد کیا جائے خصوصاً جب کہ تبوک کے موقع پر انہوں نے کھلم کھلا بے حیائی، مخالفت اور دشمنی کا انداز اختیار کر لیا تو حکم ہوا کہ ان کے معاملہ میں سختی اختیار کیجئے۔ جہاد کا لغوی معنی ہے کسی ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے میں انتہائی کوشش کرنا یہ کوشش کبھی ہتھیار سے ہوتی ہے کبھی زبان سے، کبھی قلم سے کبھی کسی اور طریقے سے۔ منافقین جو زبان سے اسلام کا اظہار کریں اور دل سے مسلمان نہ ہوں ان کے مقابلہ میں تلوار سے جہاد مشروع نہیں اس لئے جہاد کا لفظ اس آیت میں عام معنی میں ہے یعنی جس وقت جس کے مقابلہ میں جس طرح مصلحت ہو جہاد کیا جائے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾

**ترجمہ**: اے نبی جہاد کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تند خوئی کر ان پر اور ان کا

ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

**تفسیر**: (اے نبی) ﷺ (کفار) سے تلوار کے ساتھ (اور منافقین سے) زبانی (جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے) دنیا میں تو یہ اس کے مستحق ہیں (اور) آخرت میں (ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے)۔

## منافقین سے جہاد کے حکم کی ایک واقعہ سے تائید

تبوک سے واپسی میں چند منافقین نے ایک رات پروگرام بنایا کہ فلاں گھاٹی میں آپ کی سواری گذرے گی سب مل کر آپ کو دھکیل دیں پھر قتل کر دیں۔ غرض سب اپنا منہ لپیٹ کر جمع ہو کر دفعتہ اس جگہ پر آ پہنچے مگر آپ نے دیکھ کر ڈانٹا۔ حضرت حذیفہ اور حضرت عمار ساتھ تھے انہوں نے ان کو ہٹایا لیکن یہ پہچانے نہیں گئے۔ آپ کو وحی سے معلوم ہوا۔ آپ نے منزل پر پہنچ کر ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے ایسا ایسا مشورہ کیا تھا اور ایسا ارادہ کیا تھا۔ وہ سب قسمیں کھا گئے کہ نہ مشورہ ہوا نہ ارادہ ہوا۔ ان میں سے بعض کے ساتھ آپ نے خاص طور پر مالی اعانت فرمائی تھی جیسے جُلاس کہ آپ نے اس کا ایک بڑا قرضہ ادا کیا تھا اور ویسے بھی آپ کی تشریف آوری کے قبل اکثر محتاج تھے پھر مال غنیمت کی کثرت ہوئی تو ان کو بھی ظاہری میل جول کی وجہ سے کچھ نہ کچھ ملتا رہتا تھا۔ اس قصہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد جُلاس نے صدق دل سے اسلام قبول کیا۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ
الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ
وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ
فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ
عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ
مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

**ترجمہ**: قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ نہیں کہا انہوں نے حالانکہ بیشک کہا ہے انہوں نے لفظ کفر کا اور کافر ہو گئے اپنے (اظہار) اسلام کے بعد اور قصد کیا تھا اس چیز کا جو انہوں نے نہ پائی۔ اور نہیں بدلہ دیا انہوں نے مگر اس کا کہ دولتمند کر دیا ان کو اللہ نے اور اس

کے رسول نے اپنے فضل سے سو اگر توبہ کرلیں تو ہوگا بھلا ان کے حق میں اور اگر منہ موڑیں تو عذاب دے گا ان کو اللہ عذاب دردناک دنیا اور آخرت میں اور نہیں ہے ان کا زمین میں کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔

**تفسیر**: (وہ لوگ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلانی بات) مثلاً یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیں (نہیں کہی حالانکہ یقیناً انہوں نے) وہ بات کہی تھی اور چونکہ نبی کو قتل کرنے کی بات کفر کی بات ہے اس لئے انہوں نے یہ کہہ کر (کفر کی بات کہی) تھی، (اور) وہ بات کہہ کر ظاہر میں (اپنے اسلام کے بعد) ظاہر میں بھی (کافر ہو گئے) گو اپنے ہی مجمع میں سہی جس کی خبر مسلمانوں کو بھی ہو گئی اور اس سے ان کا کفر سب میں کھل گیا (اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی) کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کریں غرض وہ ناکام رہے (اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے رزق خداوندی سے مال دار کر دیا) شاید اس احسان کا بدلہ ان کے نزدیک یہی ہوگا کہ برائی کریں (سو اگر) اس کے بعد بھی (توبہ کریں تو ان کے لئے) دونوں جہان میں (بہتر) اور نافع (ہوگا) چنانچہ جلاسؓ کو توبہ کی توفیق ہو گئی (اور اگر) توبہ سے (روگردانی کی) اور کفر و نفاق ہی پر جمے رہے (تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت) دونوں جگہ (میں دردناک سزا دے گا) چنانچہ عمر بھر بدنام اور پریشان اور خائف رہنا اور مرتے وقت مصیبت کا مشاہدہ کرنا یہ دنیوی عذاب ہے اور آخرت میں دوزخ میں جانا ظاہر ہی ہے (اور ان کا دنیا میں نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار) کہ عذاب سے بچا لے اور جب دنیا ہی میں کوئی یار مددگار نہیں جہاں اکثر مدد ہو جاتی ہے تو آخرت میں تو بدرجہ اولیٰ نہ ہوگی۔

### منافقوں کے کچھ مزید حالات

**ربط**: ایک منافق ثعلبہ بن حاطب نے آپ سے کثرت مال کی دعا کرائی۔ آپ نے سمجھایا کہ مصلحت نہیں اس نے کہا کہ میں نیک کاموں میں خرچ کیا کروں گا۔ غرض آپ کی دعا سے وہ مالدار ہو گیا۔ جب زکوۃ کا وقت آیا تو کہنے لگا اس میں اور جزیہ میں کیا فرق ہے اور ایک دو دفعہ ٹلا کر آخر زکوۃ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ جب اس کے کسی عزیز نے اس کو خبر پہنچائی تو بادل ناخواستہ زکوۃ لے کر حاضر ہوا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو تیری زکوۃ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝

**ترجمہ:** اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر وہ دے ہم کو اپنے فضل سے تو ضرور ہم خیرات کریں گے اور ضرور ہم ہوں گے نیکو کاروں میں سے۔ پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے تو بخل کیا اس میں اور پھر گئے اس حال میں کہ وہ اعراض کرنے والے ہیں۔ تو سزا میں دیا ان کو نفاق ان کے دلوں میں اس دن تک کہ وہ ملیں گے اس سے (یعنی خدا سے) اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ اس سے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ بولتے تھے جھوٹ۔ کیا نہیں جان چکے وہ کہ اللہ جانتا ہے ان کا بھید اور ان کی سرگوشی اور یہ کہ اللہ خوب جاننے والا ہے سب چھپی باتوں کو۔

**تفسیر:** (اور ان) منافقین (میں بعضے آدمی ایسے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے (خدا تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں) کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے عہد کرنا اور خدا سے عہد کرنا برابر ہے، اور وہ عہد یہ تھا کہ (اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے) بہت سا مال (عطا فرمادے تو ہم) اس میں سے (خوب خیرات کریں اور ہم) اس کے ذریعے سے (خوب نیک نیک کام کیا کریں، سو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے) بہت سا (دیدیا تو اس میں بخل کرنے لگے) کہ زکوۃ نہ دی (اور) اطاعت سے (روگردانی کرنے لگے اور وہ تو روگردانی کے) پہلے ہی سے (عادی ہیں سو اللہ تعالیٰ نے ان) کے اس فعل (کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق) قائم (کردیا، جو خدا کے پاس جانے کے دن تک) یعنی دم مرگ تک (ہوگا اس سبب سے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے اپنے وعدہ میں خلاف کیا اور اس سبب سے کہ وہ) اس وعدہ میں شروع ہی میں (جھوٹ بولتے تھے) یعنی وعدہ کے ایفاء کی نیت اس وقت بھی نہ تھی لہٰذا نفاق تو اس وقت بھی دل میں تھا جس کی فرع یہ جھوٹ اور وعدہ خلافی ہے، پھر اس جھوٹ اور وعدہ خلافی کے وقوع سے اور زیادہ مستحق غضب ہوئے، اور اس زیادہ غضب کا اثر یہ ہوا کہ وہ سابقہ نفاق جس کے ختم ہونے کی توقع تھی اب دائمی اور غیر زائل ہوگیا کہ توبہ بھی نصیب نہ ہوگی، اسی حالت پر مر کر ابدالآباد جہنم میں رہنا نصیب ہوگا۔ اور دلوں میں کفر چھپانے کے باوجود یہ جو اسلام اور طاعت

کا اظہار کرتے ہیں تو (کیا ان) منافقین (کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا راز اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام غیب کی باتوں کو خوب جانتے ہیں) اور اس لئے وہ ظاہری اسلام اور اطاعت ان کے کام نہیں آسکتے بالخصوص آخرت میں، لہٰذا وہاں جہنم کی سزا ضروری ہے۔

## منافقین کی مسلمانوں پر طعنہ زنی

ایک بار آپ ﷺ نے صدقہ کی ترغیب دی تو ایک صحابی بہت سا مال لے آئے۔ منافقین نے کہا یہ ریا کار ہے دوسرے صحابی غریب تھے بہت تھوڑا سامان لائے منافقین نے کہا یہ صاحب اس واسطے لائے ہیں کہ میرا بھی نام ہو جائے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ
مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

**ترجمہ**: وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں نفل صدقہ کرنے والوں پر مسلمانوں میں سے صدقات کے بارے میں اور (ان لوگوں پر) جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت (کا) یعنی ٹھٹھا کرتے ہیں ان سے۔ ٹھٹھا کیا اللہ نے ان سے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے۔

**تفسیر**: (یہ) منافقین (ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں) زیادہ اور تھوڑا ہونے پر (طعن کرتے ہیں اور) بالخصوص (ان لوگوں پر) اور زیادہ طعن کرتے ہیں (جن کو محنت مزدوری) کی آمدنی کے (علاوہ اور کچھ میسر نہیں ہوتا) اور وہ بیچارے اسی مزدوری میں سے ہمت کر کے کچھ صدقہ نکال دیتے ہیں (یعنی ان سے تمسخر کرتے ہیں) غرض مطلق طعن تو سب ہی پر کرتے ہیں کہ ریا کاری کرتے ہیں یا کیا تھوڑی سی چیز صدقہ میں لائے، لیکن ان محنت کش غریبوں سے تو تمسخر بھی کرتے ہیں کہ لو یہ بھی انگلی کٹوا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کو آگئے (اللہ تعالیٰ ان کو تمسخر کا) تو خاص (بدلہ دے گا اور) ویسے مطلق طعن کا یہ بدلہ ملے گا کہ (ان کے لئے) آخرت میں (دردناک سزا ہوگی)۔

**فائدہ**: تمسخر سے چونکہ زیادہ دل دکھتا ہے اس لئے اس کے وقوع اور اس کی سزا و جزا دونوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

**ربط**: اوپر منافقین کے لئے دردناک عذاب کا ذکر ہے۔ آگے اس کی تاکید ہے کہ یہ عذاب

نبی کی دعا و استغفار سے بھی نہیں ٹل سکتا حالانکہ نبی کی دعا و استغفار رحمت و مغفرت کو حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل شرط یعنی ایمان مفقود ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

**ترجمہ**: بخشش مانگ تو ان کے لئے یا بخشش نہ مانگ تو ان کے لئے۔ اگر تو بخشش مانگے ان کے لئے ستر مرتبہ تو (بھی) ہرگز نہیں بخشے گا اللہ ان کو۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اللہ نہیں ہدایت کرتا نافرمان لوگوں کو۔

**تفسیر**: (آپ خواہ ان) منافقین (کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں) دونوں حال برابر ہیں کہ ان کو اس سے کوئی نفع نہیں ہوگا۔ ان کی مغفرت نہیں کی جائے گی (اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ) یعنی بکثرت (بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا، یہ) نہ بخشنا (اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش لوگوں کو) جو کبھی ایمان اور حق کی طلب ہی نہ کریں (ہدایت نہیں کیا کرتا) اس وجہ سے یہ عمر بھر کفر ہی پر قائم رہے، اسی پر مر گئے۔

تبوک میں نہ جانے والے منافقین کا حال اور انجام

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا

مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنۡ تُقَاتِلُوۡا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمۡ رَضِيۡتُمۡ بِالۡقُعُوۡدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقۡعُدُوۡا مَعَ الۡخٰلِفِيۡنَ ﴿۸۳﴾

**ترجمہ**: خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے سے پیچھے رسول اللہ کے اور ناپسند کیا اس کو کہ لڑیں اپنے اموال سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں اور بولے کہ مت کوچ کرو گرمی میں، تو کہہ دوزخ کی آگ زیادہ سخت ہے تپش میں کاش وہ سمجھتے، سو وہ ہنس لیں تھوڑا اور روئیں بہت سا، بدلہ میں اس کے جو وہ کماتے تھے، سو اگر پھیر لے جائے تجھ کو اللہ کسی فرقہ کی طرف ان میں سے پھر وہ اجازت چاہیں تجھ سے نکلنے کی تو تو کہہ دینا کہ ہرگز تم نہ نکلو گے میرے ساتھ کبھی اور ہرگز تم نہ لڑو گے میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے، بے شک تم نے پسند کیا بیٹھ رہنے کو پہلی بار سو بیٹھے رہو ساتھ پیچھے رہنے والوں کے۔

**تفسیر**: (یہ پیچھے رہ جانے والے خوش ہو گئے رسول اللہ ) ﷺ (کے) جانے کے (بعد اپنے بیٹھے رہنے پر اور ان کو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنا ناگوار ہوا) دو وجہ سے اول کفر دوسرے آرام طلبی (اور) دوسروں کو بھی (کہنے لگے کہ تم) ایسی تیز (گرمی میں) گھر سے (مت نکلو آپ) جواب میں (کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ) اس سے بھی (زیادہ) تیز اور (گرم ہے) سو تعجب ہے کہ اس گرمی سے تو بچتے ہو اور جہنم میں جانے کا خود سامان کر رہے ہو کہ کفر و مخالفت کو نہیں چھوڑتے (کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے، سو) ان مذکورہ باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں (تھوڑے دنوں ہنس) کھیل (لیں اور) پھر آخرت میں (بہت دنوں) یعنی ہمیشہ (روتے رہیں) یعنی ہنسنا تھوڑے دنوں کا ہے پھر رونا ہمیشہ ہمیشہ کا (ان کاموں کے بدلہ میں جو کچھ) کفر و نفاق اور مخالفت وغیرہ (کیا کرتے تھے) جب ان کا حال معلوم ہو گیا (تو اگر خدا تعالیٰ آپ کو) اس سفر سے مدینہ کو صحیح و سالم (ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے) گروہ اس لئے کہا کہ ممکن ہے کہ بعض اس وقت تک مر جائیں، یا کوئی کہیں چلا جائے اور (پھر یہ لوگ) خوشامد کے طور پر اور پچھلے الزام کو دور کرنے کے لئے کسی جہاد میں آپ کے ساتھ (چلنے کی اجازت مانگیں) اور ان کے دل میں اس وقت بھی یقیناً یہی ہو گا کہ عین وقت پر کچھ بہانہ کر دیں گے (تو آپ یوں کہہ دیجئے کہ) اگرچہ اس وقت دنیا سازی کے طور پر باتیں بنا رہے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کی بات بتلا دی ہے، اس لئے نہایت وثوق سے کہتا ہوں کہ (تم کبھی بھی میرے ساتھ) جہاد میں (نہ چلو گے اور نہ میرے ہمراہ ہو کر کسی دشمن) دین (سے لڑو گے) جو کہ چلنے سے اصل مقصود ہے کیونکہ (تم نے پہلے بھی بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا) اور اب بھی

عزم وہی ہے (تو) خواہ مخواہ جھوٹی باتیں کیوں بناتے ہو، بلکہ پہلے کی طرح اب بھی (ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو) جو کسی واقعی عذر سے (پیچھے رہ جانے کے لائق ہی ہیں) جیسے بوڑھے اور بچے اور عورتیں۔

## منافقین کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیا معاملہ ہو

جب رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول مر گیا تو اس کے بیٹے عبداللہ جو مخلص مسلمان اور صحابی تھے وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور درخواست کی کہ آپ اپنی قمیض عطا فرمائیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس کا کفن پہناؤں، رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیض مبارک عطا فرمادی، پھر حضرت عبداللہ نے یہ بھی درخواست کی کہ آپ اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھائیں، آپ نے قبول فرمالیا، اور نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہو گئے تو حضرت عمر بن خطابؓ نے آپ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا کہ آپ اس منافق کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لئے استغفار کرنے سے منع فرمادیا ہے، (اور نماز جنازہ میں چونکہ استغفار ہے اس لئے نماز جنازہ سے بھی ممانعت ہوئی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ میں دعاء مغفرت کروں یا نہ کروں، اور آیت میں جو ستر مرتبہ استغفار پر بھی مغفرت نہ ہونے کا ذکر ہے تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرسکتا ہوں، آیت سے مراد سورہ توبہ کی وہی آیت ہے جو ابھی گذری ہے، یعنی **اسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ**، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی، نماز کے بعد ہی یہ آیت نازل ہوئی، **لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ** الخ چنانچہ اس کے بعد آپ نے کبھی کسی منافق کے جنازے کی نماز نہیں پڑھی۔

**وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾**

**ترجمہ**: اور نہ پڑھ نماز کسی پر ان میں سے جو مر جائے کبھی بھی اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر، انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور مر گئے اس حال میں کہ وہ نافرمان تھے۔

**تفسیر**: (اور ان میں کوئی مر جائے تو اس) کے جنازہ (پر کبھی نماز نہ پڑھئے اور نہ) اکرام کے طور پر دفن کے واسطے یا زیارت کے واسطے (اس کی قبر پر کھڑے ہوئیے) کیونکہ (انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے، اور وہ حالت کفر ہی میں مرے ہیں۔

**فائدہ**: (1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر اس بات پر تھی کہ جب بخشش ہی نہیں ہونی تو نماز جنازہ یعنی استغفار و دعا فعل عبث ہے اور عبث کا صدور آپ جیسے حکیم کی شان سے بعید ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی نظر میں کچھ حکمتیں تھیں یعنی یہ کہ میری اس بات کو دیکھ کر کہ اپنے بدخواہوں کے ساتھ ایسی شفقت اور مہربانی فرمائی جاتی ہے تو اس سے مخالفوں کے قبول اسلام کی امید ہے۔

(2) کافر کے جنازے پر نماز اور اس کے لئے استغفار جائز نہیں۔

**ربط**: اوپر کی آیات میں منافقین و کفار کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہونا معلوم ہوا آگے بتاتے ہیں کہ ان کے پاس جو مال و اولاد ہے یہ ان کے محبوب ہونے کی دلیل نہیں بلکہ ان کے حق میں وہ آلہ تعذیب ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

**ترجمہ**: اور نہ تعجب میں ڈالیں تجھ کو ان کے اموال اور ان کی اولاد۔ محض چاہتا ہے اللہ کہ عذاب دے ان کو بوجہ ان چیزوں کے دنیا میں اور نکلیں ان کی جانیں اس حال میں کہ وہ کافر ہوں۔

**تفسیر**: (اور ان کے اموال اور اولاد آپ کو) اس (تعجب میں نہ ڈالیں) کہ ایسے مبغوض لوگوں پر یہ نعمتیں کیسے ہوئیں، سو یہ واقع میں اُن کے لئے نعمتیں نہیں بلکہ آلات عذاب ہیں کیونکہ (اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان) مذکورہ (چیزوں کی وجہ سے دنیا میں) بھی (ان کو عذاب میں گرفتار رکھے اور) ان کا (دم حالت کفر ہی میں نکل جائے) جس سے آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا رہیں۔

**ربط**: غزوہ تبوک سے منافقوں کے پیچھے رہنے کو ذکر کرنے کے بعد آگے بتاتے ہیں کہ صرف غزوہ تبوک ہی نہیں بلکہ منافقین کی عام عادت غزوات سے پیچھے رہنا ہے۔ ان کے مقابلہ میں مومنین میں اخلاص اور جان و مال کی قربانی کا جذبہ ہے۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

**ترجمہ**: اور جب نازل کیا جاتا ہے کوئی ٹکڑا کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور لڑائی کرو ہمراہ اس کے رسول کے تو اجازت مانگتے ہیں تجھ سے مقدور والے ان میں سے اور کہتے ہیں چھوڑ دے ہم کو کہ ہو جائیں ساتھ بیٹھنے والوں کے، راضی ہوئے کہ ہو جائیں ساتھ پیچھے رہنے والی عورتوں کے، اور مہر کر دی گئی ان کے دلوں پر سو وہ نہیں سمجھتے، لیکن رسول اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ساتھ اس کے وہ لڑتے ہیں اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ اور وہی ہیں کہ ان کے لئے ہیں خوبیاں، اور وہی ہیں فلاح پانے والے، تیار کر رکھے ہیں اللہ نے ان کے واسطے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں، یہی ہے کامیابی بڑی۔

**تفسیر**: اور جب کبھی کوئی (ٹکڑا قرآن کا اس مضمون میں نازل کیا جاتا ہے کہ تم) خلوص دل سے (اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے مقدور والے آپ سے رخصت مانگتے ہیں اور) رخصت کا یہ مضمون ہوتا ہے کہ (کہتے ہیں ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم بھی یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں) البتہ ایمان و اخلاص کے دعوے میں کچھ کرنا نہیں پڑتا اس لئے بلا تکلف یہ بھی کہہ دیا کہ ہم تو مخلص ہیں (وہ لوگ) انتہائی درجہ کی بے حمیتی سے (خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے، اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی جس سے وہ) حمیت اور بے حمیتی کو (سمجھتے ہی نہیں، ہاں لیکن رسول) علیہ السلام (اور آپ کی ہمراہی میں جو مسلمان ہیں انہوں نے) البتہ اس حکم کو مانا اور (اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور انہی کے لئے ساری خوبیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں) اور وہ خوبی اور کامیابی یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں) اور (وہ ان میں ہمیشہ کو رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے)۔

**فائدہ**: اُولُو الطَّوْلِ کے ذکر سے یہ مقصود نہیں کہ صرف مقدور والے اجازت مانگتے تھے بلکہ غیر اُولُو الطَّوْل کا حال بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا کہ جب اہل مقدور کا یہ حال ہے تو بے مقدوروں کا تو ضرور ہی یہ حال ہو گا۔

**ربط**: منافق صرف مدینہ کے شہری ہی نہیں تھے بلکہ دیہاتی گنواروں میں بھی بعض منافق تھے اور بعض مخلص مسلمان تھے۔ اوپر شہری منافقوں کا ذکر ہوا تو دیہاتی منافقوں کا ذکر بھی مناسب ہوا جو اپنے طرز عمل کے اعتبار سے دو قسم کے تھے ایک جنگ تبوک میں نہ جانے کے جھوٹے بہانے بنانے والے اور دوسرے جو گھروں میں ویسے ہی بیٹھے رہے اور بے باک ہو کر جھوٹا عذر کرنے کی ظاہر داری بھی نہ کی۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾

**ترجمہ**: اور آئے بہانہ کرنے والے دیہاتیوں میں سے تاکہ اجازت دی جائے ان کو اور بیٹھ رہے جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ اب پہنچے گا ان کو جو کافر ہیں ان میں سے عذاب دردناک۔

**تفسیر**: (اور کچھ بہانہ باز لوگ دیہاتیوں میں سے آئے تاکہ ان کو) گھروں میں ٹھہرنے کی (اجازت مل جائے۔ اور) ان دیہاتیوں میں سے (جنہوں نے خدا سے اور اس کے رسول سے) ایمان کے دعوے میں دل سے (بالکل ہی جھوٹ بولا تھا وہ بالکل ہی بیٹھ رہے) جھوٹے عذر کرنے بھی نہ آئے اور وہ جیسے دل میں جھوٹے تھے ظاہر میں بھی ان کا جھوٹ کھل گیا۔ (ان میں جو) آخر تک (کافر رہیں گے ان کو) آخرت میں (دردناک عذاب ہو گا) اور جو توبہ کر لیں وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔

**ربط**: جھوٹے عذر والوں کے بیان کے بعد اب سچے عذر والوں کا اور ان کے عذروں کے مقبول ہونے کا بیان ہے۔ عذر کبھی تو مستقل ہوتا ہے مثلاً بڑھاپے کی کمزوری جو عام طور پر کسی طرح آدمی سے جدا نہیں ہو سکتی اور کبھی عارضی ہوتا ہے خواہ بدنی جیسے بیماری وغیرہ خواہ مالی جیسے افلاس اور سفر کے دیگر اسباب کا فقدان۔ چونکہ غزوہ تبوک میں مجاہدین کو بہت دور دراز مسافت طے کر کے پہنچنا تھا اس لئے سواری نہ ہونے کا عذر بھی معتبر و مقبول سمجھا گیا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ

حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ
سَبِیْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِیْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ
لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَیْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُهُمْ
تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا
السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِیَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ
یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

**ترجمہ**: نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ مریضوں پر اور نہ ان لوگوں پر جو نہیں پاتے خرچ کرنے کو کچھ گناہ جب کہ خیر خواہی کرتے ہوں اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے۔نہیں ہے نیکو کاروں پر (الزام کی) کوئی راہ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔اور نہ ان لوگوں پر کہ جب وہ تیرے پاس آئیں تاکہ تو سواری دے ان کو تو نے کہا نہیں پاتا میں کوئی چیز سوار کروں میں تمہیں اس پر تو وہ واپس پھرے اس حال میں ان کی آنکھیں ڈبڈبائی ہیں آنسو سے اس غم میں کہ نہیں پاتے جو وہ خرچ کریں۔بس (الزام کی) راہ تو ان پر ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے اس حال میں کہ وہ مالدار ہیں۔وہ راضی ہوئے اس بات پر کہ ہو جائیں ساتھ پیچھے رہنے والیوں کے اور مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر سو وہ نہیں جانتے۔

**تفسیر**: (کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو) سامان جہاد کی تیاری میں (خرچ کرنے کو میسر نہیں جب کہ یہ لوگ اللہ اور رسول کے ساتھ) اور احکام میں (خلوص) و خیر خواہی (رکھیں) اور دل سے اطاعت کرتے رہیں تو (ان نیکو کاروں پر کسی قسم کا الزام) عائد (نہیں) کیونکہ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتے (اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں) کہ اگر یہ لوگ اپنے علم میں معذور ہوں اور اپنی طرف سے خلوص و اطاعت میں کوشش کریں اور واقع میں کچھ کمی رہ جائے تو معاف کر دیں گے (اور نہ ان لوگوں پر) کوئی گناہ اور الزام ہے (کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دیدیں اور آپ) ان سے (کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کر دوں تو وہ) ناکام (اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں کہ ان

کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ ) افسوس (انکو) سامان جہاد کی تیاری میں (خرچ کرنے کو کچھ میسر نہیں ) نہ خود ہے اور نہ دوسری جگہ سے ملا، غرض ان مذکورہ معذوروں پر کوئی مواخذہ نہیں (بس الزام) اور مواخذہ (تو صرف ان لوگوں پر ہے جو باوجود اہل سامان) وقوت (ہونے کے ) گھر پر رہنے کی (اجازت چاہتے ہیں وہ لوگ) انتہائی بے حمیتی سے (خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے، اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی جس سے وہ) گناہ ثواب کو (جانتے ہی نہیں)۔

**فائدہ**: گناہ مستقل کئے جانے سے دل ایسا مسخ اور سیاہ ہو جاتا ہے کہ اسے بھلے برے اور عیب و ہنر کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ جب بے غیرتی کرتے کرتے کوئی شخص اس درجے کو پہنچ جائے کہ ندامت اور افسوس کے بجائے اس پر الٹا نازاں اور خوش ہو تو سمجھ لو کہ اس کے دل پر خدائی مہر لگ چکی ہے۔

**ربط**: جیسے تبوک سے روانہ ہوتے وقت منافقین نے طرح طرح کے بہانے بنائے تھے آگے بتاتے ہیں کہ جب تم اے مسلمانو مدینہ واپس آؤ گے تو اس وقت بھی یہ لوگ جھوٹے عذر پیش کر کے تم کو مطمئن کرنا چاہیں گے اور قسمیں کھائیں گے۔ اس موقع پر تمہارا ان کے ساتھی قولی اور عملی برتاؤ ایسا ایسا ہونا چاہئے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا
لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ
عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۹۴ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا
انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ
رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۹۵ يَحْلِفُوْنَ
لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى
عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۹۶

**ترجمہ**: عذر کریں گے تمہارے پاس جب تم لوٹو گے ان کی طرف۔ تو کہہ دے مت عذر بتاؤ ہرگز ہم نہ مانیں گے تمہاری بات۔ خبر دے چکا ہے ہم کو اللہ تمہارے احوال (کی)۔ اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارا عمل اور اس کا رسول پھر تم لوٹائے جاؤ گے طرف چھپے اور کھلے کے جاننے والے کے سو وہ خبر دے گا تم کو جو تم کرتے تھے۔ قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم پلٹو گے ان کی طرف تا کہ تم اعراض کرو ان سے۔ سو تم اعراض کرو ان سے۔ بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے بدلہ میں اس کے جو وہ کرتے تھے۔ وہ قسمیں کھائیں گے تمہارے سامنے تا کہ تم راضی ہو جاؤ ان سے۔ سو اگر تم راضی ہو جاؤ ان سے تو اللہ نہیں راضی ہوتا نافرمان لوگوں سے۔

**تفسیر**: (یہ لوگ تمہارے) سب کے (سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے) سوائے محمد ﷺ (آپ) سب کی طرف سے صاف (کہہ دیجئے کہ) بس رہنے دو (یہ عذر پیش مت کرو ہم کبھی تم کو سچا نہ سمجھیں گے) کیونکہ (اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری) واقعی حالت کی

(خبر دے چکے ہیں) کہ تم کو واقع میں کوئی عذر نہ تھا (اور) خیر (آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہاری کارگزاری دیکھ لیں گے) اور معلوم ہو جائے گا کہ اپنے دعوے کے مطابق تم کتنے مطیع اور مخلص ہو (پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے) جس سے تمہارا کوئی اعتقاد کوئی عمل مخفی نہیں (پھر وہ تم کو بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے) اور اس کا بدلہ دے گا (ہاں وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے) کہ ہم معذور تھے (جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تا کہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو) اور ملامت وغیرہ نہ کرو۔ (سو تم) ان کا مطلب پورا کر دو اور (ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو) اور ملامت وغیرہ نہ کرو۔ اس غرض فانی کے حاصل ہونے سے ان کا کچھ بھلا نہ ہوگا، کیونکہ (وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور) اخیر میں (ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کاموں کے بدلہ میں جو کچھ وہ) نفاق اور مخالفت وغیرہ (کیا کرتے تھے) نیز اس کا بھی تقاضا ہے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، کیونکہ تعرض سے مقصود ہے اصلاح جس کی ان کی خباثت کی وجہ سے امید نہیں اور نیز (یہ اس لئے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو) اول تو تم دشمنان خدا سے راضی ہی کیوں ہونے لگے لیکن بالفرض (اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو) ان کو کیا نفع کیونکہ (اللہ تعالیٰ تو ایسے شریر لوگوں سے راضی نہیں ہوتا) اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر مخلوق کی رضا کا کوئی فائدہ نہیں۔

**ربط**: دیہاتی منافقین کی مزید مذمت کرتے ہیں اور ان کے مقابل اہل دیہات میں جو مخلص مؤمن تھے ان کی مدح فرماتے ہیں۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ
اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ
بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾
وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا
يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ
سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

**ترجمہ**: دیہاتی بہت سخت ہیں کفر میں اور نفاق میں اور زیادہ لائق ہیں کہ وہ نہ سیکھیں قاعدے جو نازل کئے اللہ نے اپنے رسول پر اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے، اور دیہاتیوں میں سے بعض وہ ہیں جو سمجھتے ہیں (اپنے) خرچ کرنے کو تاوان اور انتظار کرتے ہیں تم پر (زمانہ کی) گردشوں کا۔ ان ہی پر (پڑنے والی) ہے گردش بری، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور دیہاتیوں میں سے بعض وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور سمجھتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو نزدیکیاں اللہ کے ہاں اور دعائیں رسول کی۔ آگاہ رہو بے شک وہ نزدیکی ہے ان کے لئے، داخل کرے گا ان کو اللہ اپنی رحمت میں، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

**تفسیر**: ان منافقین میں جو (دیہاتی) ہیں وہ (لوگ) بوجہ سخت مزاجی کے (کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور) اہل علم اور اہل حکمت سے دوری کی وجہ سے (ان کو ایسا ہونا ہی چاہئے کہ ان کو) دیانت وتہذیب کے ان قوانین اور (قواعد کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول) ﷺ (پر نازل فرمائے ہیں) کیونکہ جب جاننے والوں سے دور دور رہیں گے تو ان کا جاہل رہنا اس کا لازمی نتیجہ ہے، اور اسی وجہ سے مزاج میں سختی پیدا ہوتی ہے کیونکہ علم ومعرفت ہی وہ چیز ہے جو انسان کے دل کو نرم کرتی ہے اور مہذب بناتی ہے۔ اور جہالت اور مزاج کی سختی کے مجموعہ سے کفر ونفاق میں شدت ہو گی (اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں) وہ ان سب امور پر مطلع ہیں اور حکمت سے مناسب سزا دیں گے (اور ان) مذکورہ منافق (دیہاتیوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ) کفر ونفاق وجہل کے علاوہ بخل وعداوت کے ساتھ بھی موصوف ہیں حتی کہ (جو) جہاد وزکوۃ وغیرہ کے مواقع میں مسلمانوں کی شرما شری (اپنے خرچ کرنے کو) مثل (جرمانہ سمجھتے ہیں) یہ تو بخل ہوا (اور) عداوت یہ ہے کہ (تم مسلمانوں کے واسطے) زمانہ کی (گردشوں کے منتظر رہتے ہیں) کہ کہیں ان پر کوئی حادثہ پڑ جائے تو ان کا خاتمہ ہو سو (براوقت انہی) منافقین (پر پڑنے والا ہے) چنانچہ مسلمانوں کی فتوحات کی وسعت ہوئی، کفار ذلیل ہوئے ان کی ساری حسرتیں دل ہی میں رہ گئیں، اور تمام عمر رنج اور خوف میں کٹی (اور اللہ تعالیٰ) ان کے کفر ونفاق کی باتیں (سنتے ہیں) اور ان کے خرچ کرنے کو دل میں تاوان سمجھنے اور دل سے تمہارے لئے مصائب چاہنے کو (جانتے ہیں) پس ان سب کی سزا دیں گے (اور اہل دیہات میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر) پورا پورا (ایمان رکھتے ہیں، اور) نیک کاموں میں (خرچ کرنے کو اللہ کے ہاں تقرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول) ﷺ کی (دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں) کیونکہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ ایسی مواقع پر خرچ کرنے والے کو

دعا دیتے تھے جیسا کہ احادیث میں ہے (یاد رکھو کہ ان کا یہ خرچ کرنا بیشک ان لوگوں کے لئے) اللہ کے پاس (موجب قرب ہے) اور دعا کا ہونا تو یہ خود دیکھ سن لیتے ہیں، اس کی خبر دینے کی ضرورت نہ تھی البتہ مذکورہ قرب یہ ہے کہ (ضرور ان کو اللہ تعالیٰ اپنی) خاص (رحمت میں داخل کر لیں گے) کیونکہ (اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے رحمت والے ہیں) پس ان کی لغزشیں معاف کر کے اپنی رحمت میں لے لیں گے۔

**ربط**: بدوی مومنین کے ذکر کے بعد مناسب ہوا کہ مسلمانوں کے اوپر کے درجوں کو اور ان کی فضیلت کو ترتیب سے ذکر کیا جائے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ

الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾

**ترجمہ**: اور جو لوگ سبقت کرنے والے ہیں سب سے پہلے ہیں مہاجرین اور انصار میں سے اور جن لوگوں نے پیروی کی ان کی اخلاص کے ساتھ راضی ہوا اللہ ان سے اور وہ راضی ہوئے اس (یعنی اللہ) سے اور تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہیں گے ان میں ہمیشہ کو۔ یہی ہے کامیابی بڑی۔

**تفسیر**: (اور جو مہاجرین اور انصار) ایمان لانے میں درجہ بدرجہ سب امت سے (سابق اور مقدم ہیں اور) بقیہ امت میں (جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ) ایمان لانے میں (ان کے پیروی کرنے والے ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا) کہ ان کا ایمان قبول فرمایا جس پر ان کو جزا ملے گی (اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے) کہ انہوں نے خوشدلی اور انشراح قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے شرعی احکام اور تکوینی قضا کے سامنے گردنیں جھکا دیں جس کی جزا سے یہ رضا اور زیادہ ہوگی (اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گے، جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) اور (یہ بڑی کامیابی ہے)۔

**فائدہ**: سبقیت اور اولیت اضافی چیزیں ہیں۔ ایک ہی شخص یا جماعت کسی کے اعتبار سے سابق اور دوسرے کی نسبت سے لاحق بن سکتی ہے۔ جو شخص یا جماعت جس درجہ میں سابق و اول ہوگی

اسی قدر رضائے الٰہی اور حقیقی کامیابی سے حصہ پائے گی۔

**ربط**: اوپر ان منافقین کا ذکر ہوا ہے جن کا نفاق ان کے اقوال و افعال سے ظاہر ہو چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ ان کو پہچانتے تھے۔ یہاں ایسے منافقین کا ذکر ہے جن کا نفاق انتہائی کمال پر ہونے کی وجہ سے آپ پر اب تک مخفی رہا۔ ایسے شدید منافقین پر آخرت سے پہلے ہی دو عذاب ہونے کا ذکر آیا ہے ایک دنیا میں عذاب اور دوسرا قبر و برزخ کا عذاب۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾

**ترجمہ**: اور ان لوگوں میں سے جو تمہارے گرد ہیں دیہاتیوں سے منافق ہیں اور اہل مدینہ میں سے (بھی)۔ پہنچے ہیں حد کمال کو نفاق پر۔ نہیں جانتا تو ان کو۔ ہم جانتے ہیں ان کو۔ جلد ہم عذاب دیں گے ان کو دو بار۔ پھر وہ لوٹائے جائیں گے طرف بڑے عذاب کے۔

**تفسیر**: (اور کچھ تمہارے گرد و پیش والوں میں اور کچھ مدینہ والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حد کمال پر) ایسے (پہنچے ہوئے ہیں) کہ (آپ) بھی (ان کو نہیں جانتے) کہ یہ منافق ہیں بس (ان کو ہم ہی جانتے ہیں ہم ان کو) دوسرے منافقین کی نسبت آخرت سے پہلے بھی کم از کم (دو بار سزا دیں گے) ایک عذاب قبر اور دوسرا وہ عذاب جو اسی دنیوی زندگی میں پہنچ کر رہے گا مثلاً ایک مرتبہ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا تو منافق ہے مسجد سے نکل جا۔ یہ رسوائی ایک قسم کا عذاب تھی اسی طرح بعض ارضی و سماوی آفات میں مبتلا ہو کر مرے۔ اور (پھر) آخرت میں بھی (وہ بڑے بھاری عذاب) یعنی ہمیشہ رہنے کے لئے جہنم (کی طرف بھیجے جائیں گے)۔

## کاہلی کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں کا معاملہ

غزوہ تبوک کے بیان کے شروع میں اس کے متعلق لوگوں کا کئی جماعتوں میں تقسیم ہونا ذکر ہوا تھا۔ اوپر کی اکثر آیات میں پانچویں جماعت یعنی منافقین کا ذکر ہوا ہے۔ آگے چوتھی جماعت یعنی کاہلی سے پیچھے رہ جانے والے مومنین کا ذکر ہے۔ انہوں نے بہانے نہیں تراشے۔ پھر ان کی دو قسمیں ہو گئی

تھیں۔ پہلی قسم جنہوں نے جب سنا کہ آپ واپس تشریف لے آئے تو اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا کہ اگر آپ کھولیں گے تو خیر ورنہ یونہی ختم ہو جائیں گے اور دوسری قسم جنہوں نے حاضر ہو کر سچ سچ بات عرض کر دی اپنے آپ کو باندھا نہیں۔ آیت آخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا میں پہلی قسم کا ذکر ہے اس کے نزول پر آپ نے ان کو کھول دیا تو وہ آپ کی خدمت میں کچھ مال لائے کہ ہماری طرف سے نیک راہ میں خرچ فرمایئے۔ اس پر آیت خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ نازل ہوئی۔ چنانچہ آپ نے قبول فرما لیا اور آخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ میں دوسری جماعت کا بیان ہے اور ان کی توبہ کے قبول ہونے کا آگے بیان ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا

بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

**ترجمہ**: اور (کچھ) دوسرے لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا۔ ملایا انہوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بد۔ قریب ہے اللہ کہ معافی کرے ان پر بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ تو لے ان کے اموال میں سے صدقہ کہ پاک کرے تو ان کو اور تزکیہ کرے تو ان کا اس (صدقہ) کے ذریعہ اور دعا دے ان کو بیشک تیری دعا تسکین ہے ان کے لئے اور اللہ (سب کچھ) سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا نہیں جان چکے وہ کہ اللہ ہی قبول کرتا ہے توبہ کو اپنے بندوں سے اور لیتا ہے صدقات اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اور

کہہ کہ عمل کئے جاؤ پھر دیکھے گا اللہ تمہارے کام کو اور اس کا رسول اور مسلمان، اور جلد لوٹائے جاؤ گے تم چھپی اور کھلی (چیزوں) کے جاننے والے کی طرف پس وہ خبر دے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے، اور (کچھ) دوسرے لوگ ہیں کہ ڈھیل دیئے گئے ہیں اللہ کے حکم (آنے) تک یا وہ عذاب دے گا ان کو اور یا معافی کرے ان پر اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

**تفسیر**: (اور کچھ لوگ ہیں جو اپنی خطا کے اقراری ہوئے جنہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے) جیسے جنگ تبوک کے لئے نہ نکلنے میں اپنی کوتاہی کا اعتراف جس کا منشاء اپنی کوتاہی پر ندامت ہے اور یہ توبہ ہے، اور جیسے اور غزوات میں شرکت جو پہلے ہو چکے ہیں، غرض یہ کام تو اچھے کئے (اور کچھ برے) کئے جیسے بلا عذر غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنا سو (اللہ سے امید) یعنی ان کا وعدہ (ہے کہ ان) کے حال (پر) رحمت کے ساتھ (توجہ فرمائیں) یعنی توبہ قبول کرلیں (بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں) جب اس آیت سے توبہ قبول ہو چکی اور وہ حضرات ستونوں سے کھل چکے تو اپنا مال آپ کی خدمت میں لے کر آئے اور درخواست کی کہ اس کو اللہ کی راہ میں صرف کیا جائے تو ارشاد ہوا کہ (آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ) جس کو یہ لائے ہیں (لے لیجئے جس کے) لینے کے (ذریعہ سے آپ ان کو) ظاہر و باطن میں گناہ کے آثار سے (پاک صاف کر دیں گے اور) جب آپ لیں تو (ان کے لئے دعا کیجئے، بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان) قلب (ہے اور اللہ تعالیٰ) ان کے اعتراف کو (خوب سنتے ہیں) اور ان کی ندامت کو (خوب جانتے ہیں) جب یہ ساری باتیں ذہن نشین کرلیں تو سمجھو کہ اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو توبہ کرنے میں بالکل کوتاہی نہ کرو۔ (کیا ان کو) یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے اور) کیا ان کو (یہ) خبر نہیں (کہ اللہ ہی) اس (توبہ قبول کرنے) کی صفت (میں اور رحمت کرنے) کی صفت (میں کامل ہے) اسی لئے ان کی توبہ قبول کی، اور اپنی رحمت سے مال قبول کرنے کا حکم اور ان کے لئے دعا کرنے کا حکم فرمایا، پس آئندہ بھی خطاؤں اور گناہوں کے صادر ہونے پر توبہ کرلیا کریں، اور اگر توفیق ہو تو خیر خیرات کیا کریں۔ (اور آپ) ان سے یہ بھی (کہہ دیجئے کہ) جو چاہو (عمل کئے جاؤ سو) اول تو دنیا ہی میں (تمہارے عمل کو ابھی دیکھے لیتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان) پس برے عمل پہ دنیا ہی میں ذلت اور خواری ہو جاتی ہے (اور) پھر آخرت میں (ضرور تم کو ایسے اللہ (کے) پاس جانا ہے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے، سو وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتلا دے گا) یہ پہلی قسم کا بیان تھا، آگے دوسری قسم کا ذکر ہے (اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم آنے تک ملتوی ہے کہ) توبہ میں عدم اخلاص کی وجہ سے (ان کو سزا

دے گا یا) اخلاص کی وجہ سے (ان کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ) خلوص و عدم خلوص کا حال (خوب جاننے والا ہے) اور (بڑا حکمت والا ہے) لہٰذا حکمت کے تقاضے سے خلوص کی توبہ کو قبول کرتا ہے، اور بغیر خلوص کے قبول نہیں کرتا اور اگر کبھی بلا توبہ معاف کرنے میں حکمت ہو تو ایسا بھی کر دیتا ہے۔

**ربط**: ابھی ان لوگوں کا ذکر ہوا جن سے بظاہر ایک برا کام ہو گیا تھا یعنی وہ جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے لیکن صحیح اعتقاد اور اعتراف خطا کی وجہ سے معافی مل گئی۔ اب ایسی جماعت کا بیان کرتے ہیں جنہوں نے بظاہر اچھا کام کیا یعنی مسجد تعمیر کی لیکن بد اعتقادی اور غرض فاسد کی وجہ سے وہ کام وبال بن گیا۔

## منافقین کا مسجد ضرار بنانا

رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے آئے تو اول مدینہ سے باہر بنو عمرو بن عوف کے محلّہ میں ٹھہرے۔ پھر چند روز بعد مدینہ کے خاص شہر میں تشریف لے گئے اور مسجد نبوی تعمیر کی۔ بنو عمرو بن عوف کے محلّہ والوں نے اپنے ہاں مسجد قبا کے نام سے مسجد تیار کی۔ نبی ﷺ اکثر ہفتہ کے روز وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے اور اس کی بڑی فضیلت بیان کرتے۔ منافقین کا میل جول ایک شخص ابو عامر راہب سے تھا جو ہر غزوہ میں کفار کا حمایتی تھا۔ ان میں باہم یہ طے پایا کہ مسجد قبا کی ضد پر اسی کے قریب مسجد کے نام سے ایک علیحدہ مکان بنایا جائے جس کے ذریعہ سے جہاں سادہ مسلمانوں کو بہکایا جائے وہیں اس میں یہ منافق سب جمع ہو کر اسلام کے خلاف مشورے کیا کریں اور اس گروہ کا سردار ابو عامر ہو گا وہ جب مدینہ آیا کرے تو اسی مکان میں ٹھہرا کرے۔ جنگ حنین کے بعد یہ شام کی طرف بھاگ گیا تھا۔ اس نے منافقین سے کہا کہ میں ہرقل شاہ روم سے مل کر اسلام کے مقابلہ کے لئے لشکر لاؤں گا۔ غرض مسجد کی شکل پر وہ مکان تیار ہوا تو منافقین نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ وہاں چل کر نماز پڑھ لیجئے تو پھر وہاں جماعت ہونے لگے۔ علیحدہ مسجد بنانے کی وجہ پوچھنے پر کہنے لگے کہ ہماری نیت بالکل نیک ہے محض عام مسلمانوں کی آسانی کی غرض سے بنالی ہے کہ ایک مسجد میں سب نہیں سما سکتے اس سے گنجائش ہو گی اور کوئی ہمارا ضعیف دور نہ جا سکے تو پاس کے پاس اس میں نماز پڑھ لے۔ آپ نے حسن ظن سے سچا سمجھتے ہوئے وعدہ کر لیا کہ تبوک سے واپس آ کر اس میں نماز پڑھوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیا اور وہاں نماز پڑھنے کی غرض سے جانے سے منع فرما دیا۔ چنانچہ آپ نے اس وجہ سے کہ وہ مسجد کی نیت سے نہ بنائی گئی تھی اور اس سے بہت سی خرابیاں ہوتیں صحابہ کو بھیج کر اس کو آگ لگوا دی اور منہدم کرا دیا۔ اس

مسجد کا لقب مسجد ضرار مشہور ہے کیونکہ اس کی غرض ہی مسلمانوں کو ضرر پہنچانا تھا۔ آگے آیات میں جہاں مسجد ضرار کا ذکر ہے وہیں مقابلہ میں مومنین کی مسجد یعنی مسجد قبا کا ذکر بھی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا
وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ
اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى
مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا
جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ
اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

**ترجمہ:** اور جن لوگوں نے بنائی ہے مسجد ضرر پہنچانے کو اور کفر کرنے کو اور جدائی ڈالنے کو درمیان ایمان والوں کے اور قیام کا سامان کرنے کو واسطے اس شخص کے جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے پہلے سے۔ اور ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ مت کھڑا ہو تو اس میں کبھی بھی۔ البتہ وہ مسجد بنیاد رکھی گئی ہے (جس کی) تقویٰ پر پہلے دن سے زیادہ لائق ہے کہ تو کھڑا ہو اس میں۔ اس میں ایسے مرد ہیں جو پسند کرتے ہیں خوب پاک ہونے کو اور اللہ محبت کرتا ہے خوب پاک ہونے والوں کو۔ کیا پس جو شخص بنیاد رکھے اپنی عمارت کی اللہ سے ڈرنے پر اور رضا مندی پر بہتر ہے یا وہ شخص کہ بنیاد رکھے اپنی عمارت کی کنارہ پر ایک گرنے والی کھائی کے پھر وہ (عمارت) گر جائے اس (بنانے والے) کے ساتھ جہنم کی آگ میں۔ اور اللہ نہیں سمجھ دیتا ظالم لوگوں کو۔ ہمیشہ رہے گی ان کی عمارت جو انہوں نے بنائی شبہ (کے طور پر) ان کے دلوں

میں مگر یہ کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں ان کے دل۔ اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

**تفسیر**: (اور بعضے ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لئے مسجد بنائی ہے کہ) اسلام کو (ضرر پہنچائیں اور) اس میں بیٹھ بیٹھ کر (کفر) یعنی عداوت رسول (کی باتیں کریں اور) اس کی وجہ سے (ایمانداروں) کے مجمع (میں تفریق ڈالیں) کیونکہ جب دوسری مسجد بنائی جائے اور ظاہر کیا جائے کہ نیک نیتی سے بنی ہے تو یہ ضرور ہوگا کہ پہلی مسجد کا مجمع کچھ نہ کچھ منتشر اور متفرق ہو جائے کہ کچھ لوگ ادھر جائیں اور کچھ ادھر جائیں۔ (اور) یہ بھی غرض ہے کہ (اس) ابو عامر راہب نامی (شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس) مسجد بنانے (کے قبل سے خدا و رسول کا مخالف ہے اور) اگر پوچھو کہ یہ مسجد کیوں بنائی ہے تو (قسمیں کھائیں گے) جیسا ایک دفعہ پہلے بھی پوچھنے پر کھا چکے ہیں (کہ سوائے بھلائی کے) یعنی سوائے آسائش اور گنجائش کے (ہماری اور کچھ نیت نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ) اس دعوے میں (بالکل جھوٹے ہیں) جب اس مسجد کی یہ حالت ہے کہ وہ واقع میں مسجد ہی نہیں بلکہ اسلام کے لئے ضرر ہے تو (آپ اس میں کبھی) نماز کے لئے (کھڑے نہ ہوں، البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے) یعنی جس دن سے اس کی تجویز ہوئی (تقویٰ) اور اخلاص (پر رکھی گئی ہے) مراد مسجد قبا ہے (وہ) واقعی (اس لائق ہے کہ آپ اس میں) نماز کے لئے (کھڑے ہوں) چنانچہ گاہ بگاہ آپ وہاں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھتے۔ (اس) مسجد قبا (میں ایسے) اچھے (آدمی ہیں کہ وہ) گناہوں اور شرارتوں سمیت ہر قسم کی نجاستوں سے اپنے ظاہر و باطن کے (خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے)۔ جب دونوں مسجدوں کے بانیوں کا حال معلوم ہو گیا تو (پھر) سمجھ لو (آیا ایسا) شخص (بہتر ہے جس نے اپنی عمارت) یعنی مسجد (کی بنیاد خدا سے ڈرنے پر اور خدا کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص) بہتر ہوگا (جس نے اپنی عمارت) یعنی مسجد (کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارہ پر جو کہ گرنے ہی کو) ہو (رکھی ہو) اس سے مراد کفر یہ اور باطل اغراض ہیں کہ ناپائیداری میں ان کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی (پھر وہ) عمارت (اس) بنانے والے کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے) یعنی وہ عمارت تو گری اس وجہ سے کہ کنارہ پر تھی، لہٰذا جب وہ کنارہ پانی سے کٹ کر گرا تو وہ عمارت بھی گری اور بنانے والا چونکہ اس عمارت میں رہتا تھا اس لئے وہ بھی ساتھ میں گرا اور چونکہ عمارت سے مراد کفر یہ اغراض ہیں جو جہنم میں لے جانے والے ہیں لہٰذا انہوں نے اغراض والوں کو جہنم میں پہنچا دیا۔ (اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو) دین کی (سمجھ ہی نہیں دیتا) کہ جنہوں نے مسجد کے نام سے عمارت بنائی جو کہ دین کے شعائر میں سے ہے لیکن اس کے ساتھ کیسے کیسے فاسد اغراض وابستہ رکھے (ان کی یہ عمارت) یعنی مسجد (جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے

دلوں میں ) شبہ اور نفاق کی صورت میں رہے گی یعنی ان کے عمل بد کا یہ اثر ہوا کہ ہمیشہ ان کے دلوں میں نفاق قائم رہے گا (ہاں اگر ان) کو موت آ جائے اور ان (کے) وہ (دل ہی) جن میں وہ نفاق ہے (فنا ہو جائیں تو خیر) وہ نفاق بھی اس وقت ختم ہو جائے لیکن اس وقت نفاق کا ختم ہونا کچھ مفید نہ ہو گا۔ (اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں) ان کی حالت کو جانتے ہیں اور اسی کے مناسب سزا دیں گے۔

**ربط**: منافقین کا تفصیلی ذکر ختم ہوا۔ آگے پھر جہاد اور مجاہدین کی فضیلت بیان کرتے ہیں پھر ان میں سے بھی جو کامل ہیں اور ایمان کے دیگر اوصاف کے ساتھ متصف ہیں ان کی مدح کرتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۱۱ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ

**ترجمہ**: بے شک اللہ نے خرید لیں مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ وعدہ (ہو چکا) ہے اس کے ذمہ سچا توریت اور انجیل اور قرآن میں، اور کون ہے زیادہ پورا کرنے والا اپنے عہد کو اللہ سے سو خوشخبری حاصل کرو اپنے اس سودے پر جو تم نے کیا ہے اس (اللہ) سے اور یہی ہے بڑی کامیابی، (وہ ہیں) توبہ کرنے والے بندگی کرنے والے، شکر کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، حکم کرنے والے نیک بات کے اور منع کرنے والے بری بات سے اور حفاظت کرنے والے اللہ کی حدود کی، اور تو خوشخبری سنا دے ایمان والوں کو۔

**تفسیر**: (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے، کہ ان کو جنت ملے گی) اور خدا کے ہاتھ جان و مال بیچنے کا مطلب یہ ہے کہ (وہ

لوگ اللہ کی راہ میں) یعنی جہاد میں (لڑتے ہیں جس میں) کبھی (قتل کرتے ہیں اور) کبھی (قتل کئے جاتے ہیں) یعنی وہ بیع جہاد کرنا ہے خواہ اس میں قتل کرنے کی نوبت آئے یا مقتول ہونے کی (اس) قتال (پر) ان سے جنت کا (سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں) بھی (اور انجیل) میں بھی (اور قرآن میں) بھی (اور) یہ مسلم ہے کہ (اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے) اور اس نے اس بیع پر جنت کا وعدہ کیا ہے (تو) اس حالت میں (تم لوگ) جو کہ جہاد کر رہے ہو (اپنی اس) مذکورہ (بیع پر جس کا تم نے) اللہ تعالیٰ سے (معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ) کیونکہ اس بیع پر تم کو مذکور وعدہ کے مطابق جنت ملے گی (اور یہ) جنت ملنا (بڑی کامیابی ہے) تو ضرور تم کو یہ سودا کرنا چاہئے (وہ) مجاہدین ایسے ہیں جو علاوہ جہاد کے ان اوصاف کمال کے ساتھ بھی موصوف ہیں کہ گناہوں سے (توبہ کرنے والے ہیں) اور اللہ کی (عبادت کرنے والے) ہیں اور اللہ کی (حمد کرنے والے) ہیں اور (روزہ رکھنے والے) ہیں اور (رکوع اور سجدہ کرنے والے) ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں اور (نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے) ہیں (اور بری باتوں سے باز رکھنے والے) ہیں (اور اللہ کی حدود کا) یعنی احکام کا (خیال رکھنے والے) ہیں (اور ایسے مؤمنین کو) جن میں جہاد اور یہ صفات ہوں (آپ خوشخبری سنا دیجئے) کہ ان سے جنت کا وعدہ ہے۔

**فائدہ**: 1- ان صفات کی قید لگانے کا یہ مطلب نہیں کہ ان صفات کے بغیر جہاد کا ثواب نہیں ملتا کیونکہ بہت سی نصوص میں ایمان کی شرط کے ساتھ صرف جہاد پر بشارتیں موجود ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ سب اوصاف جمع ہوں تو ثواب اور فضیلت میں اضافہ ہو جاتا ہے تاکہ صرف جہاد میں شرکت پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھے رہیں بلکہ ان عبادتوں کو بھی ہمیشہ بجا لائیں۔ اور چونکہ جہاد میں اکثر مال بھی خرچ ہوتا ہے جب کہ جان کا لگانا زیادہ اہم ہے اس لئے شروع آیت میں جان و مال دونوں کا ذکر کیا اور اس کی تفصیل میں صرف جان لگانے پر اکتفاء کیا۔ جان لگانے سے مراد لڑائی و جنگ ہے کہ اس میں جان سے کام لیا جاتا ہے یہ ضروری نہیں کہ قتل بھی ہو جائے۔

2- اللہ تعالیٰ نے محض کمال مہربانی اور کمال قدردانی سے مسلمانوں کی جان و مال کو سامان قرار دیا جو کہ خریداری میں اصل مقصود ہوتا ہے اور جنت کو عوض قرار دیا جو کہ سامان تک پہنچنے کا محض ذریعہ ہوتا ہے۔

**ربط**: مومنین کے جان و مال جب خدا کے ہاتھ فروخت ہو چکے تو ضروری ہے کہ مومنین تنہا اسی کے ہو کر رہیں اور جن لوگوں کا دشمن خدا اور جہنمی ہونا معلوم ہو چکا ہو ان کے ساتھ محبت و مہربانی کا تعلق نہ رکھیں خواہ وہ اپنے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ لہٰذا جس شخص کے یقینی طور پر جہنمی ہونے کا

علم ہو جائے خواہ وحی سے یا اس طرح کہ اعلانیہ کفر و شرک پر اس کی موت ہوئی ہو اس کے حق میں استغفار کرنا بخشش مانگنا ممنوع قرار دیا۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى
مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ
اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ
اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

**ترجمہ**: نہیں ہے (لائق) واسطے نبی کے اور ان لوگوں کے جو ایمان لائے کہ بخشش چاہیں مشرکوں کے لئے اگر چہ وہ ہوں قرابت والے اس کے بعد کہ ظاہر ہو چکا ان پر کہ وہ (یعنی مشرکین) دوزخ والے ہیں۔ اور نہیں تھا استغفار ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے مگر بسبب وعدے کے کہ کیا تھا جو اس سے۔ پھر جب ظاہر ہو گیا ابراہیم پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا تو بیزار ہوا اس سے۔ بے شک ابراہیم بڑا نرم دل تحمل کرنے والا تھا۔

**تفسیر**: (پیغمبر) ﷺ (کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہی) کیوں نہ (ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں) اس وجہ سے کہ کافر ہو کر مرے ہیں (اور) اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے شبہ ہو کر انہوں نے اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ (ابراہیم) علیہ السلام (کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا) وہ اس سے پہلے تھا کہ اس کا دوزخی ہونا ظاہر ہو جائے اور (وہ) بھی (صرف وعدہ کے سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا) جیسا کہ سورہ مریم میں ہے سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ کہ میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا۔ غرض جواز تو اس لئے تھا کہ اس کا دوزخی ہونا ظاہر نہ ہوا تھا، اور وقوع کو اس سے ترجیح ہو گئی تھی کہ وعدہ کر لیا تھا، ورنہ جواز کے باوجود بھی وقوع نہ ہوتا (پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ خدا کا دشمن) یعنی کافر ہو کر مرا (ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے) کہ استغفار بھی چھوڑ دیا، کیونکہ اس وقت دعائے مغفرت کرنا بے معنی ہے، کیونکہ کافر میں مغفرت کا احتمال ہے ہی نہیں، بخلاف حالت حیات کے کہ اس وقت دعائے مغفرت کے معنی توفیق ہدایت کی طلب کے ہو سکتے ہیں اور توفیق ہدایت کے

لئے مغفرت لازم ہے، اور رہا یہ کہ وعدہ کیوں کرلیا تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ (واقعی ابراہیم) علیہ السلام (بڑے نرم دل حلیم الطبع تھے) کہ باوجودیکہ باپ نے ان کو کیسی کیسی سخت باتیں کہیں مگر حلم سے کام لیا، اور مزید براں یہ کہ شفقت کے جوش سے وعدہ کرلیا اور جب تک امید رہی اس وعدہ کو پورا فرمایا، جب مایوسی ہوگئی تو چھوڑ دیا، بخلاف تمہارے استغفار کے کہ یہ تو مشرکوں کے مرنے کے بعد ہو رہا ہے جن کا حالت شرک پر مرنا ظاہر اور مشاہدہ سے معلوم ہے۔

**ربط**: اوپر کی آیت میں مشرکین کے لئے استغفار کو ناجائز فرمایا۔ جو افعال فی ذاتہ ناجائز ہوں ان کا اپنا خاصہ یہ ہے کہ ان کے کرنے سے دل میں ایک ظلمت پیدا ہو جاتی ہے جس سے گمراہی کی قریبی استعداد پیدا ہوتی ہے اور بار بار کرنے سے اس میں مزید قوت پیدا ہوتی ہے۔ اس پر نظر کر کے مومنین کو یہ خوف ہوسکتا تھا کہ چونکہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کرتے رہے ہیں تو کہیں یہ ضرر ان کو نہ پہنچا ہو اس کے متعلق آگے تسلی فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اثر کسی فعل میں اسکی ممانعت کے بعد ہے پہلے نہیں کیونکہ ممانعت کے بعد ہی وہ ناجائز ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

**ترجمہ**: اور نہیں ہے اللہ کہ گمراہ کرے کسی قوم کو اس کے بعد کہ ہدایت دے چکا ان کو یہاں تک کہ بیان کرے ان کو وہ چیز جس سے وہ بچیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ بے شک اللہ اس کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔ وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور نہیں ہے تمہارے لئے سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ مدد گار۔

**تفسیر**: (اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دے جن سے وہ بچتے رہیں) پس جب ہم نے تم مسلمانوں کو ہدایت کی اور اس سے پہلے مشرکوں کے لئے استغفار کرنے سے ممانعت نہ بتلائی تھی تو اس کے کرنے سے تم کو یہ سزا نہیں دی جائے گی کہ تم میں گمراہی کا مادہ پیدا کر دیا جائے (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب

جانتے ہیں ) سو وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے بتلائے بغیر ایسے احکام کو کوئی نہیں جان سکتا، اس لئے ان افعال سے مضرت بھی نہیں پہنچنے دیتے اور ( بلاشبہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں وہی جلاتا اور مارتا ہے ) یعنی ہر طرح کی حکومت اور قدرت اسی کے لئے خاص ہے اس لئے جو چاہے حکم دے سکتا ہے، اور جس ضرر سے چاہے بچا سکتا ہے ( اور تمہارا اللہ کے سوا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار ہے ) بلکہ وہی یار و مددگار ہے، اس لئے ممانعت سے قبل تم کو ضرر سے بچاتا ہے البتہ اگر ممانعت کے بعد تم نے اطاعت نہ کی تو اور کوئی بچانے والا نہیں۔

**ربط**: اوپر یہ بات بیان ہوئی کہ اصل حاکم اللہ تعالیٰ ہیں اور وہ جو چاہیں حکم دے سکتے ہیں۔ تو مسلمان جب ان کو حاکم مطلق مان کر ان کے احکام کی اطاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی قدر دانی فرماتے ہیں اور جن سے کچھ کوتاہی ہو جائے اور وہ صدق دل سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان پر عنایت فرماتے ہیں جیسا کہ جنگ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین حضرات کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ کے ساتھ ہوا۔ یہ مخلص مومن ہونے کے باوجود محض تن آسانی کی بنا پر کسی عذر شرعی کے بغیر تبوک میں شرکت سے محروم رہے۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس تشریف لائے تو انہوں نے کوئی جھوٹے عذر نہ رکھے بلکہ صاف صاف بات عرض کر دی اور اپنی کوتاہی اور تقصیر کا اعلانیہ اعتراف کیا۔ ان کا فیصلہ تادیب کی غرض سے کچھ مدت کے لئے ملتوی رکھا گیا اور آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اللہ کا جو حکم تمہارے بارے میں ہوگا وہ کیا جائے گا اور آپ نے مسلمان کو ان کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرما دیا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس حکم کی وجہ سے کوئی مسلمان ہم سے بات نہ کرتا تھا نہ سلام کا جواب دیتا تھا۔ میری طرح کے باقی دو ساتھی تو خانہ نشین ہو گئے گھر میں دن رات روتے رہتے تھے۔ میں ذرا سخت اور قوی تھا۔ مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتا۔ حضور کو سلام کر کے دیکھتا تھا کہ جواب میں لب مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں۔ جب میں حضور کی طرف دیکھتا آپ میری طرف سے منہ پھیر لیتے تھے۔ مخصوص اقارب اور محبوب ترین اعزہ بھی مجھ سے بیگانہ ہو گئے تھے۔ اسی اثناء میں ایک روز ایک شخص نے بادشاہ غسان کا خط مجھے دیا جس میں میری مصیبت پر اظہار ہمدردی کرنے کے بعد دعوت دی تھی کہ میں اس کے ملک میں آ جاؤں وہاں میری بہت آؤ بھگت ہو گی۔ میں نے پڑھ کر کہا یہ بھی ایک مستقل امتحان ہے۔ آخر وہ خط میں نے نذر آتش کر دیا۔ چالیس دن گزرنے کے بعد بارگاہ رسالت سے جدید حکم پہنچا کہ میں اپنی عورت سے بھی علیحدہ رہوں۔ چنانچہ اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ اپنے میکے چلی جائے اور جب تک خدا کے یہاں سے میرا کوئی فیصلہ نہ ہو وہیں

ٹھہری رہے۔ سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آ گئی تو حضورؐ میرا جنازہ نہ پڑھیں گے اور بالفرض ان دنوں میں آپ کی وفات ہو گئی تو مسلمان میری ساتھ موجودہ روش کو ہمیشہ رکھیں گے اور میری میت کے بھی قریب کوئی نہ آئے گا۔ غرض پچاس دن اس حالت میں گذرے کہ خدا کی زمین باوجود فراخی کے مجھ پر تنگ تھی بلکہ عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا۔ زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی۔ آخر یہ آیت نازل ہوئی جس میں توبہ کی قبولیت کی بشارت دی گئی۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

**ترجمہ**: توجہ فرمائی اللہ نے نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی نبی کی مشکل کی گھڑی میں اس کے بعد کہ قریب تھا کہ پھر جائیں دل بعضوں کے ان میں سے پھر توجہ فرمائی ان پر بیشک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا اور ان تین شخصوں پر جو پیچھے رکھے گئے۔ یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہو گئیں ان پر ان کی جانیں اور سمجھے کہ نہیں کوئی پناہ اللہ سے مگر اسی کی طرف، پھر توجہ فرمائی ان پر تا کہ وہ پھر آ ئیں، بیشک اللہ ہی ہے بہت توجہ کرنے والا رحم والا۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں کے۔

**تفسیر**: (اللہ تعالٰی نے پیغمبر) ﷺ (کے حال پر توجہ فرمائی) کہ آپ کو نبوت اور امامت جہاد اور تمام خوبیاں عطا فرمائیں (اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی) توجہ فرمائی کہ ان کو ایسی مشقت والے جہاد میں سیدھے رستہ پر قائم رکھا اور (جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں تزلزل ہو چلا تھا) اور جہاد میں جانے سے

ہمت ہارنے کو تھے مگر (پھر اللہ نے ان) گروہ (کے حال پر توجہ فرمائی) کہ ان کو سنبھال لیا اور آخر ساتھ ہو ہی لئے پس (بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے) کہ اپنی مہربانی سے ہر ایک کے حال پر کس کس طرح توجہ فرمائی (اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی) توجہ فرمائی (جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب) ان کی پریشانی کی یہ نوبت پہنچی کہ (زمین باوجود اپنی) اتنی بڑی (فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا) کی گرفت (سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی سوائے اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے) اس وقت وہ خاص توجہ کے قابل ہوئے (پھر ان کے حال پر) بھی خاص (توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی) مصیبت و معصیت کے ایسے مواقع میں اللہ کی طرف (رجوع رہا کریں بے شک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں) چونکہ یہ مقبولیت اور مدح تقویٰ اور صدق اور اخلاص کی بدولت ہے اس لئے آگے انہی پر قائم رہنے کی تاکید ہے کہ (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور) عمل میں (سچوں کے ساتھ رہو) یعنی جو نیت اور بات میں سچے ہیں ان کی راہ چلو۔

**فائدہ**: (1) اس غزوہ کے زمانہ کو ساعت عسرت اس لئے فرمایا کہ سخت گرمی کا وقت تھا سفر لمبا تھا اور مقابلہ تربیت یافتہ فوج سے تھا۔ سواری کی بہت کمی تھی کھانے پینے کے سامان کی کمی اس حد تک تھی کہ ایک ایک چھوارا دو دو شخصوں میں پورے دن کے لئے تقسیم ہوتا تھا۔ بعض دفعہ ایک ایک چھوارے کو باری باری کئی کئی آدمی چوستے تھے۔ سواری کے اونٹ ذبح کرنے پڑے ان کی آلائش کو نچوڑ کر پینا پڑا۔

(2) خلاف شرع کوئی کام کرنے پر کسی شخص کو یہ سزا دینا کہ اس سے سلام و کلام ترک کر دیا جائے جائز ہے۔ اور حدیثوں میں تین دن سے زیادہ ترک کلام کی جو ممانعت آئی ہے اس سے مراد وہ ہے جس کا سبب کوئی دنیوی رنجش ہو۔

**ربط**: جیسے ذکر ہوا جب اللہ تعالیٰ اتنی توجہ اور عنایت فرماتے ہیں اور اپنی راہ میں کسی بھی قربانی کی بے قدری نہیں کرتے تو پھر کسی سچے مسلمان کے لئے کب روا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے یہ بے اعتنائی برتے کہ رسول کے ساتھ جہاد پر نہ نکلے اور ان کی جان پر اپنی جان کو ترجیح دے۔

مَاكَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ

بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ

اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ
نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً
وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

**ترجمہ**: نہیں تھا (لائق) واسطے اہل مدینہ کے اور جو ان کے گرد ہیں دیہاتی کہ پیچھے رہیں اللہ کے رسول سے اور نہ (ہی) یہ (لائق ہے) کہ رغبت کریں اپنی جانوں میں اس (رسول) کی جان کو چھوڑ کر۔ یہ اس وجہ سے کہ نہیں پہنچتی (رسول کے ساتھ نکلنے والے) ان مسلمانوں کو پیاس اور نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی راہ میں اور نہیں (قدموں تلے) روندتے ایسا روندنا جو غیظ میں لائے کافروں کو اور نہیں لیتے دشمن سے کچھ لینا مگر لکھا جاتا ہے ان کے لئے اس کے سبب نیک عمل۔ بے شک اللہ نہیں ضائع کرتا اجر نیکو کاروں کا۔ اور نہیں خرچ کرتے کوئی خرچ چھوٹا اور نہ بڑا اور نہیں قطع کرتے کوئی میدان مگر لکھا جاتا ہے ان کے واسطے تاکہ بدلہ دے ان کو اللہ بہتر اس کام کا جو وہ کرتے تھے۔

**تفسیر**: (مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش میں) رہتے (ہیں انکو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ) ﷺ (کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ) زیبا تھا (کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں) کہ آپ تو تکلیفیں سہیں اور یہ آرام سے بیٹھے رہیں، بلکہ آپ ؐ کے ہمراہ جانا ضروری تھا اور (یہ) ساتھ جانے کا ضروری ہونا (اس سبب سے) بھی (ہے کہ) جو لوگ ساتھ گئے تھے جہاں ان کی جانب سے محبت رسول کے حق کی ادائیگی ہوئی وہیں ان کو بات بات پر ثواب حاصل ہوا۔ چنانچہ (ان کو اللہ کی راہ) یعنی جہاد (میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا) اور اس کے باوجود کہ ان میں اپنے بعض افعال اختیاری نہیں ہیں مگر مقبولیت و محبوبیت کی وجہ سے امور اضطراریہ بھی مثال اعمال اختیاریہ کے موجب ثواب قرار دیئے گئے، اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ (یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے اور) نیز (جو کچھ چھوٹا یا بڑا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی ان کے نام) نیکیوں میں (لکھا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان

کے ) ان سب ( کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے ) کیونکہ جب ثواب لکھا گیا تو بدلہ ملے گا۔ تو اگر یہ پیچھے رہ جانے والے بھی اخلاص کے ساتھ رسول کے ساتھ نکلتے تو ان کو بھی یہ سب کچھ حاصل ہوتا۔

**ربط**: پیچھے جہاد میں نکلنے کی فضیلت اور نہ نکلنے پر ملامت کا مضمون بڑی تفصیل سے بیان ہوا۔ ممکن تھا کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیشہ ہر جہاد میں تمام مسلمانوں پر نکلنا فرض عین ہے۔ اس آیت میں فرما دیا کہ نہ ہمیشہ یہ ضروری ہے، نہ مصلحت ہے کہ سب مسلمان نکل جائیں بلکہ ضرورت کے بقدر نکلیں اور باقی دوسری ضرورتوں میں مشغول ہوں۔ تبوک میں جو سب کے ذمہ فرض تھا وہ اس وجہ سے کہ حالات کے تقاضے کے تحت نبی ﷺ نے سب کو نکلنے کا حکم دیا تھا۔ غرض جہاد فی نفسہ فرض کفایہ ہے مگر جب ضرورت کی وجہ سے حاکم کا حکم ہو تو ہر شخص پر فرض عین ہو گا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا
نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ
لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

**ترجمہ**: اور نہیں مسلمان کہ کوچ کریں سارے۔ سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ سے مسلمانوں کے ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تاکہ ڈرائیں اپنی قوم کو جب کہ لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ بچتے رہیں۔

**تفسیر**: (اور) ہمیشہ کے لئے (مسلمانوں کو یہ) بھی (نہ چاہئے کہ) جہاد کے واسطے (سب کے سب) ہی (نکل کھڑے ہوں) کہ اس میں دوسری اسلامی ضروریات معطل ہوتی ہیں (سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت) جہاد میں (جایا کرے) اور کچھ اپنے وطن میں رہ جایا کریں (تاکہ باقیماندہ لوگ) رسول اللہ ﷺ کے وقت میں آپ سے اور آپ کے بعد علماء شہر سے (دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو) جو کہ جہاد میں گئے ہوئے ہیں (جب کہ وہ ان کے پاس واپس آئیں) دین کی باتیں سنا کر خدا کی نافرمانی سے (ڈرائیں تاکہ وہ) ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے (احتیاط رکھیں)۔

**ربط**: جہاد فرض کفایہ ہے لیکن اس کی طبعی ترتیب ہے جس کے موافق اول ان کفار سے ہونا چاہئے جو مسلمانوں سے قریب تر ہوں۔ اس کے بعد پھر جو ان کے قریب ہوں۔ اس طرح درجہ بدرجہ جہاد کے دائرہ کو وسیع کرنا چاہئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

**ترجمہ**: اے ایمان والولڑتے جاؤ ان سے جو نزدیک ہیں تمہارے کافروں میں سے اور چاہئے کہ وہ پائیں تمہارے اندر سختی اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے ڈرنے والوں کے۔

**تفسیر**: (اے ایمان والو ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس) رہتے (ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے) یعنی جہاد کے وقت بھی مضبوط رہنا چاہئے اور ویسے بھی زمانہ صلح کے علاوہ میں ان سے ڈھیلا پن نہ برتنا چاہئے۔ (اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ) کی امداد اللہ سے (ڈرنے والوں کے ساتھ ہے) پس ان سے نہ ڈرو نہ دبو کیونکہ خدا سے ڈرنے والے کو کسی کافر قوم سے ڈرنے اور دبنے کی کوئی وجہ نہیں۔

**فائدہ**: دفاعی جہاد میں بھی یہی ترتیب ہے کہ جس اسلامی ملک پر کفار حملہ آور ہوں وہاں کے مسلمانوں پر دفاع واجب ہے۔ اگر وہ کافی نہ ہوں یا سستی کریں تو ان کے متصل رہنے والوں پر۔ وہ بھی کافی نہ ہوں تو پھر جو ان سے متصل ہوں۔ اسی طرح اگر ضرورت پڑے تو درجہ بدرجہ مشرق سے مغرب تک جہاد فرض ہوتا چلا جائے گا۔

**ربط**: سورت ختم ہونے کو آئی۔ جب کوئی سورت نازل ہوتی تو منافق آپس میں ایک دوسرے سے یا بعض سادہ مسلمانوں سے استہزاء اور تمسخر کے طور پر کہتے کہ کیوں صاحب تم میں سے کس کس کا ایمان اس سورت نے بڑھایا۔ مطلب یہ تھا کہ (معاذ اللہ) اس سورت میں رکھا ہی کیا ہے۔ کون سے حقائق و معارف ہیں جو ایمان و یقین کی ترقی کا باعث ہوں۔ اس سورت کے ختم پر بھی منافق یہی کہیں گے لہٰذا اس کا جواب بھی دیتے ہیں اور اس پر عتاب بھی فرماتے ہیں۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً

اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ
سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ
انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝

**ترجمہ**: اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورت تو ان میں سے بعض کہتے ہیں تم میں سے کون ہے کہ بڑھایا اس کو اس سورت نے ایمان میں۔ سو رہے وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں تو بڑھایا سورت نے ان کو ایمان میں اور وہ خوش ہو رہے ہیں۔ اور رہے وہ جن کے دلوں میں مرض ہے تو بڑھایا سورت نے ان کے لئے گندگی کو ان کی (پہلی) گندگی کی طرف اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائے جاتے ہیں ہر سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ پھر (بھی) وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں۔ اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورت دیکھتا ہے ان کا بعض (دوسرے) بعض کی طرف کہ کیا دیکھتا ہے تم کو کوئی۔ پھر پھر جاتے ہیں۔ پھیر دیا اللہ نے ان کے دلوں کو اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھتے نہیں ہیں۔

**تفسیر**: (اور جب کوئی) جدید (سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین) آپس میں اور سادہ مسلمانوں سے بطور تمسخر (کہتے ہیں کہ) کہو (اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی) آگے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم جواب چاہتے ہو (سو) سنو (جو لوگ ایمان دار ہیں اس سورت نے ان کے) تو (ایمان میں ترقی دی ہے اور وہ) اس ترقی کے ادراک سے (خوش ہو رہے ہیں) مگر چونکہ وہ قلبی چیز ہے اور تم کو نصیب نہیں اس لئے تم کو اس کا ادراک بھی نصیب نہیں ہے اور تمسخر کرتے ہو (اور جن لوگوں کے دلوں میں) نفاق کا (مرض ہے اس سورت نے ان میں ان کی) پہلی (گندگی کے ساتھ اور) نئی (گندگی بڑھا دی) کیونکہ پہلے قرآن کے ایک حصہ کا انکار تھا اب اس نئے حصہ کا مزید انکار ہوا (اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے) یعنی جو ان میں مر چکے ہیں وہ کافر مرے اور جو اسی اصرار پر رہیں گے وہ کافر مریں گے۔ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ قرآن میں ایمان کو ترقی دینے کی بیشک خاصیت ہے لیکن آدمی میں قابلیت بھی تو ہو، اور اگر پہلے سے خباثت مستحکم ہے تو اس کو مزید استحکام ہو جائے گا (اور کیا ان کو نہیں دکھائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی) ارضی یا سماوی (آفت میں پھنستے رہتے ہیں) یا پیغمبر علیہ السلام کی زبانی انکا نفاق اعلانیہ طور پر ظاہر کر کے ان کو رسوا کیا جاتا ہے یا جنگ و جہاد کے وقت ان کی بزدلی اور بد باطنی بے نقاب کر دی جاتی ہے

مگر (پھر بھی) ایسے بے حیا ہیں کہ اپنی قبیح حرکتوں سے (باز نہیں آتے اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں) جس سے باز آنے کی آئندہ امید ہو، یہ تو ان کے تمسخر کا بیان ہوا جو وہ اپنی مجالس میں کرتے تھے، آگے تنفر کا بیان ہے جو مجلس نبوی ﷺ میں ان سے صادر ہوتا تھا، چنانچہ ارشاد ہے (اور جب کوئی) جدید (سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں) اور اشارہ سے باتیں کرتے ہیں (کہ تم کو کوئی) مسلمان (دیکھتا تو نہیں) کہ مجلس سے اٹھتا ہوا دیکھ لے اور حضرت ﷺ کو جا کر بتا دے (پھر) آپس میں اشارے کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر (چل دیتے ہیں) یہ لوگ مجلس نبویؐ سے کیا پھرے (خدا تعالیٰ نے ان کا دل) ہی ایمان سے (پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ وہ محض بے سمجھ لوگ ہیں) کہ اپنے نفع یعنی ایمان وعرفان کی باتوں سے بھاگتے ہیں۔

**فائدہ** : (1) ایک بار یا دو بار سے خاص عدد مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ کبھی ایک بار کبھی متعدد بار ایسا ہو جاتا ہے۔

(2) ان آفات وحوادث سے یا تو عام حوادث مراد ہیں مگر عقلمند ان سے بھی متنبہ ہو کر اپنی اصلاح کر لیتا ہے یا خاص وہ واقعات مراد ہیں جو ان کے نفاق کی بناء پر پیش آتے تھے مثلاً ان کے دوست کفار مغلوب ہو گئے اور کبھی ان کے نفاق کی باتیں کھل گئیں۔

**ربط**: چونکہ یہ سورت قرآن کی آخری سورتوں میں سے ہے اس لئے اس کے خاتمہ پر حجت قائم کرنے اور دعوت کو پورا کرنے کے لئے آپ کی رسالت اور آپ کے بعض اوصاف کی وضاحت مناسب ہوئی اور نہ ماننے کی صورت میں توکل وتوحید کے اظہار کے ذریعہ سے آپ کی قوت کا اظہار مستحسن ہوا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

**ترجمہ**: آیا ہے تمہارے پاس رسول تم میں سے۔ گراں ہے اس پر جو تم تکلیف اٹھاؤ حریص ہے (بھلائی کا) تم پر۔ ایمان والوں کے ساتھ نہایت شفیق مہربان ہے۔ پھر (بھی) اگر وہ منہ پھیریں تو کہہ دے کافی ہے مجھ کو اللہ، نہیں کوئی مستحق بندگی مگر وہی۔ اسی پر

بھروسہ کیا میں نے اور وہ ہی مالک ہے عرش عظیم کا۔

**تفسیر**: اے لوگو (تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس) بشر (سے ہیں) تاکہ تم کو ان سے ہدایت اور دینی نفع حاصل کرنا آسان ہو (جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے) چاہتے ہیں کہ تم کو کوئی ضرر نہ پہنچے (جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں) یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے پھر بالخصوص (ایمانداروں کے ساتھ) تو (بڑے ہی شفیق) اور (مہربان ہیں) ایسے رسول سے مستفید نہ ہونا بڑی محرومی ہے (پھر اگر) اس پر بھی آپ کو رسول ماننے سے اور آپ کا اتباع کرنے سے (روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے) میرا کیا نقصان ہے (میرے لئے) تو (اللہ تعالیٰ) حافظ و ناصر (کافی ہے) کیونکہ ایک تو (اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں) اور جب معبودیت اس کے ساتھ مختص ہے تو لامحالہ سارے کمالات علم وقدرت اس میں بے مثال ہوں گے، پھر مجھ کو کسی کی مخالفت سے کیا اندیشہ (میں نے اسی پر بھروسہ کرلیا اور) دوسرے (وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے) تو اور چیزیں تو بدرجہ اولیٰ اس کی مملوک ہوں گی، پس اس پر بھروسہ کرنے کے بعد مجھ کو کوئی اندیشہ نہیں البتہ تم اپنی فکر کرلو، حق کا انکار کرکے کہاں رہو گے۔

# سورۃ یونس

اس سورت کا حاصل چند مضامین ہیں (1) اثبات توحید اور اس کے ضمن میں ابطال شرک (2) اثبات رسالت اور اس کے ضمن میں رسالت سے متعلق بعض شبہات کا جواب (3) اثبات قران اور اس کے ضمن میں اس کی تکذیب پر رد (4) اثبات معاد اور اس کے ضمن میں جزا وسزا اور دنیا کے فنا ہونے کا بیان (5) بعض واقعات کے ذریعہ ڈراوا اور اس کے ضمن میں بعض شبہات کا جواب اور (6) وقتاً فوقتاً نبی ﷺ کو تسلی۔ ابتدا میں توحید، رسالت، قرآن اور معاد کے حق ہونے کو مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

حقیت قرآن

| سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ١٠٩ رُكُوْعَاتُهَا ١١ |
|---|---|---|

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ①

**ترجمہ**: یہ آیتیں ہیں محکم کتاب کی۔

**تفسیر**: (الر) کا مطلب تو اللہ کو معلوم ہے (یہ) جو آگے آتی ہیں ایسی مضبوط و (محکم کتاب کی آیتیں ہیں) جس کی تمام چیزیں خواہ وہ الفاظ ہوں یا علوم ہوں یا احکام ہوں یا اخبار و قصص ہوں پکی ہیں الفاظ اس لئے کہ ہمیشہ تبدیل و تحریف سے محفوظ رہیں گے۔ علوم اس لئے کہ تمامتر عقل و حکمت کے موافق ہیں۔ احکام اس وجہ سے کہ آئندہ کوئی دوسری ناسخ کتاب آنے والی نہیں۔ اخبار و قصص اس طرح کہ ٹھیک ٹھیک واقع کے مطابق ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ خدائے علیم و حکیم نے اس کو اپنے علم کامل کے ساتھ اتارا ہے۔

حقیت رسالت

**ربط**: ایسی محکم اور پر حکمت کتاب کا نزول کسی جھوٹے شخص پر نہیں ہو سکتا اور رسول اللہ ﷺ اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہیں۔ لیکن کفار پھر بھی ان کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور یہ اشکال کرتے تھے کہ یہ تو ہماری ہی طرح کے آدمی ہیں یہ کیسے خدا کے فرستادہ بن سکتے ہیں۔

أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ
النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ
رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ ۝٢

**ترجمہ**: کیا ہوا لوگوں کو تعجب کہ وحی کی ہم نے ایک شخص کی طرف ان میں سے کہ ڈرا لوگوں کو اور خوشخبری دے ایمان والوں کو کہ ان کے لئے ہے پایہ سچائی کا ان کے رب کے پاس۔ کہا کافروں نے بلاشبہ یہ تو جادوگر ہے کھلا۔

**تفسیر**: (کیا ان) مکہ کے (لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس) جو کہ ان ہی کی مانند بشر ہے (وحی بھیج دی) جس کا خلاصہ یہ ہے (کہ) آپ عام طور پر (سب آدمیوں کو) احکام خداوندی کے خلاف کرنے پر ڈرایئے اور جو ایمان لے آئیں ان کو یہ خوشخبری سنایئے کہ ان کے رب کے پاس) پہنچ کر ان کے اعمال صالحہ کی بدولت (ان کو بلند پایہ مرتبہ ملے گا)۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا مضمون کسی بشر پر وحی کے ذریعہ سے نازل ہو جائے تو تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں مگر (کافروں) کو جو نبوت اور بشریت میں سے ایک کو دوسرے کے منافی سمجھتے تھے اس دعوے پر اس قدر تعجب ہوا کہ انہوں (نے) پھر آپ سے جب کچھ معجزے بھی دیکھے اور خود قرآن

کو غیر معمولی طور پر مؤثر اور بلیغ پایا تو آپ کے بارے میں ( کہا یہ شخص تو بلاشبہ کھلا جادوگر ہے ) نبی نہیں ہے۔

حقیقت توحید

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳

**ترجمہ**: بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دنوں میں پھر قائم ہوا عرش پر، تدبیر کرتا ہے ہر کام کی۔ نہیں کوئی سفارش کرنے والا مگر بعد اس کی اجازت کے۔ یہ اللہ ہے تمہارا رب سو تم عبادت کرو اس کی۔ کیا پس نہیں تم دھیان کرتے۔

**تفسیر**: (بلاشبہ تمہارا) حقیقی (رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز) کی مقدار (میں) کہ جس میں کا ہر روز ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہے بتدریج (پیدا کردیا) اور اس تدریجی تخلیق سے ظاہر ہوا کہ تخلیق اضطراری نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ فاعل بالاضطرار نہیں بلکہ ہر چیز کا وجود بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و اختیار سے وابستہ ہے۔ جب چاہے جس طرح چاہے پیدا کرے۔ غرض وہ اعلیٰ درجہ کی قدرت والا ہے (پھر عرش پر) جو کہ سلطنت کے تخت کے مشابہ ہے اس طرح (قائم) اور فرما (ہوا) کہ جو اس کی شان کے لائق ہے تاکہ عرش سے زمین اور آسمان میں احکام جاری فرمائے جیسا کہ آگے ارشاد ہے کہ (وہ ہر کام کی) مناسب (تدبیر کرتا ہے) یہ نہیں کہ بس پیدا کر کے چھوڑ دیا۔ اور تدبیر میں بھی کسی سے دبنے والا نہیں۔ اس کے سامنے (کوئی سفارش کرنے والا) اس کی اجازت کے بغیر سفارش (نہیں) کرسکتا۔ پس (ایسا اللہ) جس کی یہ یہ صفات ہیں جب (تمہارا) حقیقی (رب ہے) اور حقیقی رب ہی عبادت کے لائق ہوتا ہے (تو تم اس کی عبادت کرو) اور شرک مت کرو (کیا تم) ان تمام دلائل اور نصیحتوں کے سننے کے بعد (پھر بھی دھیان نہیں کرتے)۔

حقیقت معاد

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ
حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾

**ترجمہ**: اس کی طرف واپسی ہے تم سب کی۔ وعدہ ہے اللہ کا سچا۔ وہی ابتداء میں کرتا ہے پیدائش کو پھر لوٹائے گا اس کو تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور عمل کئے تھے نیک، انصاف کے ساتھ۔ اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے پینا ہوگا کھولتے پانی سے اور عذاب دردناک ہوگا بسبب اس کے جو وہ کفر کرتے تھے۔

**تفسیر**: (تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔ اللہ نے) اس کا (سچا وعدہ کر رکھا ہے۔ بے شک وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی) قیامت کو (پیدا کرے گا تاکہ ایسے لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے انصاف کے ساتھ) پوری پوری (جزا دے) اور اس میں ذرا کمی نہ کرے بلکہ بہت کچھ زیادہ دے دے (اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے واسطے) آخرت میں (کھولتا ہوا پانی پینے کو ہوگا اور دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کی وجہ سے)۔

**ربط**: اوپر توحید و معاد کے حق ہونے کا ذکر ہوا۔ چونکہ منکرین ان باتوں کو مستبعد سمجھتے ہیں تو ان کے استبعاد کو دور کرنے کے لئے دلائل ذکر کرتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ
الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ
السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا
خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾

**ترجمہ**: وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمکتا اور چاند کو نورانی اور مقرر کیں اس (چاند) کے واسطے منزلیں تاکہ تم جانو برسوں کی گنتی کو اور حساب کو۔ نہیں پیدا کیا اللہ نے اس کو مگر حق کے ساتھ۔ تفصیل سے بیان کرتا ہے دلائل کو ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں۔ بے شک بدلنے میں رات اور دن کے اور جو کچھ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں میں اور زمین میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں۔

**تفسیر**: (وہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو) بھی (نورانی بنایا اور اس) کی چال (کے لئے منزلیں مقرر کیں) کہ ہر روز ایک منزل طے کرتا ہے (تاکہ) ان فلکی اجرام کے ذریعہ سے (تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ جس کی ضرورت تم کو دینوی زندگی اور معاشی کاروبار کے علاوہ بہت سے احکام شرعیہ میں بھی ہوتی ہے۔ غرض (اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں۔ وہ یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بتلا رہے ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں) اور مصنوعات کے اس نظام کو دیکھ کر خداوند قادر و حکیم کی ہستی کا سراغ پاتے ہیں۔ (بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے توحید اور آخرت کے دلائل ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں)۔

**فائدہ**: دلائل کا بیان تو نہ سمجھنے والوں اور نہ ڈرنے والوں کے لئے بھی ہے مگر اہل علم اور اہل تقوی کی تخصیص اس اعتبار سے ہے کہ یہ لوگ ان سے نفع اٹھاتے ہیں۔

**ربط**: جو لوگ مذکورہ بالا حقائق اور ان کے دلائل سے غفلت کریں کہ نہ آخرت کو مانیں اور نہ ہی قدرت کی جو نشانیاں اوپر ذکر ہوئی ان میں کبھی غور و تامل کریں کہ ایسا مضبوط اور حکیمانہ نظام یوں ہی بیکار نہیں بنایا گیا بلکہ ضرور اس سارے کارخانہ کا کوئی خاص مقصد ہوگا ایسے لوگوں کا انجام برا ہے۔ جب کہ ماننے والوں کا انجام عمدہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا
بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ
جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۹ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ
فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰

**ترجمہ**: بے شک جو لوگ نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی اور راضی ہو گئے حیات دنیوی پر اور مطمئن ہو گئے اسی پر اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔ یہ لوگ ان کا ٹھکانا آگ ہے بسبب اس کے جو وہ کرتے تھے۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے

نیک ہدایت کرے گا ان کو ان کا رب بوجہ ان کے ایمان کے۔ جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں آرام کے باغوں میں۔ ان کی بات ہوگی ان میں سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ اور ان کی دعائے ملاقات ہوگی ان میں سلام۔ اور ان کی بات کا آخر یہ ہوگا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

**تفسیر**: (جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں) آخرت کی طلب سرے سے نہیں کرتے (اور اس پر مطمئن ہو) کر جی لگا کے بیٹھ (گئے ہیں) آئندہ اور آخرت کی کچھ خبر نہیں (اور جو لوگ ہماری آیتوں سے) جو کہ آخرت پر دلالت کرتی ہیں (بالکل غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے) ان (اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے) اور (یقینا جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے ان کو ان کا رب ان کے مومن ہونے کی وجہ سے ان کے مقصد) یعنی جنت (تک پہنچا دے گا۔ ان کے) مسکن کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی چین) و آرام (کے باغوں میں) اور جس وقت وہ جنت میں جائیں گے اور وہاں کے عجائبات کا دفعۃً معائنہ کریں گے تو اس وقت (ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی کہ سبحان اللہ) اور پھر جب ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو (ان کا باہمی سلام یہ ہوگا السلام علیکم اور) جب اطمینان سے وہاں جا کر بیٹھیں گے اور اپنی پرانی مصیبتوں اور مشقتوں کے ساتھ اس وقت کی غیر مکدر دائمی زندگی کا موازنہ کریں گے تو (ان کی) اس وقت کی باتوں میں اخیر بات یہ ہوگی الحمد للہ رب العالمین۔

### منکرین توحید و آخرت کی بہانہ بازیاں

### پہلا بہانہ اور اس کا جواب

آخرت میں کافروں کے لئے عذاب ہونا ذکر ہوا۔ اس پر کفار تکذیب کی غرض سے کہا کرتے تھے کہ ہم تو عذاب کو حق اس وقت سمجھیں جب ہم پر یہاں دنیا ہی میں عذاب نازل ہو جائے۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

**ترجمہ**: اور اگر جلدی پہنچا دے اللہ لوگوں کے لئے برائی مثل ان کے جلدی مانگنے کے خیر کو تو پوری کر دی جائے ان کی طرف ان کی عمر۔ سو ہم چھوڑے رکھتے ہیں ان لوگوں کو جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی ان کی سرکشی میں کہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔

**تفسیر**: (اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر) ان کے جلدی مچانے کے موافق (جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا) مثلاً دنیوی حوادث سے تنگ آ کر اپنے یا اپنی اولاد کے حق میں بددعائیں کرنے پر فورا

اس کو پورا کر دے یا عذاب کی جلدی مچانے پر اس کو بھی فوراً نازل کر دے۔ غرض (جس طرح وہ فائدے کے لئے جلدی مچاتے ہیں) اور اس کے موافق وہ فائدہ جلد واقع کر دیتا ہے۔ اسی طرح اگر نقصان بھی واقع کر دیا کرتا (تو ان کی عمر کبھی کی پوری ہو چکی ہوتی) یعنی ان پر ہلاک کر دینے والا عذاب نازل کر دیا جاتا۔ لیکن ہماری یہ حکمت کہ نیک بخت مہلت سے فائدہ اٹھا کر اصلاح کر لیں اور بد بخت زیادہ عذاب کے مستحق ہو جائیں فوری عذاب کا تقاضا نہیں کرتی (سو) اس لئے (ہم ان لوگوں کو جن کو ہم سے ملنے کی امید نہیں ہے ان کے حال پر) چند روز کے لئے بلا عذاب (چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں) اور زیادہ عذاب کے مستحق ہو جائیں۔

**فائدہ**: بظاہر آیت سے دو باتیں مفہوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ شر مانگنے سے بھی جلدی واقع نہیں ہوتا دوسری یہ کہ مانگنے سے خیر جلدی واقع ہو جاتی ہے حالانکہ بہت کثرت سے اس کے برعکس دیکھنے میں آتا ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ آیت کا مقصود یہ بتانا ہے کہ خدا کی رحمت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ خیر کا وقوع جلد ہو اور شر کا وقوع جلد نہ ہو۔ آیت کا مضمون اسی اصل تقاضے کے مطابق ہے۔ البتہ اور مصلحتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسا نہیں کرتے۔

**ربط**: منکرین عذاب کی جلدی تو مچاتے ہیں لیکن اگر کوئی مصیبت آ جائے تو برداشت بھی نہیں ہوتی اور وقتی طور پر دوسروں کو بھول کر صرف ہمیں ہی پکارتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ محض سرکشی سے توحید و معاد کا انکار کرتے ہیں ان کو کوئی علمی اشکال نہیں ہیں۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

**ترجمہ**: اور جب پہنچتی ہے انسان کو تکلیف تو پکارتا ہے ہمیں اپنے پہلو پر اور بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے۔ پھر جب دور کر دیتے ہیں ہم اس سے اس کی تکلیف کو تو پہلی حالت پر آ جاتا ہے گویا کہ نہیں پکارا اس نے ہم کو کسی تکلیف پر جو پہنچی اس کو۔ اسی طرح مزین کیا جاتا ہے حد سے نکلنے والوں کے لئے جو وہ عمل کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (اور جب) بعض (انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی) اور اس وقت کوئی بت اور کوئی اور معبود وغیرہ یاد نہیں رہتا (پھر جب) اس کی

دعا و التجا سے (ہم اس کی وہ تکلیف ہٹا دیتے ہیں تو پھر اپنی پہلی حالت پر آ جاتا ہے) کہا سنا سب بھول جاتا ہے اور ہم سے ایسا بے تعلق ہو جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کے ہٹانے کے لئے کبھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا) اور پھر وہی شرک کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ (ان حد سے نکلنے والوں کے اعمال) بد (ان کو اسی طرح مزین معلوم ہوتے ہیں) جس طرح ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔

**ربط**: آگے بتاتے ہیں کہ ہماری حکمت کی وجہ سے جلد عذاب نہ آئے یا تکلیف اور مصیبت آ کرٹل جائے تو بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔ ظلم و شرارت اور بے ایمانی کی سزا جلد یا بدیر مل کر رہے گی۔ اللہ کی یہ سنت شروع سے چلی آ رہی ہے۔ پہلی قوموں کو بھی انبیاء کے معجزات دیکھنے کے باوجود ان کے ظلم و تکذیب پر ہلاک کیا اور ان کی جگہ پر اب تم ہو تو تمہارے لئے بھی وہی سنت و طریقہ ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ
قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا
لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ
خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

**ترجمہ**: اور ہلاک کر چکے ہیں ہم جماعتوں کو تم سے پہلے جب انہوں نے ظلم کیا حالانکہ لائے ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں اور نہیں تھے وہ کہ ایمان لاتے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرم لوگوں کو۔ پھر بنایا ہم نے تم کو نائب زمین میں ان کے بعد تاکہ ہم دیکھیں کہ کیسے تم عمل کرتے ہو۔

**تفسیر**: (اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو) مختلف قسم کے عذابوں سے (ہلاک کیا ہے جب کہ انہوں نے ظلم) یعنی کفر و شرک (کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے اور وہ) انتہائی عناد کی وجہ سے (ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے۔ ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں) جیسا ہم نے ابھی بیان کیا ہے (پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں ان کی جگہ پر تم کو آباد کیا تاکہ) اپنے ہر قسم کے ازلی علم کے علاوہ ظاہری طور پر بھی (ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو) آیا ویسا ہی کفر و شرک کرتے ہو یا ایمان لاتے ہو۔

دوسرا بہانہ اور اس کا جواب

توحید و معاد کے بہت سے منکرین قرآن کی عام نصیحتوں کو تو پسند کرتے لیکن بت پرستی اور دیگر

عقائد بد پر جہاں رد ہوتا تھا اس سے وحشت کھاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو یہ پیش کش کرتے تھے کہ آپ یا تو غیر متنازعہ قرآن لے آیئے یا یہی قرآن رہے تو اس میں سے ہمارے آپ کے درمیان متنازعہ مضامین کو بدل دیجئے پھر ہم قرآن کو مان لیں گے۔ اس کا جواب کہلوایا کہ قرآن کا معاملہ تو خالص اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ نہ تو یہ میرا اپنا کلام ہے اور نہ ہی مجھے اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کا اختیار ہے۔ اپنی ان باتوں کی سچائی پر میری پوری پچی زندگی گواہ ہے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾ قُل لَّوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُم بِهِ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ﴿١٧﴾

**ترجمہ**: اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں اس حال میں کہ وہ واضح ہیں کہتے ہیں وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے ہماری ملاقات کی تو لے آ قرآن اس کے علاوہ یا بدل دے اس کو۔ تو کہہ دے نہیں ہے میرے لئے کہ میں بدل ڈالوں اس کو اپنے جی کی طرف سے۔ نہیں میں تابعداری کرتا مگر (اس کی) جو وحی کی جاتی ہے میری طرف۔ بے شک میں ڈرتا ہوں اگر میں نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے۔ کہہ دے اگر چاہتا اللہ نہ پڑھتا میں اس کو تم پر اور نہ وہ خبر دیتا تم کو اس کی۔ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے۔ کیا پس تم نہیں غور کرتے ہو۔ سو کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو گھڑے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو۔ بے شک نہیں فلاح پاتے مجرم۔

**تفسیر**: (اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے) آپ سے (یوں کہتے ہیں کہ) یا تو (اس کے سوا کوئی) الگ (دوسرا قرآن) ہی (لائیے) جس میں ہمارے مسلک کے خلاف مضامین نہ ہوں (یا) کم

ازکم (اس) قرآن (میں کچھ ترمیم کر دیجئے) کہ ہمارے مسلک کے خلاف مضامین اس میں سے نکال دیجئے۔ ان کی اس بات سے یہ بات بھی مفہوم ہوئی کہ وہ لوگ قرآن کو نبی ﷺ کا کلام سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اسی بنا پر جواب تعلیم فرماتے ہیں کہ (آپ یوں کہہ دیجئے کہ) قطع نظر اس سے کہ ایسے مضامین کو قرآن میں سے نکالنا فی نفسہ کیسا ہے خود (مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں) اور جب جزوی ترمیم ممکن نہیں تو کل قرآن کو ہی بدل ڈالنا تو بطریق اولی ناممکن ہے کیونکہ وہ میرا کلام تو ہے ہی نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے جو وحی کے ذریعہ سے آیا ہے۔ جب حقیقت حال یہ ہے تو (بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے) اور بالفرض خدانخواستہ (اگر میں) وحی کا اتباع نہ کروں بلکہ (اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں) جو گناہگاروں کے لئے مخصوص ہے اور چونکہ تم نافرمانی کرنے والے ہو اس لئے وہ تمہارے نصیب میں ہے سو میں نہ تو اس عذاب کی اور نہ اس کے سبب یعنی نافرمانی کی جرأت رکھتا ہوں۔ اور اگر وہ اس کو آپ کا کلام ہی سمجھتے رہیں خدا کا کلام سمجھنے پر تیار نہیں تو (آپ یوں کہہ دیجئے کہ) یہ میرا کلام نہیں ہے بلکہ یہ تو کلام خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے مجھ پر یہ نازل کیا جو وہ چاہتا ہے وہی میں تم کو پڑھ کر سناتا ہوں اور جتنا وہ چاہتا ہے میرے ذریعہ سے تم کو خبردار کرتا ہے۔ (اگر اللہ) اس کے خلاف (چاہتا تو میں نہ تم کو یہ پڑھ کو سناتا اور نہ ہی اللہ) میرے ذریعہ سے (تم کو اس کی اطلاع دیتا) میری کیا طاقت تھی کہ خود اپنی طرف سے ایک کلام بنا کر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتا۔ آخر (میں تم میں ایک طویل عمر اس سے پہلے رہ چکا ہوں) یعنی چالیس سال کی طویل مدت میں تم کو میرے حالات کے متعلق ہر قسم کا تجربہ ہو چکا۔ میری سچائی، عفت، امانت اور دیانت اور دیگر اخلاق حسنہ تم میں ضرب المثل رہے۔ میرا امی ہونا اور ظاہری تعلیم حاصل نہ کرنے کو تم سب جانتے ہو (کیا پھر بھی تم غور نہیں کرتے) کہ جس پاک سرشت انسان نے چالیس برس تک کسی انسان پر جھوٹ نہ لگایا ہو کیا وہ ایک دم ایسی جسارت کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے اور افتراء کرنے لگے۔ غرض غور کرو گے تو تمہیں ماننا پڑے گا کہ جو کلام الٰہی میں تم کو سناتا ہوں اس کے بنانے یا پہنچانے میں مجھے سرے سے اختیار نہیں ہے اور جب اس کا کلام الٰہی اور حق ہونا ثابت ہو گیا۔ تو پھر بھی تم مجھ سے اس میں ترمیم کی درخواست کرو اور اس کو نہ مانو تو سمجھ لو کہ (اس شخص سے کون زیادہ ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے) جیسا مجھ سے کرنے کو کہتے ہو (یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتائے) جیسا تم نے خود اختیار کر رکھا ہے (یقینا ایسے مجرموں کو سرے سے فلاح نہ ہو گی) بلکہ ہمیشہ کے عذاب میں رہیں گے۔

**ربط**: ایک طرف تو منکرین کی محض خدا کی پرستش کے بارے میں بہانہ سازیاں ہیں جن کو وہ اپنی جانب میں بڑی عقلمندی سمجھتے ہیں دوسری طرف ان کا یہ حال ہے کہ محض بے بس چیزوں کی پرستش میں مبتلا ہیں جن کے ابطال پر کئی واضح دلائل موجود ہیں۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا
عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي
الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ
اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

**ترجمہ**: اور وہ عبادت کرتے ہیں سوائے اللہ کے ایسی چیز کی کہ نہ ضرر دیتی ہے ان کو اور نہ نفع دیتی ہے ان کو اور کہتے ہیں یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے ہاں۔ کہہ دے کیا تم خبر دیتے ہو اللہ کو اس چیز کی کہ نہیں جانتا وہ (جس کو) آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ پاک ہے وہ اور بلند ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اور نہیں تھے لوگ مگر ایک جماعت پھر انہوں نے اختلاف کیا اور اگر نہ ہوتی ایک بات کہ پہلے ہوگئی تیرے رب کی طرف سے تو فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان اس چیز میں جس میں اختلاف کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (اور یہ لوگ اللہ) کی توحید (کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو) عبادت نہ کرنے کی صورت میں (نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ) عبادت کرنے کی صورت میں (ان کو نفع پہنچا سکیں اور) اپنی طرف سے کسی بھی دلیل کے بغیر ایک نفع تراش کر (کہتے ہیں کہ یہ) معبود (اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں) اس لئے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں۔ (آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم خدا تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو خدا تعالیٰ کو معلوم نہیں نہ آسمانوں میں نہ زمین میں) یعنی خدا تعالیٰ کو تو ان چیزوں کے سفارشی ہونے یا معبود برحق ہونے یا اس کے امکان کا علم نہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کا علم تمام اشیاء کو محیط ہے۔ پس جب ان کا علم نہیں تو معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا سفارشی ہونا یا معبود برحق ہونا یا اس کا امکان ہونا یہ سب باطل ہیں اور عقیدہ شرک بھی باطل ہے۔ پس وہ (پاک اور برتر ہے ان چیزوں سے جو یہ شریک ٹھہراتے ہیں)۔ پھر عقیدہ شرک انسانوں میں اصل سے ثابت بھی نہیں کیونکہ

پہلے (تمام آدمی ایک ہی) عقیدے والے (جماعت تھے) اور سب موحد تھے کیونکہ آدم علیہ السلام موحد تھے اور بہت عرصہ تک ان کی اولاد ان ہی کے طریقہ توحید پر رہی لہٰذا یہ سب موحد رہے (پھر) اپنی عقل کی کجی سے (انہوں نے) یعنی ان کے بعض افراد نے (اختلاف پیدا کر لیا) اور مشرک ہو گئے۔ غرض شرک کا طریقہ تو بعد میں ایجاد کیا گیا۔ (اور) لوگوں کے اس باہمی اختلاف کو ختم کیا جا سکتا تھا (اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے) کہ دنیا دار عمل ہے قطعی اور آخری فیصلہ کی جگہ نہیں (تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ) دنیا ہی میں (ہو چکا ہوتا) یعنی انسانوں کو کسب و اختیار دے کر قدرے آزاد چھوڑا گیا ہے کہ وہ جو راہ عمل چاہیں اختیار کریں۔ اگر یہ بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو سارے اختلافات کا فیصلہ فوری عذاب نازل کر کے ایک دم کر دیا جاتا۔

## تیسرا بہانہ اور اس کا جواب

مانے کو تیار نہیں لیکن نشانیاں مانگے چلے جاتے ہیں تاکہ ٹال مٹول کر سکیں۔

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا ٱلْغَيْبُ لِلَّهِ فَٱنتَظِرُوٓا۟ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾

**ترجمہ**: اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتاری گئی اس کے اوپر نشانی اس کے رب کی طرف سے۔ سو تو کہہ دے کہ محض (علم) غیب تو اللہ کے لئے ہے تو تم انتظار کرو۔ بے شک میں (بھی) تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

**تفسیر**: (اور یہ لوگ) نبوت کی دلیل کے طور پر قرآن سمیت بہت سے معجزے دیکھنے کے باوجود (یوں کہتے ہیں کہ ان) محمد ﷺ (پر) ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے (کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوا)۔ سو آپ فرما دیجئے کہ) چونکہ معجزہ سے مقصود نبوت کی حقانیت پر دلالت ہوتی ہے اور یہ بات قرآن سمیت ان بہت سے معجزوں سے حاصل ہے جو تم دیکھ چکے ہو اس لئے اب تمہاری فرمائشوں کی ضرورت تو نہیں۔ اور رہی یہ بات کہ تمہارے فرمائشی معجزے واقع ہوں گے یا نہیں تو خدا نے مجھ کو اس کا علم نہیں دیا لہٰذا یہ ایک غیبی علم ہے اور (غیب کی خبر صرف خدا کو ہے سو تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں) کہ آیا ان کا وقوع ہوتا ہے یا نہیں۔

**ربط**: پیچھے یہ جو کہا کہ منکرین نشانیاں مانگنے کے باوجود ماننے پر تیار نہیں تو آگے اس کی دلیل دیتے ہیں کہ ان لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ جب ان پر کوئی سختی آتی ہے تو بڑے وعدے کرتے ہیں کہ یہ

سختی دور ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے لیکن جب سختی دور کر دی جاتی ہے تو اپنی بات سے بالکل مکر جاتے ہیں۔ ایسا ہی ان کا طرز عمل نشانیوں کے بارے میں ہے۔ لیکن اس سے ان کو یہ خیال نہ ہو کہ ہمیں کچھ معلوم ہی نہیں اور یہ کہ ہم ان کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکتے۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا ٱلنَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ
مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ
رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾

**ترجمہ**: اور جب چکھاتے ہیں ہم لوگوں کو رحمت بعد تکلیف کے جو پہنچی ان کو ناگہاں ان کے لئے مکر ہوتا ہے ہماری آیتوں میں۔ تو کہہ دے اللہ زیادہ تیز ہے مکر میں۔ بے شک ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لکھتے ہیں جو تم مکر کرتے ہو۔

**تفسیر**: (اور جب ہم لوگوں کو اس کے بعد کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں جیسا کہ اس وقت ہوا جب ہم نے اہل مکہ پر سات سال کا قحط مسلط کیا۔ جب وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تو گھبرا کر نبی ﷺ سے دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ یہ عذاب اٹھ جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ آپ کی دعا سے ہم نے وہ قحط دور کر دیا (تو فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارے میں شرارتیں) یعنی ان سے اعراض (کرنے لگتے ہیں) اور بجائے عبرت پکڑنے کے سابقہ مصیبت اور موجودہ نعمت کو ظاہری اسباب اور حیلوں کی طرف نسبت کرنے لگتے ہیں (آپ کہہ دیجئے کہ) اچھا تم خوب شرارتیں اور حیلہ سازیاں کر لو مگر یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اس شرارت کی سزا بہت جلد دے گا) اور اس کے لئے اگرچہ ہمارا علم بھی کافی ہے لیکن ہم نے تمہاری گرفت کا ظاہری انتظام بھی کر رکھا ہے کہ (بالیقین ہمارے فرشتے تمہاری سب شرارتوں کو لکھ رہے ہیں)۔

**ربط**: آگے دریائی سفر کی مثال میں ان کے طرز عمل کی وضاحت کی

هُوَ ٱلَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ ۖ
حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى ٱلْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا۟ بِهَا
جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ ٱلْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا۟
أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا

مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ
فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

**ترجمہ**: وہی ہے جو چلاتا ہے تم کو خشکی اور دریا میں یہاں تک کہ جب ہوتے ہو تم کشتیوں میں اور چلتی ہیں (کشتیاں) ساتھ لوگوں کے اچھی ہوا سے اور لوگ خوش ہوتے ہیں کشتیوں (کی رفتار) سے آجاتی ہے کشتیوں پر ہوا تند اور آتی ہے لوگوں پر موج ہر جگہ سے اور جان لیتے ہیں لوگ کہ گھیر لیا گیا ان کو تو پکارتے ہیں اللہ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو کہ اگر نجات دی تو نے ہم کو اس سے تو ضرور ہم ہوں گے شکر گزاروں میں سے۔ پھر جب نجات دی (اللہ نے) ان کو ناگہاں وہ سرکشی کرنے لگتے ہیں زمین میں ناحق۔ اے لوگو محض تمہاری سرکشی تمہارے اپنے اوپر (وبال) ہے۔ (لے رہے ہو) فائدہ حیات دنیوی کا پھر ہماری طرف تمہاری واپسی ہے پس ہم خبر دیں گے تم کو اس کی جو تم کرتے ہو۔

**تفسیر**: (وہ) اللہ (ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں لئے لئے پھرتا ہے) کیونکہ جن ذرائع سے تم چلتے پھرتے ہو وہ سب اللہ ہی کے دیئے ہوئے ہیں (یہاں تک کہ) بعض اوقات (جب تم کشتی میں) سوار (ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان) کی رفتار (سے خوش ہوتے ہیں) اسی حالت میں دفعۃً (ان پر) مخالف (ہوا کا ایک جھونکا آتا ہے اور ہر طرف سے ان) لوگوں (پر موجیں اٹھی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ) برے (آ گھرے) اس وقت (سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں) کہ اے اللہ (اگر آپ ہم کو اس) مصیبت (سے بچا لیں تو ہم ضرور حق شناس) یعنی موحد (بن جائیں گے) یعنی اب اس وقت توحید پر جیسا اعتقاد بن گیا آئندہ اسی پر رہیں گے (پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو) اس مصیبت سے (بچا لیتا ہے تو فوراً ہی وہ زمین) کے اطراف واقطار (میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں) یعنی اسی شرک وکفر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (اے لوگو) سن لو (یہ تمہاری سرکشی تمہارے لئے وبال) جان (ہونے والی ہے) بس (دنیوی زندگی میں) کچھ عرصہ اس سے (فائدہ اٹھا رہے ہو پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو بتا دیں گے) اور اس کی سزا دیں گے۔

**ربط**: حقائق و دلائل کو چھوڑ کر منکرین جس دنیا کی زندگی کو ترجیح دے رہے ہیں اس کے بارے میں سمجھاتے ہیں کہ وہ تو چند روزہ ہے اور فانی ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں جزا و سزا دائمی ہے۔

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ
نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتّٰى إِذَا أَخَذَتِ
الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ
أَتٰهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ
بِالْأَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۲۴ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا
إِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۲۵ لِلَّذِيْنَ
أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ
أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۲۶ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ
جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ
عَاصِمٍ كَأَنَّمَآ أُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا
أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۲۷

**ترجمہ**: محض مثال حیات دنیوی کی مانند پانی کے ہے کہ اتارا ہم نے اس کو آسمان سے پس گنجان ہو کر نکلی اس (پانی) سے کھیتی زمین کی جس سے کھاتے ہیں لوگ اور چوپائے۔ یہاں تک جب پکڑی زمین نے اپنی رونق اور مزین ہوگئی اور خیال کیا اس کے اہل (یعنی زمین والوں) نے کہ وہ قادر ہیں اس پر (ناگہاں) آیا اس پر ہمارا حکم رات میں یا دن میں تو کر دیا ہم نے اس کو کٹا ہوا گویا کہ وہ نہ تھی (گزشتہ) کل۔ اسی طرح ہم تفصیل کرتے ہیں آیتوں کی ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں۔ اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے راہ راست کی طرف۔ واسطے ان لوگوں کے ہے جنہوں نے نیکی کی بھلائی اور زائد۔ اور نہ ڈھانپے گی ان کے چہروں کو سیاہی اور نہ ذلت۔ یہ لوگ جنت والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جن لوگوں نے کمائیں برائیاں (تو) برائی کا بدلہ ہے برائی کی مثل اور ڈھانپ لے گی ان کو ذلت۔ نہیں ہوگا ان کے لئے اللہ سے کوئی بچانے والا گویا کہ لپیٹ دیئے گئے ان کے چہرے ٹکڑوں سے رات کے اس حال میں کہ وہ اندھیری

ہے۔ یہ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

**تفسیر**: (بس دنیوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس) پانی (سے زمین کے نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے۔ یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی) یعنی سبزہ سے خوشنما معلوم ہونے لگی (اور اس) زمین (کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس) کے نباتات (پر بالکل قابض ہو چکے تو) ایسی حالت میں (دن میں یا رات میں اس) کے ان نباتات (پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آ پڑا) جیسے پالا یا خشکی یا اور کچھ (سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل) یہاں (وہ موجود ہی نہ تھی)۔ بس اسی نباتات کی طرح دنیوی زندگی ہے۔ (ہم اسی طرح آیتوں کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے) سمجھانے کے (لئے جو سوچتے ہیں) پس دنیا تو دار زوال ہوئی اور اس کے مقابلہ میں آخرت سلامتی اور بقاء کا دار ہے (اور اللہ تعالیٰ سلامتی و بقاء والے دار کی طرف) تم کو (بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دے دیتا ہے) جس سے دار بقاء کی طرف رسائی ہو سکتی ہے اور دار بقاء یعنی جنت تک کون پہنچتے ہیں تو (جن لوگوں نے نیکی کی ہے) یعنی ایمان لائے اور نیک عمل کئے (ان کے واسطے بھلائی) یعنی جنت (ہے اور اس پر مزید) خدا کا دیدار (بھی اور ان کے چہروں پر نہ) غم کی (سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور) اس کے بالمقابل (جن لوگوں نے برے کام کئے) یعنی شرک و کفر کیا (ان کی برائی کی سزا اس) برائی (کے برابر ملے گی) برائی سے زیادہ نہ ہوگی (اور ان پر ذلت چھا جائے گی۔ ان کو اللہ) کے عذاب (سے کوئی نہ بچا سکے گا) ان کے چہرہ کی سیاہی کی ایسی حالت ہوگی کہ (گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

**ربط**: دنیا کے فنا ہونے کے بعد مشرکوں کے شرک کی قلعی کھل جائے گی اور ان کے خود ساختہ معبود خود ان سے اظہار بیزاری کریں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ

نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ

وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿۲۸﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

**ترجمہ**: اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے ان کو سب کے سب پھر ہم کہیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا اپنی جگہ (کھڑے) رہو تم اور تمہارے شریک۔ پھر پھوٹ ڈال دی ہم نے ان کے درمیان اور کہا ان کے شریکوں نے نہیں تھے تم ہماری عبادت کرتے۔ سو کفایت ہوئی اللہ سے بطور گواہ کے ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کہ بے شک ہم تھے تمہاری عبادت سے غافل۔ اس جگہ آزمالے گا ہر شخص جو اس نے پہلے کیا اور لوٹائے جائیں گے وہ طرف اللہ اپنے مالک حق کے اور کھو جائے گا ان سے جو وہ گھڑتے تھے۔

**تفسیر**: (اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب) مخلوقات (کو) قیامت کے میدان میں (جمع کریں گے پھر) ان تمام مخلوقات میں سے (مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے) تجویز کئے ہوئے (شریک) جن کو تم عبادت میں خدا کا شریک ٹھہراتے تھے ذرا (اپنی جگہ ٹھہرو) تاکہ تم کو تمہارے عقیدے کی حقیقت سے باخبر کیا جائے (پھر ہم ان) عابدوں اور معبودوں (کے آپس میں پھوٹ ڈال دیں گے اور ان کے وہ شریک) ان سے خطاب کر کے (کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے) کیونکہ عبادت سے مقصود ہوتا ہے معبود کو راضی کرنا (سو ہمارے تمہارے درمیان خدا کافی گواہ ہے کہ) ہم تمہاری عبادت سے راضی تو کیا ہوتے (ہم کو تو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی) البتہ یہ تم کو شیاطین کی تعلیم تھی اور وہی راضی تھے تو اس اعتبار سے تم ان ہی کی پرستش کرتے تھے علم نہ ہونا بت ہونے کی صورت میں تو ظاہر ہے کیونکہ وہ جمادات ہیں اور فرشتے یا بزرگ ارواح ہونے کی صورت میں اس وجہ سے کہ ان کو ہر ہر بات کا تو علم نہیں۔ (اس مقام پر ہر شخص اپنے کئے ہوئے کاموں کا امتحان کر لے گا) کہ آیا واقع میں یہ اعمال نافع تھے یا غیر نافع۔ چنانچہ ان مشرکوں کی بھی یہ حقیقت کھل جائے گی کہ جن کی شفاعت کے بھروسے پر ہم ان کو پوجتے تھے انہوں نے ہمیں نفع تو پہنچانا الٹا ہمارے خلاف شہادت دے دی (اور یہ لوگ اللہ) کے عذاب (کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ معبود تراش رکھے تھے سب ان سے غائب) اور گم (ہو جائیں گے) کوئی بھی تو کام نہ آئے گا۔

**ربط**: شروع میں توحید، رسالت، معاد اور قرآن کی حقیت کا مختصر بیان ہوا تھا۔ آگے ان کا

تفصیلی بیان کرتے ہیں۔

توحید کے حق ہونے کا اثبات اور شرک کا ابطال

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ
يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا
الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى
الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ
مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ
قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ
اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾
وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

**ترجمہ**: تو کہہ کون رزق دیتا ہے تم کو آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون تدبیر کرتا ہے (تمام) کام کی۔ سو کہیں گے کہ اللہ۔ تو تو کہہ کیا پھر تم پرہیز نہیں کرتے ہو۔ سو یہ ہے اللہ رب تمہارا سچا۔ پس کیا ہے پیچھے حق کے مگر گمراہی۔ تو کہاں تم پھیرے جاتے ہو۔ اسی طرح ثابت ہوئی بات تیرے رب کی اوپر ان لوگوں کے جنھوں نے نافرمانی کی کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ تو کہہ کیا تمہارے شریکوں میں وہ ہے جو پہلی بار کرے پیدائش کو پھر اعادہ کرے اس کا۔ تو کہہ اللہ پہلی بار کرتا ہے پیدائش کو پھر اعادہ کرتا ہے اس کا۔ سو تم کہاں سے پلٹائے جاتے ہو۔ تو کہہ کیا تمہارے شریکوں میں وہ ہے جو ہدایت کرے حق کی طرف۔ تو کہہ اللہ

ہدایت کرتا ہے حق کی۔ کیا پس وہ جو ہدایت کرتا ہے حق کی طرف زیادہ حقدار ہے کہ پیروی کیا جائے یا وہ جو راہ نہ پائے مگر (جب) کہ راہ بتایا جائے۔ تو کیا ہے تم کو۔ کیسا تم حکم لگاتے ہو۔ اور نہیں پیروی کرتے ان کے اکثر مگر اٹکل کی۔ بلاشبہ اٹکل نہیں کفایت کرتا حق سے کچھ بھی۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (آپ) ان مشرکین سے (کہئے کہ) بتاؤ (وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے) یعنی آسمان سے بارش برساتا ہے اور زمین سے نباتات پیدا کرتا ہے جس سے تمہارا رزق تیار ہوتا ہے (یا) یہ بتاؤ کہ (وہ کون ہے جو) تمہارے (کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے) کہ پیدا بھی اسی نے کیا اور حفاظت بھی وہی کرتا ہے اور اگر چاہتا ہے تو ان کو ماؤف کر دیتا ہے (اور وہ کون ہے جو جاندار) چیز (کو بے جان) چیز (سے نکالتا ہے اور بے جان) چیز (کو جاندار) چیز (سے نکالتا ہے) جیسے انڈہ کہ اس کو جاندار سے نکالتا ہے اور خود اس سے جاندار کو نکالتا ہے (اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے) ان سے یہ سوالات کیجئے (سو ضرور وہ) جواب میں (یہی کہیں گے کہ) ان سب افعال کا فاعل (اللہ) ہے کیونکہ مشرک بھی یہ مانتے تھے کہ کلی امور اور اہم کام اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا (تو ان سے کہئے کہ پھر) شرک سے (پرہیز کیوں نہیں کرتے) اور اللہ کے سوا دوسروں کو معبود کیوں بناتے ہو حالانکہ معبود تو صرف وہ ہوسکتا ہے جو خالق کل، مالک الملک رب مطلق اور علی الاطلاق متصرف ہو۔ سو) جس کے یہ افعال اور اوصاف ذکر ہوئے (یہ ہے اللہ جو تمہارا حقیقی رب ہے) اور جب حق بات ثابت ہوگئی تو (پھر حق) بات (کے بعد اور کیا رہ گیا سوائے گمراہی کے) یعنی جو بات حق کی ضد ہوگی وہ گمراہی ہے۔ اور توحید کا حق ہونا ثابت ہوا تو شرک کا گمراہی ہونا بھی ثابت ہوگیا (پھر) حق کو چھوڑ کر (کہاں) باطل کی طرف (پھرے جاتے ہو)۔ اور یہ سب جان لینے کے باوجود بھی پھرے جاتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کی سرکشی اور نافرمانی طے شدہ ہے سو (اسی طرح آپ کے رب کی یہ) ازلی (بات کہ یہ ایمان نہ لائیں گے تمام سرکش لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے) لیکن جب تک یہ دنیا میں ہیں ان کے لئے غور کرنے کے بہت سے رستے کھلے ہیں سو (آپ) ان سے (یوں) بھی (کہئے کہ کیا تمہارے) تجویز کئے ہوئے (شریکوں میں) خواہ وہ عقل والے ہوں جیسے شیطان یا عقل والے نہ ہوں جیسے بت (کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی) مخلوق کو (پیدا کرے پھر) قیامت میں (دوبارہ بھی پیدا کرے) اگر وہ اس وجہ سے کہ اس میں ان کے شریکوں کی توہین ہے جواب میں تامل کریں تو (آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا سو) اس بات کی تحقیق ہو جانے کے بعد

(پھر تم کہاں) حق سے (پھرے جاتے ہو) اور (آپ) ان سے یوں بھی (کہئے کہ کیا تمہارے) تجویز کئے ہوئے عقل والے (شریکوں میں) جیسے شیاطین ہیں (کوئی ایسا ہے کہ حق بات کا رستہ) بتاتا ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق بات کا رستہ بھی (بتاتا ہے) چنانچہ اس نے اس غرض سے صاحب عقل انبیاء بھیجے جب کہ شیطان تو اپنی تمام تر صلاحیتیں لوگوں کو گمراہ کرنے میں صرف کرتے ہیں (تو پھر) ان سے کہئے کہ یہ بتاؤ کہ (آیا جو حق بات کا رستہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بتلائے بغیر خود ہی رستہ نہ معلوم ہو سکے) اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان کو حق بات سمجھا دی جائے تب بھی اس پر عمل نہ کریں جیسے شیاطین ہیں۔ پھر جب یہ اتباع کے قابل بھی نہیں تو عبادت کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں (تو) اے مشرکو (تم کو کیا ہو گیا تم کیسی تجویزیں کرتے ہو) کہ توحید کو چھوڑ کر شرک کو اختیار کرتے ہو (اور) تماشا یہ ہے کہ اپنی اس تجویز اور عقیدہ پر ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہے بلکہ (ان میں سے اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں) اور (یقیناً بے اصل خیالات حق بات) کے اثبات (میں ذرا بھی مفید نہیں) خیر (یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ کو سب خبر ہے) وقت پر سزا دے گا۔

**فائدہ**: مشرک تو اعادہ خلق کے قائل نہ تھے پھر یہ کیسے فرمایا هَلْ مِنْ شُرَكَاءِكُمْ مَنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی پیدا کرے پھر اس کا اعادہ بھی کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس کے لئے اول مرتبہ تخلیق کی قدرت مانیں وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوتا ہے چاہے دوبارہ پیدا کرنے کا عقیدہ نہ رکھیں۔

### قرآن کے حق ہونے کا اثبات

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ
يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ
وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۷ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۸ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا
بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۹ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ

وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٠﴾

**ترجمہ**: اور نہیں ہے یہ قرآن کہ گھڑ لیا جائے اللہ کے سوا سے ولیکن (یہ) تصدیق ہے اس (کلام) کی جو اس سے پہلے ہے اور تفصیل ہے کتاب کی۔ نہیں ہے کوئی شک اس میں، رب العالمین کی جانب سے ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ (رسول نے) گھڑ لیا ہے اس کو۔ تو کہہ پس لے آؤ ایک سورت اس کی مثل اور بلالو جس کی تم استطاعت رکھو سوائے اللہ کے اگر ہو تم سچے۔ بلکہ جھٹلایا انہوں نے اس بات کو کہ نہیں احاطہ کیا انہوں نے جس کے علم کا اور ابھی تک نہیں آیا ان کے پاس جس کا آخری نتیجہ۔ اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو تھے ان سے پہلے سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام ظالموں کا۔ اور ان میں سے (بعض) وہ ہیں جو یقین کرتے ہیں اس (قرآن) پر اور ان میں سے وہ ہیں جو یقین نہیں رکھتے اس پر اور تیرا رب خوب جاننے والا ہے مفسدوں کو۔

**تفسیر**: (اور یہ قرآن افتراء کیا ہوا نہیں ہے کہ غیر اللہ سے صادر ہوا ہو بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے) نازل (ہو چکی ہیں اور ضروری احکام) خداوندی (کی تفصیل بیان کرنے والا ہے) اور (اس میں کوئی بات شک) وشبہ (کی نہیں) اور وہ (رب العالمین کی طرف سے) نازل ہوئی (ہے۔ کیا) اس کے باوجود کہ یہ گھڑی ہوئی نہیں ہے (یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ) نعوذ باللہ (آپ نے اس کو گھڑ لیا ہے۔ آپ) ان سے (کہہ دیجئے کہ) اچھا (تو پھر تم) بھی تو عربی ہو اور اعلیٰ درجہ کے فصیح و بلیغ ہو (اس کی مثل ایک ہی سورت) بنا (لاؤ اور) اکیلے نہیں (جن جن غیر اللہ کو بلا سکو ان کو) مدد کے لئے (بلالو اگر تم) اپنے اس دعویٰ میں (سچے ہو) کہ نعوذ باللہ میں نے قرآن کو اپنے پاس سے بنا لیا ہے کیونکہ اس وقت تمہارے لئے بھی اس جیسی ایک سورت ہی بنا لینا کچھ مشکل نہ ہوگا۔ مگر اصل بات تو یہ ہے کہ اس قسم کے دلائل سے تو صرف وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو سمجھنا بھی چاہتے ہوں جب کہ ان لوگوں نے تو کبھی سمجھنا ہی نہ چاہا (بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس) کے صحیح یا غلط ہونے (کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے) اور نہ ہی اس کی حقیقت کو سمجھنے کا ارادہ کیا تو ایسے لوگوں سے کیا امید ہوسکتی ہے کہ سمجھیں گے (اور) ان کی اس بے فکری اور بے پرواہی کی وجہ یہ ہے کہ (اب تک ان کو اس) قرآن کی تکذیب (کا اخیر نتیجہ نہیں ملا) یعنی عذاب نہیں آیا ورنہ آنکھیں کھل جاتیں اور حق و باطل ممتاز ہو جاتا۔ لیکن آخر کبھی تو نتیجہ پیش آنے والا ہے ہی مگر اس وقت ایمان لانا نفع نہ دے گا چنانچہ (جو) کافر لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں اسی طرح) جیسے بلا تحقیق

یہ جھٹلا رہے ہیں (انہوں نے بھی) حق باتوں کو (جھٹلایا تھا سو دیکھ لیجئے ان ظالموں کا انجام کیسا) برا (ہوا) اسی طرح ان کا ہوگا (اور) ہم جو ان کا انجام بد بتلا رہے سو سب مراد نہیں کیونکہ (ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس) قرآن (پر ایمان لے آئیں گے اور بعض ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہ لائیں گے اور آپ کا رب ان (مفسدوں کو خوب جانتا ہے) جو ایمان نہ لائیں گے اور وقت موعود پر ان کو سزا دے گا۔

**فائدہ**: لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جس چیز کے بارے میں بات کرے پہلے اس کی تحقیق تو کر لے۔ تحقیق کے بعد بات کرے۔

## رسالت کے حق ہونے کا اثبات

وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُم مَّن يَنظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ﴿۴۳﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۴۴﴾

**ترجمہ**: اور اگر وہ جھٹلائیں تجھ کو تو تو کہہ دے میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے۔ تم بری ہو اس سے جو میں عمل کرتا ہوں اور میں بری ہوں اس سے جو تم عمل کرتے ہو۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کان لگاتے ہیں تیری طرف، کیا پس تو سناتا ہے بہروں کو اگرچہ وہ نہ سمجھتے ہوں۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دیکھتے ہیں تیری طرف، کیا پس تو راہ دکھاتا ہے اندھوں کو اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہوں۔ بیشک اللہ نہیں ظلم کرتا لوگوں پر کچھ بھی ولیکن لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (اور اگر) ان دلائل کے بعد بھی (آپ کو جھٹلاتے رہیں تو) بس آخری بات (یہ کہہ دیجئے کہ) اچھا بھئی (میرا کیا ہوا مجھ کو ملے گا اور تمہارا کیا ہوا تم کو ملے گا۔ تم میرے کئے ہوئے کے جوابدہ نہیں اور میں تمہارے کئے ہوئے کا جوابدہ نہیں ہوں) جس طریقہ پر تم چاہو رہو تمہیں خود معلوم ہو جائے گا (اور) آپ ان کے ایمان کی توقع چھوڑ دیجئے کیونکہ (ان میں) گو (بعض ایسے) بھی (ہیں جو) ظاہر میں (آپ کی طرف کان لگا لگا کر بیٹھتے ہیں) لیکن دل میں ایمان اور حق طلبی کا ارادہ

نہیں ہے۔ پس اس اعتبار سے ان کا سننا نہ سننا برابر ہے اور ان کی حالت بہروں کی سی ہوئی تو (پھر کیا آپ بہروں کو سنا) کر ان سے ماننے کا انتظار کر (تے ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو) ہاں اگر سمجھ ہوتی تو بہرے پن میں بھی کچھ کام چل سکتا (اور) اسی طرح (ان میں بعض ایسے ہیں کہ) بظاہر (آپ کو) اور آپ کے کمالات اور معجزات کو (دیکھ رہے ہیں لیکن طلب حق نہ ہونے کی وجہ سے ان کی حالت اندھوں کی مانند ہے تو (پھر کیا آپ اندھوں کو رستہ دکھلانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو) ہاں اگر بصیرت ہوتی تو اندھے پن میں بھی کچھ کام چل سکتا تھا۔ اور ان کی عقلیں جو اس طرح تباہ ہوگئی ہیں تو (یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا) کہ ان کو ہدایت کی قابلیت ہی نہ دے اور پھر بھی مواخذہ کرے (لیکن لوگ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کرتے ہیں) کہ ملی ہوئی قابلیت کو ضائع کر دیتے ہیں اور اس سے کام نہیں لیتے۔

### آخرت کی سزا اور ضمنا دینا کی سزا کی تفصیل

### وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ

كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ
خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۴۵ وَاِمَّا
نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُھُمْ
ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ ۴۶ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا
جَاۗءَ رَسُوْلُھُمْ قُضِيَ بَيْنَھُمْ بِالْقِسْطِ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۴۷ وَ
يَقُوْلُوْنَ مَتٰى ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۴۸ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ
لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَاۗءَ
اَجَلُھُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۴۹ قُلْ
اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ
الْمُجْرِمُوْنَ ۵۰ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ۭ اٰۗلْــٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ
تَسْتَعْجِلُوْنَ ۵۱ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝٥٢ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ
قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝٥٣ وَلَوْ اَنَّ
لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا
النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٥٤ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٥٥ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ
وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝٥٦

**ترجمہ**: اور جس دن جمع کرے گا ان کو گویا کہ وہ نہ رہے تھے مگر ایک گھڑی دن سے۔ باہم پہچانیں گے آپس میں۔ بے شک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی ملاقات کو اور نہ ہوئے وہ ہدایت یافتہ۔ اور اگر ہم دکھائیں تجھ کو بعض وہ چیز کہ (جس کا) ہم وعدہ دیتے ہیں ان کو یا ہم وفات دے دیں تجھ کو تو ہماری طرف ہے ان کا لوٹنا۔ پھر اللہ گواہ ہے اس پر جو یہ کرتے ہیں۔ اور ہر امت کے واسطے ایک رسول ہے تو جب آ جاتا ہے ان کا رسول فیصلہ کر دیا جاتا ہے ان کے درمیان انصاف کے ساتھ اور وہ ظلم نہیں کئے جاتے۔ اور وہ کہتے ہیں کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم ہو سچے۔ تو کہہ نہیں میں اختیار رکھتا اپنے لئے کسی ضرر کا اور نہ کسی نفع کا مگر جو چاہے اللہ۔ واسطے ہر امت کے ایک مقرر وقت ہے۔ جب آ جاتا ہے ان کا مقررہ وقت تو نہیں پیچھے ہٹتے ایک گھڑی اور نہ آگے ہوتے ہیں۔ تو کہہ کیا دیکھا تم نے اگر آئے تم پر اس کا عذاب رات کو یا دن کو کس چیز کی جلدی کر لیں گے اس سے (پہلے) مجرم۔ کیا پھر جب واقع ہو چکے گا (عذاب) تم ایمان لاؤ گے اس پر۔ کیا اب (لائے ایمان) حالانکہ تم اس کی جلدی مچاتے تھے۔ پھر کہا جائے گا ان سے جنہوں نے ظلم کیا چکھو عذاب ہمیشگی کا نہیں تم بدلہ دیئے جاتے مگر اس کا جو تم کماتے تھے۔ اور وہ خبر پوچھتے ہیں تجھ سے کیا سچ ہے وہ (بات)۔ تو کہہ ہاں قسم ہے میرے رب کی بلاشبہ وہ حق ہے اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے۔ اور اگر ہو ہر شخص کے لئے جس نے ظلم کیا جو کچھ زمین میں ہے تو وہ فدیہ میں دیدے اس کو۔ اور چھپائیں گے ندامت جب دیکھیں گے عذاب کو اور فیصلہ کر دیا جائے گا

ان کے درمیان انصاف کے ساتھ اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے۔ آگاہ ہو بلاشبہ اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ آگاہ ہو بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے ولیکن اکثر ان کے نہیں جانتے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

**تفسیر**: (اور ان کو وہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ تعالیٰ ان کو اس کیفیت سے جمع کرے گا کہ) وہ قیامت کے طویل اور شدید دن کے مقابلہ میں دنیا و برزخ کی مدت اور تکلیفوں کو بھول کر یوں سمجھیں گے (گویا وہ) دنیا یا برزخ میں (پورے دن کی ایک آدھ گھڑی رہے ہوں گے) کہ وہ زمانہ بہت جلد گذر گیا (اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے) بھی لیکن ایک دوسرے کی مدد نہ کرسکیں گے۔ اس سے مزید رنج و صدمہ ہوگا کیونکہ شناسا لوگوں سے نفع کی توقع ہوا کرتی ہے (واقعی) اس وقت سخت (خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے پاس جانے کو جھٹلایا اور وہ) دنیا میں بھی (ہدایت پانے والے نہ تھے) اسی لئے آج خسارہ میں پڑے۔ غرض ان کے عذاب کا اصلی وقت تو قیامت کا دن ہے وہ ان کو یاد کرا دیجئے (اور) رہا دنیا میں ان پر عذاب واقع ہونا سو اس کے بارے میں یہ بات ہے کہ (جس) عذاب (کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں اس میں کچھ تھوڑا سا) عذاب (اگر ہم آپ کو دکھا دیں) یعنی آپ کی زندگی میں ان پر نازل ہو جائے جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا (یا) اس کے نازل ہونے سے پہلے ہی (ہم آپ کو وفات دے دیں) اس لئے آپ کے سامنے اس بعض عذاب کا ظہور نہ ہو بہر حال دونوں صورتوں میں یہ بات یقینی ہے کہ عذاب کے وعدے پورے ہو کر رہیں گے اور اگر کسی مصلحت سے دنیا میں ان کافروں کو سزا نہ ملی تو آخرت میں ملے گی کیونکہ (ہمارے پاس تو ان کو آنا ہی ہے پھر) سب کو معلوم ہی ہے کہ (اللہ ان کے سب افعال کی اطلاع رکھتا ہے) غرض یہ ہم سے نہیں بچ سکتے اور ہم نے جو ان کی سزا کا فیصلہ دیا ہے تو اتمام حجت اور ہر قسم کے عذر کے ازالہ کے بعد کیا ہے۔ (اور) ہمارا یہ طریقہ عرب کے کافروں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہماری یہ عادت رہی ہے کہ جن امتوں پر ہم نے اپنا عذاب نازل کیا ہے ان میں سے (ہر ہر امت کے لئے ایک رسول) یعنی حکم پہنچانے والا ہوا (ہے سو جب ان کا وہ رسول) ان کے پاس (آ جاتا ہے) اور احکام پہنچا دیتا ہے اس کے بعد (ان) کے نہ ماننے والوں پر عذاب (کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کر دیا جاتا ہے اور ان پر) ذرا بھی (ظلم نہیں کیا جاتا) کیونکہ اتمام حجت اور ہر قسم کے عذر کے ازالہ کے بعد سزا دینا انصاف کے خلاف نہیں ہے (اور یہ لوگ) عذاب کی وعیدیں سن کر تکذیب کی غرض سے یوں (کہتے ہیں کہ) اے نبی اور اے مسلمانو! عذاب کا (یہ وعدہ کب) پورا (ہوگا۔ اگر تم سچے ہو) تو اس کو پورا کیوں نہیں کرا دیتے (آپ) سب کی طرف سے جواب میں (فرما دیجئے کہ میں) خود (خاص اپنی

ذات کے لئے تو کسی نفع ) کے حاصل کرنے ( کا اور کسی ضرر ) کے دفع کرنے ( کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو خدا کو منظور ہو بس وہی ہوتا ہے تو جب خاص اپنے نفع و نقصان کا میں مالک نہیں ہوں تو کسی دوسرے کے نفع و نقصان کا مالک کیسے ہو سکتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عذاب نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے صرف اللہ کے اختیار میں ہے اور اللہ کے آگے کسی کا زور نہیں کہ اپنی مرضی سے اس سے عذاب نازل کروالے۔ رہا یہ کہ عذاب پھر کب واقع ہوگا تو بات یہ ہے کہ ( ہر امت کے ) عذاب کے ( لئے ) اللہ کے نزدیک ( ایک معین وقت ہے۔ جب ان کا وہ معین وقت آ پہنچتا ہے تو ) اس وقت ( ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں ) بلکہ فوراً عذاب واقع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تمہارے نہ ماننے کی صورت میں تمہارے عذاب کا بھی وقت معین ہے اس وقت اس کا وقوع ہو جائے گا اور عذاب کی تکذیب کی خاطر جو یہ فرمائش کرتے ہیں کہ عذاب کو جلدی لے آؤ تو اس کے متعلق ( آپ ) ان سے ( فرما دیجئے کہ یہ بتاؤ کہ اگر تم پر خدا کا عذاب رات کو آ پڑے یا دن کو ) آ پڑے ( تو عذاب میں کون سی چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں ) کیونکہ عذاب تو سخت اور پناہ مانگنے والی چیز ہے نہ کہ جلدی مانگنے کی اور چونکہ اس جلد طلب سے ان کا مقصد تکذیب تھی اس لئے فرماتے ہیں کہ ( کیا ) اب تو تکذیب کر رہے ہو جب کہ تصدیق کا نفع ہو سکتا ہے۔ ( پھر جب ) یہ وقت گزر جائے گا اور ( وہ موعود وقت آ ہی پڑے گا ) اور تصدیق کچھ نفع نہ دے گی کیا اس وقت ( اس کی تصدیق کرو گے ) لیکن اس وقت تصدیق کا نفع تو نہ ہوگا البتہ یوں کہا جائے گا کہ ( ہاں اب مانا حالانکہ ) پہلے تو ( تم اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔ پھر ظالموں ) یعنی مشرکوں ( سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو، تم کو تمہارے کئے کا بدلہ ملا ہے۔ اور ) جب ہر طرح سے ان کو سمجھا دیا گیا لیکن ان کے دل اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے تو ( یہ لوگ ) تعجب اور انکار کی ملی جلی انتہائی کیفیت سے ( آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی بات ہے۔ آپ فرما دیجئے ہاں میرے رب کی قسم وہ واقعی چیز ہے اور تم کسی طرح خدا کو عاجز نہیں کر سکتے ) کہ وہ عذاب دینا چاہے لیکن تم اپنے آپ کو اس سے بچا لو۔ اور اس عذاب کو معمولی نہ سمجھو۔ اس کی شدت اتنی ہوگی کہ ( اگر ہر ہر مشرک شخص کے پاس اتنا ) مال ( ہو کہ ساری زمین بھر جائے تب بھی اس کو دے کر جان بچانے لگے ) اگر چہ قیامت کے دن کسی کے پاس کچھ بھی مال نہ ہوگا لیکن بالفرض اتنا بڑا خزانہ کسی کے پاس تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ اس کو فدیہ میں دینے پر تیار ہوگا لیکن وہ اس سے قبول ہی نہ کیا جائے گا ( اور جب عذاب دیکھیں گے تو ) مزید رسوائی کے خوف سے اول تو ( پشیمانی کو ) اپنے دل میں ( چھپائیں گے ) اور کوشش کریں گے کہ ان کے کسی قول و فعل سے وہ ظاہر نہ ہونے پائے لیکن عذاب کی شدت ہی اتنی

ہو گی کہ صبر وتحمل ان کے بس میں نہ رہے گا اور اپنی ندامت و پشیمانی کو خود ہی کھول دیں گے جیسا کہ ایک آیت میں ہے یَا حَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُ یعنی ہائے افسوس اپنی کوتاہی پر (اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہو گا اور ان پر) کچھ بھی (ظلم نہ ہو گا۔ یاد رکھو) مجرموں سمیت (جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ ہی کی ملک ہیں) ان میں اس کو ہر قسم کا تصرف کرنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار ہے اور اسی کے تحت اس نے اپنا فیصلہ کر کے اس کا وعدہ دے رکھا ہے تو (یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے) اس لئے قیامت کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا (لیکن بہت سے لوگ) ان تمام وضاحتوں اور تنبیہوں کے باوجود (یقین ہی نہیں کرتے) حالانکہ (وہی جان ڈالتا ہے) اور وہی جان نکالتا ہے) اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا تو کچھ بھی مشکل نہیں (اور تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے) اور حساب کتاب ہو گا۔

**ربط**: دنیوی اور اخروی عذاب کے بارے میں ضروری وضاحتوں کے بعد مثبت طور پر ترغیبی مضمون بیان کرتے ہیں کہ۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾

**ترجمہ**: اے لوگو آئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی جانب سے اور شفا واسطے اس (بیماری) کے جو سینوں میں ہے اور ہدایت اور رحمت واسطے مومنوں کے۔ تو کہہ اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے سو اسی پر چاہئے کہ وہ خوش ہوں۔ یہ بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو) برے کاموں سے روکنے کیلئے (نصیحت ہے اور) اگر اس پر عمل کر کے برے کاموں سے بچیں تو (دلوں میں جو) برے کاموں سے (روگ) ہو جاتے (ہیں ان کے لئے شفا ہے اور) نیک کاموں کے کرنے کیلئے (رہنمائی کرنے والی ہے اور) اگر اس پر عمل کر کے نیک کاموں کو اختیار کریں تو (رحمت) اور ثواب کا ذریعہ (ہے)۔ اور یہ سب برکتیں (ایمان والوں کیلئے) ہیں کیونکہ وہی عمل کرتے ہیں۔ پس قرآن کی یہ برکتیں سنا کر (آپ) ان سے (کہہ دیجئے کہ) جب قرآن ایسی چیز ہے تو (لوگوں کو خدا کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہئے) اور اس کو عظیم دولت سمجھ کر لینا چاہئے (وہ اس) دنیا (سے

بدر جہا بہتر ہے جس کو جمع کر رہے ہیں) کیونکہ دنیا کا نفع قلیل اور فانی ہے جب کہ قرآن کا نفع کثیر اور ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والا ہے۔

**ربط**: بجائے اس کے کہ ہدایت کو قبول کریں مشرکین تو الٹا خدا تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ مَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

**ترجمہ**: تو کہہ کیا دیکھا تم نے جو اتارا اللہ نے تمہارے لئے رزق پھر ٹھہرا لیا تم نے اس میں کوئی حرام اور کوئی حلال۔ تو کہہ کیا اللہ نے حکم دیا تم کو یا اللہ پر تم افتراء کرتے ہو۔ اور کیا خیال ہے ان لوگوں کا جو افتراء کرتے ہیں اللہ پر جھوٹ قیامت کے دن (کے بارے میں)۔ بے شک اللہ فضل والا ہے لوگوں پر ولیکن ان میں اکثر قدر نہیں کرتے۔

**تفسیر**: (آپ) ان سے (کہئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے) نفع کے (لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے) اپنی طرف سے گھڑ کر (اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا) حالانکہ جس کو تم نے از خود حرام قرار دیا اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ تو (آپ) ان سے (پوچھئے کہ کیا تم کو خدا نے حکم دیا ہے یا) محض (اللہ پر) اپنی طرف سے (افتراء ہی کرتے ہو۔ اور) چونکہ اس کا احتمال ہی نہیں کہ خدا نے حکم دیا ہو اس لئے ان کا افتراء کرنا متعین ہے۔ اسی وجہ سے اس پر وعید کرتے ہیں کہ (جو لوگ اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں) اور اس پر بالکل نہیں ڈرتے (ان کا قیامت کے بارے میں کیا گمان ہے) کیا وہ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی یا آئے گی مگر ان سے باز پرس نہیں ہوگی (واقعی لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے) کہ ساتھ کے ساتھ سزا نہیں دیتا بلکہ توبہ کے لئے مہلت دے رکھی ہے (لیکن اکثر لوگ ناقدرے ہیں) ورنہ توبہ کر لیتے۔

**ربط**: کافروں کی مذکورہ بالا تمام باتوں سے نبی ﷺ کو طبعاً رنج ہوتا تھا۔ آپ کی تسلی کرتے ہیں۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ

عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ
اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ
اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا
يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا
تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ
قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾

**ترجمہ**: اورنہیں ہوتا تو کسی حال میں اورنہیں تلاوت کرتا تو اس (اللہ) کی طرف سے کچھ قرآن اورنہیں عمل کرتے تم کچھ عمل مگر ہم ہوتے ہیں تم پر گواہ جب تم شروع کرتے ہو اس میں۔ اورنہیں غائب رہتا تیرے رب سے کچھ ذرہ کے برابر زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چھوٹی چیز اس سے اور نہ کوئی بڑی چیز مگر یہ کہ ہے کھلی ہوئی کتاب میں۔ خبردار بے شک اللہ کے دوست نہ ہوگا خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے تھے ان کے لئے خوشخبری ہے حیات دنیوی میں اور آخرت میں۔ نہیں ہے تبدیلی اللہ کے کلمات کے لئے۔ یہی ہے کامیابی بڑی۔ اور نہ غمگین کرے تجھے ان کی بات۔ بے شک زور اللہ کے لئے ہے سب کا سب۔ وہی ہے سننے والا جاننے والا۔ خبردار بے شک اللہ ہی کا ہے جو ہے آسمانوں میں اور جو ہے زمین میں۔ اورنہیں پیروی کرتے وہ لوگ جو پکارتے ہیں سوائے اللہ کے شریکوں کو۔ نہیں وہ پیروی کرتے مگر اٹکل کی اورنہیں وہ مگر اٹکل کرتے ہیں۔

**تفسیر**: (اور آپ) خواہ (کسی حال میں ہوں اور) ان حالتوں میں سے ایک یہ حالت کہ (آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور) اسی طرح تم اور لوگ بھی جتنے ہو (تم جو کام بھی کرتے ہو ہم کو ان سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو۔ اور آپ کے رب) کے علم (سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں) بلکہ سب اس کے علم میں موجود ہیں

(اور نہ کوئی چیز اس) مذکورہ مقدار (سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز) اس سے (بڑی ہے مگر یہ سب) علم الٰہی کے ان کا احاطہ کرنے کی وجہ سے (کتاب مبین) یعنی لوح محفوظ (میں) لکھی (ہے۔ یاد رکھو) علم الٰہی اور لوح محفوظ کی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خالص دوستوں پر نہ تو وہ خوف ہوتا ہے جو ناپسندیدہ بات کے پیش آجانے سے ہو اور نہ وہ غم ہوتا ہے جو مطلوب کے حصول میں ناکامی سے ہو کیونکہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کوئی آرزو ہی نہیں رکھتے جو ناکامی پر رنج و غم ہو اور ہر حالت کو اگرچہ ناپسندیدہ ہی ہو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سمجھتے ہیں اور اس پر صبر کرنے میں محبوب کی رضا سمجھتے ہیں تو اس سے خوف و اندیشہ کا کیا معنی۔ طبعی طور پر غم و خوف ہونا جیسا نبی ﷺ کو اپنے صاحبزادے ابراہیم کی وفات پر غم ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی کے اژدہا بننے پر خوف ہوا اس کے منافی نہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ (اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں) اور (یہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور) گناہوں سے (پرہیز کرتے ہیں۔ ان کے لئے خوشخبری ہے دنیوی زندگی میں بھی) مثلاً یہ کہ ان کو مذکورہ بالا خوف و حزن نہ ہوگا، ان کو اپنے معاملات میں خدا کی طرف سے خاص تائید حاصل ہوتی ہے، لوگوں میں ان کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے اور نیند میں خواب بھی سچے اور بابرکت دیکھتے ہیں۔ (اور) ان کے لئے خوشخبری ہے (آخرت میں بھی)۔ اور (اللہ کی باتوں میں) یعنی وعدوں میں (کچھ فرق نہیں ہوا کرتا) لہٰذا جب ان سے خوشخبری کا وعدہ ہو گیا تو وہ پورا ہو کر ہی رہے گا اور (یہ) مذکورہ خوشخبری (بڑی کامیابی ہے۔ اور) جب اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے ساتھ یہ معاملہ فرماتا ہے تو آپ کا مقام تو بہت اونچا ہے تو (آپ کو ان کی) کفر اور طعن کی (باتیں غم میں نہ ڈالیں) کیونکہ علم ہونے اور حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ (تمام زور) اور قدرت بھی (خدا ہی کے لئے) ثابت (ہے) وہ اپنی قدرت سے حسب وعدہ آپ کی حفاظت کرے گا (وہ) ان کی باتیں (سنتا ہے) اور ان کی حالت (جانتا ہے) لہٰذا وہ آپ کا بدلہ ان سے خود لے لے گا (یاد رکھو کہ جتنے کچھ آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں) یعنی فرشتے، انسان اور جن (یہ سب اللہ ہی کے) مملوک (ہیں) اس کی حفاظت اور اس کی جزا سزا کو کوئی روک نہیں سکتا اس لئے ہر اعتبار سے آپ تسلی رکھیں (اور) اگر کسی کو شبہ ہو کہ شاید شریک مزاحمت کر سکیں تو اس حقیقت کو سن لو کہ (جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شریکوں کی عبادت کر رہے ہیں) خدا جانے (کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں) کیونکہ ان کے اس عقیدہ کی کوئی دلیل بھی تو نہیں ہے (محض بے سند خیال کا اتباع کر رہے ہیں اور محض اٹکل کی باتیں کر رہے ہیں) پس واقع میں وہ شریک خدائی صفات سے بالکل خالی ہیں لہٰذا ان کی طرف سے مزاحمت کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

**فائدہ**: ان آیات میں اولیاء اللہ کی تعریف یہ کی اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ یعنی جو مومن اور متقی ہوں۔ ایمان اور تقوی کے بہت سے درجے اور مرتبے ہیں لہٰذا جس درجہ کا ایمان وتقویٰ کسی میں موجود ہوگا اسی درجہ میں ولایت کا ایک حصہ اس کے لئے ثابت ہوگا۔ پھر جس طرح مثلاً دس بیس روپیہ بھی مال ہے اور پچاس، سو، ہزار، دو ہزار، لاکھ دو لاکھ بھی لیکن عام طور سے دس بیس روپے کے مالک کو مالدار نہیں کہا جاتا۔ مالدار اسی وقت کہا جاتا ہے جب مال معتد بہ یعنی قابل ذکر مقدار میں موجود ہو۔ اسی طرح ایمان وتقویٰ کسی بھی درجہ میں ہو وہ ولایت کا شعبہ ہے اور اس حیثیت سے سب مومنین فی الجملہ ولی کہلائے جا سکتے ہیں لیکن عام طور پر ولی اسی کو کہا جاتا ہے جس میں ایمان وتقویٰ کا ایک خاص اور ممتاز درجہ پایا جاتا ہو۔ اور حدیث کی رو سے اس کی ایک علامت یہ ہے کہ اس شخص کو دیکھنے سے خدا یاد آنے لگے۔

**ربط**: آگے ہدایت کرتے ہیں کہ بجائے اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے کے ان کی نشانیوں کو دیکھو اور سبق حاصل کرو۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ
مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ
وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ
عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾
قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ ؕ
مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ
الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

**ترجمہ**: وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے رات کو تاکہ تم سکون حاصل کرو اس میں اور (بنایا) دن کو دکھلانے والا۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں۔ کہا اختیار کر لی اللہ نے اولاد۔ وہ پاک ہے، وہ بے نیاز ہے۔ اسی کے لئے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ نہیں تمہارے پاس کوئی دلیل اس کی۔ کیا تم کہتے ہو اللہ پر جو نہیں تم جانتے۔ تو کہہ بلاشبہ جو لوگ افتراء کرتے ہیں اللہ پر جھوٹ وہ فلاح نہیں

پاتے۔تھوڑا سا نفع (اٹھانا) ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے ان کو سخت عذاب بسبب اس کے جو وہ کفر کرتے تھے۔

**تفسیر**: (وہ) اللہ (ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن بھی اس طور پر بنایا کہ) روشن ہونے کی وجہ سے (دیکھنے بھالنے کا ذریعہ ہے۔اس) بنانے (میں) توحید کے (دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو) تدبر کے ساتھ ان مضامین کو (سنتے ہیں)۔مشرکین تو ان دلائل میں غور ہی نہیں کرتے اور شرک کی باتیں کہے جاتے ہیں جن میں سے ایک (وہ) یہ (کہتے ہیں کہ) نعوذ باللہ (اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے۔سبحان اللہ) کیسی سخت بات کہی (وہ تو غنی ہے) کسی کا محتاج نہیں نہ بیوی کا نہ بچوں کا، نہ سہارے کا اور نہ نام روشن کرنے والے وارث کا۔وہ تو سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں (اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) پس سب مملوک ہوئے وہ مالک ہوا سب مخلوق ہوئے وہ خالق ہوا۔پھر مالک و مملوک اور خالق و مخلوق کے درمیان ان نسبی رشتوں کی کہاں گنجائش ہے۔اس طرح سے ہم نے اولاد کی نفی کے اپنے دعوے پر دلیل قائم کردی اب رہا تمہارا دعویٰ تو (تمہارے پاس) سوائے بے ہودہ دعوے کے (اس) دعوے (پر کوئی دلیل) بھی (نہیں) تو (کیا اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم) کسی دلیل سے (علم نہیں رکھتے) اللہ تعالیٰ پر ان کا یہ افتراء بہت بڑا جرم ہے لہٰذا (آپ) ان کو اس افتراء کی وعید سنانے کے لئے (کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں وہ) کبھی (کامیاب نہ ہوں گے)۔اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ ہم تو ایسوں کو خوب کامیاب اور نعمتوں سے مالا مال پاتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ (یہ دنیا میں) چند روزہ (تھوڑا سا عیش ہے) جو بہت جلد ختم ہو جائے گا (پھر) مرکر (ہمارے پاس ہی ان کو آنا ہے پھر) آخرت میں (ہم ان کو ان کے کفر کے بدلے سخت سزا چکھا دیں گے)۔

**ربط**: آگے تکذیب وافتراء کرنے والوں کے عبرتناک قصے ذکر کرتے ہیں۔

قوم کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ

لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ

اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۔ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ
فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ
اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي
الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۔

**ترجمہ**: اور پڑھ ان پر خبر نوح کی جب کہا اس نے اپنی قوم سے اے میری قوم اگر بھاری ہوا تم پر میرا رہنا اور میرا نصیحت کرنا اللہ کے احکام کے ساتھ تو اللہ پر بھروسہ کیا میں نے پس پختہ کرلو تم اپنے کام کو اور (جمع کرو) اپنے شریکوں کو پھر نہ ہو تمہارا کام تم پر چھپا ہوا (اور گھٹن کا باعث) پھر کر ڈالو میری طرف اور مت مہلت دو مجھ کو۔ پھر اگر تم منہ پھیرو تو نہیں مانگی میں نے تم سے کچھ اجرت۔ نہیں میری اجرت مگر اللہ پر اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں رہوں فرمانبرداروں میں سے۔ پس جھٹلایا (قوم نے) اس (یعنی نوح) کو سو نجات دی ہم نے اس کو اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں اور کیا ہم نے ان کو جانشین اور غرق کیا ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو پس دیکھ کیسا ہوا انجام ڈرائے ہوؤں کا۔

**تفسیر**: (اور آپ ان کو نوح) علیہ السلام (کا قصہ پڑھ کر سنایئے) جو اس وقت واقع ہوا تھا (جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم کو میرا رہنا) اس طرح سے کہ میں وعظ کرتا رہوں (اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا بھاری) اور ناگوار (معلوم ہوتا ہے تو) ہوا کرے میں کچھ پروا نہیں کرتا کیونکہ (میرا تو خدا ہی پر بھروسہ ہے سو تم) مجھے نقصان پہنچانے سے متعلق (اپنی تدبیر) جو کچھ کر سکو (اپنے شریکوں) یعنی بتوں (کے ساتھ) مل کر (پختہ کرلو) یعنی تم اور تمہارے معبود سب مل کر میری ضرر رسانی میں اپنے ارمان پورے کرلو (پھر تمہاری وہ تدبیر تمہاری گھٹن) اور دل کی تنگی (کا باعث نہ ہونا چاہئے) یعنی عام طور سے خفیہ تدبیر کرنے سے طبیعت میں ایک گھٹن رہتی ہے سو خفیہ تدبیر کی ضرورت نہیں جو کچھ تدبیر کرو دل کھول کر اور اعلانیہ کرو اور میرا کچھ لحاظ نہ کرو۔ اور اس تدبیر کو خفیہ طور پر کرنا اس اندیشہ سے ہو کہ میں کہیں باہر نکل جاؤں گا تو تم مجھ پر پہرے لگا دو (پھر میرے ساتھ) جو کچھ کرنا ہے (کر گزرو اور مجھ کو) کچھ (مہلت نہ دو) حاصل یہ ہے کہ میں تمہاری ان باتوں سے ڈر کر تبلیغ سے نہیں رک سکتا۔ (پھر بھی اگر تم اعراض ہی کئے جاؤ) تو کیا تم کو اس کا ڈر ہے کہ

اگر میری نصیحت کو قبول کیا تو تم کو مجھے اجرت اور فیس دینی پڑے گی؟ اگر ایسا ہے تو تمہارا ڈر بے بنیاد ہے کیونکہ (میں نے تم سے) اس تبلیغ پر (کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا) اور میں تم سے کیوں مانگتا (میرا معاوضہ تو) اللہ تعالیٰ کے وعدہ کرم کے مطابق (اللہ ہی کے ذمے ہے) غرض نہ تو میں تم سے ڈرتا ہوں اور نہ ہی مجھ کو تم سے کچھ لالچ ہے (اور) چونکہ (مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں) اس لئے میں تو تبلیغ کے فرمان کو پورا کرتا ہوں اگر تم نہ مانو تو تم جانو (سو) اس تمام نصیحت کے باوجود (وہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے پس) ان پر پانی کے طوفان کا عذاب مسلط ہوا اور (ہم نے) اس عذاب سے (ان کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور ان کو) زمین پر (جانشین بنایا) اور ان کو آباد کیا (اور) باقی جو لوگ رہ گئے تھے (جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو) اس طوفان میں (غرق کر دیا سو دیکھنا چاہئے کیسا) برا (انجام ہوا ان لوگوں کا جو) عذاب الٰہی سے (ڈرائے جا چکے تھے) یعنی وہ بے خبری میں ہلاک نہیں کئے گئے بلکہ پہلے سمجھا دیئے گئے تھے نہ مانا تو سزا پائی۔

عاد و ثمود کا اجمالی قصہ

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

**ترجمہ**: پھر بھیجا ہم نے ان (یعنی نوح) کے بعد رسولوں کو ان کی قوم کی طرف تو وہ لائے ان کے پاس کھلی دلیلیں۔ پس نہیں تھے وہ کہ ایمان لائیں اس چیز پر جھٹلایا انہوں نے جس کو اس سے پہلے۔ اسی طرح ہم مہر لگا دیتے ہیں سرکشوں کے دلوں پر۔

**تفسیر**: (پھر نوح) علیہ السلام (کے بعد ہم نے اور رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس معجزات لے کر آئے) مگر (پھر) بھی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی یہ کیفیت تھی کہ (جس چیز کو انہوں نے اول) وہلہ (میں) ایک بار (جھوٹا کہہ دیا یہ نہ ہوا کہ پھر اس کو مان لیتے) اور جیسے یہ لوگ دل کے سخت تھے (اللہ تعالیٰ اسی طرح سرکشوں) یعنی کافروں (کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں)۔

فرعون اور فرعونیوں کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ
مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۶ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ
لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝۷۷ قَالُوْٓا
اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ
فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۷۸ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ
بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝۷۹ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا
مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝۸۰ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ
السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۸۱
وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸۲ ع

**ترجمہ**: پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف اپنی نشانیوں کے ساتھ پس تکبر کیا انہوں نے اور وہ تھے لوگ مجرم۔ پس جب آئی ان کے پاس حق بات ہمارے پاس سے انہوں نے کہا بے شک یہ ہے جادو کھلا۔ کہا موسیٰ نے کیا تم کہتے ہو حق کو جب وہ آیا تمہارے پاس، کیا جادو ہے یہ، حالانکہ فلاح نہیں پاتے جادوگر۔ انہوں نے کہا کیا آیا ہے تو ہمارے پاس تاکہ تو پھیر دے ہم کو اس (رستہ) سے پایا ہم نے جس پر اپنے باپ دادوں کو اور (تاکہ) ہو جائے تم دونوں کے لئے سرداری زمین میں اور نہیں ہم تم کو ماننے والے۔ اور کہا فرعون نے لاؤ میرے پاس ہر جادوگر باخبر کو۔ پھر جب آئے جادوگر کہا ان سے موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو۔ پھر جب انہوں نے ڈالا کہا موسیٰ نے جو تم لائے ہو (یہ) جادو ہے۔ بلاشبہ اللہ اس کو جلد باطل کر دے گا۔ بلاشبہ اللہ نہیں درست کرتا کام مفسدوں کا۔ اور ثابت کرتا ہے اللہ حق کو اپنے احکام سے اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ۔

**تفسیر**: (پھر ان) مذکورہ پیغمبروں کے بعد (ہم نے موسیٰ اور ہارون) علیہما السلام (کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس) عصا اور ید بیضاء کے (اپنے معجزے دے کر بھیجا سو انہوں نے) اللہ تعالیٰ کی خدائی اور حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کی نبوت کا دعویٰ سنتے ہی اس کی تصدیق

نے سے (تکبر کیا) اور اس کی حقانیت پر کچھ بھی تو غور نہ کیا (اور وہ لوگ جرائم کے خوگر تھے) اس لئے اطاعت نہ کی (پھر جب) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی نبوت کے دعوے کے بعد (ان کو ہمارے پاس سے) ان کی نبوت پر بطور دلیل معجزے کی صورت میں (حق بات پہنچی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یقیناً یہ صریح جادو ہے کیونکہ ان کے خیال میں تمام خرق عادت چیزوں کا آخری درجہ جادو ہی ہو سکتا تھا (موسیٰ) علیہ السلام (نے فرمایا کیا تم اس حق بات کی نسبت جب کہ وہ تمہارے پاس پہنچی ایسی بات کہتے ہو) کہ یہ جادو ہے (کیا یہ جادو ہے حالانکہ جادوگر) اگر نبوت کا دعویٰ کر بیٹھیں تو خرق عادت دکھانے میں (کامیاب نہیں ہوا کرتے) جب کہ میں نبوت کا دعوی کر کے خرق عادت اور معجزہ دکھانے میں کامیاب ہوا ہوں تو یہ جادو کیسے ہوسکتا ہے۔ (وہ لوگ) اس تقریر کا تو کچھ جواب نہ دے سکے ویسے ہی ڈھٹائی سے (کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو پایا ہے اور) اس لئے آئے ہو کہ (تم دونوں کو دنیا میں حکومت) اور سرداری (مل جائے اور) تم خوب سمجھ لو کہ (ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے۔ اور فرعون نے) اپنے سرداروں سے (کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو) جو ہمارے ملک میں ہیں (حاضر کرو) چنانچہ وہ جمع کئے گئے (پھر جب وہ آئے) اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوا تو (موسیٰ) علیہ السلام (نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم کو) میدان میں (ڈالنا ہے۔ سو جب انہوں نے) اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو زمین پر (ڈالا اور تخیل و نظر بندی کے ذریعہ دیکھنے والوں کو ایسا دکھایا گویا کہ سارا میدان زندہ سانپوں سے بھرا ہوا ہے (تو موسیٰ) علیہ السلام (نے فرمایا کہ جو کچھ تم) بنا کر (لائے ہو جادو) تو (یہ ہے) نہ وہ جو میں نے تمہیں بطور معجزہ دکھایا تھا (یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس) جادو (کو ابھی درہم برہم کئے دیتا ہے) کیونکہ (اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کا کام بننے ہی نہیں دیتا) جو معجزہ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کریں (اور اللہ تعالیٰ) جس طرح معجزہ کے مقابلہ میں باطل کو ختم کر دیتا ہے اسی طرح (ثابت کر دیتا ہے حق بات کو اپنے حکم سے اگر چہ مجرم) اور کافر (لوگ کیسا ہی ناگوار سمجھیں)۔

**ربط:** اگرچہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پیشینگوئیوں کی وجہ سے ان کے منتظر تھے اور ان کو سچا جانتے تھے لیکن فرعون اور فرعونیوں کی سرکشی اور ان کے ظلم کی وجہ سے ان سے خوفزدہ تھے۔ اس لئے ابتداء میں شرعی طور پر ایمان نہیں لائے وقت کے منتظر رہے کہ جب حق کا غلبہ ہو گا مسلمان ہو جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے تھوڑے سے نوجوانوں نے فرعونیوں سے خائف ہونے کے باوجود ہمت کر کے اپنے اسلام کا اظہار و اعلان کر دیا۔ چند گنے چنے قبطی جو فرعون کی قوم سے تھے مشرف بایمان ہوئے۔ ان کے حالات کا ذکر کرتے ہیں۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى

اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

**ترجمہ**: سو نہیں ایمان لائے موسیٰ پر مگر چند نوجوان اس کی قوم سے، خوف کرتے ہوئے فرعون سے اور ان کے سرداروں سے کہ (کہیں) وہ تکلیف پہنچائے ان کو۔ اور بلاشبہ فرعون چڑھا ہوا ہے زمین میں اور بلاشبہ وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہے۔ اور کہا موسیٰ نے اے میری قوم اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر ہو تم فرمانبردار۔ انہوں نے کہا اللہ پر بھروسہ کیا ہم نے، اے ہمارے رب مت بنا تو ہم کو نشانہ ظالم قوم کیلئے اور نجات دے ہم کو اپنی رحمت کے ساتھ کافر قوم سے۔ اور وحی کی ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف کہ تم دونوں برقرار رکھو اپنی قوم کیلئے مصر میں گھر اور بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رو اور قائم رکھو نماز کو اور خوشخبری دے ایمان والوں کو۔

**تفسیر**: (پس) جادوگروں سے مقابلہ کے بعد (موسیٰ) علیہ السلام (پر) شروع شروع میں (ان کی قوم میں سے صرف چند نوجوان ایمان لائے وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں) ایمان ظاہر ہونے پر (ان کو تکلیف نہ پہنچائے اور واقع میں) ان کا ڈرنا بیجا نہ تھا کیونکہ فرعون اس ملک میں زور) حکومت (رکھتا تھا اور یہ بھی بات تھی کہ وہ حد) انصاف (سے باہر ہو جاتا تھا) اور ظلم کرنے لگتا تھا۔ جس شخص کے پاس حکومت و اقتدار بھی ہو اور وہ ظلم بھی کرتا ہو تو اس سے ڈر تو لگتا ہی ہے (اور موسیٰ) علیہ السلام (نے) جب ان کو خوفزدہ دیکھا تو ان سے (فرمایا کہ اے میری قوم

اگر تم) سچے دل سے (اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو) سوچ بچار مت کرو بلکہ (اسی پر بھروسہ کرو اگر تم) اس کی (اطاعت کرنے والے ہو۔ انہوں نے) جواب میں (عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا) اور یہ کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ (اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کا تختہ مشق نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کے ساتھ ان کافر لوگوں سے نجات دے) کہ جب تک تقدیر میں ہم پر ان کی حکومت ہے یہ ہم پر ظلم نہ کرنے پائیں اور پھر بالآخر ان کی حکومت کے دائرہ سے ہی نکال دیجئے (اور ہم نے) اس دعا کے قبول کرنے کا سامان کیا کہ (موسیٰ) علیہ السلام (اور ان کے بھائی) ہارون علیہ السلام (کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لوگوں کے لئے مصر میں) بدستور (ان کے گھر برقرار رکھو) اور وہ ڈر کر اپنے گھر نہ چھوڑیں ہم ان کی حفاظت کریں گے (اور) چونکہ فرعون نے مسجدیں اور عبادت گاہیں برباد کر دی تھیں اور کسی کو باہر نکل کر عبادت کرنے کی اجازت نہ تھی اس لئے نماز کے اوقات میں (تم سب اپنے انہیں گھروں) میں کسی جگہ (کو) نماز کے لئے (قبلہ رو رکھو) اور خوف کی وجہ سے انہیں میں نماز پڑھ لو (اور) یہ ضروری ہے کہ (نماز کے پابند رہو) تاکہ نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ جلد اس مصیبت سے نجات دیدے (اور) اے موسیٰ (آپ مسلمانوں کو بشارت دے دیں) کہ یہ مصیبت اب جلدی ختم ہو جائے گی۔

**ربط**: جب فرعون اور فرعونیوں کے ایمان کی طرف سے مایوسی ہو گئی اور ان کا ظلم بھی بہت بڑھ گیا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ
مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ
سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ
دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

**ترجمہ**: اور کہا موسیٰ نے اے ہمارے رب بے شک تو نے دی ہے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو زینت اور اموال حیات دنیوی میں اے ہمارے رب تاکہ وہ گمراہ کریں تیرے رستہ سے۔ اے ہمارے رب میٹ ڈال ان کے مالوں پر اور سختی ڈال ان کے دلوں پر کہ نہ ایمان لائیں یہاں تک کہ دیکھیں عذاب دردناک کو۔ کہا (اللہ نے) قبول کی گئی ہے دعا

تم دونوں کی تو تم دونوں سیدھے رہو اور مت پیروی کرو ان لوگوں کی جو علم نہیں رکھتے۔

**تفسیر**: (اور موسیٰ) علیہ السلام (نے) دعا میں (عرض کیا کہ اے ہمارے رب) ہم کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ (آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو زینت کا سامان اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں اے ہمارے رب اس واسطے دیئے ہیں کہ وہ آپ کی راہ سے) لوگوں کو (گمراہ کریں) پس جب ان کے مقدر میں ہدایت ہے ہی نہیں اور مال و زینت دینے سے جو حکمت تھی وہ حاصل ہو چکی تو اب ان کو اور ان کے اموال کو کیوں باقی رکھا جائے لہٰذا (اے ہمارے رب ان کے اموال کو نیست و نابود کر دیجئے اور) ان کی جانوں کی ہلاکت کا سامان کر دیجئے اس طرح کہ (ان کے دلوں کو) زیادہ (سخت کر دیجئے) جس سے ہلاکت کے مستحق ہو جائیں (سو یہ ایمان نہ لانے پائیں) بلکہ روز بروز ان کا کفر بڑھتا ہی رہے (یہاں تک کہ دردناک عذاب) کے مستحق ہو کر اس (کو دیکھ لیں) اور اس وقت ایمان لانا نافع نہیں ہوتا۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی) دونوں کی دعا اس لئے کہا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے الفاظ پر حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے رہے جو خود دعائیہ کلمہ ہے (سو تم) اپنے منصبی کام تبلیغ پر (مستقیم رہو) اگرچہ فرعون والوں کی تقدیر میں ہدایت نہیں ہے کیونکہ اتمام حجت کے لئے بھی یہ ضروری ہے اور پھر اس میں تمہارا فائدہ بھی ہے کہ اجر کے مستحق ہوتے ہو (اور) کسی حکمت سے عذاب کے آنے میں تاخیر ہو تو (ان لوگوں کی راہ پر نہ چلنا جن کو) ہماری باتوں کے سچا ہونے کا (علم) و یقین (نہیں) اور اس وجہ سے وہ عذاب کی جلدی مچاتے ہیں۔

**فائدہ**: یہ خیال ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ہدایت کے واسطے آئے تھے پھر بددعا کرنے کا کیا مطلب جو کہ ہدایت کے منافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے حق میں ہدایت کرنے سے مراد راہ دکھانا اور بتانا ہے جو وہ بددعا کے بعد بھی کرتے رہے، نیک راہ پر چلانا نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور بددعا سے مقصود ان کی گمراہی کی بددعا نہیں بلکہ جب ان کو تجربہ اور طول صحبت یا وحی سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ بالکل ایمان نہ لائیں گے اور کفر پر ہی مریں گے تب اس کے موافق دعا کی۔

**ربط**: بالآخر فرعونیوں پر عذاب کا وقت آ پہنچا جس کی تفصیل یہ ہے کہ۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ
بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۹۰

آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ وَكُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۹۱﴾ فَالۡيَوۡمَ نُنَجِّيۡكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوۡنَ لِمَنۡ خَلۡفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ عَنۡ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوۡنَ ﴿۹۲﴾

**ترجمہ**: اور پار لے گئے ہم بنی اسرائیل کو دریا کے تو پیچھا کیا ان کا فرعون نے اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی (کے ارادہ) سے۔ یہاں تک کے جب پا لیا اس کو غرقابی نے کہا ایمان لایا میں اس پر کہ نہیں کوئی مستحق عبادت مگر وہ ایمان لائے جس پر بنی اسرائیل اور میں ہوں فرمانبرداروں میں سے۔ کیا اب حالانکہ نافرمانی کی تو نے اس سے پہلے اور تھا تو مفسدوں میں سے۔ پس آج ہم نے نجات دیں گے تیرے بدن کو تاکہ تو ہو جائے ان لوگوں کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشانی۔ اور بلاشبہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

**تفسیر**: (اور) جب ہم نے فرعون کو ہلاک کرنا چاہا تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے باہر نکال لے جائیں۔ چنانچہ وہ سب کو لے کر چلے اور رستہ میں دریا یعنی بحر قلزم حائل ہوا اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر موسیٰ علیہ السلام کے اس پر اپنی لاٹھی مارنے سے اس کا پانی ادھر ادھر کھڑا ہو گیا اور درمیان میں بارہ خشک رستے بن گئے اور (ہم نے بنی اسرائیل کو) اس (دریا سے پار کر دیا) فرعونیوں کو بنی اسرائیل کے ملک سے نکلنے کا علم ہوا (تو ان کے پیچھے پیچھے فرعون) اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے چلا) یہاں تک کہ بنی اسرائیل کو پکڑنے اور ان سے جنگ کرنے کے خیال سے دریا کے رستوں میں داخل ہو گیا۔ جب وہ اپنے تمام لشکر سمیت دریا کے رستوں میں آ گیا اور ابھی پار نہیں ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دریا کے پانی کو مل جانے کا حکم دے دیا۔ پانی ملنے لگا (یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا) اور عذاب کے فرشتے نظر آنے لگے (تو) سراسیمہ ہو کر (کہنے لگا میں ایمان لاتا ہوں کہ سوائے اس) خدا (کے کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں کوئی مستحق عبادت نہیں اور میں مسلمانوں میں داخل ہوتا ہوں) سو مجھ کو ڈوبنے اور آخرت کے عذاب سے نجات دی جائے۔ فرشتہ کے ذریعہ سے جواب دیا گیا کہ (اب ایمان لاتا ہے) جب کہ ہمارے عذاب کا فیصلہ ہو چکا اور اب نافذ ہونے لگا حالانکہ روح کے قبضہ اور عذاب کے معائنہ کے وقت ایمان لانا نافع نہیں اور یہ ایمان غرغرہ یعنی موت کے غرغرہ کے وقت کا ایمان یا ایمان یاس یعنی عذاب کے وقت کا ایمان یا ایمان یاس یعنی مایوسی کے وقت کا ایمان کہلاتا ہے (حالانکہ اس سے پہلے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں

شامل رہا سو) تجھ سے نہ تو عذاب ہٹایا جائے گا اور نہ تجھے تیری مطلوبہ نجات ملے گی البتہ (آج ہم تیری لاش کو) پانی میں ضائع ہونے سے (نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لئے موجب عبرت ہو جو تیرے بعد) موجود (ہوں گے) تاکہ تیری بدحالی اور تباہی دیکھ کر ہمارے احکام کی مخالفت سے ڈریں (اور حقیقت یہ ہے کہ) پھر بھی (بہت سے آدمی ہماری) ایسی ایسی عبرت کی (نشانیوں سے غافل ہیں) اور احکام کی مخالفت سے نہیں ڈرتے۔

**فائدہ**: جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ فرعون کی لاش آج تک محفوظ چلی آئی ہے۔

**ربط**: فرعونیوں سے نجات کے بعد ایک عرصہ گذرنے پر خود بنی اسرائیل گمراہیوں میں پڑ گئے۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰی جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

**ترجمہ**: اور بلاشبہ ٹھکانا دیا ہم نے بنی اسرائیل کو ٹھکانا اچھا اور رزق دیا ہم نے ان کو پاکیزہ چیزوں سے۔ تو نہیں اختلاف کیا انہوں نے یہاں تک کہ آ گیا ان کے پاس علم۔ بے شک تیرا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس چیز میں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

**تفسیر**: (اور ہم نے) فرعون کو غرق کرنے کے بعد (بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا رہنے کو دیا) کہ اس وقت تو مصر کے مالک ہو گئے اور اگلی نسل کو عمالقہ پر فتح دے کر شام اور بیت المقدس بھی دلوا دیا (اور ہم نے ان کو) ان ملکوں کی (نفیس چیزیں کھانے کو دیں سو) چاہئے تھا کہ وہ ہماری اطاعت میں زیادہ سرگرم رہتے لیکن انہوں نے الٹا دین میں اختلاف کرنا شروع کیا اور غضب یہ کہ انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک ان کے پاس) احکام کا (علم پہنچ گیا) تھا پھر اختلاف کیا۔ لیکن ان کی یہ بات ہم سے مخفی نہیں اور (یقینی بات ہے کہ آپ کا رب ان) اختلاف کرنے والوں (کے درمیان قیامت کے دن ان امور میں) عملاً (فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے)۔

**ربط**: پیغمبر سے خطاب کے لباس میں دوسروں کو سنانا مقصود ہے جو ایک امی کی زبان سے ایسے عظیم الشان حقائق اور واقعات سن سن کر حیرت زدہ رہ جاتے تھے لیکن جہل اور تعصب کی وجہ سے ان

کی واقعیت میں شک اور تردد کا اظہار کرنے لگتے۔ ان آیات میں متنبہ کیا کہ کفر وتکذیب کی بیماری شک سے شروع ہوتی ہے۔ اس لئے اگر تم کو قرآن کے بیان کردہ واقعات میں شک وشبہ ہو تو اس کا فوری علاج کرو اور جو لوگ سابقہ کتب کا علم رکھتے ہیں ان سے تحقیق کر لو آخر ان میں کچھ آدمی سچے اور انصاف پسند بھی ہیں۔

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۵﴾

**ترجمہ**: سو اگر تو ہے شک میں اس سے جو نازل کیا ہم نے تیری طرف تو پوچھ ان لوگوں سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے۔ بے شک آیا ہے تیرے پاس حق تیرے رب کی جانب سے سو نہ ہو تو شک کرنے والوں میں سے اور مت ہو تو ان لوگوں میں سے جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو کہ تو ہو جائے گا خسارہ والوں سے۔

**تفسیر**: منکرین کو سنانے کی خاطر پیغمبر سے خطاب کرتے ہیں کہ (پھر اگر) بالفرض (آپ اس) کتاب (کی طرف سے شک) وشبہ (میں ہوں جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو) اس شک کو دور کرنے کا ایک آسان طریقہ یہ بھی ہے کہ (آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجئے جو آپ سے پہلے کی کتابوں) یعنی توریت اور انجیل (کو پڑھتے ہیں) کہ ان میں سے کچھ تو ان کتابوں میں مذکور پیشینگوئیوں کی بناء پر قرآن کو سچا بتائیں گے (بے شک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے۔ آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں اور نہ) شک کرنے والوں سے بڑھ کر) ان لوگوں میں ہوں جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا کہیں) اس کی وجہ سے (آپ خسارہ والوں میں سے نہ ہو جائیں)۔ اور اگر شک کے علاج میں غفلت کی جائے تو کفر وتکذیب بڑھتے بڑھتے اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے جس میں دل پر مہر لگ جاتی ہے اور قبول حق کی استعداد بالکل برباد ہو جاتی ہے۔

**ربط**: اتنا سب کچھ سمجھانے کے بعد بھی مشرکین ومنکرین نہ مانیں تو آپ پریشانی اور غم نہ کیجئے۔ بہر حال یہ بھی ہماری مشیت اور ارادہ کے تحت ہے اور ہماری حکمت کا یہی تقاضا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ
عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ
حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾

**ترجمہ**: بے شک وہ لوگ ثابت ہوگئی جن پر تیرے رب کی بات وہ ایمان نہ لائیں گے اگرچہ آ جائیں ان کے پاس تمام نشانیاں یہاں تک کہ وہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو۔

**تفسیر**: (یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی) یہ ازلی (بات ثابت ہوگئی کہ یہ ایمان نہ لائیں گے اگرچہ ان کے پاس) ثبوت حق کے (تمام دلائل پہنچ جائیں جب تک کہ دردناک عذاب کو نہ دیکھیں) لیکن اس وقت یہ ایمان نافع نہ ہوگا۔

**ربط**: منکرین نہیں مانتے تو نہ مانیں لیکن اتنی بات ضرور یاد رکھیں کہ جب ان پر عذاب آئے گا تو اس وقت ایمان لانا کچھ نفع نہ دے گا کیونکہ جتنی بھی بستیوں نے انبیاء کی تکذیب کی موعود عذاب کے آنے پر ان کے ایمان نے کچھ نفع نہ دیا۔ صرف حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو فائدہ ہوا جس کی خاص وجہ تھی۔ وہ قصہ یہ ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام موصل میں اہل نینوا کی طرف مبعوث ہوئے۔ وہاں کے لوگ بت پرست تھے۔ یونس علیہ السلام لگاتار سات سال تک نصیحت کرتے رہے اور حق کی دعوت دیتے رہے لیکن انہوں نے نہ مانا روز بروز انکار و تکذیب میں اضافہ ہوتا رہا۔ آخر حضرت یونس نے ان کو آگاہ کیا کہ اگر باز نہ آئے تو تین دن کے اندر عذاب آنے والا ہے۔ جب تیسری رات آئی حضرت یونس علیہ السلام آدھی رات گذرنے پر اللہ تعالیٰ کے حکم آئے بغیر ہی یہ خیال کر کے کہ اب قوم پر عذاب آنے ہی والا ہے بستی سے نکل کھڑے ہوئے۔ صبح ہوتے ہی عذاب کے آثار نظر آنے لگے۔ آسمان پر نہایت ہولناک سیاہ بادل چھا گیا جس سے سخت دھواں نکلتا تھا۔ وہ ان کے مکانوں سے قریب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ ان کی چھتیں بالکل تاریک ہوگئیں۔ یہ آثار دیکھ کر جب انہیں ہلاکت کا یقین ہوگیا تو حضرت یونس کی تلاش ہوئی وہ نہ ملے تو سب لوگ عورتوں بچوں سمیت بلکہ مویشیوں اور جانوروں کو بھی ساتھ لے کر جنگ میں نکل آئے اور سچے دل سے خدا کی طرف رجوع ہوئے۔ خوف سے چیخیں مارتے تھے اور بڑے اخلاص و تضرع سے خدا کو پکار رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تضرع و بکا پر رحم فرمایا اور عذاب کے جو آثار ظاہر ہو چکے تھے ان کو اٹھا لیا۔

دوسری طرف حضرت یونس علیہ السلام بستی سے نکل کر ایک جماعت کے ساتھ کشتی پر سوار ہوئے۔ وہ کشتی غرق ہونے لگی۔ تو کشتی والوں نے بوجھ ہلکا کرنے کے لئے یہ ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو

دریا میں پھینک دیا جائے۔ اس کے لئے دو تین مرتبہ قرعہ اندازی کی تو ہر مرتبہ حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ یہ دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام دریا میں کود پڑے۔ فوراً ایک مچھلی آ کر ان کو نگل گئی اور مچھلی کے پیٹ کو ان کا قید خانہ بنا دیا گیا۔ اس وقت حضرت یونس علیہ السلام کو تنبہ ہوا اور انہوں نے اپنی یہ خطا کہ حکم الٰہی ملنے سے پہلے ہی بستی سے نکل گئے تھے اس کا اعتراف کیا تو مچھلی کے پیٹ سے رہائی نصیب ہوئی اور واپس اپنی قوم کی طرف گئے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو عذاب آنے کے باوجود ان کے ایمان نے جو نفع دیا تو اس وجہ سے کہ اجتہادی خطا ہوگئی تھی۔ اس خطا کا نفع قوم کو مل گیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا عام ضابطہ وہی ہے کہ موعود عذاب آنے پر ایمان نفع نہیں دیتا لہٰذا کسی دھوکہ میں نہ رہنا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ
فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ
عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

**ترجمہ**: سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی اور نفع دیتا اس کو اس کا ایمان سوائے قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان لائے تو کھول دیا ہم نے ان سے عذاب رسوائی کا حیات دنیوی میں اور فائدہ دیا ہم نے ان کو ایک وقت تک۔

**تفسیر**: (چنانچہ) جتنی بستیوں پر عذاب آیا ان میں سے (کوئی بستی کیوں ایمان نہ لائی کہ اس کا ایمان اس کو نافع ہوتا) ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ تھی کہ ہماری مشیت و ارادہ ہی یہی تھا کہ وہ اپنے کسب و اختیار سے ایمان نہ لائیں (ہاں مگر یونس) علیہ السلام (کی قوم کہ) ہماری مشیت میں ان کا ایمان لانا تھا اس لئے وہ موعودہ عذاب کے ابتدائی آثار دیکھ کر ایمان لے آئے اور (جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا۔ اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے واقعہ کی ظاہر میں خاص وجہ حضرت یونس علیہ السلام کی اجتہادی خطا بنی تھی۔ (اور ان کو ایک خاص وقت) یعنی موت کے وقت (تک) خیر خوبی کے ساتھ عیش زندگی (دیا)۔

**ربط**: ان مشرکین کے ایمان نہ لانے پر آپ پریشان نہ ہوں۔ کسی کا ایمان لانا نہ لانا سب خدا کی مشیت و توفیق اور حکم تکوینی کا پابند ہے۔ خدا چاہتا تو سب آدمیوں کے دلوں میں ایمان ڈال سکتا تھا لیکن ایسا کرنا اس کی تکوینی حکمت و مصلحت کے خلاف ہے اس لئے اس کی مشیت و توفیق ان لوگوں

کے حق میں ہوتی ہے جو اس کی نشانیوں میں غور کریں اور عقل وفہم سے کام لیں۔ جو لوگ سوچنے سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے انہیں اللہ تعالیٰ کفر وشرک کی گندگی میں پڑا رہنے دیتے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

**ترجمہ**: اور اگر چاہتا تیرا رب تو ضرور ایمان لے آتے جو بھی ہیں زمین سب کے سب۔ کیا سو تو مجبور کرے گا لوگوں کو یہاں تک کہ وہ ہو جائیں ایمان والے۔ اور نہیں ہے کسی شخص کے لئے کہ وہ ایمان لے آئے مگر اللہ کے حکم سے اور (اللہ) کرتا ہے گندگی کو ان لوگوں پر جو عقل نہیں کرتے۔

**تفسیر**: (اور) ان مذکورہ اقوام ہی کیا تخصیص (اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے) مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے یہ نہ چاہا اس لئے سب ایمان نہیں لائے (سو) جب یہ بات ہے تو (کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس سے وہ ایمان ہی لے آئیں حالانکہ کسی شخص کا ایمان لانا خدا کے حکم) یعنی مشیت (کے بغیر ممکن نہیں اور) یہ حکم ومشیت ان ہی کے حق میں ہوتی ہے جو خدا کی نشانیوں میں غور کریں اور عقل وفہم سے کام لیں۔ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے تو (اللہ تعالیٰ) ایسے (بے عقل لوگوں پر) کفر وشرک کی (گندگی واقع کر دیتا ہے) یعنی اس میں انہیں پڑا رہنے دیتا ہے۔

**ربط**: یہ بتا کر کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان پر کفر وشرک کی گندگی واقع کر دی جاتی ہے آگے فرماتے ہیں کہ تم غفلت نہ کرو بلکہ آسمان وزمین کی موٹی موٹی نشانیوں ہی پر غور کر لو۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

**ترجمہ**: تو کہہ دیکھو جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اور نہیں فائدہ دیتیں نشانیاں اور دھمکیاں ان لوگوں کو جو نہیں مانتے۔ تو نہیں انتظار کرتے مگر مثل ان لوگوں کے واقعات کے جو گذر چکے ان سے پہلے۔ تو کہہ پس تم انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ ہوں انتظار کرنے والوں میں سے۔ پھر ہم نجات دیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اسی طرح۔ ذمہ ہے ہم پر بچائیں گے ہم ایمان والوں کو۔

**تفسیر**: ( آپ کہہ دیجئے کہ تم غور کرو ) اور دیکھو ( کہ کیا کیا چیزیں ہیں آسمانوں اور زمین میں ) سائنس کے ذریعہ سے دریافت کی ہوئی تمام کائنات بھی اسی میں شامل ہے۔ ان چیزوں میں غور کرنے سے تمہیں خدا کی قدرت وحکمت اور توحید پر ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ دلالت کرتا نظر آئے گا۔ لیکن اگر دشمنی کی وجہ سے یہ ٹھان لیا ہے کہ ماننا ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے کہ تم ان دلائل پر غور بھی نہ کرو گے اس لئے فرمایا ( اور جو لوگ ) دشمنی اور عناد سے ( ایمان نہیں لاتے ان کو دلائل اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتے سو ) ایسوں کی حالت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ( وہ لوگ صرف ان لوگوں کے سے واقعات ) اور عذابوں ( کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اچھا تو تم ) اس کے ( انتظار میں رہو میں بھی تمہارے ساتھ ) اس کے ( انتظار کرنے والوں میں ہوں ) جب وہ عذاب آئے گا تو ( پھر ) وہی ہوگا جو ہم پہلوں کے ساتھ کرتے رہے کہ ( ہم ) اس عذاب سے ( اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچا لیتے تھے ) اور جس طرح ان کو ہم بچا لیتے تھے ( اسی طرح سب ایمان والوں کو ہم نجات دیا کرتے ہیں۔ یہ ) حسب وعدہ ( ہمارے ذمہ ہے ) لہٰذا موجودہ کفار پر بھی کوئی عذاب آیا تو مسلمان اس سے محفوظ رہیں گے۔

**ربط**: اگر میرا طریقہ اور میرا دین ومسلک تمہاری سمجھ میں نہیں آیا اس لئے دین کے بارے میں شکوک وشبہات میں پھنسے ہوئے ہو تو میں تمہیں اپنے دین کا اصل اصول جو توحید خالص ہے سمجھائے دیتا ہوں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا

النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِىْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ
لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ
يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ
وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

**ترجمہ**: کہہ دے اے لوگوں اگر تم ہو شک میں میرے دین کے بارے میں تو میں نہیں عبادت کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو سوائے اللہ کے۔ لیکن میں عبادت کرتا ہوں اللہ کی جو وفات دیتا ہے تم کو اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ رہوں میں ایمان والوں میں سے اور یہ کہ تو سیدھا رکھ اپنا چہرہ دین کے لئے یکسو ہو کر اور مت ہو تو مشرکوں میں سے۔ اور مت پکار سوا اللہ کے جو نہ نفع دے تجھ کو اور نہ ضرر دے تجھ کو۔ پھر اگر تو (ایسا) کرے تو بلاشبہ تو اس وقت ہو گا ظالموں میں سے۔ اور اگر چھوئے تجھ کو اللہ ساتھ کسی تکلیف کے تو نہیں کھولنے والا اس کو مگر وہی اور اگر ارادہ کرے تیرا کسی بھلائی کے ساتھ تو نہیں کوئی پھیرنے والا اس کے فضل کا۔ پہنچاتا ہے اپنا فضل جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

**تفسیر**: (آپ) ان سے (کہہ دیجئے کہ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف سے شک) اور تردد (میں ہو تو) میں تم کو اس کی حقیقت بتاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ (میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو لیکن ہاں اس معبود کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھ کو) اللہ کی جانب سے (یہ حکم ہوا ہے کہ میں) ایسے معبود پر (ایمان لانے والوں میں سے رہوں اور) مجھ کو (یہ) حکم ہوا ہے (کہ اپنے آپ کو اس دین) مذکور یعنی توحید خالص (کی طرف اس طرح متوجہ رکھنا کہ اور سب طریقوں سے علیحدہ ہو جاؤ اور) مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ (کبھی مشرک مت بننا اور) یہ حکم ہوا ہے کہ (خدا) کی توحید (کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا کہ جو تجھ کو نہ) عبادت کرنے پر (کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ) عبادت نہ کرنے پر (کوئی ضرر پہنچا سکے۔ پھر اگر) بالفرض (ایسا کیا) یعنی غیر اللہ کی عبادت کی (تو تم اس حالت میں) اللہ (کا حق ضائع کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے اور) مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ (اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو سوائے اس

کے اور کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں ) بلکہ ( وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں کریں اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والے ہیں )۔

**ربط**: حق واضح طور پر دلائل و براہین کے ساتھ پہنچ چکا جس کے قبول کرنے کا کوئی معقول عذر کسی کے پاس نہیں ہے خدا کی آخری حجت بندوں پر پوری ہو گئی ہے اب ہر ایک اپنا نفع نقصان دیکھ لے۔

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِى لِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَآ أَنَا۠ عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ ﴿١٠٨﴾ وَٱتَّبِعْ مَا يُوحَىٰٓ إِلَيْكَ وَٱصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ ٱللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ ٱلْحَٰكِمِينَ ﴿١٠٩﴾

**ترجمہ**: تو کہہ اے لوگو آ گیا ہے تمہارے پاس حق تمہارے رب کی جانب سے تو جو کوئی راہ ہدایت پر آئے تو محض ہدایت پر آئے اپنے فائدہ کے لئے اور جو کوئی گمراہ ہو تو محض گمراہ ہوا اپنے نقصان پر اور نہیں ہوں میں تم پر ذمہ دار اور پیروی کر اس کی جو وحی کیا گیا تیری طرف اور صبر کر یہاں تک کہ فیصلہ کرے اللہ اور سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا ہے۔

**تفسیر**: ( آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو تمہارے پاس ) دین ( حق تمہارے رب کی طرف سے ) دلائل کے ساتھ ( پہنچ چکا ہے سو ) اس کے پہنچ جانے کے بعد ( جو شخص راہ راست پر آئے گا تو وہ اپنے ) نفع کے ( واسطے راہ راست پر آئے گا اور جو شخص ) اب بھی ( بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا ) یعنی اس کا وبال بھی ( اسی پر پڑے گا اور میں تم پر ) ذمہ دار بنا کے ( مسلط نہیں کیا گیا ) کہ تمہاری بے راہی کی باز پرس مجھ سے ہونے لگے۔ اس لئے میرا کوئی نقصان نہیں ہے۔ ( اور ) ان کے ماننے نہ ماننے سے قطع نظر ( آپ اس کا اتباع کرتے رہیں جو کچھ آپ کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے ) جس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ان کو تبلیغ کرتے رہیں ( اور ) ان کے کفر اور ایذاء پر ( صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ) ان کے بارے میں ( فیصلہ کر دیں ) یعنی حسب وعدہ آپ کو غالب کر دیں اور ان کو ہلاک کر دیں۔ مطلب یہ کہ آپ اپنے ذاتی اور منصبی کام میں لگے رہئے ان کی فکر نہ کیجئے ( اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا ) فیصلہ کرنے والا ( ہے )۔

# فہمِ دین کورس

## تعارف

خواتین وحضرات ! آپ کا تعلق کسی بھی شعبہ سے ہو یا آپ ابھی طالب علم ہوں، دین کے صحیح علم وفہم سے آپ بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اس کا حصول آپ کا دینی فریضہ بھی ہے اور آپ کی فطری پیاس بھی۔ مفتی جامعہ مدنیہ لاہور کے ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب (ایم بی بی ایس) نے آپ کی اس دینی اور فطری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے فہم دین کے نام سے اُردو میں ایک مستند علمی معیار کا حامل اور جامع، لیکن مختصر کورس مرتب کیا ہے۔ اس سے آپ کے بہت سے اشکالات حل ہوں گے، بہت سی الجھنیں دور ہوں گی اور اس میں آپ کو بہت سے سوالات کا جواب ملے گا۔ اس کورس کے دو درجے ہیں :

### 1. درجہ عام (O'Level) :

اس زمانہ کے حالات کے اعتبار سے اس درجہ کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت کے لئے ضروری ہے۔ یہ درجہ مندرجہ ذیل تین کتابوں پر مشتمل ہے :

#### (۱) اسلامی عقائد : (کُل صفحات ۲۶۱)

اس کتاب کے تمام مندرجات قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ مزین ہیں۔ چند مندرجات کے عنوان یہ ہیں :

۱۔ وجودِ باری تعالیٰ پر قرآن کا طریق استدلال
۲۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ
۳۔ اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات کا تفصیلی بیان
۴۔ خیر وشر دونوں کے ساتھ ارادہ خداوندی کا تعلق ہے۔
۵۔ عالم وکائنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تعلق
۶۔ صفاتِ متشابہات
۷۔ اللہ تعالیٰ کی تنزیہات
۸۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی حقیقت
۹۔ نبوت ورسالت
۱۰۔ عصمتِ انبیاء علیہم السلام
۱۱۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کارد
۱۲۔ معجزات یا دلائل نبوت
۱۳۔ حضرت محمد ﷺ کے امتیازات اور ختم نبوت
۱۴۔ عقیدۂ حیات النبی ﷺ
۱۵۔ بدعتیوں کا نبی ﷺ کی شان میں غلو اور اس کا جواب
۱۶۔ فرشتوں کا بیان
۱۷۔ کتب الٰہیہ کا بیان
۱۸۔ جنات کا بیان
۱۹۔ علاماتِ قیامت
۲۰۔ قیامت کے احوال اور جنت ودوزخ
۲۱۔ قبر میں عذاب وراحت اور فرشتوں کا سوال ثابت ہے
۲۲۔ تقدیر کا بیان اور پیدا ہونے والے اشکالات کا جواب
۲۳۔ صحابہ کرامؓ سے متعلق عقائد کا بیان
۲۴۔ امامت وخلافت
۲۵۔ ایمان اور اس کے متعلقہ اُمور کا بیان
۲۶۔ شرک اور اس کی اقسام کا بیان

#### (۲) اُصولِ دین : (کُل صفحات ۲۱۶)

قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ بیان کئے گئے اس کے مباحث یہ ہیں :

۱۔ مباحثِ وحی
۲۔ اُصولِ تفسیر
۳۔ اُصولِ حدیث وسنت
۴۔ اجماعِ اُمت
۵۔ قیاس
۶۔ علم فقہ کس کو کہتے ہیں
۷۔ علم اُصولِ فقہ کا تعارف
۸۔ چند قواعد فقہیہ
۹۔ اجتہاد اور تقلید کے اُصول
۱۰۔ اُصولِ سنت وبدعت
۱۱۔ اُصولِ ایمان وکفر

### (۳) مسائل بہشتی زیور : (دوحصوں میں ۔کُل صفحات ۹۵۴)

نئی ترتیب اور بہت سے مفید اضافوں کے ساتھ یہ مسائل کی جامع کتاب ہے۔ جس میں طہارت اور عبادات کے مسائل کے علاوہ ازدواجی مسائل، معاملات، حدود وقصاص اور وصیت ومیراث کے بہت سے ضروری مسائل ہیں۔ جدید دور کے مسائل میں سے چند ایک یہ ہیں :

۱۔ پوسٹ مارٹم ۲۔ انسانی اعضاء کی پیوندکاری ۳۔ سرکاری بینکوں سے زکوٰۃ کی سرکاری کٹوتی
۴۔ روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا معیار ۵۔ ٹیلیفون پر نکاح ۶۔ ضبطِ ولادت
۷۔ تولید کے جدید طریقے ۸۔ انسانی دودھ کا بینک ۹۔ عدالتی خلع
۱۰۔ حلال وحرام کا ضابطہ ۱۱۔ شیئرز (حصص) ۱۲۔ حقوق (Rights) کی اقسام اور اُن کی بیع
۱۳۔ غیر سودی بنکاری ۱۴۔ مختلف کرنسیوں کا تبادلہ ۱۵۔ انعامی بانڈ اور مروجہ بیمہ کی شکلیں

اِن کے علاوہ عام روزمرہ کے یہ مسائل بھی ہیں :

۱۔ نشہ کی چیزوں کا بیان ۲۔ کمائی کی اقسام ۳۔ تصویر ومجسمہ کے احکام ۴۔ کافروں اور فاسقوں کیساتھ مشابہت کرنے کے احکام
۵۔ لباس اور زیورات کے احکام ۶۔ حجاب کے مسائل ۷۔ علاج معالجہ اور عملیات وتعویذ کے احکام
۸۔ بدعات ۹۔ رشوت کے لینے دینے کے مسائل ۱۰۔ جوئے کے مسائل
۱۱۔ سلام، مصافحہ اور معانقہ کے مسائل ۱۲۔ کھیل اور تفریح کے مسائل

**نوٹ۔** یہ تینوں کتابیں بازار میں دستیاب ہیں۔ ایک گھنٹہ روزانہ پڑھائی ہو اور ہفتہ میں ایک دن ناغہ کیا جائے تو کورس کا درجہ عام چھ سات ماہ میں آسانی سے مکمل کیا جاسکتا ہے۔

## 2. درجہ اعلیٰ : (A'Level) :

درجہ عام کے بعد اس درجہ کی کتابیں پڑھ لیں تو اُردو میں دینیات کا کورس مکمل ہوجائے گا۔ اس درجہ میں دو کتابیں ہیں :

### (۱) تفسیر فہم قرآن : (جلد اوّل۔ صفحات ۴۶۲) (جلد دوم۔ صفحات ۴۷۲)

اس کتاب کا بنیادی ماخذ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر ''بیان القرآن'' ہے۔ ترجمہ علیحدہ لکھا گیا ہے جس میں الفاظ کی رعایت کی گئی ہے تاکہ لفظی ترجمہ کے شوقین حضرات اس سے استفادہ کرسکیں۔ تفسیر کو رواں انداز میں لکھا گیا ہے، نمبروار حاشیہ سے اجتناب کیا گیا ہے۔ آیات کے درمیان ربط کو واضح کیا گیا ہے اور پیدا ہونے والے اشکالات کو حل کیا ہے۔

(جلد اوّل : سورۂ فاتحہ سے سورۂ نساء) (جلد دوم : سورۂ مائدہ سے سورۂ یونس) پہلی اور دوسری جلد چھپ چکی ہے۔ بازار میں دستیاب ہے۔ باقی حصے بھی انشاء اللہ کچھ عرصہ میں دستیاب ہوں گے۔

### (۲) فہم حدیث : (جلد اوّل۔ صفحات ۵۵۶) (جلد دوم۔ زیرِ طبع)

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں عقائد، اخلاق، حقوق، ماوراء الطبعی اُمور اور شمائل نبویؐ جیسے مضامین ہیں جبکہ دوسرے حصے کا تعلق فقہی موضوعات سے ہے۔ پہلا حصہ طبع ہوگیا ہے اور انشاء اللہ دوسرا حصہ جلد دستیاب ہوگا۔

**نوٹ۔** (۱) کسی بھی اچھے عالم کی مدد سے آپ یہ کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) یہ تمام کتابیں مجلس نشریاتِ اسلام ناظم آباد نمبر ۱، کراچی نے شائع کی ہیں۔

**مزید معلومات کے لئے :**

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب (ایم بی بی ایس)

مفتی جامعہ مدنیہ۔ کریم پارک، راوی روڈ، لاہور۔ (فون لاہور: 7461854 رات دس بجے کے بعد)

*E-mail Addresses :* islam_fahmedeencourse@hotmail.com
fatwa_abdulwahid1@hotmail.com

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کی مشہور

## تفسیر بیان القرآن

کی تسہیل اور اختصار بنام

# تفسیر فہم قرآن

(حصہ دوم)

سورۃ المائدۃ تا سورۃ یونس

تالیف


ڈاکٹر مفتی عبد الواحد (ایم بی بی ایس)

مفتی جامعہ مدنیہ لاہور



مجلس نشریات قرآن

کے۔۳۰ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد نمبر ا کراچی ۷۴۶۰۰

یہ کتاب

محترم جناب ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب (ایم بی بی ایس)

مفتی جامعہ مدنیہ لاہور کی

اجازت سے شائع کی جارہی ہے


| | |
|---|---|
| نام کتاب ــــــــ | تفسیر فہم القرآن (حصہ دوم) |
| تصنیف ــــــــ | ڈاکٹر مفتی عبدالواحد (ایم بی بی ایس) |
| طباعت ــــــــ | القادر پرنٹنگ پریس، کراچی۔ |
| اشاعت ــــــــ | ۲۰۰۳ء |
| ضخامت ــــــــ | ۴۷۶ صفحات |

ناشر

فضل ربی ندوی

مجلس نشریاتِ اسلام ناظم آباد مینشن۔ا۔کے ۳۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

فون : ۶۶۰۰۸۹۶ ـ ۶۶۰۱۸۱۷

اسٹاکسٹ : مکتبۂ ندوۃ۔ قاسم سینٹر اُردو بازار کراچی

فون : ۲۶۳۸۹۱۷

# مختصر تعارف

مؤلف کتاب؛ حافظ عبدالواحد

سن ولادت ؛ ۱۹۵۰ء

تعلیمی کوائف ؛ ۱۔ ایم بی بی ایس ۱۹۷۴ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے پاس کیا۔
۲۔ درس نظامی۔ جامعہ مدنیہ لاہور وفاق المدارس کے عالمیہ کا امتحان ۱۹۸۳ء میں پاس کیا۔
۳۔ تخصص و افتاء۔ جامعہ مدنیہ لاہور میں حضرت مولانا عبدالحمید صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا قاری عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔

تدریسی معمولات ؛ جامعہ مدنیہ میں ۱۹۸۳ء سے تاحال۔

افتاء ؛ دارالافتاء۔ جامعہ مدنیہ۔ لاہور

تصنیفات ؛ ۱۔ اسلامی عقائد
۲۔ اصول دین
۳۔ مسائل بہشتی زیور مکمل دو حصوں میں نئی ترتیب اور اضافوں کے ساتھ
۴۔ مریض و معالج کے اسلامی احکام
۵۔ سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام
۶۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار و نظریات تنقید کی میزان میں (نایاب)
۷۔ تحفہ اصلاحی؛ جناب امین احسن اصلاحی صاحب کی کتابوں مبادی تدبر قرآن اور مبادی تدبر حدیث پر تبصرہ و تحقیق حق۔ (غیر مطبوعہ)
۸۔ تحفہ غامدی۔ جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے مغالطوں کی نشاندہی اور انکا جواب
۹۔ تحفہ خیر خواہی بجواب مغالطات کیپٹن عثمانی۔
۱۰۔ قرآن و حدیث سے عداوت کیوں؟ منکر حدیث ڈاکٹر قمر امان کے افکار کا محاسبہ در جواب
۱۱۔ "جاگیرداری اور اسلام" مولانا طاسین صاحب کے مضمون پر تبصرہ اور انکے مغالطوں کا جواب
۱۲۔ متفرق مقالہ جات جو ماہنامہ انوار مدنیہ اور سہ ماہی منہاج میں شائع ہوئے۔
۱۳۔ تفسیر "فہم قرآن"۔ (جلد اول) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر "بیان القرآن" کی تسہیل و اختصار۔
۱۴۔ فہم حدیث (جلد اول) تقریباً ہر موضوع پر مشتمل احادیث کا مجموعہ
۱۵۔ شرح احادیث حروف سبعہ اور تاریخ قرأت متواترہ۔
۱۶۔ مروجہ مجالس ذکر و درود شریف کی شرعی حیثیت۔
۱۷۔ دین کا کام کرنے والوں کے لئے چند ضروری باتیں۔

کسب معاش؛ ۱۔ دو سال فوج کے میڈیکل کور میں بطور کیپٹن ملازمت۔
۲۔ ۱۹۷۹ء سے تاحال محکمۂ اوقاف کے ہسپتال میں ملازمت بطور میڈیکل افسر۔

# عرض مؤلف

بسم الله حامدا و مصليا. اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان کی دی ہوئی توفیق سے ہمارے ترتیب دیئے ہوئے فہم دین کورس کے درجہ اعلیٰ (A'Level) کی تفسیر فہم قرآن کی دوسری جلد مکمل ہوئی۔ یہ جلد سورہ مائدہ سے سورہ یونس تک ہے۔ اس طرح سے گیارہ پارے مکمل ہوئے۔ اس مرتبہ ہم نے ربط پر مزید توجہ دی ہے اور بیان القرآن میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جو ربط ظاہر کیا تھا تفسیر عثمانی کی مدد سے ہم نے اس کو بہتر بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

تفاسیر عمدہ سے عمدہ پہلے سے موجود ہیں۔ ہم اپنی کاوش سے نہ ان کی نفی کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی افادیت گھٹانے کے درپے ہیں۔ البتہ تعلیم و تدریس کے اعتبار سے ہم مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر تفسیر فہم قرآن کو تجویز کرتے ہیں:

1- ترجمہ کے لفظی ہونے کی رعایت کی گئی ہے۔

2- تفسیر رواں انداز پر ہے۔

3- دیگر تفصیلات سے بچتے ہوئے خالص تفسیر کو پیش کیا ہے۔

4- آیات کے مابین مؤثر ربط کو اجاگر کیا گیا ہے۔

عوام و خواص کے سب ہی طبقوں سے ہماری درخواست ہے کہ ایک علمی تحریک سمجھتے ہوئے اس تفسیر اور فہم دین کورس کی باقی کتابوں یعنی اسلامی عقائد، اصول دین، مسائل بہشتی زیور اور فہم حدیث کے پڑھنے پڑھانے کو عام کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل سے اسے قبول فرما کر تمام مسلمانوں میں دین کے صحیح فہم کو عام کرنے کا ذریعہ بنا دیں۔

آخر میں ہم کمپوزر جناب شاہد خاں صاحب اور ناشر جناب فضل ربی صاحب ندوی کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور ان کے لئے دعا گو ہیں۔ آخر دعوانا ان الحمد الله رب العالمين.

عبدالواحد

جامعہ مدنیہ۔ لاہور

ربیع الاول 1424ھ